WWW.AHLULHADEETH.NET

علامہ ابنِ جوزیؒ

تلبیسِ ابلیس

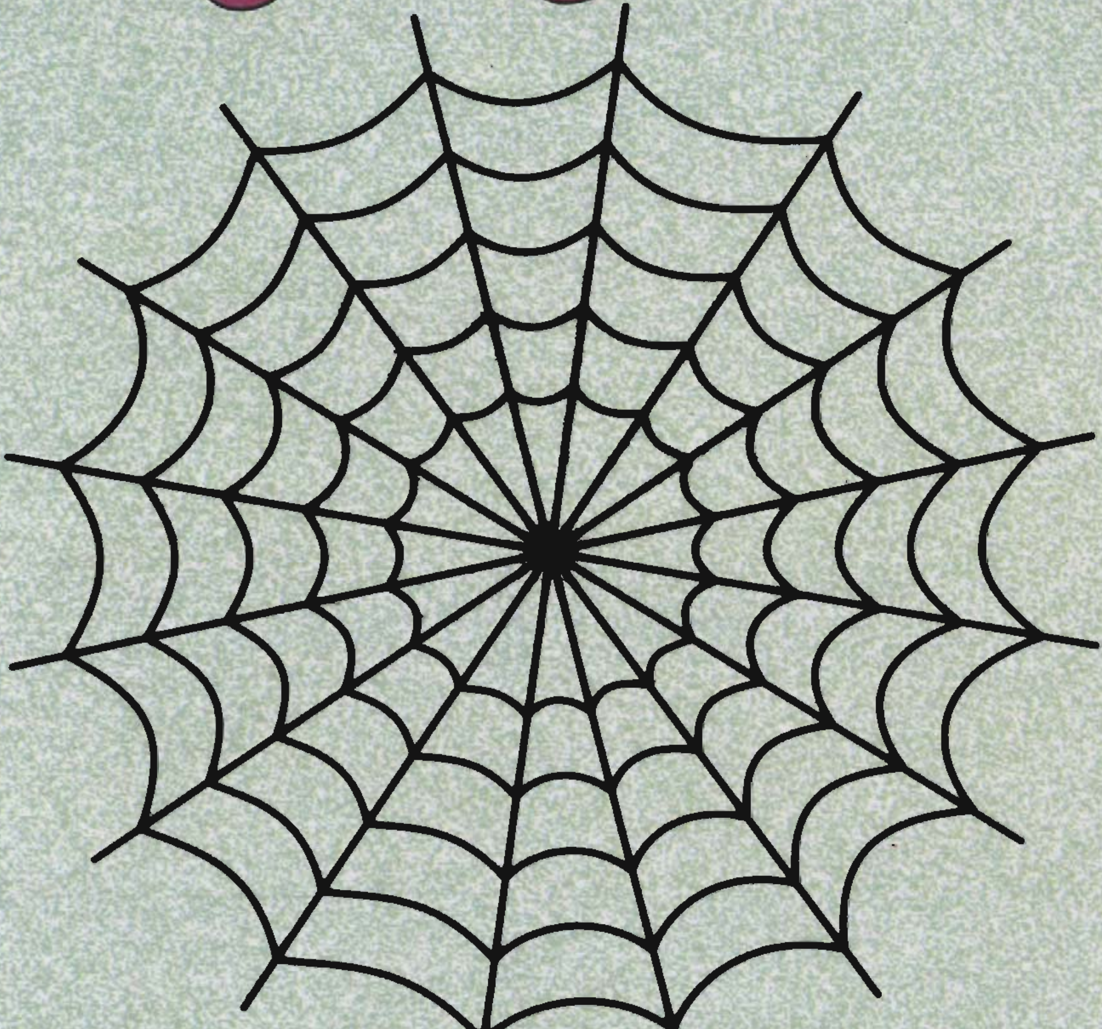

مکتبہ رحمانیہ ○ لاہور

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اور واقعی ابلیس نے ان لوگوں کے بارے میں اپنا
گمان صحیح پایا کہ سب اسی کی راہ پر ہولئے مگر ایمان والوں کا
گروہ اس کے دام میں نہ آیا۔ (القرآن)

علامہ ابنِ جوزیؒ کی
مُمتاز اصلاحی تالیف

تلبیسِ ابلیس (اردو)

تالیف: امام حافظ جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی البغدادی

مترجم
علامہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی

ناشر
مکتبہ رحمانیہ ● اقرأ سنٹر اردو بازار
۱۸ — اردو بازار لاہور

نام کتاب	------------	تلبیس ابلیس
مصنف	------------	امام ابن الجوزیؒ
ناشر	------------	مکتبہ رحمانیہ لاہور
کمپوزنگ	------------	**یونیک گرافکس** فرسٹ فلور' الفضل مارکیٹ' اردو بازار' لاہور
پرنٹر	------------	لٹل سٹار
قیمت	------------	

مختصر حالات امام ابن الجوزیؒ

نام و نسب

آپ کا نام عبد الرحمٰن ہے' لقب جمال الدین' کنیت ابو الفرج اور ابن الجوزی کے نام سے مشہور ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبد الرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن حمادیٰ بن احمد بن محمد بن جعفر الجوزی بن عبد اللہ بن القاسم بن النضر بن القاسم بن محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق' القرشی التیمی البکری البغدادی الحنبلی۔ جوزی کی نسبت میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کے جد جعفر بصرہ کے ایک فرضہ کی طرف منسوب تھے جس کا نام جوزہ تھا۔ فرضۃ النہر' نہر کے دہانے کو کہتے ہیں۔ جہاں سے پانی لیا جاتا ہے۔ اور فرضۃ البحر اس مقام کو کہتے ہیں جہاں کشتیاں بندھتی ہیں۔ یہ اکثر لوگوں کا قول ہے۔ اور منذری کہتے ہیں کہ یہ ایک مقام کی طرف نسبت ہے۔ جس کو فرضۃ الجوز کہتے ہیں۔

اور شیخ عبد الصمد بن ابی الجیش کہتے ہیں کہ یہ بصرہ کے ایک محلّہ کی طرف نسبت ہے جس کا نام محلّۃ الجوز ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ نہیں بلکہ شہر واسط میں ان کے اجداد کے گھر میں جوز یعنی اخروٹ کا ایک درخت تھا' جس کے سوا وہاں اور کوئی اس کا درخت نہیں تھا۔

پیدائش

آپ کے سن پیدائش میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ۵۰۸ھ ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ ۵۰۹ھ ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ ۵۱۰ھ ہے۔ خود ان کی تحریر ملی تھی جس میں لکھا ہوا تھا کہ "مجھ کو اپنی پیدائش کا سن ٹھیک معلوم نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ والد صاحب کا ۵۱۴ھ میں انتقال ہوا تھا' اور والدہ کہتی تھیں کہ اس وقت تمہاری عمر تقریباً تین برس کی تھی۔" اس بناء پر آپ کا سن پیدائش ۵۱۱ھ یا ۵۱۲ھ ہو گا۔ آپ بغداد میں درب حبیب میں پیدا ہوئے تھے۔

ابتدائی حالات اور تحصیل علم

آپ کے والد بچپن میں انتقال کر گئے تو آپ کی والدہ اور پھوپھی نے آپ کی پرورش کی۔ آپ کے ہاں تانبے کی تجارت ہوتی تھی اس وجہ سے آپ کی بعض قدیم سندوں میں ابن الجوزی الصفار لکھا ہوا ہے۔ جب آپ بڑے ہوئے تو آپ کی پھوپھی حافظ ابو الفضل ابن ناصر کے ہاں لے گئیں تو آپ نے ان کی طرف توجہ کی اور ان کو حدیث سنائی۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم ۵۱۶ھ میں ہوئی تھی قرآن مجید حفظ کیا اور ائمہ قراءت کی ایک جماعت سے تحصیل علم کی۔ بڑے ہونے کے بعد شہر واسط میں علی بن الباقلانی سے قرآن مجید روایات کے ساتھ پڑھا۔

مشائخ (اساتذہ)

آپ نے اپنے مشائخ میں ستاسی (۸۷) اشخاص کو ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ان کے سوا بھی کئی اور علماء سے علم حاصل کیا۔ چند بڑے بڑے اساتذہ کے نام یہ ہیں: ابو القاسم بن الحصین' قاضی ابوبکر الانصاری' ابوبکر محمد بن الحسین المزرفی (المزرقی)'

ابو القاسم الحریر، علی بن عبد الواحد بنوری، ابو السعادات احمد بن احمد المتوکلی، ابو غالب بن البناء، اور ان کے بھائی یحییٰ، ابو عبد اللہ الحسین بن محمد البارع، ابو الحسن علی بن احد الموحد، ابو غالب محمد الحسن الماوردی فقیہ ابو الحسن ابن الزاغونی، ابو منصور بن خیرون، ابو القاسم بن السمرقندی، عبد الوہاب الانماطی، عبد الملک الکروجی، خطیب اصبہان ابو القاسم عبد اللہ بن محمد، ابو سعید الزوزی، ابو سعد البغدادی یحییٰ بن الطراح، اسماعیل بن ابی صالح المئوذن، ابو القاسم بن علی بن علی العلوی الھروی الواعظ، ابو منصور القراز، عبد الجبار بن ابراہیم بن عبد الوہاب ابن مندہ، ہبتہ اللہ بن الطبر اور ابو الوقت السنجزی۔

مجالس وعظ

۵۶۰ھ میں آپ کو اجازت دی گئی کہ آپ باب بدر میں سلطان کی موجودگی میں وعظ کے لئے بیٹھیں۔ شیخ کہتے ہیں کہ چاشت کے وقت سے لے کر عصر کے بعد تک لوگ اپنے لئے جگہ کا انتظام کرتے رہے۔ وہاں پر چند چبوترے تھے جو کرایہ پر لئے گئے۔ چنانچہ ایک آدمی کی جگہ دو تین قیراط پر ملتی تھی۔ آپ باب بدر میں عرفہ کے روز وعظ کے لئے تشریف لے گئے تو لوگ چاشت ہی کے وقت سے حاضر ہونے لگے گرمی سخت تھی اور لوگ روزہ سے تھے۔ اس روز کے عجیب امور میں سے یہ ہے کہ ایک شخص نے آپ کے سر پر سایہ تانا جس کو دس آدمی ظہر سے عصر تک پکڑے رہے اور لوگوں نے ان کو پانچ قیراط دیئے۔ بہت سے پنکھے دوگنی قیمت پر خریدے گئے۔ اس روز ایک شخص چلایا کہ اس بھیڑ میں ابھی میرے سو دینار چوری ہو گئے تو سلطان نے اس کو اپنی طرف سے سو دینار دیئے۔

شیخ کہتے ہیں کہ اسی سال میں نے عاشوراء کے روز جامع مسجد منصور میں وعظ کی

ایک مجلس قائم کی اور اتنے لوگ حاضر ہوئے جن کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ تھا۔ اور ایسا ہی واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجھ سے اہل حربیہ نے چاہا کہ میں ان کے لئے رات کو وعظ کی مجلس قائم کروں۔ میں نے ۶ ربیع الاول جمعرات کے روز کا وعدہ کیا۔ بغداد وغیرہ کے لوگوں کی وہاں اس قدر کثرت ہوئی جو نصف شعبان کی کثرت سے کہیں زیادہ تھی۔ میں باب بصرہ سے چل کر مغرب کے بعد حربیہ میں داخل ہوا تو وہاں کے لوگ بہت سی مشعلیں ہمراہ لئے مجھ سے ملے' اور میرے ساتھ ہو لیے۔ جب میں باب بصرہ سے نکلا تو میں نے حربیہ والوں کو دیکھا کہ اتنی مشعلیں لے کر آ رہے ہیں جن کا شمار ممکن نہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ میدان روشنی سے جگمگا رہا ہے' اور محلّہ کے لوگ' عورتیں اور بچے دیکھنے کے لئے نکلے ہیں۔ میدان میں اس قدر بھیڑ تھی جیسے سہ شنبہ کے روز بازار میں بھیڑ ہوتی ہے۔ میں حربیہ میں داخل ہوا اور سڑک آدمیوں سے بھر رہی تھی۔ اگر کہا جائے کہ جو لوگ مجلس وعظ کی غرض سے آئے اور حربیہ اور باب بصرہ کے درمیان میں چلے وہ تین لاکھ تھے' تو یہ بات بعید نہ ہو گی۔

حاصل یہ کہ آپ کی مجالس وعظ کی نظیر نہ تو دیکھی گئی اور نہ سنی گئی۔ ان سے بڑا نفع پہنچتا تھا۔ غافل نصیحت حاصل کرتے تھے' جاہل علم کی باتیں سیکھتے تھے' گنہگار توبہ کرتے تھے' مشرک مسلمان ہوتے تھے۔

آپ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ وعظ کیا تو تقریباً دو سو آدمی اس مجلس میں تائب ہوئے۔ اور ان میں سے ایک سو بیس کی پیروں کے نام کی چوٹیاں کاٹی گئیں آپ نے کتاب "القصاص و المذکرین" کے آخر میں لکھا ہے کہ میں ہمیشہ لوگوں کو وعظ کرتا رہا اور ان کو توبہ اور تقویٰ کی ترغیب دلاتا رہا۔ یہاں تک کہ

میں نے اس کتاب میں ایک لاکھ آدمیوں سے زیادہ کی فہرست جمع کر لی۔ اور دس ہزار بچوں کی پیروں کے نام کی رکھی ہوئی چوٹیاں کاٹی گئیں اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

آپ کے پوتے ابو المظفر کہتے ہیں کہ آپ کے وعظ میں کم سے کم دس ہزار آدمی حاضر ہوتے تھے اور بسا اوقات یہ تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی قبولیت اور ہیبت پڑی ہوئی تھی۔ آپ کو دنیا سے رغبت نہ تھی۔ میں نے آپ کو آخر عمر میں سنا۔ منبر پر فرما رہے تھے کہ "میں نے اپنی ان دونوں انگلیوں سے دو ہزار جزو لکھے ہیں۔ میرے ہاتھ پر ایک لاکھ آدمیوں نے توبہ کی ہے۔ اور بیس ہزار یہود و نصاریٰ مسلمان ہوئے۔"

آپ ہفتہ وار قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ مکان سے صرف جامع مسجد کو جمعہ اور وعظ کے لئے نکلا کرتے تھے کبھی کسی سے مذاق نہیں کیا اور نہ کبھی مشتبہ چیز کھائی۔ اسی طرح تمام عمر گزار دی ابن القطیعی کہتے ہیں کہ لوگوں نے آپ کے کلام سے بہت فائدہ اٹھایا۔ بعض مرتبہ ایک ایک مجلس میں سو سو اور اس سے زیادہ آدمی گناہوں سے توبہ کرتے تھے۔ سال میں دو ایک روز جامع مسجد منصور میں وعظ کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ تو اعلان کے لئے اشتہارات تقسیم ہوتے تھے۔ اور ایک ایک لاکھ آدمی جمع ہوتے تھے۔

الغرض آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ آپ کے انقلاب انگیز مواعظ اور مجالس درس ہیں۔ ان مجالس وعظ نے سارے بغداد کو زیر و زبر کر رکھا تھا۔ خلفاء' سلاطین' وزراء اور اکابر علماء ان میں بڑے اہتمام اور بڑے شوق سے شرکت کرتے تھے۔ تاثیر کا یہ عالم تھا کہ لوگ غش کھا کھا کر گرتے' لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں اور

آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔

علامہ ابن الجوزی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مجالس وعظ میں بدعات اور منکرات کی کھل کر تردید کی۔ عقائد صحیحہ اور سنت کا اظہار کیا۔ اپنی بے مثل خطابت' زبردست علمیت اور عام رجوع کی وجہ سے اہل بدعت کو ان کی ترید کا حوصلہ نہ ہوا۔ سنت کو ان کے مواعظ و درس اور تصنیفات سے بہت فروغ ہوا۔

تصانیف

علامہ ابن الجوزی رحمتہ اللہ علیہ نے زبانی وعظ و تقریر پر اکتفا نہیں کیا۔ آپ نے متعدد کتابیں ایسی لکھیں' جنہوں نے علمی طبقہ پر بڑا اثر ڈالا اور غلط رجحانات کی اصلاح کی۔

حافظ ابن الدبیثی نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے شیخ امام جمال الدین ابن الجوزی رحمتہ اللہ علیہ کی بہت سی تصانیف مختلف فنون میں ہیں۔ جیسے تفسیر' فقہ' حدیث' وعظ و رقائق' تاریخ وغیرہ حدیث اور علوم حدیث کی معرفت' صحیح و ضعیف حدیث کی واقفیت میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا اور اس فن میں آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ جیسے مسانید' ابواب اور اسماء الرجال اور ان احادیث کی معرفت جن سے احکام اور فقہ میں استدلال کیا جاتا ہے۔ اور ان احادیث کی معرفت جو قابل استدلال نہیں ہیں۔ جیسے ضعیف و موضوع حدیثیں اور جیسے انقطاع اور اتصال کا بیان۔ وعظ میں آپ کی تقریر شستہ ہوتی تھی۔ اشارات عمدہ' معانی لطیف اور استعارات نفیس۔ آپ کا کلام پاکیزہ ہوتا تھا۔ انداز کلام شائستہ' زبان شیریں اور بیان اعلیٰ تھا آپ کے علم اور عمر میں برکت دی گئی تھی۔

ابن النجار آپ کی چند تصانیف کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ جس نے آپ کی

تالیفات میں غور کیا اس کو آپ کا حفظ' ضبط اور علمی مرتبہ معلوم ہے آپ باوجود ان فضائل اور وسیع علوم کے وظائف اور عبادات کے بھی پابند تھے۔ آپ کو ذوق صحیح کا حصہ اور شیریں مناجات کا بہرہ بھی تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "الاجوبۃ المصریۃ" میں لکھا ہے کہ آپ مفتی اور بڑے صاحب تصنیف و تالیف تھے۔ بہت سے فنون میں آپ کی تصانیف ہیں۔ میں نے ان کی تالیفات شمار کیں تو ہزار سے زیادہ پایا اور اس کے بعد اور بھی دیکھیں جو پہلے نہیں دیکھی تھیں۔ حدیث و فنون حدیث میں آپ کی ایسی تصنیفات ہیں۔ جن سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا اور اس میں آپ کو کمال مہارت تھی۔ وعظ اور فنون وعظ میں آپ کی ایسی تصنیفات ہیں کہ ان جیسی کوئی تصنیف نہیں ہوئی۔ اور بہتر تصنیف آپ کی وہ ہے جس میں سلف کے حالات جمع کئے ہیں۔ مثلاً وہ مناقب جو آپ نے تصنیف کئے ہیں۔ کیونکہ آپ معتبر تھے لوگوں کی تصنیفات سے آپ کو بہت واقفیت تھی۔ ترتیب اور تفصیل اچھی کرتے تھے جمع کرنے اور لکھنے پر قادر تھے ان فنون میں آپ کو دیگر مصنّفین سے اچھی تمیز تھی۔ کیونکہ بہت سے لوگ ہیں جن کی اس فن میں تصانیف ہیں لیکن ان کو سچ اور جھوٹ میں تمیز نہیں ہے۔

ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ میری پہلی تصنیف اس وقت ہوئی تھی جب میری عمر تقریباً تیرہ برس کی تھی۔

ابن القطیعی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ "ابن الجوزی نے مجھ کو اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک رقعہ دیا اور کہا کہ یہ میری تصنیفات کی فہرست ہے۔" وہ فہرست یہاں درج کی جاتی ہے:

قرآن اور علوم قرآن کے متعلق چند تصنیفات:

(1) المغنی فی تفسیر القرآن (2) زاد المسیر فی علم التفسیر (3) تیسیر البیان فی تفسیر القرآن (4) تذکرۃ الاریب فی تفسیر الغریب (5) غریب الغریب (غریب العزیز) (6) نزہتہ (الاعین) النواظر۔ فی علم الوجوہ و النظائر (اس میں مفردات امام راغب کی طرز پر معانی قرآن کا بیان ہے) الوجوہ النواضر (7) فی الوجوہ و النظائر (8) مختصر کتاب نزہتہ العیون (9) الاشارہ الی القراء ۃ المختارۃ (10) تذکرۃ المنتبہ فی عیون المشتبہ (یہ فن قرات میں ہے) (11) فنون الافنان فی (عیون) علوم القرآن (12) ورد الاغصان فی فنون الافنان (13) عمدہ الراسخ فی معرفتہ المنسوخ و الناسخ (14) المصفی بالف اہل الرسوخ من علم الناسخ و المنسوخ۔

اصول دین میں چند تصنیفات:

(15) منتقد المعتقد (16) منہاج الوصول الی علم الاصول (17) بیان غفلتہ القائل لعدم افعال العباد (18) غوامض الالہیات (19) مسلک العقل 20) منہاج اہل الاصابہ فی محبتہ الصحابہ (21) السر المصون (22) دفع شبہتہ التشبیہ (دفع شبہ المشتبہ) (23) الرد علی المتعصب العنید۔

علم حدیث اور زہدیات میں تصانیف:

(24) جامع المسانید (و القاب) باحضر الاسانید (25) الحدائق لاہل الحقائق فی الموعظتہ (26) نقل العقل (نفس النقل) (27) المجتبی (فی انواع من العلوم) (28) النزہتہ 29) عیون الحکایات (30) ملتقط الحکایات (31) ارشاد المریدین فی حکایات (سلف) الصالحین (32) روضتہ الناقل (33) غرر الاثر

(34) التحقیق فی احادیث التعلیق (الخلاف) (35) المدیح (36) الموضوعات من الاحادیث المرفوعات (37) العلل المتناہیہ فی احادیث الواہیتہ (الواہیات) (38) الکشف لمشکل (حدیث) الصحیحین (39) (مشکل الصحاح) (40) الضعفاء و المتروکین (41) اعلام العالم بعد رسوخہ بحقائق ناسخ الحدیث و منسوخہ (42) اخبار اہل الرسوخ فی الفقہ و التحدیث بمقدار المنسوخ (من الحدیث) (43) السہم المصیب (44) اخائر الذخائر (45) الفوائد عن الشیوخ (46) مناقب اصحاب الحدیث (مناقب جماعتہ) (47) موت الخضر (48) مختصر موت الخضر (49) المشیختہ (50) المسلسلات (51) المحتسب فی النسب (52) تحفتہ الکلیات (53) تنویر مدلہم السدف (54) القاب (55) فضائل (مناقب) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (56) فضائل (مناقب) عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ (57) سیرۃ عمر بن عبد العزیز (یہ علیحدہ بڑی کتاب ہے) (58) فضائل سعید بن المسیبؒ (59) فضائل الحسن بصریؒ (60) مناقب الفضیل بن عیاضؒ (61) مناقب بشر الحافی (62) مناقب ابراہیم بن ادھم (63) مناقب سفیان الثوری (64) مناقب احمد بن حنبل (65) مناقب معروف الکرخی (66) مناقب رابعتہ العدویتہ (67) مسیر العزم (مثیر الغرام) الساکن الی اشرف الاماکن (68) صفوۃ الصفوۃ (جو حلیتہ الاولیاء کا مختصر ہے) (69) منہاج القاصدین (یہ کتاب احیاء علوم الدین کے اسلوب پر ہے) (70) المختار من اخبار الاخیار (71) القاطع لمحال اللجاج القاطع بمحال الالحلاج (72) عجالتہ المنتظر فی شرح حال الخضر (73) النساء وما یتعلقہن باد ابہن (احکام النساء) (74) بیان علتہ الحدیث المنقول فی ان ابابکرؓ ام الرسول

(75) الجواہر (جواہر المواعظ) (76) المقلق۔

علم فقہ میں چند تصنیفات:

(77) الانصاف فی مسائل الخلاف (78) (الانتصار فی مسائل الخلاف) (79) جنته النظر وجنته المنتظر (یہ متوسط تعلیق ہے) (80) معتصر المختصر فی مسائل النظر (یہ اس سے چھوٹی تعلیق ہے) (81) عمدۃ الدلائل فی مشتہر المسائل (الدلائل فی مشہور المسائل) (82) المذہب فی المذہب (83) مسبوک الذہب فی المذہب (84) العبادات الخمس (85) اسباب الہدایته لارباب البدایته (86) کشف الظلمته عن الضیاء فی رد الدعوی (87) درء اللوم والضیم فی صوم یوم الغیم۔

علم تاریخ میں چند تصنیفات:

(88) تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر (ابن قتیبہ کی المعارف کی طرز پر) (89) المنتظم فی تاریخ الملوک والامم (90) شذور العقود فی تاریخ العہود (91) طرائف الظرائف فی تاریخ السوالف (92) مناقب بغداد (93) الذہب المسبوک فی سیر الملوک۔

علم وعظ میں چند تصنیفات:

(94) الیواقیت فی الخطب (المواقیت فی الخطب الواعظیه) (95) المنتخب فی النوب (96) نخب المنتخب (97) منتحل المنتخب (98) نسیم الریاض (فی الموعظته) (99) اللؤلؤۃ (فی المواعظته) (100) کنز المذکرین (فی المواعظ) (101) الارج (فی المواعظته) (102) اللطیف (فی

المواعظ) (103) اللطائف (104) کنز الرموز (105) الینفیس (106) زین القصص (107) موافق المرافق (108) الشاہد و المشہود (109) واسطات العقود من شاہد و مشہود (110) الملہب (111) المدہش (فی المحاضرات) (112) صبا نجد (فی الموعظہ) (113) محاوثتہ العقل (114) لقط الجمان (115) مغانی المعانی (116) فتوح الفتوح (فیوح الفتوح) (117) التعازی الملوکیہ (118) المقعد المقیم (119) ایقاظ ابو سنان (120) الرفدات باحوال الحیوان و النبات (121) نکت المجالس البدریہ (122) نزہتہ الاریب (123) نسیم السحر (124) (روح الارواح) (125) منتہی المنتہی (126) تبصرۃ المبتدی (التبصرۃ) (127) الیاقوتیہ (فی الوعظ (کشف الظنون میں اس کا نام "یاقوتتہ الواعظ و الموعظتہ" درج ہے۔ (128) تحفتہ الواعظ (ونزہتہ الملاحظ)۔

مختلف فنون میں چند تصنیفات:

(129) ذم الہوی (130) صید الخاطر (131) احکام الاشعار باحکام الاشعار (132) القصاص و المذکرین (133) تقویم اللسان (فی سیاق درۃ الغواص) (134) الاذکیاء (135) (اخبار) الحمقی ولمغفلین (136) تلبیس ابلیس (137) لقط المنافع فی الطب (منافع الطب) دو جلد (138) مختار المنافع (یہ لقط المنافع کا مختصر ہے) (139) حسن الخطاب فی الشیب و الشباب (140) اعمار الاعیان (فی التاریخ و التراجم) (141) الثبات عند الممات (142) تنویر الغبش فی فضل السودان و الحبش (تنویر الغبش فی احوال الاعیان من الحبش) (143) الحث علی حفظ (طلب) العلم و ذکر کبار الحفاظ (144) اسراف الموالی (اشراف الموالی) (145) اعلام الاحیاء باغلاط الاحیاء

(للغزالی) (146) تحریم المحل المکروہ (147) المصباح المضی لدعوۃ الامام المستضئی (148) عطف العلماء علی الامراء علی العلماء (149) النصر علی المصر (150) المجد المضدی (151) الفجر النوری (الفخر النوری) (152) مناقب الستر الرفیع (153) ماقلته من الاشعار (154) المقامات (الجوزیته فی المعانی الوعظیته و شرع الکلمات اللغویته (155) من رسائلی (156) عجائب النساء یا اخبار النساء (157) الطب الروحانی (158) (عجائب البدائع) (159) (منتہی المشتہی) (160) (المنثور فی المواعظ) (161) (المزعج) (162) (مولد النبی) (163) تنبیه النائم الغمر علی (حفظ) مواسم العمر)۔

یہ ان کتابوں کی فہرست ہے جنہیں ابن القطیعی ن ے خود ان کے خط سے نقل کیا ہے اور ان کو سنایا ہے ہمارا خیال ہے کہ ابن القطیعی نے اس میں کچھ اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔

آپ کی اس فہرست کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے بعد کی تصانیف ہیں۔ اُن میں بعض کے نام یہ ہیں۔

(164) بیان الخطائو الصواب من احادیث الشہاب (165) البازی الا لشہب المنقض علی مخالفی المذہب الوفاء فی فضائل المصطفی (166) مناقب الامام الشافعی (167) النور فی فضائل الایام و الشہور (168) تقریب الطریق الابعد فی فضل مغفرۃ احمد (169) العزلته (170) الریاضته (171) فنون الالباب (172) مناقب (الصدیق) ابی بکر (173) مناقب علی (174) فضائل العرب (175) درۃ الاکلیل (فی تاریخ) (176) الالمثال (177) المنفعته فی

المذاہب الاربعتہ (178) المختار من الاشعار (179) رئوس القوایر (فی الخطب و المحاضرات والوعظ و التذ کیر) (180) المطرب للمذنب (181) المرتحل فی الوعظ (182) کبیر نسیم الریاض (183) ذخیرہ الوعظ (184) الزجر المخوف (185) الذند الوری فی الوعظ الناصری (186) الفاخر فی ایام الامام الناصر (187) المجد الصلاحی (188) لفتہ الفقہ (189) عقد الخناصر فی ذم الخلیفہ الناصر (یہ بھی آپ کی طرف منسوب ہے) (190) المطرب للمذنب (191) الذندالوری فی الوعظ الناصر (192) الفاخر فی ایام الامام الناصر (193) المجد الصلاحی (194) لفتہ الفقہ (195) عقد الخناصر فی ذم الخلیفہ الناصر (یہ بھی آپ کی طرف منسوب ہے) (196) غریب الحدیث (193) ملع الاحادیث (ملع المواعظ) (197) فصول (الماۃ) الوعظیتہ (حروف کی ترتیب پر ہے) (198) سلوۃ الاحزان (سلوۃ الاخوان بماور دعن ذوی العرفان) (199) الشوق فی الوعظ (200) المجالس الیوسفیہ فی الوعظ (یہ آپ نے اپنے بڑے لڑکے یوسف کے لیے لکھی تھی) (201) الوعظ المقبری (202) قیام اللیل (203) المحادثتہ (204) المناجات (205) جواہر الزواہر فی الوعظ (زاہر الجواہر) (206) النجاۃ بالخواتیم (207) المرتقی لمن اتقی (208) اخبار الظراف والمتماجنین۔

کہا جاتا ہے کہ صحاح الجوہری پر آپ کا (209) حاشیہ ہے۔ اور آپ نے اس پر بعض مقامات میں گرفت کی ہے۔ نیز آپ نے فنون ابن عقیل کو کچھ اور دس (210) جلدوں میں مختصر کیا ہے۔

اسمٰعیل پاشا البغدادی نے اپنی تالیف ہدیہ العارفین میں ابن الجوزی کے تذکرہ

میں ان کی تصانیف میں ان کتابوں کو بھی درج کیا ہے۔

(211) آفتہ اصحاب الحدیث و الرد علی عبد المغیث (212) اخبار الاخیار (213) اخبار البرامکتہ (214) اسباب النزول (215) انس الفرید و بغیتہ المرید (216) بستان الصادقین (217) بستان الواعظین و ریاض السامعین (218) البلغتہ فی الفروع (219) تذکرۃ الخواص (220) تقریر القواعد و تحریر الفوائد (221) الاجمال فی اسماء الرجال (222) الجلیس الصالح والانیس الناصح (223) حسن السلوک فی مواعظ الملوک (224) الدرالثمین من خصائل النبی الامین ؐ (225) الدر الفائق بالمجالس والاحادیث الرقائق (226) درر الاثر (227) الدلائل فی منثور المسائل (228) درياق الذنوب فی الموعظتہ (229) دواء ذوی الفلات (230) الذیل علی طبقات الحنابلتہ (231) روضتہ المجالس و نزہتہ المستانس (232) روضتہ المریدین (233) الزہر الانیق (234) سیرۃ المستغنی (235) شرف المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم (236) کتاب الروالصلتہ (237) کتاب الخطب (238) عقائد المرافق (239) فضائل المدینہ (240) قصیدۃ الاعتقاد (241) کتاب الروالصلتہ (242) کتاب الفروسیتہ (243) کتاب المتعلقین (244) کتاب الملتقط (245) کماۃ الذھر و فریدۃ الدھر (246) کنز الملوک فی کیفیتہ السلوک (247) اللالی فی خطب المواعظ (248) لباب فی قصص الانبیاء (249) نقتہ الکبد الی نصیحتہ الولد (250) لقط فی حکایات الصالحین (251) مایلحن فیہ العامتہ (252) مثیر الغرام لساکنی الشام (253) المقتراع الشامل المقتضب فی الخطب (254) مناقب

المسین (255) منتخب الزیر من رئوس القواریر فی الوعظ والتذ کیر (256) منثور العقود فی تجرید الحدود (257) منظومته فی الحدیث (258) المفش مختصر المدیش منہاجته النظروجنته الفطر (259) المورد و العذب فی المواعظ و الخطب (260) نرجس القلوب و الدال علی طرق المحبوب (261) النطقی المفہوم (262) نظم الجمان (263) نفع الطیب (264) ہادی الارواح الی بلاد الافراح۔

علامہ ذہبی کہتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی عالم نے ایسی تصنیفات کیں۔ جیسی آپ نے کیں۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے محی الدین اور پوتے شمس الدین یوسف بن قزاد غلی واعظ اور حافظ عبدالغنی' ابن الدبیثی' ابن النجار' ابن خلیل' التقی الیلدانی' ابن عبدالدائم اور النجیب عبداللطیف' قابل ذکر ہیں۔

وفات

آپ کے پوتے ابو المظفر شمس الدین یوسف کہتے ہیں کہ "میرے داد' رمضان ۵۹۷ھ کو ہفتہ کے روز سلطان کی والدہ کی قبر کے نیچے جو معروف کرخی کے متصل ہے' وعظ کے لیے بیٹھے۔ میں وہیں موجود تھا۔ آپ نے چند اشعار پڑھے جن پر مجلس ختم ہو گئی۔ پھر آپ منبر سے اترے اور پانچ دن تک بیمار رہے۔ بالآخر ۱۲ رمضان کو جمعرات کے روز مغرب و عشاء کے درمیان اپنے گھر میں وفات پائی۔ والدہ کہتی تھیں کہ میں نے ان کو مرنے سے پہلے سنا کہ بار بار کہہ رہے تھے۔ میں کیا

کتابوں پر عمل کروں گا۔ کتابیں تو میرے لئے ختم ہو گئیں آپ کے غسل کے لیے ہمارے شیخ ناصر الدین بن سکینہ اور ضیاء الدین بن خبیر صبح کے وقت تشریف لائے' اور بغداد کے لوگ جمع ہوئے' دکانیں بند ہو گئیں۔ اور ہم نے جنازے کو رسیوں سے باندھ کر ان کے سپرد کر دیا۔ جنازہ اسی قبر کے نیچے لے جایا گیا جہاں آپ آخری مرتبہ وعظ کے لئے بیٹھے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے ابوالقاسم علی نے پڑھائی کیونکہ مشاہیر ان تک پہنچ نہ سکے۔ پھر جنازے کو جامع مسجد منصور میں لے جایا گیا۔ اور لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ لوگوں کا سخت اژدحام تھا گویا میلے کا دن معلوم ہوتا تھا مقبرہ باب حزب میں امام احمد بن حنبل کی قبر کے پاس جنازہ نماز جمعہ کے وقت تک نہ پہنچ سکا۔ گرمی کا موسم تھا۔ بہت سے لوگوں نے شدت کی تاب نہ لا کر روزے توڑ دیئے اور خندق ظاہریہ میں پانی میں جا گرے' تمام لوگوں کو آپ کی مفارقت کا سخت صدمہ تھا۔ بہت روئے اور آپ کی قبر کے پاس تمام رمضان قرآن خوانی کرتے رہے۔ آپ کے حالات زندگی پندرہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ "طبقات ابن رجب" میں مذکور ہیں۔ جن میں بڑے بڑے علمی معرکوں کا بھی بیان ہے۔

خطبۃ الکتاب ۱
عقائد میں اختلافات کی ابتداء اور خواہشات کی پیروی ۲
انبیاء علیہم السلام کی بعثت میں حکمت ۳
ابلیس کی مکاریوں کا افشا ۴
سبب تالیف کتاب ۵
کتاب کے مضامین و ابواب کا مجمل بیان ۵

باب ۱

سنت اور جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید کا بیان ۷
جماعت کے اختیار کرنے کے بارے میں احادیث ۷
"جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔" ۸
بنی اسرائیل کی بہتر فرقوں میں تفریق ۹
سنت اختیار کرنے کے بارے میں آثار ۱۰

باب ۲

ہر قسم کی بدعت اور بدعتیوں کی مذمت کا بیان ۱۴
خلافت راشدہ ۱۵
مرتدین سے قتال ۱۶
فرقۂ مرجیہ کے باطل عقائد ۱۷
بدعتیوں سے دور رہنے کی تاکید ۱۸
سنت کیا ہے اور بدعت کسے کہتے ہیں؟ ۲۰
بزرگان سلف ہر بدعت سے احتراز کرتے تھے ۲۰
اہل بدعت کی اقسام ۲۴
بہتر بدعتی فرقوں کی چھ اصلوں اور ہر ایک اصل کی بارہ بارہ شاخوں کا بیان ۲۷
فرقہ حروریہ کی بارہ شاخوں کا بیان ۲۷
۱۔ ازرقیہ ۲۷
۲۔ اباضیہ ۲۷
۳۔ ثعلبیہ ۲۷
خوارج اور روافض کے عقائد باطلہ ۲۸
۴۔ حازمیہ ۲۸
۵۔ خلفیہ ۲۹
۶۔ کوزیہ ۲۹
۷۔ کنزیہ ۲۹
۸۔ شمراخیہ ۲۹
۹۔ اخنسیہ ۲۹
۱۰۔ محکمیہ ۲۹
۱۱۔ معتزلہ ۲۹
۱۲۔ میمونیہ ۲۹
فرقہ قدریہ کی بارہ شاخوں کا بیان ۳۰

۱۔ احمریہ ۳۰
۲۔ ثنویہ ۳۰
۳۔ معتزلہ ۳۰
۴۔ شیطانیہ ۳۰
۵۔ کیسانیہ ۳۰
۶۔ شریکیہ ۳۰
۷۔ وہمیہ ۳۰
۸۔ ربویدیہ (راوندیہ) ۳۰
۹۔ بتریہ ۳۰
۱۰۔ ناکثیہ ۳۰
۱۱۔ قاسطیہ ۳۰
۱۲۔ نظامیہ ۳۰
فرقہ جہمیہ کی بارہ شاخوں کا بیان ۳۱
۱۔ معطلہ ۳۱
۲۔ مریسیہ (مریسیہ) ۳۱
۳۔ ملتزقہ ۳۱
۴۔ واردیہ ۳۱
۵۔ زنادقہ ۳۱
۶۔ حرقیہ ۳۲
۷۔ مخلوقیہ ۳۲
۸۔ فانیہ ۳۲
۹۔ عریہ (غیریہ) ۳۲
۱۰۔ واقفیہ ۳۲
۱۱۔ قبریہ ۳۲
۱۲۔ لفظیہ ۳۲
فرقہ مرجیہ کی بارہ شاخیوں کا بیان ۳۲
۱۔ تارکیہ ۳۲
۲۔ سائبیہ ۳۲
۳۔ راجیہ ۳۲
۴۔ شاکیہ ۳۲
۵۔ بیہسیہ ۳۲
۶۔ علمیہ ۳۲
۷۔ مستثنیہ ۳۲
۸۔ مشبہہ ۳۳
۹۔ حشویہ ۳۳
۱۰۔ ظاہریہ ۳۳
۱۱۔ بدعیہ ۳۳
۱۲۔ منقوصیہ ۳۳
فرقۂ رافضہ کی بارہ شاخوں کا بیان ۳۳
۱۔ علویہ ۳۳
۲۔ امریہ ۳۳
۳۔ شیعیہ ۳۳
قدیم شیعیہ کا قول اور بعد والوں کا غلو ۳۳
۴۔ اسحاقیہ ۳۴
۵۔ ناووسیہ ۳۴
۶۔ امامیہ ۳۴
۷۔ زیدیہ ۳۴
۸۔ عباسیہ ۳۴

۹۔ تناسخہ ۳۴
۱۰۔ رجعیہ ۳۴
۱۱۔ لاعنیہ ۳۴
۱۲۔ متربصہ ۳۴
فرقۂ جبریہ کی بارہ شاخوں کا بیان ۳۴
۱۔ مضطریہ ۳۴
۲۔ افعالیہ ۳۴
۳۔ مفروغیہ ۳۵
۴۔ نجاریہ ۳۵
۵۔ مباینہ (متباینہ) ۳۵
۶۔ کسبیہ ۳۵
۷۔ سابقیہ ۳۵
۸۔ حبیہ ۳۷
۹۔ خوفیہ ۳۵
۱۰۔ فکریہ ۳۵
۱۱۔ حسنیہ ۳۵
۱۲۔ معیہ ۳۵

باب ۳

ابلیس کی مکاری' چالوں اور فتنوں سے بچنے کی تاکید کا بیان ۳۶
سب سے پہلے ابلیس خود شبہ میں پڑا اور حجت بازی کرنے لگا ۳۷
ابلیس اور اس کے لشکر کی فتنہ پروریوں کا بیان ۳۹
ابلیس اور حضرت یحییٰؑ کے مابین مکالمہ ۴۰
بنی اسرائیل کے ایک راہب (عابد) کے ساتھ ابلیس کا معاملہ ۴۰
حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ میں ایک راہب کے پاس ابلیس کی آمد ۴۴
کشتی نوحؑ میں ابلیس کی موجودگی ۴۴
حضرت موسیٰؑ کو ابلیس کی نصیحت ۴۵
ابلیس کے مکرو فریب کے متفرق واقعات ۴۶
ابلیس کی پانچ اولادیں اور ان میں سے ہر ایک کے ذمہ کام کی تفصیل ۴۹
ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان لگا پڑا ہے ۵۰
شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح دوڑتا ہے ۵۱
شیطان سے پناہ مانگنے کا بیان ۵۲

باب ۴

تلبیس اور غرور کے معانی کا بیان ۵۵
قلب انسانی کی ایک عجیب مثال ۵۵

باب ۵

عقائد اور دیانات (مذاہب) میں شیطان کی تلبیس کا بیان	۵۷
سوفسطائیہ پر شیطان کی تلبیس	۵۷
عقائد سو فسطائیہ کا بیان اور ان کی تردید	۵۷
دہریہ (ملحدین) پر شیطان کی تلبیس	۶۰
اللہ تعالیٰ کے وجود کی ایک قطعی دلیل اور ملحدوں کے اعتراض کا جواب	۶۱
طبائعیین (طبیعات والوں) پر شیطان کی تلبیس	۶۲
ثنویہ (دو خدا ماننے والوں پر) شیطان کی تلبیس	۶۳
فلاسفہ اور ان کے متبعین پر شیطان کی تلبیس	۶۵
ارسطاطالیس کا قول کہ عالم قدیم ہے	۶۶
سقراط کا "علت' عنصر اور صورت" والا قول	۶۷
اکثر فلاسفہ کا عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کو فقط اپنی ذات کا علم ہے	۶۸
ابن سینا اور معتزلہ کا عقیدہ	۶۸
اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق فلاسفہ کے اقوال کی تردید	۶۸
حشر اجساد اور جنت و دوزخ سے متعلق فلاسفہ کے اقوال کی تردید	۶۹
اہل اسلام میں سے ان لوگوں کی تردید جو فلاسفہ کی پیروی کو صواب جانتی ہیں	۷۰
مسلمانوں میں سے ان لوگوں کی مذمت جو فلاسفہ اور رہبان کی پیروی کرتی ہیں	۷۲
ہیکل پرستوں پر ابلیس کی تلبیس	۷۲
سات ستاروں کی پرستش اور ان پر چڑھاوے	۷۲
بت پرستوں پر تلبیس ابلیس	۷۴
بت پرستوں پر ابلیس کا ابتدائی تلبیس کا ذکر	۷۵
مشرکین عرب کے بت اور ان کی تعداد	۷۵
سب سے پہلا شخص جس نے دین اسمٰعیل کو بگاڑا اور اہل عرب کو بت پرستی کی طرف بلایا	۷۶
ان بتوں کا ذکر جو خانہ کعبہ کے گرد جمع کئے گئے تھے	۸۰
زمانہ جاہلیت میں آگ اور بتوں کی پرستش کا بیان	۸۱
اہل ہند میں بت پرستی	۸۵
آگ سورج اور چاند کو پوجنے والوں	

پر ابلیس کی تلبیس ۸۷
زرداشت کا حال اور اس کا قول ۸۸
قدیم آتش کدے ۸۸
چاند اور ستاروں کے پجاری ۸۹
فرشتوں، گھوڑوں اور گایوں کی پرستش ۸۹
اسلام سے قبل اہل جاہلیت پر ابلیس کی تلبیس ۹۰
زمانہ جاہلیت کے بعض وہ لوگ جو اللہ، اس کی خالقیت، قیامت، ثواب اور عذاب کو مانتے تھے ۹۱
زمانۂ جاہلیت کی بعض بدعات کا ذکر ۹۲
منکرین نبوت پر برہمنوں کے چھ شبہات اور ان کے جوابات ۹۴
ابن الراوندی اور ابو العلاء المعری جیسے ملحدین کی مذمت جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اس کی شریعت کی بربادی کے درپے رہے ۹۹
ہندوؤں کی بعض عجیب عبادتوں کا بیان ۱۰۱
یہود پر تلبیس ابلیس ۱۰۳
نصاریٰ پر تلبیس ابلیس ۱۰۷
یہود و نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ ہمارے بزرگوں کی وجہ سے خدا ہم کو عذاب نہ کرے گا ۱۰۸
صائبین پر تلبیس ابلیس ۱۰۹
صابی کی تحقیق کے متعلق علماء کے اقوال ۱۰۹
مجوس پر تلبیس ابلیس ۱۱۱
مزدک کا فتنہ ۱۱۲
فلکیات والوں اور منجموں پر تلبیس ابلیس ۱۱۵
منکرین حشر و قیامت پر تلبیس ابلیس ۱۱۶
منکرین حشر کے شبہات اور ان کے جوابات ۱۱۷
تناسخ (آواگون) والوں پر تلبیس ابلیس ۱۱۸
امت مسلمہ پر عقائد و دیانات میں تلبیس ابلیس ۱۲۰
اس امت کے عقائد میں شیطان نے دو طریق کے رخنے ڈالے ۱۲۰
پہلا طریق، باپ دادوں کی اندھا دھند تقلید ۱۲۰
تقلید و اجتہاد کے بارے میں مولف کی رائے ۱۲۱
دوسرا طریق، ایسے اُمور میں غور و خوض جس کی تہ نہیں مل سکتی، مثلاً فلسفہ اور علم کلام کے مباحث ۱۲۲
علم الکلام کی مذمت ۱۲۳

معتزلہ کی گمراہی ۱۲۳
متکلمین کی بالآخر علم کلام سے بیزاری اور حق کی طرف رجوع ۱۲۵
فرقۂ مجسمہ کے عقائد کی تردید ۱۲۷
تلبیس ابلیس سے محفوظ طریقہ صرف وہی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ اور تابعینؒ قائم تھے ۱۳۱
خوارج پر تلبیس ابلیس ۱۳۳
سب سے پہلا خارجی ذوالخویصرہ تھا ۱۳۳
خوارج کی حضرت علیؓ کے لشکریوں سے علیحدگی ۱۳۴
خوارج کے اعتراضات اور ابن عباسؓ کا ان سے مناظرہ ۱۳۵
خوارج کے کچھ حالات و اقوال ۱۳۶
خوارج کے مختلف فرقے ۱۳۷
امامت کے بارے میں خوارج کا عقیدہ ۱۴۳
روافض پر تلبیس ابلیس ۱۴۴
رافضی مذہب کی اصل غرض و غایت ۱۴۶
روافض نے حضرت علیؓ کے ساتھ دوستی میں یہاں تک غلو کیا کہ آپ کے فضائل میں اپنی طرف سے بہت سی ایسی روایتیں گھڑ لیں جن میں ان کی نادانی سے حضرت علیؓ کی مذمت نکلتی ہے ۱۴۸
فرقۂ امامیہ کے چند مخصوص دینی مسائل ۱۴۸
حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے فضائل میں حضرت علیؓ کا خطبہ ۱۵۰
فرقۂ باطنیہ پر تلبیس ابلیس ۱۵۳
باطنیہ کے آٹھ نام اور اُن کے عقائد کا بیان ۱۵۳
۱۔ باطنیہ ۱۵۳
۲۔ اسماعیلیہ ۱۵۴
۳۔ سبعیہ ۱۵۴
۴۔ بابکیہ ۱۵۵
۵۔ محمرہ ۱۵۵
۶۔ قرامطہ ۱۵۶
۷۔ خرمیہ ۱۵۸
۸۔ تعلیمیہ ۱۵۸
باطنیہ کا اس گمراہی و ضلالت پھیلانے کا مقصد ۱۵۸
عوام کو پھانسنے کے لئے اس بدکار فرقہ کے حیلے ۱۶۰
ملاحدہ باطنیہ کے بعض مذہبی اعتقادات کا ذکر ۱۶۱
باطنیہ کا شر و فساد اور ان کی سرکوبی ۱۶۴
ابن الروندی کا الحاد ۱۶۷

ابو العلاء المعری کا الحاد ۱۶۷

باب ۶

عالموں پر فنون علم میں تلبیس ابلیس کا بیان ۱۶۹
قاریوں پر شاذ قراء ات حاصل کرنے میں تلبیس ۱۶۹
قراء ت کا اصل مقصد ۱۶۹
قراء ت کو راگنی کے اصول پر لانے کی ممانعت ۱۷۱
محدثین پر تلبیس ابلیس ۱۷۲
محدثین کی پہلی قسم، وہ لوگ جنھوں نے حفاظت شریعت کا قصد کیا ۱۷۲
بعض محدثین نے فقہ سے ناواقفیت کے باوجود فتاوی دیئے کہ کہیں لوگ ان کو فقہ سے نادان نہ سمجھنے لگیں ۱۷۳
محدثین کی دوسری قسم وہ لوگ جنھوں نے اپنا مقصود یہ بنایا کہ عالی اسانید حاصل کریں غرائب روایات جمع کریں، ملک در ملک پھریں محض اس لئے کہ انھی اُمور کو فخریہ بیان کرنے کا موقع ملے ۱۷۵
بعض محدثین اپنے دل کی تشفی کے لئے ایک دوسرے پر قدح و طعن کرتے ہیں ۱۷۶
بعض محدثین موضوع حدیثیں روایت کرتے ہیں لیکن ان کا موضوع ہونا ظاہر نہیں کرتے ۱۷۸
فقہاء پر تلبیس ابلیس ۱۷۹
فقہاء متقدمین اور فقہاء متاخرین میں فرق ۱۷۹
فقہاء جدل کے فن میں فلاسفہ کے قواعد داخل کرتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں ۱۸۰
مناظرہ (مباحثہ) کا مقصد اور اس کے آداب ۱۸۱
بزرگان سلف کی فتوی دینے سے پہلوتہی اور احتیاط ۱۸۳
فقہاء کا امراء و سلاطین سے میل جول ۱۸۴
فقیہ وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہے ۱۸۷
قصہ گو اور واعظوں پر تلبیس ابلیس ۱۸۸
یہ لوگ ترغیب و ترہیب کی غرض سے حدیثیں گھڑتے ہیں ۱۸۸
بعض واعظ شرع سے خارج اُمور بیان کرتے ہیں اور ان پر شاعروں کے عاشقانہ اشعار سند لاتے ہیں ۱۸۸

بعض واعظوں کے دلوں میں جاہ طلبی سرایت کر جاتی ہے ۱۹۰
بعض واعظوں کی مجلس میں مرد اور عورتیں یکجا جمع ہوتی ہیں ۱۹۱
لغت و ادب کے عالم و متعلم پر تلبیس ابلیس ۱۹۲
نعت و ادب برائے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ قریب الحصول ہے اس سے زائد فضول ۱۹۲
ابو اسحٰق زجاج اور وزیر قاسم بن عبد اللہ کا واقعہ ۱۹۴
شعراء پر تلبیس ابلیس ۱۹۶
علماء کاملین پر تلبیس ابلیس ۱۹۸
علم و عمل میں کامل علماء پر تکبر کی راہ سے تلبیس ۱۹۹
علوم میں کامل لوگوں پر نام و نمود کی راہ سے تلبیس ۱۹۹
علماء کاملین پر ایک اور مخفی تلبیس ۲۰۱

باب ۷

والیان ملک اور سلاطین پر تلبیس ابلیس کا بیان ۲۰۳
والیان ملک اور سلاطین پر تلبیس ابلیس کے بارہ طریقوں کا بیان ۲۰۳

باب ۸

عابدوں پر عبادت میں تلبیس ابلیس کا بیان ۲۱۰
عابدوں پر قضائے حاجت اور حدث میں تلبیس ابلیس ۲۱۰
عابدوں پر وضو میں تلبیس ابلیس ۲۱۱
عابدوں پر اذان میں تلبیس ابلیس ۲۱۵
عابدوں پر نماز میں تلبیس ابلیس ۲۱۵
عابدوں پر مخارج حروف میں تلبیس ابلیس ۲۲۰
راتوں کو دیر تک عبادت گزاری میں تلبیس ابلیس ۲۲۲
عبادت پر تہجد کے لئے مساجد مخصوص کر لینے میں تلبیس ابلیس ۲۲۳
عابدوں پر قراءت قرآن میں تلبیس ابلیس ۲۲۴
عابدوں پر روزے رکھنے میں تلبیس ابلیس ۲۲۵
فریضہ حج ادا کرنے میں تلبیس ابلیس ۲۲۸
مجاہدین پر تلبیس ابلیس کا بیان ۲۳۰
نصیحت کرنے والوں پر تلبیس کا ذکر ۲۳۳

باب ۹

زاہدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان ۲۳۷
اس باب میں مولف ؒ کی مفید تمہید ۲۳۷
زہد و عبادت کی خاطر تحصیل علم کو پس پشت ڈالنے میں تلبیس ابلیس ۲۳۸
زاہدوں پر لباس اور طعام میں تلبیس ابلیس ۲۴۰
ریا کاری اور ظاہر داری میں تلبیس ابلیس ۲۴۱
زاہدوں پر گوشہ نشینی میں تلبیس ابلیس ۲۴۴
پھٹے حال رہنے اور بالوں کی اصلاح نہ کرنے میں تلبیس ابلیس ۲۴۷
علمی بے بضاعتی کے باوجود اپنی گھڑی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہونے میں تلبیس ابلیس ۲۴۹
علماء کی حقارت اور ان پر بلا وجہ عیب لگانے میں تلبیس ابلیس ۲۵۰
مباحات کے استعمال میں حاتم بلخی کو مغالطہ ۲۵۱

باب ۱۰

صوفیوں پر تلبیس ابلیس کا بیان ۲۵۵
رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نسبت اسلام و ایمان کی طرف ہوتی تھی چنانچہ مسلم یا مومن کہا جاتا تھا ۲۵۵
صوفیہ کی وجہ تسمیہ اور تحقیق ۲۵۵
صوفیہ کی بعض بدعات و رسومات کا ذکر ۲۵۹
صوفیہ کی بعض تصانیف پر ایک نظر ۲۶۰
صوفیہ کی تصانیف میں بے سند باتیں جمع کی گئی ہیں ۲۶۱
اوائل صوفیہ کا اعتماد کتاب و سنت پر تھا ۲۶۴
بعض شیوخ صوفیہ کی غلطیوں کا بیان ۲۶۵
جماعت صوفیہ کی طرف سے سوء اعتقاد کی روایات ۲۶۶
حلولیوں کے عقائد اور ان کے اقوال کا ذکر ۲۶۷
حلاج کا دعویٰ ربوبیت ۲۶۸
جاہل صوفیہ کی طرف سے حلاج کی طرف داری ۲۷۰
طہارت کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۲۷۳
نماز میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۲۷۳
رہائش میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۲۷۴
مال و دولت سے الگ تھلگ رہنے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۲۷۵
مال سے کیا مراد ہے؟ ۲۷۶

اغنیاء صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر	۲۷۶
حلال طور پر مال جمع کرنے کی فضیلت	۲۷۸
محتاجی ایک مرض ہے اور مال ایک نعمت ہے	۲۸۴
مال سے علیحدگی کے برے نتائج کا ذکر	۲۸۵
مال کے متعلق صوفیہ کی غلط فہمی	۲۸۷
توکل کے صحیح معنی	۲۸۷
مال کے متعلق متقدمین اور متاخرین صوفیہ کے مقاصد میں فرق	۲۸۹
مال کے متعلق اوائل کی احتیاط	۲۹۰
لباس کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس	۲۹۱
لباس کے متعلق مصنفؒ کے زمانہ میں صوفیہ کی عادات	۲۹۲
ان لوگوں کی مذمت جو صوفیہ کے ساتھ تشبیہ چاہتے ہیں	۲۹۴
مرقع وغیرہ کے مکروہ ہونے کی وجوہات	۲۹۴
مرقع کے بارے میں صوفیہ کے طریقہ اور ان کی اسناد کی تردید	۲۹۵
رنگین کپڑے پہننے کا طریقہ اور اس کی تردید	۲۹۵
لباس شہرت کے مکروہ و ممنوع ہونے کا بیان	۲۹۸
صوف کا لباس اختیار کرنے کا وبال	۲۹۹
لباس کے بارے میں سلف صالحین کی عادت	۳۰۲
معیوب لباس اختیار کرنے کی برائی کا بیان	۳۰۳
نفیس لباس پہننا جائز خواہش نفسانی ہے	۵۰۵
صوفیہ کا کپڑا پہنتے وقت اس کا کچھ حصہ پھاڑ ڈالنے کا ذکر	۳۰۶
شبلی اور ابن مجاہد کے مابین مناظرہ	۳۰۶
بلاوجہ مال ضائع و برباد کرنے کی ممانعت	۳۰۹
لباس چھوٹا رکھنے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس	۳۱۰
کھانے پینے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس	۳۱۱
متقدمین صوفیہ کے افعال کا مختصر بیان	۳۱۱
بعض صوفیہ کا گوشت سے پرہیز	۳۱۴
کھانے پینے کے اُمور میں صوفیہ کی غلط روش کی تردید	۳۱۵
خراب اور ردی غذا کھانے کے نقصانات	۳۱۶
صاف پانی کے منافع اور گندے پانی کے نقصانات	۳۲۳

احادیث نبویؐ سے صوفیہ کی غلطیوں کا ثبوت ۳۲۶

مصنفؒ کے زمانہ میں صوفیہ کا دعوتوں میں طرز عمل ۳۲۹

سماع و رقص کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۳۳۱

لفظ غنا (راگ) کی تحقیق ۳۳۲

زمانہ قدیم اور آج کل کے غنا میں فرق ۳۳۵

مباح (جائز) اشعار اور ناجائز اشعار کا بیان ۳۳۶

غنا (راگ) کے حلال یا حرام ہونے کی بحث سے قبل ایک جامع نصیحت ۳۳۷

غنا کے بارے میں امام احمدؒ کا مسلک ۳۳۹

غنا کے بارے میں امام مالکؒ کا مسلک ۳۴۰

غنا کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ۳۴۱

غنا کے بارے میں امام شافعیؒ کا مسلک ۳۴۱

غنا کے مکروہ و ممنوع ہونے کے دلائل کا بیان ۳۴۲

ان شبہات کا بیان جن سے گانا سننے والے دلیل لاتے ہیں ۳۴۹

بعض صوفیہ کے اس قول کی تردید کہ

گانا بعضوں کے حق میں مستحب ہے ۳۶۴

بعض صوفیہ کے اس دعویٰ کی تردید کہ سماع سے قربت الٰہی حاصل ہوتی ہے ۳۶۵

وجد میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۳۶۶

تلاوت قرآن کے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کی کیفیت ۳۶۸

جو شخص وجد کے دفعیہ پر قادر نہ ہو اس کے لئے طریق کار ۳۷۰

راگ سنتے وقت سرور میں صوفیہ کے افعال ۳۷۲

حالت سرور میں رقص کے جائز کر لینے پر صوفیہ کی دلیل ۳۷۳

حالت سرور میں صوفیہ کا کپڑے اتار پھینکنا اور پھاڑنا ۳۷۶

صوفیہ کی بعض بدعتوں کے جواز میں عذر تراشی ۳۷۸

توبہ کرنے والے سے کچھ تاوان لینے کے متعلق سنت ۳۸۲

نوجوانوں کی مصاحبت کے بارے میں اکثر صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۳۸۳

اچھی صورتوں کو تلذذ کی نظر سے دیکھنے کی ممانعت ۳۸۵

نوجوانوں کے ساتھ مصاحبت میں

بعض صوفیہ کے حالات ۳۸۵
جو شخص علم سے بے بہرہ رہے گا یا علم حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرے گا وہ ضرور مصیبت میں پڑے گا ۳۹۸
خوبصورت لڑکوں کی طرف دیکھنے کا وبال ۴۰۲
توکل کا دعویٰ رکھنے اور مال و اسباب فراہم نہ کرنے پر صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۰۳
توکل اور اسباب میں باہم مخالفت نہیں ہے ۴۰۴
توکل کسب (روزی کمانے) کے خلاف بھی نہیں ہے ۴۰۸
انبیاء، صحاب و تابعین خود کسب کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے ۴۰۸
کسب چھوڑ کر کاہل بیٹھنے والوں کے دلائل قبیحہ اور ان کا رد ۴۱۳
ترک علاج کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۱۵
تنہائی اور گوشہ نشینی اور جمعہ و جماعت ترک کرنے میں تلبیس ابلیس ۴۱۶
خشوع اور سر جھکانے اور ناموس قائم رکھنے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۱۸
ترک نکاح میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۲۱
ترک نکاح کی طبی خرابیوں کا بیان ۴۲۵
اولاد نہ چاہنے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۲۷
سفر و سیاحت کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۲۸
رات کو تنہا سفر کرنا ممنوع ہے ۴۲۹
زاد راہ کے بغیر طویل سفر پر نکل جانے میں تلبیس ابلیس ۴۲۹
ان اُمور کا بیان جو صوفیہ سے سفر و سیاحت میں خلاف شریعت صادر ہوئے ۴۳۴
ابو حمزہ صوفی کی کنوئیں میں گر پڑنے کی حکایت ۴۳۴
درندوں سے تعرض کرنا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا خلاف شریعت ہے ۴۳۸
سفر سے واپسی کے وقت صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۵۰
میت کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۵۱
شغل علمی ترک کرنے میں صوفیہ پر

تلبیس ابلیس ۴۵۴
ایک فقیہ اور ایک صوفی کا واقعہ ۴۵۶
شریعت اور حقیقت میں تفریق کرنا نادانی ہے ۴۵۹
حقیقت کو شریعت کے خلاف کہنے والے کے بارے میں امام غزالیؒ کا قول ۴۶۰
علمی کتابیں دفن کر دینے یا دریا میں بہا دینے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۶۱
علمی شغل رکھنے والوں پر اعتراض کرنے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۶۵
علمی مسائل میں کلام کرنے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۶۷
قرآن پاک کی تفسیر میں صوفیہ کے کلام اور ان کی جرات کا مختصر بیان ۴۶۸
علوم اور علوم حدیث وغیرہ میں صوفیہ کا کلام ۴۷۴
شطحات (صوفیانہ نعرے اور ناحق اقوال) اور باطل دعووں پر صوفیہ پر تلبیس ابلیس ۴۷۷
بعض اور افعال منکرہ کا بیان جو صوفیا سے منقول ہیں ۴۸۲
صوفیہ کے فرقہ ملامتیہ کا حال اور ان کے عقائد کا رد ۴۹۱
صوفیہ میں اباحیہ فرقہ کی شمولیت ۴۹۲
فرقہ اباحیہ کے چھ شبہات معہ جوابات ۴۹۳
اہل علم کا صوفیہ سے اظہار بیزاری اور اس کی وجوہات ۵۰۴
صوفیہ کی اصلاح کے لئے اہل علم کے چند اشعار ۵۰۷

باب ۱۱

کرامات قسم کی چیزوں کو دین سمجھنے والوں پر تلبیس ابلیس کا بیان ۵۱۱
حارث کذاب اور اس کے دعوائے نبوت ۵۱۱
کرامات قسم کی چیزوں سے اکثر لوگ بہک گئے ۵۱۳
عقلاء کا ان تمام اُمور سے پرہیز جو بظاہر کرامات معلوم ہوتے تھے ۵۱۴
کرامات سے متعلق بعض بناوٹی قصے ۵۱۴

باب ۱۲

عوام پر تلبیس ابلیس کا بیان ۵۱۷
نفس کے بندوں اور مخالفت علماء کی پرواہ نہ کرنے والوں کی مذمت ۵۱۸

علماء پر بناوٹی درویشوں کو ترجیح دینے
کی مذمت ۵۱۹
شہر والوں کو چھوڑ کر بیرونی زاہدوں کو
اختیار کرنے کی مذمت ۵۱۹
عوام کے اس قول کی مذمت کہ
"جب عالم لوگ شرع پر نہیں چلتے تو
ہم کس گنتی میں ہیں۔" ۵۲۱
نسب پر مغرور ہو جانے کا فتنہ ۵۲۲
محض عقیدہ پر بھروسہ کرنے اور فعل
کی پرواہ نہ کرنے کی مذمت ۵۲۳
عیاروں پر لوگوں کا مال دھوکہ سے
لینے میں تلبیس ابلیس ۵۲۴
نوافل کی پابندی اور فرائض ضائع
کرنے کی مذمت ۵۲۵
وعظ سننے لیکن اس پر عمل نہ کرنے
کی مذمت ۵۲۶
مال داروں پر تلبیس ابلیس کا بیان ۵۲۶
فقراء پر تلبیس ابلیس ۵۳۰
قدیم عادات کے جاری رکھنے میں
عوام پر تلبیس ابلیس ۵۳۱
عورتوں پر تلبیس ابلیس ۵۳۶

باب ۱۳

طول امل کے ساتھ تمام لوگوں پر
تلبیس ابلیس کا بیان ۵۳۹
لفظ "عنقریب" سے ڈرو یہی لفظ
شیطان کا بڑا لشکر ہے ۵۴۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ الکتاب

شیخ امام عالم ربانی جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی معروف بابن الجوزی الحنبلی واعظ بغدادی نے فرمایا:

حمد و ثناء اعلیٰ شایان حضرت باری تعالیٰ ہے جس نے ترازوئے عدل عقلاء کے ہاتھوں میں سپرد فرمائی اور انبیاء برگزیدہ بھیج کر مطیعین کو ثواب کی خوش خبری سنائی۔ اور منکرین کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ اور ان پر سچی کتابیں نازل فرما کر ٹیڑھی جہنمی راہوں سے راہ راست کی تمیز صاف صاف بتائی اور ہر قسم کی عملی شریعت بغیر نقص و عیب کے کمال کو پہنچائی۔ میں ایسے شخص کی طرح اس کی حمد کرتا ہوں جس کو یقین ہے کہ وہی مسبب الاسباب ہے اور اس کی وحدانیت کی گواہی ایسے مخلص کی طرح ادا کرتا ہوں جس کی نیت میں نہ کچھ شک نہ ارتیاب ہے اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ خاتم النبیین احمد مجتبیٰ بکمال عبودیت ازلی مقبول ہیں۔ جن کو رب عزوجل نے ایسے وقت مبعوث فرمایا جب ایمان کے چہرے پر کفر نے اپنا پردہ لٹکایا۔ تو اس سراج المنیر آفتاب رسالت نے نور ہدایت سے تاریکی کو مٹایا۔ اور امر حق کے چہرے سے باطل کا پردہ اٹھایا اور بندوں کے لیے جو پیغام اترا اس کو صاف صاف بیان کیا اور قرآن مجید کی مشکلات کو واضح کر دیا۔ آخر ان کو ایسے صاف ہموار روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس میں نہ اونچا خالی ہے' نہ دھوکا ہے۔ صلی اللہ علیہ وعلی جمیع الال وکل

الاصحاب وعلی التابعین لهم باحسان الی یوم الحشر و الحساب وسلم تسلیما کثیرا۔

امابعد واضح ہو کہ انسان پر عقل بڑی نعمت ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی کے وسیلہ سے رسولوں کی تصدیق نصیب ہوتی ہے۔ لیکن جو تعلق بندے اور رب کے درمیان ہے جب عقل سے اس کا کام پورا نہ ہو سکا تو رسول بھیجے گئے اور کتابیں اتاری گئیں۔ تو عقل کی مثال آنکھ ہے اور شرع کی مثال آفتاب ہے۔ پس آنکھ کھلنے پر جب ہی آفتاب دیکھے گی کہ درست ہو ورنہ نہیں۔ اور جب عقل کے نزدیک انبیاء کے دلائل معجزات سے یہ ثابت ہوا کہ جو کچھ انبیاء فرماتے ہیں۔ یہ اقوال سچ ہیں۔ تو عقل نے ان کا کہنا بسرو چشم قبول کیا اور پوشیدہ امور میں ان کے کہنے پر اعتماد کیا۔

فائدہ : جب انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ ہم کو تمہارے رب عزوجل نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ ہم پر ایمان لاؤ تو تمہارے لیے جنت ہے۔ اور اگر اپنے جی کی پیروی کرو تو تمہارے لیے عذاب جہنم ہے۔ عقل نے دیکھا کہ یہ چیزیں نظر نہیں آتی ہیں۔ تو اس نے دلیل چاہی کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ آپ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ انبیاء نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے دنیا کی وہ چیزیں پیدا کیں جو یہاں کسی ترکیب سے پیدا نہیں ہو سکتی ہیں۔ تو عقل نے جان لیا کہ یہ بے شک اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ تو ان کا سب کہنا سچ ہے۔ واضح ہو کہ مصنف نے رسالہ اذکیاء میں کہا ہے کہ عقل کا لفظ چار معنی میں بولا جاتا ہے۔ **اول** وہ چیز جس سے انسان اور حیوان میں فرق ہے جس سے فکر و تدبیر کر کے باریک صنعتیں نکالتا ہے۔ امام احمد و حارث محاسبی نے جو کہا کہ وہ پیدائشی قوت ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہیں۔ **دوم** جائز اور محال سمجھنے والی قوت طبعی کا علم۔ **سوم** تجربہ سے جو ملکہ حاصل ہو۔ **چہارم** پیدائشی قوت کا کمال، حتیٰ کہ فانی خواہشیں چھوڑے اور آخرت مانگے مترجم کہتا ہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقل جسمانی جو مجموعہ حواس ظاہری وباطنی کا نام ہے۔ اور حیوانات میں یہ حواس نہیں ہیں۔ بلکہ تھوڑے تھوڑے ہیں۔ کیوں کہ انسان ان سے زیادہ قوی ہے۔

تجربہ اور سن بلوغ سے یہ عقل قوی ہو جاتی ہے۔ اور اس عقل سے انسان دنیا کی زندگی کے سامان پیدا کرتا ہے اور جس قدر بدن قوی ہو اسی قدر یہ عقل تیز ہوتی ہے۔ اور بدن کی موت کے ساتھ مر جاتی ہے۔ دوم عقل روحانی۔ وہ روح کے حواس ہیں اور جب قلب پر مہر ہو تو نہیں کھلتے ہیں۔ بلکہ ایمان ہی سے کھلتے ہیں۔ بدلیل قولہ تعالیٰ **ما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ** (سورۃ یونس پ ۱۱ آیت ۱۰۰) یعنی کسی جی کو ایمان حاصل کرنے کی قدرت نہیں۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو اور وہ شرک کی پلیدی بے عقلوں پر ڈالتا ہے۔ **ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم** البقرہ پ ۱ آیت ۱۳۰ یعنی ملت ابراہیمی سے وہی منہ موڑتا ہے جو بے عقل ہے۔ معلوم ہوا کہ کافر بے عقل ہوتے ہیں۔ یعنی یہ عقل نہیں رکھتے۔ اگرچہ قسم اول میں بڑے ہوشیار ہوں۔ اور اسی کے واسطے آیات کثیرہ دلیل ہیں۔ فاللہ تعالیٰ اعلم۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس عالم انسانی پر عقل کا انعام کیا تو پہلے پہل ان کے باپ آدم کی پیغمبری سے شروع کیا۔ پس آدم علیہ السلام ان کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ سب انسان ٹھیک راہ پر جمع تھے۔ یہاں تک کہ قابیل نے اپنی خواہش نفس کی پیروی میں جدا ہو کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا۔ (تب سے اختلاف شروع ہوا) پھر تو لوگ مختلف خواہشوں کی پیروی میں جدا جدا شاخیں ہو کر مختلف گمراہیوں کے بیابانوں میں بھٹکنے لگے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ بت پوجنے لگے اور طرح طرح کے عقیدے و افعال ایسے نکالتے کہ رسول کے ارشاد سے اور عقل کی ہدایت سے مخالف تھے۔ یہ سب اس لیے کہ انہوں نے اپنے جی کا کہنا مانا۔ اور اپنی رسوم و عادات کے پابند ہوئے۔ اور اپنے باپ دادوں کی تقلید کی۔ پس ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچا کر لیا۔ کہ ان فرقوں نے اس کی پیروی کر لی سوائے ایک فریق مومنین کے۔

فصل : واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کافی بیان لائے۔ اور ہر مرض کی شافی دوا بتلائی اور سب پیغمبروں کا اتفاق ایک ہی راہ مستقیم (توحید) پر ہے۔ اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ پھر شیطان ابلیس نے آ کر بیان کافی کے ساتھ اپنا شبہ ملایا۔ اور دوائے شافی کے ساتھ زہر ملایا۔ اور واضح راہ کی دونوں طرف گمراہ کرنے والی پگڈنڈیاں ملائیں۔ اور اسی

طرح وہ برابر ان کی عقلوں سے کھیلتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اسلام سے پہلے زمانۂ جہالت کے لوگوں کو حماقت کے مختلف مذاہب میں اور قبیح بدعتوں میں پراگندہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیت الحرام (کعبہ) میں بت پرستی کرنے لگے۔ اور بحیرہ اور سائبہ و حام و صیلہ کو حرام ٹھہرایا۔ اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا بہتر جانتے۔ اور لڑکیوں اور ان کی مانند کمزوروں کو میراث نہ دیتے اسی طرح کی بہت گمراہیاں ابلیس نے ان کی نظر میں رچائی تھیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ تو آپ نے قبیح عادتیں دور فرمائیں اور نیک مصلحت کی باتوں کی شرع مقرر فرمائی چنانچہ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ اور آپ کے بعد اس شرع نورانی کی روشنی میں دشمن شیطان اور اس کے فریب سے بچے ہوئے راہ چلتے رہے۔ جب ان کے نورانی چہرے جن سے دن کی طرح روشنی تھی فوت ہوئے تو پھر گھٹا ٹوپ تاریکی سامنے آئی اور نفس پرستی دوبارہ بدعتوں کی بنیاد جمانے لگی۔ اور جو کشادہ راہ شریعت چلی آتی تھی۔ اس میں کوتاہی کا جال بنانے لگی۔ چنانچہ بہتیرے لوگ دین حق سے پھوٹ کر جدا جدا فرقے ہو گئے۔ حالانکہ پہلے متفق جماعت تھے۔ ابلیس نے ان کو مکاری میں پھانسا اور بدکاری ان پر رچانا اور ان کو پھوٹ میں ڈالنا شروع کیا۔ جان رکھو کہ ابلیس کا داؤ اس وقت ہی چلتا ہے کہ نادانی و جہالت کی اندھیری رات ہو۔ اور اگر اس پر صبح علم کی روشنی پڑ جائے تو وہ رسوا ہو جائے گا۔

لہٰذا مجھے مناسب معلوم ہوا کہ ابلیس کی مکاریوں سے ڈرا دوں۔ اور اس کے شکاری جال کے موقعے بتا دوں۔ کیوں کہ بدی کی شناخت بتلانا گویا اس میں مبتلا ہونے سے بچانا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ لوگ تو رسول اللہ ﷺ سے نیکیاں دریافت کیا کرتے اور میں آپ سے برائیاں پوچھتا' تا کہ ایسا نہ ہو کہ میں اس میں مبتلا ہو جاؤں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ واللہ میں نہیں جانتا کہ آج روئے زمین پر کوئی دوسرا ہے جس کا مرنا شیطان کو میرے مرنے سے زیادہ پسند ہو۔ عرض کیا گیا کہ یہ کیوں؟ فرمایا کہ شیطان کہیں مشرق یا مغرب میں کوئی بدعت نکالتا ہے جس کو کوئی مسلمان (حکم پوچھنے) میرے پاس لاتا ہے۔ پس وہ مجھ تک یہ بدعت

لے کر پہنچا ہی تھا کہ میں اس کو رسول اللہ ﷺ کی راہ پر لگا دیتا ہوں پس شیطان کی نکالی ہوئی بدعت جوں کی توں اس پر پھینک ماری جاتی ہے۔

فصل

میں نے اس کتاب کا موضوع یہ رکھا کہ یہ ابلیس کے فتنوں سے ہوشیار کرنے والی' اس کی قبیح بے ہودگیوں سے بچانے والی' اس کی چھپی چالوں کو کھولنے والی اور اس کے خفیہ دھوکے ظاہر کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر سچے کی مراد پوری کرنے والا ہے۔ اور میں نے اس کتاب کو تیرہ ابواب پر منقسم کیا۔ ان سب کے مجموعہ سے شیطان کی تلبیس کھل جائے گی۔ اور سمجھ دار کو اس کی تدلیس سمجھنا آسان ہو گا۔ اور جس بندۂ صالح نے اس پر عمل کرنے کا عزم مصمم کیا تو اس سے شیطان ہار کر چیخ اٹھے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھے میرے مقصود کی توفیق دینے والا اور میری مراد میں ٹھیک بات کا الہام فرمانے والا ہے۔

مضامین ابواب کا مجمل بیان

باب اول : سنت و جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید کا بیان'

باب دوم : ابلیس کے فتنہ و مکروں سے ڈرانے کا بیان'

باب سوم : بدعت اور بدعتوں کی مذمت کا بیان'

باب چہارم : ابلیس کے مکر گانٹھنے اور دھوکا دینے کے کیا معنی ہیں'

باب پنجم : عقائد اور دینی اعمال میں ابلیس کے مکر کا بیان'

باب ششم : عالموں کو فنون علم میں دھوکا لگنے کا بیان'

باب ہفتم : سلاطین و والیان ملک پر ابلیس کی تلبیس کا بیان'

باب ہشتم : عابدوں پر فنون عبادات میں اس کی تلبیس کا بیان'

باب نہم : زاہدوں پر ان کے زہد میں ابلیس کی تلبیس کا بیان'

باب دہم : صوفیوں پر شیطانی تلبیس کا بیان'

باب یازدہم : بدعت اختیار کرنے والوں پر ایسی دولت سے تلبیس کرنا جو کرامت

کے مشابہ ہے'
باب دوازدہم : عوام پر اس کی تلبیس کا بیان'
باب سیزدہم : دور دراز امیدوں کے ذریعے سے سب لوگوں پر اس کی تلبیس کا بیان'

باب اول

سنت و جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید کا بیان

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مقام جابیہ میں لوگوں سے فرمایا کہ جس طرح میں تم میں کھڑا ہوں اسی طرح ہم میں کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ نے خطبہ سنایا۔ پس فرمایا کہ تم میں سے جس کو وسط جنت مرغوب ہو اس کو چاہئے کہ طریقہ جماعت کو لازم پکڑا رہے۔ کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہے اور وہ دو سے دور تر ہے۔

فائدہ : یہ حدیث متعدد عبارات سے مذکور ہے۔ شاید مصنف نے اشارہ کیا کہ یہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ سے بعض نے خطبۂ جابیہ میں اور بعض نے بدون ذکر جابیہ کے بھی روایت کیا ہے۔ یہ حدیث طویل ہے۔ طبرانی نے معجم صغیر میں مسند کیا کہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جابیہ میں عمر رضی اللہ عنہ نے ہم کو خطبہ سنایا۔ پس فرمایا کہ جیسے میں تم میں کھڑا ہوں اسی طرح ہم میں رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ تم لوگ بزرگی مانو میرے اصحاب کی۔ پھر جو اصحاب کے بعد ہوں گے۔ پھر جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔ یہاں تک کہ آدمی گواہی دے گا حالانکہ وہ موقع پر حاضر و گواہ نہیں کیا گیا تھا اور قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم نہیں چاہی گئی۔ پس جس کو یہ پسند ہو کہ وہ وسط جنت میں گھر پاوے تو چاہئے کہ جماعت کو لازم پکڑے۔ کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہے اور وہ دو سے دور تر ہے۔ خبردار ہو کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے کیونکہ ان دونوں کا تیسرا شیطان ہو گا۔ خبردار ہو کہ جس شخص کو اس کی برائی ناگوار گزرے اور اس کی نیکی اس کو خوش کر دے تو وہ مومن ہے۔ طحاوی نے اس کو مختصر روایت کیا۔ طبرانی نے دوسرے مقام پر کہا کہ اس حدیث کو عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور ربعی بن حراش ثقہ تابعی وغیرہم نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ امام ترمذی نے بطریق عبد اللہ بن عمرؓ کے حضرت عمر رضی اللہ

عنہ سے پورا خطبہ جابیہ روایت کیا اور اس میں یہ لفظ زیادہ ہے (لوگو تم پر فرض ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو' اور خبردار پھوٹ سے بہت بچو) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بطریق زید بن وہب تابعی کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بدون قصۂ جابیہ کے روایت کیا۔

عرفجہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور جو کوئی جماعت سے مخالف ہو شیطان اسی کے ساتھ ہے

اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ پس جب ان میں سے کوئی پھوٹ کے الگ ہوا تو اسی کو شیاطین اچک لیتے ہیں۔ جیسے بھیڑیا گلہ سے الگ بھٹکی ہوئی بکری کو اچک لے جاتا ہے۔

فائدہ : رواہ احمد معناہ فی الترمذی ابن عمرو ابن عباس قولہ "جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے" یعنی اللہ کی حفاظت و رحمت ہے۔ جیسے بندوں میں یہ محاورہ معروف و مشہور ہے کہ فلاں مفلس کے سر پر ہاتھ رکھو کہ اس کا بیڑا پار ہو جائے۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط سیدھا کھینچا۔ پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ مستقیم ہے۔ پھر اس کے دائیں بائیں خطوط کھینچے پھر فرمایا کہ یہ کج راہیں ہیں۔ ان میں سے کوئی راہ خالی نہیں جس پر ایک شیطان نہ ہو' جو اپنی راہ کی طرف بلاتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعو السبل فتفرق بکم عن سبیلہ (الانعام پ ۸ آیت ۱۵۳)

ترجمہ :۔ بے شک یہی میری سیدھی راہ ہے۔ تم اس کی پیروی کرو۔ اور دیگر راہوں پر نہ چلنا کہ وہ تم کو میری راہ سے جدا کر کے بچلا دیں۔

معاذ بن جبل ؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ شیطان آدمیوں کا بھیڑیا ہے یعنی (جس کو جماعت کی راہ سے جدا پاتا ہے ہلاک کر دیتا ہے) جیسے بکریوں کا بھیڑیا جس بکری کو گلہ سے دور اور بھٹکی پاتا ہے پکڑ لیتا ہے۔ پس تم پھوٹ کر مختلف رستہ پر چلنے سے بچنا۔

اور تم پر واجب ہے کہ جماعت و عامۂ مومنین و مسجد کو لازم پکڑ لو۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک سے دو بہتر ہیں۔ دو سے تین اور تین سے چار بہتر ہیں۔ پس تم پر واجب ہے کہ جماعت کو لازم پکڑ لو کیونکہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو سوائے ہدایت کے جمع کرے۔ یعنی ہدایت پر ہی متفق کرے گا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو فتنہ بنی اسرائیل پر آیا وہی قدم بقدم میری امت پر آنے والا ہے۔ حتیٰ کہ اگر ان میں ایسا شخص ہوا ہے جس نے اعلانیہ اپنی ماں سے بدکاری کی تو اس امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو یہ حرکت کرے بنی اسرائیل پھوٹ کر بہتر (۷۲) طریقوں پر ہو گئے تھے۔ اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں متفرق ہو گی یہ سب فی النار ہیں سوائے ایک فرقہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یہ ناجی فرقہ کونسا ہے؟ فرمایا جس صفت پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ اس حدیث کو ترمذیؒ نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے تفسیر کے ساتھ فقط اسی اسناد سے ملی ہے۔

فائدہ: یعنی بدون تفسیر فقط تہتر (۷۳) فرقوں کی پھوٹ تک متعدد اسناد صحیحہ سے ثابت ہے اور شک نہیں کہ جو فریق اس طریقہ پر ہے جس پر آپ ﷺ مع اصحاب تھے۔ وہ جنتی ہے۔

اور ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے اپنی سنن میں معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی کہ انہوں نے کھڑے ہو کر فرمایا خبردار ہو جاؤ کہ اہل کتاب جو تم سے پہلے تھے۔ وہ بہتر (۷۲) ملتوں میں متفرق ہوئے اور یہ امت عنقریب تہتر (۷۳) فرقوں میں متفرق ہو جائے گی۔ ان میں سے بہتر (۷۲) جہنم میں اور ایک جنت میں۔

فائدہ: واضح ہو کہ فی النار ہونا دو صورتوں کو شامل ہے۔ ایک یہ کہ آدمی ایمان کے لگاؤ سے بالکل خارج نہ ہو۔ اگرچہ دین رسالت سے خارج ہو گیا۔ جیسے معتزلہ اور شیعہ وغیرہ ہیں۔ تو نتیجہ یہ کہ اول فی النار ہوں گے۔ پھر ان کے لیئے وہاں سے نکالے جانے کی امید ہے اور دوم یہ کہ دین توحید ہی سے خارج ہو گیا۔ جیسے بعضے روافض جو حضرت علی رضی اللہ عنہ میں الوہیت کہتے ہیں۔ اور جیسے اباحیہ فقیر اور بعضے مرجیہ جو نفاق اقراری کو

ایمان کہتے ہیں۔ حالانکہ دل میں کچھ بھی نہیں ہے۔ تو یہ کفار ہیں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سنت کے طریقہ پر اوسط چال سے عبادت کرنا بدعت کے طریقہ پر بہت کوشش کی عبادت سے بہتر ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ راہ حق و طریقہ رسالت کو لازم پکڑنا تم پر واجب ہے کیونکہ جس بندہ نے طریقہ حق تعالیٰ و سنت رسول اللہ ﷺ پر قائم ہو کر اللہ تعالیٰ الرحمن الرحیم کو یاد کیا اس کے خوف سے اس بندہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تو یہ نہ ہو گا کہ اس کو آگ چھو جائے۔ اور راہ الٰہی و سنت رسالت پناہی پر اعتدال کی عبادت کرنا بہت بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ برخلاف سبیل و سنت کے کوشش کرے۔

فائدہ : اگر ایک شخص رات دن نمازیں پڑھے اور وہ طریقہ سنت پر نہ ہو تو اس سے وہ شخص بہت بہتر ہے جو ظاہر و باطن میں طریقہ سنت کے موافق فرائض و سنتیں ادا کرتا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جو کوئی طریقہ سنت پر ہو کہ بدعت سے منع کرتا ہو اور طریقہ رسالت کی وصیت کرتا ہو تو ایسے شخص کو دیکھنا عبادت ہے۔

فائدہ : کیونکہ یہ ولی ہے۔ اس کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آوے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد اچھی عبادت ہے۔

ابو العالیہؒ تابعی نے فرمایا کہ تم پر واجب ہے کہ وہ پہلا طریقہ اختیار کرو جس پر اہل ایمان پھوٹ پڑنے سے پہلے متفق تھے۔ عاصمؒ نے کہا کہ میں نے ابو العالیہ کا یہ قول حسن بصریؒ سے بیان کیا تو کہا کہ ہاں واللہ ابو العالیہ نے سچ کہا اور تم کو اچھی نصیحت فرمائی امام اوزاعیؒ نے کہا کہ طریقہ سنت پر اپنے جی کو تھامے رہ اور جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم ٹھیر گئے تو بھی وہاں ٹھیر جا اور جہاں انہوں نے کلام کیا وہاں تو کلام کر' اور جس چیز سے وہ رک رہے تو بھی رک رہ اور اپنے دین کے سلف صالحین (صحابہؓ) کی راہ چل کیونکہ جہاں ان کی سمائی ہو گئی وہاں تیری بھی سمائی ہو گی۔

فائدہ : یعنی تو جنت عالیہ میں ان کے ساتھ پہنچ جائے گا۔

امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا کہ میں نے رب العزت جل جلالہ کو خواب میں دیکھا مجھ سے فرمایا کہ اے عبد الرحمٰن تو ہی میری راہ میں نیک باتوں کا تقید کرتا ہے۔ اور بری باتوں سے منع کرتا ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے رب یہ تیرے ہی فضل سے مجھے نصیب ہوا ہے۔ اور میں نے التجا کی کہ اے رب تو مجھے اسلام پر موت دیجیو۔ فرمایا بلکہ اسلام اور سنت پر۔

فائدہ : یعنی اسلام و سنت پر موت کی آرزو کر۔ کیونکہ میں نے تجھے اپنے پسندیدہ دین اسلام پر اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سنت پر وفات دوں گا۔

سفیان الثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کوئی قول ٹھیک نہیں جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ پھر کوئی قول و عمل ٹھیک نہیں ہوتا جب تک نیت صحیح نہ ہو۔ اور کوئی قول و عمل و نیت ٹھیک نہیں ہوتی جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سنت سے مطابق نہ ہو۔

فائدہ : صحابہ ؓ کے بعد حدیث شریف سے طریقہ رسالت معلوم ہوتا ہے اور یہ متقی ظاہر و باطن کی موافقت سے ہو گا۔ حتیٰ کہ اگر خالی ظاہری اعمال موافق ہو اور باطنی خوف و عظمت الٰہی و شوق آخرت اور دائمی یاد سے غافل ہو تو گویا بے نیت ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ سے بہت کم ہیں۔

یوسف بن اسباط نے کہا کہ مجھ سے سفیان ثوری ؒ نے فرمایا' اے یوسف اگر تجھے خبر ملے کہ فلاں شخص سرحد مشرق میں سنت کے طریقہ پر مستقیم ہے تو اس کو سلام بھیج اور اگر تجھے خبر ملے کہ ایک شخص دیگر سرحد مغرب میں طریقہ سنت پر مستقیم ہے تو اس کو سلام بھیج کہ اہل سنت والجماعت بہت کم رہ گئے ہیں۔ ایوب سختیانی نے کہا کہ میں طریقہ نبوت پر عمل کرنے والوں میں سے جب کسی کے مرنے کی خبر سنتا ہوں تو اس کا جاتا رہنا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میرے بدن کا کوئی حصہ جاتا رہا۔ ایوب ؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ عرب اور عجم دونوں کی نیک بختی کے آثار میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں اہل السنت کا عالم عطا فرما دے۔

فائدہ : یعنی ایسا عالم ان کا پیشوا کرے جو طریقہ رسالت کا عالم ہو سنت پر مستقیم ہو

اس زمانہ میں لوگ عالم کی تعظیم و اقتدا کرتے تھے اب تو ربانی عالم کے دشمن ہو جاتے ہیں اور شیطانی' مکار' جاہل' طالب دنیا کی پیروی کرتے ہیں۔

عبد اللہ بن شوذبؒ نے کہا کہ نوجوان جب طاعت الٰہی پر متوجہ ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کا بھائی چارہ ایسے مرد صالح سے کردے جو طریق سنت پر مستقیم ہو تاکہ وہ صاحب سنت اس نوجوان کو بھی طریق سنت پر ابھار لے جاوے۔ یوسف بن اسباط نے کہا کہ میرا باپ قدری معتزلی تھا۔ اور میرے ننھیال کے لوگ رافضی تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے امام سفیان الثوریؒ کے ذریعہ سے مجھے ان دونوں گمراہ فرقوں سے نکال کر نجات دی۔ معتمر بن سلیمان التیمی نے کہا کہ میں اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میں شکستہ خاطر تھا۔ مجھ سے فرمایا کہ تیرا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا ایک دوست انتقال کر گیا۔ مجھ سے پوچھا کہ کیا وہ طریق سنت پر مرا ہے۔ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ پھر تو کچھ غم نہ کر یعنی وہ اللہ کی رحمت میں گیا۔

امام سفیان الثوریؒ نے (اپنے علماء شاگردوں سے) فرمایا کہ اہل سنت کے حق میں بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو کہ یہ پردیسی بیچارے بہت کم ہیں۔ امام ابو بکر بن عیاشؒ نے فرمایا کہ جس طرح شرک و باطل دینوں کی بہ نسبت اسلام نادر عزیز ہے۔ اسی طرح اسلام میں بدعتی فرقوں کی بہ نسبت فریق سنت نادر عزیز بلکہ بہت نادر عزیز ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ جب میں کسی شخص کو جو حدیث و سنت والا ہو دیکھتا ہوں تو ایسا ہے گویا میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو دیکھ لیا۔ شیخ جنیدؒ فرماتے تھے کہ راہیں سب خلق پر بند ہیں سوائے اس شخص کے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نشان قدم کی پیروی کی پس جس نے سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی اور آپ کا طریقہ لازم پکڑا تو نیکیوں کی سب راہیں اس پر کھلی ہیں۔ شیخ جنیدؒ سے دوسری روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب حاصل کرنے کی راہ سب خلق پر مسدود ہے' سوائے ان مومنوں کے جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے اور آپ کے طریقہ سنت کے تابع ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

(یعنی بے شک تمہارے واسطے نیک طریقہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں ہے)

باب دوم

ہر قسم کی بدعت و بدعتیوں کی مذمت کے بیان میں

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے ہمارے امر (دین) میں ایسی چیز نکالی جو اس دین میں نہیں ہے تو وہ رد ہے۔

فائدہ : یعنی اسی نکالنے والے بدعتی پر الٹی پھینک ماری گئی۔ اللہ تعالیٰ ایسی بدعت سے بغض رکھتا ہے۔ تو بجائے رضائے الٰہی کے وہ مردود کیا گیا یہ حدیث دوسری اسناد سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے ایسا کام کیا کہ جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ صحیحین۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے میرے طریق سنت سے بے رغبتی کی تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (صحیح بخاری)

عبد الرحمٰن بن عمرو السلمی اور حجر بن حجر الکلاعی نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ یہ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں۔ جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا :

ولا علی الذین اذا ما اتوك لتحملهم قلت لا اجد ما احملکم علیه ۔ (توبہ پ ۱۰ آیت ۹۲)

ترجمہ : ان محتاج مومنوں پر بھی جہاد میں ساتھ نہ جانے میں کچھ حرج نہیں کہ جو تیری خدمت میں اس امید پر آئے تھے کہ تو ان کو سواریاں عطا فرمائے' تو نے ان سے کہا کہ میرے پاس ایسی چیز نہیں ہے کہ تمہاری سواری کا انتظام کروں۔ تو وہ اس غم میں آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹے کہ ان کے پاس ایسی مالیت نہیں کہ جس کو راہ الٰہی میں خرچ کرتے۔ "یعنی یہ صحابی اللہ تعالیٰ کی گواہی سے سچے مسلمان تھے"۔ پس ہم نے عرباض رضی اللہ عنہ سے سلام کر کے کہا کہ ہم لوگ آپ کی خدمت میں اس نیت سے

آئے ہیں کہ آپ کے دیدار سے مشرف ہوں اور آپ سے فیوض علمی حاصل کر کے لے جاویں۔ عرباض رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی۔ پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ایسی نصیحت بلیغ کرنے لگے جس کو سن کر آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور دل خوف الٰہی سے لرزنے لگے۔ (پھر صحابہ میں سے) کسی کہنے والے نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ نصیحت گویا الوداعی (رخصتی) نصیحت ہے۔ پس آپ ہماری پرداخت کے واسطے ہم پر کیا عہد رکھتے ہیں۔ یعنی (ہم کو وصیت فرما دیجئے) فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقوی رکھنا اور اپنے امام کا حکم سننا اور فرمانبرداری کرنا اگرچہ تمہارا امام کوئی حبشی غلام ہو۔ کیونکہ میرے بعد جو کوئی تم میں سے جیتا رہے گا۔ وہ بکثرت اختلاف اور پھوٹ دیکھے گا۔ پس تم پر واجب ہے کہ میرا طریقہ اور میرے بعد خلفائے راشدین مہدیین کا طریقہ لازم پکڑنا۔ اس کو ہاتھوں سے مضبوط پکڑنا بلکہ اس کو دانتوں سے سخت پکڑے رہنا۔ اور خبردار خبردار تم نئی نکالی ہوئی باتوں سے بہت بچنا۔ کیونکہ ہر نئی نکالی ہوئی چیز بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے (اور ہر گمراہی جہنم میں ہے) امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

فائدہ : خلفائے راشدین بالاتفاق حضرت ابوبکرو عمرو عثمان و علی رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری خلافت میرے بعد تیس برس تک ہے۔ پھر سلطنت کی خلافت ہو گی۔ اس مدت میں چھ مہینے باقی رہے تھے۔ کہ حضرت سیدنا امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چھ مہینے خلافت کرکے خلافت نبوت پوری کی۔ ٹھیک ۴۰ھ کے بعد شروع سال میں خلافت چھوڑ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق دستبردار ہوئے۔ پس ان خلفائے راشدین کی سنت بھی طریقہ نبوت میں شامل ہے۔ کیونکہ یہ نبوت کی خلافت تھی۔ یعنی نبی ﷺ کا دین سب جہان کو پہنچانے کے لیے اور اسلام کا طریقہ طاعت و بغاوت پورا ظاہر کرنے کے لیے یہ کبار اصحاب آپ کی جگہ خلیفہ تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب لوگ خلیفۂ رسول اللہ کہا کرتے تھے جان رکھو کہ اہل

معرفت کے نزدیک مومن کا ہر کام دین ہے۔ لیکن عوام کے سمجھانے کے لیے علماء نے کہا کہ دین میں جو کوئی نئی بات نکالے وہ بدعت نکالنے والا بدعتی ہے اس پر قیامت تک اس بدعت پر عمل کرنے والوں کا عذاب بھی لکھا جاوے گا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں حوض کوثر پر تمہارا امیر منزل ہوں گا۔ اور ضرور کچھ قومیں آویں گی۔ وہ مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی روک لی جائیں گی تو میں کہوں گا کہ اے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تو مجھ سے کہا جائے گا کہ تجھے معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے تیرے بعد کیا نیا طریقہ نکالا تھا یہ حدیث صحیحین میں ہے۔

فائدہ : اس حدیث کے اکثر طرق میں یہ مضمون ہے کہ جب وہ لوگ دور ہی سے گرفتار کر لیے جاویں گے تو آپ ﷺ فرماویں گے کہ اے رب یہ لوگ تو کچھ دیر میری صحبت میں رہے تھے۔ ارشاد ہو گا کہ تجھے یہ معلوم نہیں کہ تیرے بعد انہوں نے کیا برا طریقہ اختیار کیا۔ یہ لوگ برابر الٹے پاؤں مرتد ہوتے گئے۔ علمائے امت سب متفق ہیں کہ یہ وہی قومیں ہیں جو آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئیں۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اصحاب و مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا۔ جمیع اصحاب نے ان قوموں کی کثرت دیکھ کر یہ رائے دی کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ ہم لوگ کیونکر ان سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نہ مانا اور کہا کہ اگر کوئی میرا ساتھ نہ دے تو بھی میں تنہا لڑوں گا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ اسلام میں پھر آویں یا میں مارا جاؤں۔ تاکہ جناب باری تعالیٰ میں عذر ہو کہ میں نے تیری راہ میں جہاد سے دریغ نہیں کیا۔ آخر صحابہ ؓ آپ کا حکم ماننے پر مجبور ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لشکروں کو ایسی فتح و نصرت دی کہ تھوڑے ہی دنوں میں سب مسلمان ہوئے اور بہت سے مرتد مارے گئے۔ اس وقت صحابہ ؓ نے آپ کی خلافت کو اسلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم جانا اور بہت شکر گزار ہوئے۔

عبد اللہ بن محیریز ؒ نے کہا کہ دین ایک ایک سنت کر کے جاتا رہے گا۔ جیسے رسی ایک ایک بل ٹوٹ کر جاتی رہتی ہے۔ جو (بدعت نکلی اس کی شامت سے ایک سنت اٹھالی جاتی ہے)۔

معمرؒ کہتے ہیں کہ طاؤسؒ (تابعی) بیٹھے تھے اور ان کے پاس ان کا بیٹا بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک شخص فرقہ معتزلہ میں سے آیا اور ایک شرعی بات میں بد اعتقادی کی گفتگو کرنے لگا۔ طاؤس نے اپنے دونوں کانوں میں اپنی انگلیاں دے لیں۔ اور بیٹے سے کہا کہ اے فرزند تو بھی اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں دے لے۔ تاکہ تو اس کی گفتگو کچھ نہ سنے۔ اس لیے کہ یہ دل ضعیف ہے پھر کہا کہ اے فرزند خوب زور سے کان بند کر لے۔ پھر برابر یہی کہتے رہے کہ اے فرزند خوب زور سے کان بند کیے رہنا۔ یہاں تک کہ وہ معتزلی گمراہ اٹھ کر چلا گیا۔ عیسیٰ بن محل الضبی نے کہا کہ ایک شخص ہمارے ساتھ ابراہیمؒ کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ پھر ابراہیمؒ کو خبر ملی کہ وہ شخص مرجیہ کے گروہ میں شامل ہوا ہے۔ تو ابراہیمؒ نے اس سے فرمایا کہ اب جو تو ہمارے پاس سے جاتا ہے تو پھر ہمارے یہاں نہ آنا۔

فائدہ : مرجیہ گمراہ بدعتی فرقہ تھا جس نے اپنی رائے سے دین نکالا تھا کہ قرآن شریف میں جہنم کے عذاب کی آیتیں فقط دھمکانے کی لیے ہیں اور جس نےخالی زبان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تو وہ جنتی ہے' چاہے دل میں اعتقاد نہ ہو اور چاہے نماز وغیرہ نہ پڑھے اور اس کے گناہ کچھ نہیں لکھے جاویں گے۔ بلکہ نیکیاں لکھی جاویں گی۔ اور اسی قسم کے باطل اعتقادات نکالے ہیں۔

محمد بن داؤد الحداد کہتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہؒ سے ذکر کیا کہ یہ شخص جس کا نام ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے' تقدیر کے معاملہ میں کلام کرتا ہے تو ابن عیینہؒ نے مجھ سے فرمایا کہ لوگوں کو اس کے حال سے ہوشیار کر دو اور اپنے رب عزوجل سے عافیت مانگو۔

فائدہ : تاکہ اس شخص کے دھوکے و فتنہ سے محفوظ رہو۔ واضح ہو کہ شافعیؒ نے ابراہیم بن یحییٰ کی تعریف کی ہے۔ شائد اس نے قدریہ مذہب جو خوارج و معتزلہ کا اعتقاد ہے کہ بندہ اپنے افعال پیدا کرتا ہے اور جیسا کرے ویسا ہو جاتا ہے یہ قبیح عقیدہ نہیں نکالا تھا۔ بلکہ تقدیر کے معاملہ میں مباحثہ کیا تھا۔ لیکن بالاتفاق محققین محدثین کے نزدیک اس کی روایت ضعیف ہے۔

صالح نے کہا کہ میں ابن سیرینؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور تقدیر کے

دروازوں میں سے ایک دروازہ گفتگو کرنے کے لیے کھولا تو ابن سیرینؒ نے اس سے فرمایا کہ تو اٹھ جا یا میں ہی جاؤں۔ ابن ابی مطیع سے روایت ہے کہ ایک بدعتی نے کہا کہ آپ سے ایک کلمہ کہوں فرمایا کہ نہیں بلکہ آدھا بھی مت کہو۔ ایوب سختیانیؒ (تابعی) نے فرمایا کہ بدعتی جس قدر جدوجہد زیادہ کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور ہوتا جاتا ہے۔

فائدہ : یہ نہایت عمدہ نکتۂ معرفت ہے اس لیے کہ جب تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت سے ہے جس کا ایک قطرہ بھی تمام مخلوقات آسمان و زمین کو نہیں ملا ہے تو جس قدر زیادہ غور کرے گا اسی قدر زیادہ شیطان کی گمراہی میں پڑے گا۔ اسی طرح جو مشرک مانند بت پرست یا نصرانی وغیرہ کے جس قدر زیادہ کلمۂ شرک کا ورد کرے گا اسی قدر گناہ کی زیادہ کثرت اور اللہ تعالیٰ سے دوری ہو گی۔

سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ ابلیس کو گناہ کی نسبت بدعت زیادہ پسند ہے اس لیے کہ گناہ سے توبہ کی جاتی ہے (یعنی گناہ گار خود اس کو گناہ جانتا ہے تو اس سے توبہ کرنے پر آمادہ رہتا ہے) اور بدعت ایسی گمراہی ہے کہ اس سے توبہ نہیں کی جاتی (کیونکہ بدعتی مانند معتزلی و نیچری ورافضی کے اپنے آپ کو حق پر جانتا ہے)۔ موئل بن اسمٰعیلؒ نے کہا کہ عبد العزیز بن ابی رواد نے انتقال کیا میں ان کے جنازہ میں شریک تھا۔ ان کا جنازہ باب الصفا پر لا کر رکھا گیا۔ وہاں لوگوں نے نماز کے لیے صفیں جمائیں۔ اتنے میں سفیان ثوریؒ نمودار ہوئے۔ لوگوں نے کہا وہ سفیان ثوریؒ آئے ہیں۔ میں نے سفیان ثوری کو آتے دیکھا لیکن وہ آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے جنازہ سے آگے بڑھے چلے گئے یعنی نماز نہیں پڑھی اور لوگ دیکھتے رہ گئے اس لیے کہ یہ شخص مرجیہ سمجھا جاتا تھا۔

فائدہ : عبد العزیز بن ابی رواد سے مرجیہ کا عقیدہ ثبوت نہیں ہوا شائد ان میں مرجیہ کے دوسرے معنی یہ ہوں کہ اعمال کو ایمان کا رکن نہیں کہتے تھے' واللہ اعلم۔ اور مصنف کا مطلب یہ ہے کہ سفیان الثوریؒ نے لوگوں کو دکھلا کر نماز نہ پڑھی۔ تاکہ لوگ بدعت کی تہمت سے بھی دور رہیں۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جس شخص نے بدعتی سے علم سنا تو اس سے اللہ تعالیٰ اس کو نفع نہ دے گا اور جس نے بدعتی سے مصافحہ کیا تو اس نے اسلام کی دھجی توڑی

(صدمہ پہنچایا) سعید الکریزیؒ نے بیان کیا کہ سلیمان التیمیؒ بیمار ہوئے تو حالت مرض میں بہت کثرت سے رونا شروع کیا۔ آخر آپ سے عرض کیا گیا کہ یا حضرت آپ کیوں روتے ہیں کیا موت سے اس قدر گھبراہٹ ہے؟ فرمایا کہ نہیں بلکہ یہ بات ہے کہ ایک روز میرا گزر ایک بدعتی کی طرف ہوا تھا جو تقدیر سے منکر اور مخلوق کو قادر کہتا تھا۔ میں نے اس بدعتی کو سلام کر لیا تھا تو اب مجھے سخت خوف ہے کہ میرا پروردگار کہیں مجھ سے اس کا حساب نہ کرے۔ فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جو کوئی کسی بدعتی کے پاس بیٹھا ہو تم اس سے بچے رہنا۔ فضیل بن عیاضؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جس کسی نے کسی بدعتی سے محبت کی تو اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال مٹا دیتا ہے۔ اور اسلام کا نور اس کے دل سے نکال دیتا ہے۔ (اس مقام سے خیال کرو کہ خود بدعتی کا کیا حال ہو گا۔) فضیلؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب تو بدعتی کو رستہ میں دیکھے تو اپنے واسطے دوسرا رستہ اختیار کر لے۔ اور بدعتی کا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کی جناب میں بلند نہیں کیا جاتا ہے۔ اور جس کسی نے بدعتی کی اعانت کی تو خوب یاد رکھو کہ اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد کی۔ اور میں نے سنا کہ کسی نے فضیلؒ سے کہا کہ جس نے اپنی دختر کسی فاسق (بدعتی) سے بیاہی تو اس نے قرابت پدری کا ناتا اس سے قطع کر دیا؟ اس پر فضیلؒ نے اسے جواب دیا کہ جس شخص نے اپنی لڑکی کو بدعتی سے بیاہ دیا تو اس نے قرابت پدری کا ناتا اس سے قطع کر دیا۔ اور جو کوئی بدعتی کے پاس بیٹھا تو اس کو حکمت (دینی معرفت) نہیں دی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس بندہ کو جانتا ہے کہ وہ بدعتی سے بغض رکھتا ہے تو میں امیدوار ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے۔

مصنفؒ نے فرمایا کہ اس میں سے تھوڑا کلام حدیث میں روایت کیا گیا ہے۔ چنانچہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے بدعتی کی توقیر کی تو اس نے اسلام کی بنیاد ڈھانے میں مدد دی۔ محمد بن النصر الجاریؒ نے فرمایا کہ جس شخص نے بدعتی کی بات سننے کو کان لگائے تو اس سے حفاظت الٰہی نکال لی جاتی ہے اور وہ اپنے نفس کے بھروسے پر چھوڑا جاتا ہے۔ لیث بن سعدؒ فرماتے تھے کہ اگر میں بدعتی کو دیکھوں کہ پانی پر چلتا ہے تو بھی اس کو قبول نہ کروں۔ امام شافعیؒ نے

جب امام لیث کا یہ کلام حکمت سنا تو فرمایا کہ امام لیثؒ نے پھر کم کہا اور میں تو اگر بدعتی کو دیکھوں کہ ہوا پر اڑتا پھرتا ہے تو بھی اس کو قبول نہ کروں۔ بشر الحافیؒ فرماتے تھے کہ میں نے مریسی (بدعتی پیشوا) کے مرنے کی خبر بیچ بازار میں سنی۔ اگر وہ مقام شہرت نہ ہوتا تو یہ موقع تھا کہ میں شکر کر کے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا کہ الحمد للہ الذی اماتہ یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے اس مفسد بدعتی کو موت دی۔ اور تم لوگ بھی ایسا ہی کہا کرو۔

مصنف نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا گیا کہ محمد بن سہل البخاری نے کہا کہ ہم لوگ امام غزالیؒ کے پاس تھے۔ انہوں نے بدعتیوں کی مذمت شروع کی۔ تو ایک نے عرض کیا کہ اگر آپ یہ ذکر چھوڑ کر ہم کو حدیث سناتے تو ہم کو زیادہ پسند تھا۔ امام غزالیؒ یہ سن کر بہت غصہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ بدعتیوں کی تردید میں میرا کلام کرنا مجھے ساٹھ برس کی عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

فصل : مصنف نے کہا کہ اگر یہاں کوئی ہم سے پوچھے کہ آپ نے طریق سنت کی تعریف فرمائی۔ اور بدعت کی مذمت بیان کی تو ہم کو بتلایئے کہ سنت کیا ہے اور بدعت کیا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدعتی اپنے آپ کو اہل سنت میں سے جانتا ہے۔

جواب : اس کا یہ ہے کہ سنت کے معنی راہ کے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ جو لوگ اہل حدیث و آثار ہیں کہ بذریعہ ثقات اولیاء کی روایات کے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب و خلفائے راشدینؓ کے نشان قدم کی پیروی کرتے ہیں یہی لوگ اہل السنہ ہیں۔ کیونکہ یہی اس راہ و طریقہ پر ہیں جس سے کوئی نئی نکالی ہوئی بات شامل نہیں ہونے پائی اس لیے کہ بدعتیں اور نئے طریقے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے طریقہ کے بعد نکلے ہیں۔ اور بدعت اس فعل بد کو کہتے ہیں جو نیا نکل آیا اور پہلے نہیں تھا اور اکثر بدعات کا یہ حال ہے کہ وہ شریعت کی مخالفت سے شریعت کو درہم برہم کرتی ہیں۔ یا جب بدعت پر عملدر آمد عام ہو تو شریعت میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اور اگر کوئی ایسی بدعت نکالی جاوے جو شریعت سے مخالف نہیں ہے اور نہ اس پر عملدر آمد سے نقص یا زیادتی لازم آتی ہے تو ایسی بدعت سے بھی عموماً بزرگان سلف کراہت کرتے اور عموماً ہر قسم کے بدعتی سے نفرت کیا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ جائز ہو تاکہ اصل جو کہ اتباع

سلف ہے محفوظ رہے تم دیکھو کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے اپنی خلافت میں اور حضرت عمرؓ نے زید بن ثابتؓ سے فرمایا کہ قرآن شریف جمع کرو تو زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ دونوں صاحب کیونکر ایسا کام کرنے پر آمادہ ہوئے جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہے۔ عبد اللہ بن ابی سلمہؒ نے کہا کہ سعد بن مالکؓ (ابن ابی وقاص) نے ایک حاجی سے سنا کہ وہ تلبیہ میں یہ لفظ کہتا ہے لبیک ذا المعارج تو فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ لفظ نہیں کہتے تھے (یعنی اس کو منع نہ کیا لیکن بتلا دیا کہ یہ بدعت ہے) ابو البختریؒ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے ذکر کیا کہ یہاں مسجد میں مغرب کے بعد کچھ لوگ (حلقہ کر کے) بیٹھتے ہیں۔ ان میں ایک شخص کہتا جاتا ہے کہ اتنی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی تکبیر کہو۔ اور اتنی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھو۔ اور اتنی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ (یہ لوگ اس کے کہنے کے موافق کرتے جاتے ہیں) عبد اللہ بن مسعودؓ نے یہ سن کر کہا کہ جب تو ان کو ایسا کرتے دیکھے تو میرے پاس آکر مجھے خبر کر دینا کہ اب وہ لوگ بیٹھے ہیں (اس نے وقت پر خبر دی) تو عبد اللہ بن مسعودؓ ان کی مجلس میں جا کر نزدیک بیٹھ گئے۔ جب ان کا ذکر کرنا بطور مذکورہ بالا سن لیا تو کھڑے ہو گئے۔ اور ابن مسعودؓ سخت آدمی تھے۔ پھر فرمایا کہ میں ہوں عبد اللہ بن مسعودؓ قسم ہے اس پاک معبود کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے کہ تم لوگوں نے بے جا ظلم سے ایک بدعت نکالی ہے اور تم اصحاب محمد ﷺ سے بھی (اپنے نزدیک) علم میں بڑھ چلے ہو۔ پھر عمرو بن عتبہ نے کہا استغفر اللہ' تم پر واجب ہے کہ طریق رسول اللہ ﷺ و اصحاب کو پہچان کر اسی کو لازم پکڑو اور اگر تم ادھر ادھر پڑے پھرے تو بڑی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

فائدہ : مترجم کہتا ہے کہ اس حدیث کو امام دارمی نے اس سے زیادہ طویل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ابن مسعودؓ نے ایسے کلمات کہے کہ ہنوز رسول اللہ ﷺ کے کھانے پینے کے برتن سلامت موجود ہیں کہ تم نے یہ بدعت نکالی اور فرمایا کہ اگر تم لوگ اتنی دیر تک ہر ایک اپنے لیے استغفار کرتا تو اس سے بہت بہتر ہوتا۔ راوی نے بیان کیا کہ واللہ ہم نے اس کے بعد دیکھا اس جماعت والوں میں سے اکثر خارجیوں

کے ساتھ ہو گئے تھے۔

ابن عوف سے روایت ہے کہ ہم لوگ ابراہیم نخعیؒ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا کہ اے ابو عمران آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفا عطا کرے۔ تو میں نے دیکھا کہ ابراہیم نخعیؒ کو اس کلمہ سے سخت کراہت پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ ہم نے ان کے چہرے سے اس کے آثار دیکھے اور ابراہیم نخعیؒ نے طریقہ سنت کا ذکر فرما کر اسی کی رغبت دلائی۔ اور لوگوں نے جو بدعت نکالی ہے اس کو ذکر کر کے اس سے کراہت ظاہر کی، اور اس کی مذمت فرمائی۔ ذوالنون مصریؒ کے پاس محدثین علماء میں سے لوگ آئے اور ذوالنونؒ سے نفسانی خطرے اور شیطانی وسواس کو دریافت کیا (یعنی اس کی کیا حقیقت ہے) تو شیخ ذالنونؒ نے فرمایا کہ میں اس معاملہ میں کچھ گفتگو نہیں کرتا ہوں۔ کیونکہ ایسی گفتگو نئی نکالی ہوئی (بدعت) ہے۔ تم مجھ سے کچھ نماز سے یا حدیث سے متعلق پوچھو۔ ذوالنونؒ نے اپنے بیٹے کو سرخ موزہ پہنے دیکھ کر فرمایا اے فرزند یہ شہرت کی چیز ہے۔ اس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں پہنا بلکہ آپ نے سادے سیاہ موزے پہنے ہیں۔

فصل : مصنف نے کہا کہ ہم نے یہ بات بیان کر دی کہ پیشوایان سلف و خلف ہر بدعت سے احتراز کرتے تھے۔ اگرچہ وہ ایسی بدعت نکالی گئی ہو کہ اس میں بظاہر کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ شریعت میں ایسی بات ہی پیدا نہ ہونے پائے جس کا وجود پہلے نہ تھا۔ تاہم ایسی چند باتیں جاری ہو گئیں جن سے شریعت کو صدمہ نہیں پہنچا۔ اور نہ ان پر عملدر آمد عام سے کچھ تغیر ہے۔ تو ان پر عمل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں دیکھتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ماہ رمضان کی راتوں میں کچھ لوگ تنہا ایک ایک اپنی اپنی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور کہیں ایک نمازی کے پیچھے کچھ لوگ اقتداء کر کے اس کی امامت سے نماز پڑھتے تھے پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سب کو ایک امام ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کر دیا۔ پھر ایک رات نکلے تو ان (مقتدیوں) کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ حسن بصریؒ نے اسی طرح مجلس وعظ کی نسبت فرمایا کہ یہ بدعت ہے لیکن اچھی بدعت ہے کہ اس مجلس میں بہت سے دینی دوست مل جاتے ہیں۔ اور اکثر دعائیں مقبول حاصل ہو جاتی ہیں۔ مصنف نے کہا کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو ابی بن کعب ؓ کے پیچھے جماعت میں اس لیے جمع کر دیا کہ شرع میں جماعت سے نماز ثابت ہے اور حسن بصری ؒ نے واعظ کو اس لیے بدعت حسنہ فرمایا کہ وعظ خود مشروع ہے اور کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ جو نئی بات کسی شرعی اصل پر مبنی ہو وہ مذموم نہیں ہوتی ہے اور اگر کوئی بدعت ایسے طریقے سے نکالی جاوے کہ گویا وہ کسی امر خیر کو پورا کرنے والی سمجھی جاوے تو شریعت کے ناقص ہونے کا اعتقاد ہوا۔ (یہ بدتر اعتقاد ہے) پھر اگر وہ کسی شرعی اصل سے مخالف ہو تو نہایت بدتر ہو گئی۔

: اصل اس میں حدیث صحیح ہے کہ جو ایسی بات نکالے جو ہمارے اس دین میں نہ ہو تو بدعت مردود ہے اور خود اسی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسجد میں بعض لوگ تو ایک شخص کی امامت سے تراویح پڑھتے تھے اور کچھ لوگ تنہا فردا" پڑھتے تھے تو حضرت عمر ؓ نے فقط یہ کیا کہ جو فرد فرد تھے ان کو بھی ایک ہی امام کے پیچھے جمع کر دیا۔ لیکن تنہا پڑھنے سے منع نہیں فرمایا۔ چنانچہ اسی حدیث میں ہے کہ عشرۂ اخیرہ میں حضرت اُبی بن کعب ؓ نے خود آنا چھوڑ دیا تھا۔ نیز اس زمانہ میں صحابہ ؓ کے واسطے جماعت سے ادا کرنے کے لیے شرعی اصل موجود تھی کہ خود آنحضرت ﷺ نے چند روز ان کو جماعت سے پڑھائی تھی۔ بلکہ جب حضرت ابو بکر ؓ و عمر ؓ و عثمان ؓ و علی ؓ خلافت نبوت پر تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے طریقہ کو بھی سنت قرار دیا ہے تو ہمارے لیے۔ یہی اصل کافی ہے ہم کو اس میں بحث کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی بلکہ جو بات ان کے طریقہ کے علاوہ ہو وہ بحث میں آوے گی۔ اور حضرت عمر ؓ نے اس کو بدعت فقط اس وجہ سے فرمایا کہ زمانہ رسول اللہ ﷺ میں عموما" شب رمضان میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ فافہم۔

مصنف ؒ نے کہا کہ ہمارے بیان مذکورہ بالا سے واضح ہو گیا ہے کہ اہل سنت وہی لوگ ہیں جو آثار رسول اللہ ﷺ و خلفائے راشدین ؓ کی اتباع کرتے ہیں۔ (جو طبقۂ صحابہ ؓ و تابعین ؒ ومابعد میں متواتر ظاہر چلے آئے ہیں) اور اہل بدعت وہ لوگ ہیں جو جماعت کا متواتر طریقہ چھوڑ کر ایسی چیز ظاہر کرتے رہتے ہیں جو پہلے زمانہ میں نہ تھی۔ اور نہ وہ کسی اصل شرعی پر مبنی ہے اسی وجہ سے بدعتی لوگوں کو دیکھو گے کہ اپنی بدعت کو چھپاتے

رہتے ہیں۔ برخلاف ان کے اہل السنہ اپنے مذہب کو نہیں چھپاتے اور ان کا کلمہ ظاہراور ان کا مذہب متواتر مشہور چلا آتا ہے۔ اور عاقبت ان ہی کے لیے ہے' والحمد للہ رب العالمین۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ میری امت میں سے ایک قوم لوگوں پر ظاہر(غالب) رہے گی۔ یہاں تک کہ جب امر الٰہی آوے گا جب بھی یہ قوم ظاہر ہو گی۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ ثوبان ؒ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمیشہ میری امت میں سے ایک گروہ حق پر ظاہر ہو گا۔ ان کو کچھ مضر نہ ہو گا اگر کوئی ان کی مدد نہ کرے (وہ برابر بہ نصرت الٰہی غالب رہیں گے) یہاں تک کہ امرالٰہی آ جاوے (رواہ مسلم فقط)۔ واضح ہو کہ اس معنی کو آنحضرت ﷺ سے جابر بن عبد اللہ و معاویہ و قرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی ؒ نے امام بخاری ؒ سے نقل کیا کہ حضرت علی بن المدینی ؒ فرماتے تھے کہ حدیث شریف میں جس قوم کا ذکر ہے یہ اہل حدیث (احادیث پر عمل کرنے والے) ہیں۔

فائدہ : علی بن المدینی ؒ کے زمانہ میں مامون بن الرشید کی وجہ سے معتزلہ فرقہ نے بہت زور باندھا اور صدہا عالم اس فتنہ میں مقتول ہوا۔ لیکن آخر کو اہل حدیث ہی غالب ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بعد اس امتحان کے انہیں کو احترام و عزت عطا کی۔ اور واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ نے طریقہ نبوت پر آخرت کو چاہنے والے امتی پانچ سو برس تک اپنی امت میں سے فرمائے ہیں جیسا کہ صحیح الاسناد حدیث سنن ابی داؤد میں مصرح ہے۔ اور یہی واقع ہوا پھر آپ کے معجزہ بیانی کے مطابق دشمنوں کے دلوں سے اس امت کی ہیبت جاتی رہی اور تداعی الامم کا واقعہ پیش آیا۔ اہل روم ارض و ابق میں اترے۔ اور خراسان کی طرف ترکوں کے ہاتھوں بلابل پیش آئے۔ ولیکن اہل السنۃ جو اس وقت شام و مصر میں اور کچھ ہندوستان میں منحصر تھے اس وقت بھی غالب رہے۔ چنانچہ کتب تواریخ میں صاف ان معجزات کے مطابق ظہور ہوا ہے۔

فصل : اہل بدعت کے اقسام کا بیان۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی تو اکہتر(۷۱) فرقوں میں متفرق ہوئے تھے یا بہتر(۷۲) فرقوں میں اور اسی قدر فرقوں میں نصاری متفرق ہوئے۔ اور میری امت تہتر(۷۳) فرقوں میں

متفرق ہو گی۔ امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ ہم نے اس حدیث کو سابق میں ذکر کیا ہے۔ اس روایت میں اس قدر زائد ہے کہ یہ سب فرقے فی النار ہیں سوائے ایک فریق کے۔ تو اصحاب رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس نجات پانے والے فریق کی کیا نشانی ہو گی؟ فرمایا کہ وہ فریق اسی بات پر ہو گا جس پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل باہمی اختلاف سے پھوٹ کر اکہتر(۷۱) فرقے ہو گئے جن میں سے ستر(۷۰) فرقے ہلاکت (جہنم) میں پڑے۔ اور ایک فرقہ عذاب سے چھوٹا۔ اور تھوڑے دنوں بعد میری امت کے بہتر (۷۲) فرقے ہو جائیں گے۔ جن میں سے اکہتر(۷۱) ہلاکت میں پڑیں گے اور فقط ایک فرقہ نجات پاوے گا۔ اصحابؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ فریق کیا ہو گا؟ فرمایا کہ وہ جماعت ہو گا۔

فائدہ : یعنی اسی طریقہ نبوت پر جمع رہیں گے جس پر آج اصحابؓ مجتمع ہیں۔ اور واضح ہو کہ محققین علماء نے بیان کیا کہ ایمان توحید آدمی کی نجات کا اصل اصول ہے چنانچہ حضرت امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ جب بعد وفات رسول اللہ ﷺ کے سخت غمناک اور متحیر ہو گئے حتیٰ کہ خلیفہ رسول اللہ ﷺ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اٹھا لیا اور ہم یہ پوچھنے نہ پائے کہ اس امر کی نجات کیونکر ہے' تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں پوچھ چکا ہوں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپؓ پر فدا ہوں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے کمال سے سرفراز کیا ہے' آپ ہم کو آگاہ کیجئے۔ تو حضرت صدیقؓ نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے اس کو پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نجات کا مدار اس کلمہ پر ہے جو میں نے اپنے چچا ابو طالب پر پیش کیا تھا اور ابو طالب نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل نجات اعتقاد توحید ہے۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔ اور جب یہ اعتقاد دل میں سچا ہو گا۔ یعنی نفس کا دھوکہ نہ ہو گا تو پہچان یہ ہے کہ آدمی اپنے جی کی بندگی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے گا۔ اور

نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج وغیرہ پر عامل ہوگا۔ بعض محققین نے کہا یہ اعمال بمقابلۂ ایمان توحید کے ایسے ہیں جیسے ذرہ برابر دنیا میں سے ایک آدمی کا گھر بمقابلہ عرش اعظم کے حقیر ہے تو معلوم ہوا کہ جو کوئی اس اعتقاد توحید پر ہو جو آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمایا تھا۔ اور اپنے آپ کو دین حق کے لیے وقف کرے' اسلام سچا لاوے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے واسطے گردن جھکا دے جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے بتلایا اس پر یقین لاوے اور جس طریق پر آپ چلتے تھے اسی طریق سنت کو راہ حق جانے تو یہ نجات کی راہ ہے۔ اور اگر اس اعتقاد میں خارجی یا رافضی یا معتزلی کی طرح مخالفت کی،تو نجات کی راہ سے بھٹک گیا۔ اور شرک کی بدبو اس میں آنے لگی۔ تو جہنم میں آگ سے ظاہر و باطن جلے گا۔ بشرطیکہ اس ضلالت میں یہاں تک نہ پہنچا ہو کہ دین حق سے خارج ہی ہو گیا ہو تو پھر کافروں و مشرکوں کے ساتھ ہمیشہ جہنم کی بستی میں رہے گا اور دیکھو اگر کلمہ توحید و طریق سنت پر سچا اعتقاد ہو لیکن وہ بدکاری کی شامت میں پھنسا۔ اور ظاہر میں اتنے حصہ میں نفس کی پیروی کی اور یہاں تک ہوا کہ آخرت میں حرارت آفتاب سے سر کا بھیجا ابلنے اور ہولناک تکلیفوں سے بھی کفارہ نہ ہوا بلکہ جہنم میں ڈالا گیا تو اس کا عذاب گمراہ فرقہ کی طرح نہ ہوگا۔ جیسے امیرالمومنین علیؓ سے روایت ہے کہ اہل توحید میں سے جو جہنم میں گیا تو اوپر کے طبقہ میں رہے گا۔ اور وہاں پہنچتے ہی مردے کی مثل ہو جائے گا اور اس کے دل کو آگ نہ جلاوے گی۔ یہ پوری روایت جامع صغیر وغیرہ میں ہے۔ اس بیان سے حدیث شریف کے معنی حل ہو گئے کہ گمراہ فرقے فی النار ہوں گے اور جس فرقۂ سنت و جماعت کو نجات ہے وہی نجات کے واسطے ہے' وللہ تعالی الحمد والمنتہ۔

مصنفؒ نے کہا اگر پوچھا جائے کہ بھلا اس امت کے یہ گمراہ فرقے جن کی خبر حدیث میں دی گئی ہے تمہاری پہچان میں بھی آ گئے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو ہم نے قطعی پہچان لی کہ پھوٹ پڑ گئی (یعنی صحابہؓ جس اتفاق و جماعت پر تھے اس جماعت سے پہلے پہل خارجیوں کے ٹکڑے پھوٹ کے علیحدہ ہو گئے۔ پھر معتزلہ و روافض وغیرہ کی ٹکڑیوں نے جماعت کو چھوڑ کر اپنی ٹکڑی علیحدہ کر لی تو یہ معجزہ تو ہم نے صاف دیکھ لیا۔

کہ جماعت سے پھوٹ ہوئی) اور ہم کو ان پھوٹے ہوئے فرقوں کی اصلیں بھی پہچانی پڑتی ہیں۔ بلکہ یہ بھی پہچان لیا گیا کہ خود ہر فرقہ جو جماعت اعظم سے پھوٹ کر جدا ہوا تھا خود اس کے ٹکڑے در ٹکڑے ہو گئے اگر چہ ہم کو ان سب فرقوں کے نام اور گمراہی کے مذہب الگ الگ تفصیل کے ساتھ معلوم نہ ہوں۔ اور دیکھو کہ بدعتی فرقوں کی اصلوں میں سے مفصلۂ ذیل فرقے ہم کو ظاہر میں معلوم ہو گئے ہیں۔ **حروریہ و قدریہ وجھمیہ و مرجیہ ورافضہ وجبریہ** (یہ چھ ظاہر ہیں) اور بعضے اہل علم نے کہا کہ بدعت وضلالت کی جڑ یہی چھ فرقے ہیں۔ اور ہر فرقے کی بارہ شاخیں ہیں۔ تو کل بہتر(۷۲) شاخیں ہوئیں جو جماعت سے پھوٹ کر فرقہ فرقہ ہو گئے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عجب قدرت و تمام رحمت اس دین اسلام پر یہ ہے کہ ان گمراہ فرقوں کی باوجودیکہ اس کثرت سے شاخیں ہو گئیں اور فریق جماعت فقط ایک فریق ہے لیکن ہر زمانہ اور ہر صدی میں ابتداء سے اس وقت تک فریق جاعت بکثرت زائد رہتا چلا آیا حتیٰ کہ جب فریق جماعت دس کروڑ مانا جاوے تو اس وقت میں یہ بہتر (۷۲) گمراہ فرقے ایک کروڑ بھی ہرگز نہ ہوئے بلکہ آدھا کروڑ بھی نہ تھے۔ بلکہ شاید دس لاکھ ہوں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا دین حق ہمیشہ بندگان حق اہل توحید سے متواتر چلا جاوے۔ کیونکہ جب تک فریق جماعت اس قدر زائد ہو تب تک قطعی متواتر نہیں رہ سکتا تھا بلکہ دو تین صدی کے بعد ان بدعتیوں کے بہت سے فرقے تو کالعدم ہو گئے۔

مصنفؒ نے فرمایا کہ فرقہ حروریہ کی بارہ (۱۲) شاخیں ہیں (ہر ایک خارجی فرقہ کا عجب مختلف گمراہ اعتقاد ہے) چنانچہ شاخ اول ازرقیہ ہے (اس کا بانی ابو راشد نافع بن ازرق خارجی تھا) یہ فرقہ زعم رکھتا تھا کہ اس کو تو کوئی آدمی مومن دکھائی نہیں دیتا۔ سوائے اس شخص کے جو اس فرقہ کے قول پر ہو۔ انہوں نے اہل قبلہ کو کافر قرار دیا۔ اس زمانہ میں ایک جماعت صحابہؓ و بکثرت اکابر تابعین کی موجودگی کے باوجود اس ظالم گمراہ فرقہ کا قول دیکھو) شاخ دوم اباضیہ ہے (اس کا بانی عبداللہ ابن اباض تھا) جس کا قول یہ تھا کہ جو کوئی ہمارے کہنے پر ہو تو وہ مومن ہے۔ اور جو ہم سے منہ پھیرے وہ منافق ہے (نہ مومن ہے نہ کافر ہے) شاخ سوم ثعلبیہ ہے۔ (اس کا بانی ثعلبہ بن مشکان تھا) جس گمراہ فرقہ کا اعتقاد

یہ تھا کہ خدا نے نہ کچھ جاری کیا اور نہ کچھ تقدیر میں مقدر کیا۔
فائدہ : خارجی فرقہ حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کو جن میں مہاجرین و انصار و اہل بدر و بیعتہ الرضوان وغیرہ بکثرت شامل تھے' سب کو کافر کہتا تھا۔ تو اس فرقہ سے کہا گیا کہ ابھی آنحضرت رسول اللہ ﷺ کو وفات پائے چالیس برس نہیں گزرے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرح سے حضرت عثمان و حضرت علی اور یہ اصحاب رضی اللہ عنہم آپ کے اکابر مقرب صحابہ میں سے ہیں' یہ سب زمانہ متواتر جانتا ہے کیا تم انکار کر سکتے ہو۔ خارجیوں نے کہا کہ بے شک یہ تو سب ہی جانتے ہیں اور جو بات آفتاب کی طرح روشن ہے ہم اس سے کیونکر انکار کریں گے۔ تو کہا گیا کہ پھر جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مومنین صادقین اور مومنون حقا" اور مفلحون فرمایا ہے تو یہ اصحاب کبار سب سے پہلے اس صفت م‍ں داخل ہو گئے۔ خارجی فرقہ نے کہا کہ ہاں اس وقت بے شک داخل ہو گئے تھے۔ پھر اس کے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تو بے شک اسی طریقہ پر رہے لیکن عثمان رض و علی رض نے ہماری رائے میں وہ طریقہ بدلا تو اس صفت سے خارج ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کے مطابق ان لوگوں کو جنتی کہا تھا۔ پھر جب وہ حال نہ رہا تو سب باتیں جاتی رہیں۔ تب خارجی فرقہ کو جواب دیا گیا کہ یہ تم نے بڑی غلطی کھائی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا جنتی ہونا مقدر کیا تھا تو قضائے مقدر پوری ہو گئی۔ اب اس میں تغیر ممکن ہے۔ خارجی نے کہا کہ ہم اپنے نزدیک ضرور جانتے ہیں کہ یہ لوگ کافر ہو گئے اور ہم یہ نہیں مانیں گے کہ خدا نے کچھ مقدر کیا ہے بلکہ تقدیر کچھ چیز نہیں ہے۔ و لیکن جو کوئی جیسا کرے ویسا ہوتا جاوے گا اور تقدیر ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ مترجم کہتا ہے کہ دیکھو اس بدبخت فرقہ نے متواتر اعتقاد کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنا منظور کر لیا اور وہ عداوت جو اکابر اصحاب رضی اللہ عنہم سے اس کے جی میں بیٹھ گئی تھی' وہ نہ چھوڑی۔ یہی حال روافض وغیرہ کا ہے۔ نعوذ باللہ من الضلال۔

شاخ چہارم حازمیہ (اس کا بانی حازم بن علی تھا) ان کا یہ قول ہے کہ ہم نہیں جان سکتے کہ ایمان کیا چیز ہے؟ اور مخلوق بے چارے سب معذور ہیں (ان کو معاف ہے جب

کہ ایمان پہچاننا محال ہے)

شاخ پنجم خلفیہ (اس کا بانی خلف خارجی تھا) نے یہ قول نکالا کہ جس کسی نے جہاد چھوڑا' وہ کافر ہے' چاہے مرد ہو یا عورت۔ شاخ ششم کوزیہ نے نکالا کہ کسی کو کسی کا چھونا روا نہیں ہے۔ کیونکہ ہم کو پاک کو نجس کی شناخت واقعی نہیں ہو سکتی ہے اور جب تک ہمارے سامنے کوئی نہا کر توبہ نہ کرے تب تک اس کے ساتھ کھانا جائز نہیں ہے۔

فائدہ : دیکھو اس پاکیزگی کے مکر سے کس طرح شیطان نے اس احمق فرقہ کو دھوکہ دیا جس سے لوگوں میں بے انتہا پھوٹ و جدائی پڑ جاوے حالانکہ شرع میں باہم میل جول و اتفاق کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

شاخ ہفتم کنزیہ کا یہ قول ہے کہ کسی کو کچھ مال دینا حلال نہیں ہے کیونکہ شاید یہ شخص اس مال کے پانے کا مستحق نہ ہو (تو غیر مستحق کو دینا ظلم ہوگا۔ تو اس گناہ سے کفر ہو جاوے گا۔ بلکہ واجب یہ ہے کہ مال کو خزانہ کرکے زمین میں دفن کر دے۔ پھر جب قطعی یقینی دلیل سے کوئی شخص سب سے زیادہ مستحق معلوم ہو تو اس کو دے (پھر جو کوئی اس طرح دوسرے درجہ کا مستحق ہو' اس کو دے و علیٰ ہذا القیاس۔ یعنی اس مکر سے کبھی زکوٰۃ دینا نہ پڑے۔

شاخ ہشتم شمراخیہ۔ اس خبیث فرقہ کا یہ قول ہے کہ اجنبی عورتوں کو چھونے و مساس کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اس لیے کہ عورتیں تو ریاحین بنائی گئی ہیں (ریاحین کی خوشبو سونگھنا اور چھونا روا ہوتا ہے۔ شاخ نہم اخنسیہ کا یہ قول ہے کہ مرنے کے بعد میت کو کچھ بھلائی یا برائی لاحق نہیں ہوتی ہے (یعنی عذاب و ثواب سے انکار کرتے ہیں) شاخ دہم محکمیہ کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی مخلوق کی طرف فیصلہ چاہنے جائے تو وہ کافر ہے (اسی وجہ سے جب حضرت علیؓ واہل شام میں ثالثی فیصلہ قرار پایا تو اس خارجی فرقہ نے امیر المومنین کے لشکر سے جدا ہو کر دونوں فریق کو کافر کہنا شروع کیا) شاخ یازدہم معتزلہ یعنی حروریہ میں سے معتزلہ یہ وہ فرقہ ہے جو کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب و معاویہ کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہوا۔ یعنی حکم صاف نہیں کھلتا ہے۔ اس لیے ہم دونوں فریق سے بیزاری و تبرا کرتے ہیں۔ شاخ دوازدہم میمونیہ (اس کا بانی میمون بن خالد تھا) یہ فرقہ کہتا ہے کہ کوئی

امام نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے چاہنے والے اس سے راضی نہ ہوں۔

فرقہ قدریہ بھی بارہ شاخوں میں منقسم ہوا۔ احمریہ جس کا قول یہ ہے (اللہ تعالیٰ پر عدل جاری کرنا فرض ہے اور) اللہ تعالیٰ کے عدل میں شرط یہ ہے کہ اپنے بندوں کو ان کے کاموں کا مختار کرے اور ان کے گناہوں کے درمیان ان میں حائل ہو کر روکے۔ فرقہ ثنویہ کہتا ہے کہ بھلائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور برائی ابلیس پیدا کرتا ہے۔ معتزلہ کہتا ہے کہ یہ قرآن پیدا کیا ہوا ہے اور آخرت میں خدا کا دیدار محال ہے (سب بدعتی گمراہ فرقے اللہ تعالیٰ کے دیدار کو محال کہتے ہیں۔ اس میں خوارج و روافض وغیرہ سب یکساں ہیں) کیسانیہ جو کہتے ہیں کہ ہم کو نہیں معلوم ہوتا کہ یہ افعال آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں یا بندوں سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ بھی ہم نہیں جانتے کہ بندے بعد موت کے ثواب پاویں گے یا عذاب پاویں گے۔ شیطانیہ جس کا یہ قول ہے کہ خدا نے شیطان کو نہیں پیدا کیا ہے۔ شریکیہ جو کہتے ہیں کہ سب برائیاں مقدور ہیں سوائے کفر کے وہمیہ کہتے ہیں کہ مخلوق کے افعال کی ذات نہیں ہے اور نہ نیکی و بدی کی ذات ہے ربویہ (راوندیہ) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتابیں اتری ہیں تو ان پر عمل کرنا فرض ہے خواہ کوئی اس کو ناسخ کہے یا منسوخ کہے۔

فائدہ : اس نفس پرست فرقہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمؑ کے وقت میں بہن بھائی کا نکاح دو بطن مختلف سے جائز تھا تو اب بھی یہ لوگ اس پر عمل کریں گے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے وقت میں دو بہنوں کا نکاح اور مابعد شراب خوری وغیرہ سب عمل میں لاویں گے۔ بتریہ کہتے ہیں کہ جس نے گناہ کر کے توبہ کی تو اس کی توبہ قبول نہ ہو گی ناکثیہ فرقہ کہتا ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت توڑ دی تو اس پر گناہ نہیں ہے۔ قاسطیہ کہتے ہیں کہ دنیا میں زاہد ہونے سے یہ افضل ہے کہ دنیا تلاش کرنے میں کوشش کرے۔ نظامیہ جس نے ابراہیم نظام کی پیروی میں یہ کہا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو شئے کہے تو وہ کافر ہے۔

فائدہ : یہ بھی فرقہ اعتقاد معتزلہ پر گمراہ ہے اور یہ ایک بات اس گمراہی پر اور زیادہ بڑھائی ہے اسی طرح ان سب فرقوں میں باہم مخالفت ہے اور سب خلاف طریقہ رسالت

ہیں۔
جہمیہ فرقہ میں بھی بارہ شاخیں ہیں۔ معطلہ جو کہتے ہیں کہ جس چیز پر انسان کا وہم پڑے وہ مخلوق ہے۔ اور جو کوئی دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے تو وہ کافر ہے مرسیہ (مریسیہ) فرقہ گمراہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات مخلوق ہیں۔ ملتزقہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

فائدہ : تعجب ہے کہ اسی گمراہ فرقہ کا یہ اعتقاد اکثر عوام اہل السنہ میں پھیل گیا اور یہ لوگ بھی کہنے لگے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے شائد اس کا سبب یہ ہوا کہ محکمہ عدالت وقضا میں قسم لینے کا یہ طریقہ تھا کہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھاؤ یا گواہی دو تو عوام اپنی بے علمی سے یہ سمجھے کہ خدا حاضر موجود ہے۔ حالانکہ قاضی کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم و ناظر ہے اور یہی عربی محاورہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو دیکھتا اور علیم و خبیر ہے۔ یہ یاد کر کے سچی قسم کھائے گا۔ عوام نے اپنی سمجھ سے حاضر کے یہ معنی لگائے جیسے آپس میں بولا کرتے ہیں۔ لہٰذا علماء پر فرض ہے کہ وعظ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و اعتقاد حق کو اول بیان کیا کریں' تاکہ آئندہ ان کی نصیحت سچے ایمان والوں کو مفید ہو۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ ہو الموفق۔ واردیہ کہتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ جہنم میں نہ جائے گا اور جو کوئی جہنم میں گیا وہ کبھی وہاں سے نہیں نکالا جائے گا۔

فائدہ : اس فرقہ جاہل کے نفس نے ان کو یہ یقین دلایا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے پہچاننے والے ہو۔ اور اس جاہل نے اپنے نفس کا غرہ بے دلیل مان لیا۔

زنادقہ کہتے ہیں کہ کسی کے واسطے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنی ذات کے واسطے کوئی رب (پروردگار) ثابت کرے۔ اس لیے کہ ثابت کرنا جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس سے ادراک کرلے۔ حالانکہ یہ ادراک ممکن نہیں ہے تو یہ حواس کے ادراک کرنے کا آلہ نہیں ہو سکتے ہیں تو پھر جو چیز ادراک ہی نہیں ہو سکتی ہے تو ثابت بھی نہیں ہو سکتی ہے۔

فائدہ : یہ دلیل محض غلط اور بالکل خبط ہے اور سرے سے یہی غلط ہے کہ رب کو ثابت کرے۔ اس لیے کہ پہچاننا اور ہے اور ثابت کرنا اور ہے اسی واسطے مصنف ؒ نے ان احمقوں کی دلیل بھی نقل کردی تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ یہ فرقہ کیسا بے وقوف ہے۔

حرقیہ فرقہ کا قول ہے کہ کافر کو (جب جہنم میں ڈالا جائے گا) آگ ایک بار جلا کر کوئلہ کردے گی پھر وہ ہمیشہ کوئلہ پڑا رہے گا۔ اس کو آگ کی جلن محسوس نہ ہو گی۔
مخلوقیہ کہتا ہے کہ یہ قرآن مخلوق ہے۔ فانیہ فرقہ کا قول ہے کہ جنت و دوزخ دونوں فنا ہونے والی ہیں۔ اور ان میں سے بعضے یہ کہتے ہیں کہ ہنوز وہ دونوں پیدا ہی نہیں ہوئی ہیں۔ عربیہ (غیریہ) نے پیغمبروں سے انکار کیا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ صرف عقلاء تھے۔
فائدہ : یہ قول محض کفر ہے۔ اور یہ اس زمانہ میں نیچریہ فرقہ کا قول ہے جو سر سید احمد خاں کی کتاب میں جو تفسیر کی نام سے لکھی ہے صاف مذکور ہے۔
واقفیہ کہتے ہیں کہ ہم توقف کرتے ہیں نہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے اور نہ یہ کہ مخلوق نہیں ہے۔ قبریہ کہتا ہے کہ قبر میں عذاب (ثواب) نہیں ہے۔ اور نہ آخرت میں شفاعت ہے۔ لفظیہ فرقہ کہتا ہے کہ قرآن کے ساتھ ہمارا تلفظ کرنا مخلوق ہے۔
اسی طرح مرجیہ فرقہ کی بھی بارہ قسمیں ہیں۔ تارکیہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مخلوق پر کوئی عمل فرض نہیں ہے سوائے ایمان کے۔ پس جب بندہ اس پر ایمان لایا اور اس کو پہچانا تو پھر جو چاہے وہ کرے۔ سائبیہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کرکے چھوڑ دیا ہے کہ جو چاہیں کریں۔ یہ بھی کہنا چاہئے تھا کہ پھر جو کچھ کریں گے اس کا عوض آخرت میں پاویں گے۔ لیکن اس گمراہ فرقہ نے اس سے انکار کیا۔ راجیہ کہتا ہے کہ ہم کسی بدکار کو عاصی و نافرمان نہیں کہہ سکتے اور نہ کسی نیکو کار کو طابع و فرمانبردار کہہ سکیں۔ کیونکہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس کے لیے عند اللہ کیا ہے۔
فائدہ : اس فرقہ کا یہ مطلب نہیں کہ ہم انجام نہیں جانتے ہیں۔ اس لیے کہ انجام کو کوئی نہیں جانتا لیکن جو حالت یا فعل موجود ہے یہ ظاہر ہے۔ تو یہ فرقہ اس سے بھی منکر ہے گویا کہتا ہے کہ اس بدکار کی بدکاری شائد پسندیدہ ہو' یہ قبیح گمراہی ہے۔
شاکیہ کہتا ہے کہ نیک اعمال اور طاعات ایمان میں سے نہیں ہیں۔ بھیسیہ کہتا ہے کہ ایمان علم ہے اور جس نے حق کو باطل سے تمیز کرنا اور حلال کو حرام سے تمیز کرنا نہ جانا وہ کافر ہے۔ عملیہ کہتا ہے کہ ایمان فقط عمل ہے۔ مستثنیہ نے ایمان سے استثناء (یہ کہنا کہ میں

مومن ہوں انشاء اللہ) سے انکار کیا۔ مشبہ کہتے ہیں کہ خدا کی آنکھ میری آنکھ جیسی ہے۔ اور میرے ہاتھ کی طرح اس کا ہاتھ ہے (اور عرش پر اس طرح مستوی ہے جیسے ہم لوگ تخت پر بیٹھتے ہیں) حشویہ نے سب احادیث کا ایک حکم ٹھہرایا۔ چنانچہ ان کے نزدیک فرض ترک کرنے کا حکم ویسا ہی ہے جیسے نفل ترک کرنے کا۔

فائدہ : حشویہ نام اس لیے ہوا کہ یہ فرقہ کہتا ہے کہ قرآن مجید میں الـم اور طس اور حـم وغیرہ حروف مقطعات صرف زائد حروف بے معنے ہیں۔ اور جو آئتیں عذاب کا خوف دلانے والی ہیں وہ فقط دھمکی ہے۔ نعوذ باللہ من کفرہم۔

ظاھریہ جو شرعی مسائل میں قیاس سے حکم اجتہادی نکالنے سے انکار کرتے ہیں۔ بدعیہ اس فرقہ نے اول اول اس امت میں بدعت کا احداث شروع کیا۔ منقوصیہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے (بعض نے کہا کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ جب ہم نے ایمان کا اقرار کیا تو جو کچھ نیکی کریں وہ مقبول ہے۔ اور جو برائیاں مانند زنا اور چوری وغیرہ کے عمل میں لاویں وہ بخشی جاتی ہیں۔ چاہے توبہ کرے' یا نہ کرے' واللہ اعلم۔

فرقہ رافضہ کی بھی بارہ شاخیں ہیں۔ علویہ کہتا ہے کہ رسول بنانے کا پیغام اصل میں جبریل علیہ السلام کے ہاتھ حضرت علیؓ کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور جبریل علیہ السلام نے غلطی کر کے وہ دوسری جگہ پہنچا دیا۔ (جیسے یہود کہتے تھے کہ جبریلؑ نے ہماری عداوت سے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر بنی اسمٰعیل میں وحی اتاری ہے۔ یہ لوگ کافر ہیں) امریہ یہ فرقہ کہتا ہے کہ کار نبوت میں محمد ﷺ کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ شریک ہیں۔ (یہ بھی کفر ہے) شیعہ فرقہ کہتا ہے کہ علیؓ وصی رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلیفہ تھے اور امت نے دوسرے کی بیعت کر کے کفر کیا۔

فائدہ : امام ذہبیؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ قدیم شیعہ فرقہ کا قول فقط یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ' عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور جس نے ان سے لڑائی کی اس نے گناہ کمایا۔ پھر اس فرقہ میں بعضے بڑھ کر کہنے لگے بلکہ علیؓ سب سے افضل ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو پہلے خلیفہ اس لیے کر دیا تاکہ خلافت کا خاتمہ علی رضی اللہ عنہ پر ہو۔ اور آپ کی اولاد میں قیامت تک باقی رہے۔ جیسے نبوت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی۔ اور جو قول مصنفؒ نے بیان کیا یہ رافضیہ فرقہ کا عقیدہ ہے جو آخر میں پیدا ہوا۔

اسحاقیہ فرقہ کہتا ہے کہ نبوت تا قیامت ہوتی چلی جائے گی۔ اور جو کوئی اہل بیت کا علم جانے وہی نبی ہوتا رہے گا۔ ناووسیہ فرقہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ سب امت سے افضل ہیں۔ پس جو کوئی کسی دوسرے صحابی کو آپ پر فضیلت دے وہ کافر ہو گیا امامیہ فرقہ کہتا ہے کہ دنیا کبھی ایک امام سے خالی نہ ہو گی اور وہ امام اولاد حسین رضی اللہ عنہ سے ہو گا۔ اور اس کو جبرائیل علیہ السلام تعلیم کرتے رہیں گے۔ جب وہ مرے گا تو بجائے اس کے دوسرا اس کی مثل قائم مقام ہو گا (اس زمانہ میں جس فرقہ نے امامیہ اپنا نام رکھا ہے وہ ناووسیہ و رافضیہ وغیرہ کا مجموعہ مرکب ہے)۔ زیدیہ فرقہ کہتا ہے کہ نماز کے امام کل اولاد حسینؓ ہیں۔ تو جب تک ان میں سے کوئی ہو تو کسی غیر کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ پرہیز گار ہو یا اس کے افعال خلاف شرع ہوں۔ عباسیہ فرقہ کا یہ زعم ہے کہ سب سے زیادہ حق دار خلافت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب تھے۔

متناسخہ فرقہ کا قول ہے کہ روحیں ایک بدن سے نکل کر دوسرے بدن میں جاتی ہیں۔ چنانچہ اگر وہ شخص نیکو کار تھا تو اس کی روح نکل کر ایسے بدن میں پڑ جاتی ہے جو دنیا میں عیش سے رہنے والا ہے۔ اور اگر بدکار تھا تو ایسے بدن میں پڑتی ہے جو دنیا میں کوفت و تکلیف سے زندگی بسر کرے گا۔ رجعیہ فرقہ کا زعم یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور آپ کے اصحاب دنیا میں دوبارہ لوٹ آویں گے۔ اور یہاں اپنے دشمنوں سے اپنا بدلہ لیں گے۔ لاعنیہ فرقہ وہ ہے جو حضرت عثمان و طلحہ و زبیر و معاویہ و ابو موسیٰ اشعری و ام المومنین عائشہ وغیرہ رضی اللہ عنہم پر لعنت کرتے ہیں۔ متربصہ ایک فرقہ ہے کہ عابد فقیروں کا لباس پہنتے ہیں اور ہر وقت میں ایک شخص کو مقرر کر کے رکھتے ہیں کہ یہ ہی اس عصر میں صاحب الامر ہے۔ اور یہی اس امت کا مہدی ہے پھر جب وہ مرا تو دوسرے کو اسی طرح مقرر کر لیتے ہیں۔

جبریہ فرقہ بھی بارہ قسموں میں منقسم ہوا ہے۔ مضطریہ فرقہ کہتا ہے کہ آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا بلکہ جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ افعالیہ فرقہ کہتا ہے کہ ہمارے

افعال تو ہم سے صادر ہوتے ہیں۔ لیکن ہم کو اس کے کرنے یا نہ کرنے میں استطاعت خود نہیں ہے۔ بلکہ ہم لوگ بمنزلہ جانوروں کے ہیں کہ وہ رسی سے باندھ کر جدھر چاہتے ہیں ہانکتے جاتے ہیں۔ مفروغیہ فرقہ کہتا ہے کہ کل چیزیں پیدا ہو چکیں' اب کچھ پیدا نہیں ہوتا ہے۔ نجاریہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے نیک و بد افعال پر عذاب نہیں کرتا بلکہ اپنے فعل پر عذاب کرتا ہے۔ مبائنیہ (متانیہ) فرقہ کہتا ہے کہ تجھ پر لازم فقط وہ ہے جو تیرے دل میں آئے۔ پس جس دلی خطرہ سے تجھے بہتری نظر آئے اس پر عمل کر۔ کسبیہ فرقہ کہتا ہے کہ بندہ کچھ ثواب یا عذاب نہیں کماتا ہے سابقیہ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ جس کا جی چاہے نیک کام کرے اور جس کا جی چاہے نہ کرے اس لیے کہ جو نیک بخت ہے اس کو گناہوں سے کچھ ضرر نہیں ہو گا۔ اور جو بد بخت ہے اس کو نیکیوں سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ حبیہ فرقہ کہتا ہے کہ جس نے شراب محبت الٰہی کا پیالہ پیا اس سے ارکان عبادت ساقط ہوجاتے ہیں۔ خوفیہ فرقہ کہتا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو اس کو روا نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرے اس لیے کہ محب اپنے محبوب سے خوف نہیں کر سکتا۔ فکریہ فرقہ کہتا ہے کہ جس قدر علم معرفت بڑھے اس قدر عبادت اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ حسنیہ فرقہ کہتا ہے کہ دنیا سب لوگوں میں برابر مشترک ہے۔ کسی کو دوسرے پر زیادتی نہیں ہے کیونکہ وہ ان کے باپ آدم علیہ السلام کی میراث ہے۔ معیہ فرقہ کہتا ہے کہ یہ افعال ہم سے صادر ہوتے ہیں اور ہم کو ان کی استطاعت و قدرت حاصل ہے۔

باب ۳

ابلیس کی مکاری' چالوں اور فتنوں سے بچنے کی تاکید کا بیان

انسان میں خواہش نفسانی و شہوات مرکب ہیں جن کی وجہ سے وہ ایسی چیزیں تلاش کر لاتا ہے جن کو اپنے جی میں آرام و نفع پہنچانے والی جانتا ہے اور انسان میں غضب (غصہ) بھی رکھا گیا ہے۔ جس سے وہ ایذاء دینے والی چیزیں دفع کرتا ہے۔ اور اس کو عقل بھی عطا ہوئی ہے جو اس کے طفیل نفس کے واسطے گویا ادب دینے والی معلم ہے۔ کہ اس کو سکھاتی رہتی ہے کہ جو چیزیں حاصل کرے یا جن کو دفع کرے سب اعتدال کے ساتھ ہوں۔ اور شیطان اس کا دشمن پیدا کیا گیا ہے۔ جو گمراہ کو ابھارتا رہتا ہے کہ حاصل کرنے اور دفع کرنے میں حد بڑھ جائے۔ حکمائے ربانیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ عاقل پر لازم ہے کہ ایسے دشمن سے ہر وقت بچا رہے جس کی عداوت انسان کے ساتھ زمانہ آدم علیہ السلام سے صاف ظاہر ہو چکی ہے۔ جس نے اپنے آپ کو تمام عمر اسی واسطے وقف کر دیا ہے کہ ہر حال میں اولاد آدم علیہ السلام کی بربادی میں اپنی پوری کوشش صرف کرے گا۔ اور اللہ عز و جل نے انسان کو (اگر یہ قوت نہیں دی کہ شیاطین کو دیکھیں تو اس کے عوض میں آگہی دے دی اور) اس دشمن سے بچے رہنے کی تاکید فرمائی۔ بقولہ تعالیٰ **لا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین** (البقرہ پ ۲ آیت ۱۶۸) یعنی اے اہل ایمان تم لوگ شیطان کے قدموں کے نشان پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ تم کو بری باتوں اور بد کرداریوں ہی کی تاکید کرتا رہتا ہے۔ اور نیز اس امر کی کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی بات نہ کہو جس کا علم تم کو نہیں ہے۔ بقولہ تعالیٰ **الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء** (البقرہ پ ۳ آیت ۲۶۸) یعنی شیطان تم کو محتاج ہو جانے سے ڈراتا ہے اور قبیح بدکاریوں کی تاکید کرتا رہتا ہے۔

فائدہ : یہ معجزہ آنکھوں دیکھا ہے کہ راہ خیر میں خرچ کرتے وقت یہ وسوسہ پیدا

ہوتا ہے کہ بال بچوں کا ساتھ ہے۔ اور پھر یہی شخص بال بچوں کے ختنہ وغیرہ میں فحش و قبائح میں اسراف کے ساتھ خرچ کرتا ہے یہ بالکل شیطان کی اتباع ہے۔

وبقولہ تعالیٰ **ویرید الشیطان ان یضلھم ضلالا بعیدا** (النساء پ ۵ آیت ۶۰) یعنی شیطان یہ چاہتا ہے کہ انسان کو دور کی گمراہی میں بھٹکا دے۔ وبقولہ تعالیٰ **انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوہ والبغنا فی الخمر والمیسر** (المائدہ پ ۷ آیت ۹۱) یعنی شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب و قمار بازی سے تم لوگوں میں باہمی عداوت اور بغض ڈال دے۔ اور تم کو یاد الٰہی و نماز سے روک رکھے۔ اب تو تم ان کاموں سے باز رہو گے۔ وبقولہ تعالیٰ **انہ عدو مضل مبین** (القصص پ ۲۰ آیت ۱۵) یعنی شیطان بے شک تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اس کو دشمن بنائے رکھو۔ وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ بھی جہنم میں رہنے والے ہو جاویں۔ وبقولہ تعالیٰ **ولا یغرنکم باللہ الغرور** (لقمان پ ۲۱ آیت ۳۳) یعنی شیطان تم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ میں نہ ڈالے (اس سے بچے رہو) اور قرآن مجید میں اس قسم کی آیات بکثرت وارد ہیں۔

فصل : جان لینا چاہئے کہ یہ ابلیس جس کا یہی کام ہے کہ اپنے ہم جنس مخلوقات کو تلبیس و شبہ میں ڈالتا رہے۔ سب سے پہلے وہ خود شبہ میں پڑا ہے اور امرالٰہی سے مشتبہ ہو کر صریح حکم سجدے سے پہلے جو بالکل صحیح تھا منہ موڑ کر قیاس دوڑانے لگا۔ اور خلقت کے عناصر میں فضیلت دینے لگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگاہ فرمایا **خلقتنی من نار وخلقہ من طین** (الاعراف پ ۸ آیت ۱۲) یعنی ابلیس نے کہا کہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے گوندھی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پھر اس نافرمانی کے بعد مالک حکیم عزوجل کی جناب میں اعتراض لایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ارایتک ھذا الذی کرمت علی** (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۶۲) یعنی مجھے آگاہ کر دے کہ آخر تو نے اس کو کیوں مجھ پر فضیلت دی؟ اس اعتراض کی تہہ میں اس کی یہ جہالت ہے کہ تو نے جو اس کو مجھ پر فضیلت دی تو یہ کچھ حکمت نہیں ہے، پھر اس کے بعد تکبر کرنے لگا کہ **انا خیر منہ** یعنی میں اس سے بہتر ہوں' پھر سجدہ بجالانے سے باز رہا۔

اس سے کچھ نہ ہوا سوائے اس کے شیطان نے خود اپنے نفس کو دائمی لعنت و عذاب سے خوار کیا۔ حالانکہ اپنے نزدیک وہ اپنے نفس کی بزرگی کرنا چاہتا تھا۔ پھر جب شیطان کسی انسان پر کوئی بات رچاوے تو انسان کو سخت پرہیز کے ساتھ شیطان دشمن سے ڈرنا چاہیے۔ اور جب وہ بری بات کہے تو اس کو جواب دے کہ اے شیطان جو کچھ تو مجھ سے کہتا ہے اس میں میری خیر خواہی بس یہی ہے کہ جو کچھ میری خواہش ہے وہ مجھے حاصل ہو جائے لیکن جس نے اپنی ذات کی خیر خواہی نہ کی وہ دوسرے کی سچی خیر خواہی کیونکر کرے گا۔ اس کے علاوہ میں خالص دشمن کی خیر خواہی پر کیونکر بھروسہ کروں لہٰذا تو اپنی راہ لے کیونکہ میرے نزدیک تیری بات کارگر ہونے والی نہیں ہے۔ اب شیطان کو کوئی حیلہ باقی نہ رہے گا۔ سوائے اس کے کہ وہ انسان کے نفس امارہ سے مدد لے۔ کیونکہ وہ آدمی کے جی کو اس کی دل پسند چیز پر ابھارے گا تو اس وقت عقل کو بلانا چاہیے۔ تاکہ وہ ثابت قدم ہو کر گناہ کے انجام کار میں فکر کرے۔ امید ہے کہ توفیق اپنا مددی لشکر عزم بھیج دے کہ اس کی مردانہ ہمت سے لشکر شیطانی و نفسانی بھاگ کھڑے ہوں گے۔

عیاض بن حمارؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ تم کو وہ باتیں بتاؤں جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو آج ہی بتائی ہیں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مال میں نے اپنے بندے کو بخش دیا وہ اس کو حلال ہے اور میں نے اپنے تمام بندوں کو ایک سچے دین پر پیدا کیا۔ پھر شیاطین ان کے پاس آئے اور ان کو ان کے دین سے پھیر دیا۔ اور ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک کریں جن کے بارے میں میں نے کوئی برہان نہیں نازل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کو عرب سے لے کر عجم تک دیکھا تو سوائے چند بقایائے اہل کتاب کے سب پر غصہ فرمایا۔

عیاض بن حمارؓ سے (ایک دوسرے سلسلۂ سند سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں فرمایا کہ میرے پروردگار عزوجل نے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ تم کو وہ باتیں تعلیم کروں جو تم نہیں جانتے اور مجھ کو آج ہی اللہ تعالیٰ نے تعلیم فرمائی ہیں۔ (پھر وہی حدیث بیان فرمائی جو نقل ہو چکی ہے)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس لعین اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے۔ پھر اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے۔ ان لشکروں میں سے شیطان کے نزدیک زیادہ مقرب وہ ہوتا ہے جو بڑے سے بڑا فتنہ برپا کرتا ہے۔ پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ میں نے ایسا کیا اور ویسا کیا۔ شیطان جواب دیتا ہے کہ تو نے تو کچھ بھی نہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص اور اس کے اہل میں تفرقہ ڈال دیا۔ یہ سن کر شیطان اس کو اپنے قریب بٹھاتا ہے' یا یہ فرمایا کہ بغل میں لے لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں بے شک تو اچھا ہے اور تو نے بڑا کام کیا۔

جابرؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ نمازی لوگ اس کی پرستش کریں لیکن ان کے درمیان لڑائی جھگڑا ڈالنے میں ان پر قابو پائیگا۔

یہ اخیر کی دونوں حدیثیں فقط مسلم نے روایت کی ہیں' اور ان کی روایت میں اس طرح ہے کہ شیطان کو اس سے ناامیدی ہو گئی کہ جزیرۂ عرب میں نمازی لوگ اس کی عبادت کریں انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اپنی سونڈ کو فرزند آدم علیہ السلام کے دل پر رکھے ہوئے ہے اگر وہ خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو سونڈ پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ اور اگر خدا کو بھول جاتا ہے تو اس کے دل کو نگل جاتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شیطان کا گزر ایک جماعت پر ہوا جو ذکر الٰہی میں مشغول تھی اس نے ان کو فتنہ میں ڈالنا چاہا۔ مگر تفرقہ پردازی نہ کر سکا۔ پھر ایک اور لوگوں میں آیا۔ جو دنیا کی باتیں کر رہے تھے ان کو بہکایا۔ یہاں تک کہ کشت و خون ہونے لگا۔ خدا کا ذکر کرنے والے لوگ ان میں بیچ بچاؤ کرنے کے لیے اٹھے۔ اس طور پر ان میں تفرقہ پڑ گیا۔

قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابلیس کے پاس ایک شیطان ہے جس کو قبقب کہتے ہیں۔ اس کے منہ پر چالیس برس سے لگام چڑھا رکھی ہے (یعنی اس سے کوئی

کام نہیں لیا تاکہ تکرار رہے) جب لڑکا اس رستے میں آتا ہے تو اس شیطان سے کہتا ہے کہ لڑکے کو پکڑ لے اسی کے لیے میں نے تیرے منہ پر لگام چڑھائی تھی۔ اس پر غلبہ کر اور اس کو فتنہ میں ڈال۔

ثابت بنانیؒ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ حدیث پہنچی کہ ابلیس حضرت یحییٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس پر ہر قسم کے (لٹکن) ہیں۔ پوچھا کہ اے ابلیس یہ لٹکن کیسے ہیں جو تجھ پر نظر آتے ہیں کہنے لگا کہ یہ دنیا کی شہوتیں ہیں جن میں میں فرزند آدم کو مبتلا کرتا ہوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا ان میں میرے واسطے بھی کچھ ہے؟ بولا کہ جب آپ شکم سیر ہوتے ہیں تو نماز کا پڑھنا آپ پر گراں کر دیتا ہوں اور ذکر الٰہی آپ پر بار ہو جاتا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کہا خدا کی قسم میں اب کبھی ہرگز پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ ابلیس بولا خدا کی قسم میں اب کبھی کسی مسلمان کی خیر خواہی نہیں کروں گا۔

حارث بن قیس سے روایت ہے کہ جب نماز پڑھنے کی حالت میں تیرے پاس شیطان آوے اور کہے کہ تو ریا کر رہا ہے۔ تو نماز کو خوب طویل کر دے۔

ابن عامر نے عبید بن رفاعہ سے سنا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سند پہنچا کر روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا۔ اس کے زمانے میں شیطان نے آ کر ایک لڑکی کا گلا دبایا اور اس لڑکی کے گھر والوں کے دل میں ڈال دیا کہ اس کی دوا راہب کے پاس ہے وہ لوگ اس لڑکی کو لے کر راہب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس کو اپنے پاس رکھو الغرض وہ لڑکی راہب کے پاس رہنے لگی۔ پھر اس کے پاس شیطان آیا اور کہا کہ اب تو رسوا ہو جائے گا۔ لڑکی کے گھر والے آ کر تجھ کو مار ڈالیں گے۔ تو اس لڑکی کو مار ڈال۔ جب وہ لوگ تیرے پاس آئیں تو کہہ دینا کہ مر گئی۔ راہب نے اس کو قتل کیا اور دفنا دیا۔ اس کے بعد شیطان لڑکی کے گھر والوں کے پاس آیا اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ راہب نے اسؔ کو پیٹ رکھوایا اور فضیحت کے خوف سے اسے قتل کر ڈالا۔ لڑکی کے گھر والے آئے اور پوچھا۔ راہب نے کہا لڑکی مر گئی۔ لوگوں نے راہب کو پکڑا۔ شیطان راہب کے پاس آیا اور کہا کہ دیکھ میں نے ہی اس لڑکی کا گلا دبایا تھا اور میں

نے ہی اس کے گھر والوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی تھی اور میں نے ہی تجھ کو اس بلا میں پھنسایا ہے۔ اب میرا کہا مان تو نجات ہو گی۔ مجھ کو دو سجدے کر لے راہب نے شیطان کو دو بار سجدہ کیا۔

اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر (الحشر پ ۲۸ آیت ۱۶) یعنی شیطان کی مثال ہے کہ آدمی سے کہتا ہے کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو گیا تو کہتا ہے میں تجھ سے الگ ہوں۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ ہم کو اس حدیث کی روایت ایک اور طرز پر بھی پہنچی ہے۔ وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا کہ اس کے زمانہ میں کوئی عابد اس کا مقابل نہ تھا۔ اس کے وقت میں تین بھائی تھے۔ ان کی ایک بہن تھی جو باکرہ تھی۔ اس کے سوائے وہ اور بہن نہ رکھتے تھے۔ اتفاقاً ان تینوں بھائیوں کو کہیں لڑائی پر جانا پڑا ان کو کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جس کے پاس اپنی بہن کو چھوڑ کر جائیں اور اس پر بھروسہ کریں۔ لہٰذا سب نے اس رائے پر اتفاق کیا کہ اس کو عابد کے سپرد کر جائیں وہ عابد ان کے خیال کے موافق تمام بنی اسرائیل میں ثقہ و پرہیز گار تھا۔ اس کے پاس آئے۔ اور اپنی بہن کو حوالہ کرنے کی درخواست کی کہ جب تک ہم لڑائی سے واپس آئیں ہماری بہن آپ کے سایۂ عاطفت میں رہے۔ عابد نے انکار کیا اور ان سے اور ان کی بہن سے خدا کی پناہ مانگی انہوں نے نہ مانا۔ حتیٰ کہ راہب نے منظور کر لیا اور کہا کہ اپنی بہن کو میرے عبادت خانہ کے سامنے کسی گھر میں چھوڑ جاؤ۔ انہوں نے ایک مکان میں اس کو اتارا اور چلے گئے۔ وہ لڑکی عابد کے قریب ایک مدت تک رہتی رہی۔ عابد اس کے لیے کھانا لے کر چلتا تھا اور اپنے عبادت خانہ کے دروازے پر رکھ کر کواڑ بند کر لیتا تھا۔ اور اندر واپس چلا جاتا تھا اور لڑکی کو آواز دیتا تھا وہ اپنے گھر سے آکر کھانا لے جاتی تھی۔ راوی نے کہا کہ پھر شیطان نے عابد کو نرمایا اور اس کو خیر کی ترغیب دیتا رہا اور لڑکی کا دن میں عبادت خانہ تک آنا اس پر گراں ظاہر کرتا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لڑکی دن میں کھانا لینے کے لیے گھر سے نکلے اور کوئی شخص اس کو دیکھ کر اس کی عصمت میں رخنہ انداز ہو' بہتر یہ ہے کہ اس کا کھانا لے کر اس کے دروازے پر رکھ آیا کرے۔ اس میں اجر عظیم ملے گا۔ غرضیکہ عابد کھانا

لے کر اس کے گھر جانے لگا۔ بعد ایک مدت کے پھر شیطان اس کے پاس آیا اور اس کو خیر کی ترغیب دی۔ اور اس بات پر ابھارا کہ اگر تو اس لڑکی سے بات چیت کیا کرے تو تیرے کلام سے یہ مانوس ہو۔ کیونکہ اس کو سخت وحشت ہوتی ہے شیطان نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا حتیٰ کہ راہب اس سے بات چیت کرنے لگا۔ اپنے عبادت خانہ سے اتر کر اس کے پاس آنے لگا۔ پھر شیطان اس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ تو عبادت خانہ کے در پر اور وہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے۔ اور دونوں باہم باتیں کرو تا کہ اس کو انس ہو۔ آخر کار شیطان نے اس کو صومعہ سے اتار کر دروازے پر لا بٹھایا۔ لڑکی بھی گھر سے دروازے پر آئی۔ عابد باتیں کرنے لگا۔ ایک زمانے تک یہ حال رہا۔ پھر شیطان نے عابد کو کار خیر کی رغبت دی اور کہا بہتر ہے کہ تو خود لڑکی کے گھر جا کر بیٹھے اور ہمکلامی کرے۔ اس میں زیادہ دلداری ہے۔ عابد نے ایسا ہی کیا۔ شیطان نے پھر تحصیل ثواب کی رغبت دی اور کہا کہ اگر لڑکی کے دروازے سے قریب ہو جائے تو بہتر ہے تا کہ اس کو دروازے تک آنے کی بھی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ عابد نے یہی کیا کہ اپنے صومعے سے لڑکی کے دروازے پر آ کر بیٹھتا تھا۔ اور باتیں کرتا تھا۔ ایک عرصہ تک یہی کیفیت رہی۔ شیطان نے پھر عابد کو ابھارا کہ عین گھر کے اندر جا کر باتیں کیا کرے تو بہتر ہے تا کہ لڑکی باہر نہ آوے اور کوئی اس کا چہرہ نہ دیکھ پائے غرض عابد نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ لڑکی کے گھر کے اندر جا کر دن بھر اس سے باتیں کیا کرتا اور رات کو اپنے صومعے میں چلا آتا۔ اس کے بعد پھر شیطان اس کے پاس آیا اور لڑکی کی خوبصورتی اس پر ظاہر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ عابد نے لڑکی کے زانو پر ہاتھ مارا اور اس کے رخسار کا بوسہ لیا۔ پھر روز بروز شیطان لڑکی کو اس کی نظروں میں آرائش دیتا رہا۔ اور اس کے دل پر غلبہ کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ اس سے ملوث ہو گیا اور لڑکی نے حاملہ ہو کر ایک لڑکا جنا۔ پھر شیطان عابد کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اب یہ بتاؤ کہ اگر اس لڑکے کے بھائی آ گئے اور اس بچہ کو دیکھا تو تم کیا کرو گے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم ذلیل ہو جاؤ یا وہ تمہیں رسوا کریں۔ تم اس بچہ کو لو اور زمین میں گاڑ دو۔ یہ لڑکی ضرور اس معاملہ کو اپنے بھائیوں سے چھپائے گی۔ اس خوف سے کہ کہیں وہ نہ جان لیں کہ تم نے اس کے ساتھ کیا حرکت کی۔ عابد نے ایسا ہی کیا۔ پھر شیطان نے

اس سے کہا کہ کیا تم یقین کرتے ہو کہ یہ لڑکی تمہاری ناشائستہ حرکت کو اپنے بھائیوں سے پوشیدہ رکھے گی۔ ہرگز نہیں۔ تم اس کو بھی پکڑو اور ذبح کر کے بچے کے ساتھ دفن کر دو۔ غرض عابد نے لڑکی کو بھی ذبح کیا اور بچے سمیت گڑھے میں ڈال کر اس پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھ دیا۔ اور زمین کو برابر کر کے اپنے عبادت خانہ میں جا کر عبادت کرنے لگا۔ ایک مدت گزرنے کے بعد عورت کے بھائی لڑائی سے واپس آئے اور عابد کے پاس جا کر اپنی بہن کا حال پوچھا۔ عابد نے ان کو اس کے مرنے کی خبر دی۔ اور افسوس ظاہر کر کے رونے لگا اور کہا کہ وہ بڑی نیک بی بی تھی۔ دیکھو یہ اس کی قبر ہے بھائی قبر پر آئے اور اس کے لیے دعائے خیر کی اور روئے اور چند روز اس کی قبر پر رہ کر اپنے لوگوں میں آئے۔ راوی نے کہا جب رات ہوئی اور وہ اپنے بستروں پر سوئے' شیطان ان کو خواب میں ایک مسافر آدمی کی صورت بن کر نظر آیا۔ پہلے بڑے بھائی کے پاس گیا اور اس کی بہن کا حال پوچھا۔ اس نے عابد کا اس کے مرنے کی خبر دینا اور اس پر افسوس کرنا اور مقام قبر دکھانا بیان کیا۔ شیطان نے کہا سب جھوٹ ہے۔ تم نے کیونکر اپنی بہن کا معاملہ سچ مان لیا۔ عابد نے تمہاری بہن سے فعل بد کیا وہ حاملہ ہو کر ایک بچہ جنی۔ عابد نے تمہارے ڈر کے مارے اس بچے کو اس کی ماں سمیت ذبح کیا۔ اور ایک گڑھا کھود کر دونوں کو ڈال دیا۔ جس گھر میں وہ تھی اس کے اندر داخل ہونے میں وہ گڑھا داہنی جانب پڑتا ہے۔ تم چلو اور اس گھر میں جاؤ تم کو وہاں دونوں ماں بیٹا ایک جگہ ملیں گے۔ جیسا کہ میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ پھر شیطان منجھلے بھائی کے خواب میں آیا اس سے بھی ایسا ہی کہا۔ پھر چھوٹے کے پاس گیا۔ اس سے بھی یہی گفتگو کی جب صبح ہوئی تو سب لوگ بیدار ہوئے اور یہ تینوں اپنے اپنے خواب سے تعجب میں تھے۔ ہر ایک آپس میں ایک دوسرے سے بیان کرنے لگا۔ کہ میں نے رات عجیب خواب دیکھا۔ سب نے باہم جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا بڑے بھائی نے کہا یہ خواب فقط خیال ہے اور کچھ نہیں یہ ذکر چھوڑ دو اور اپنا کام کرو۔ چھوٹا کہنے لگا کہ میں تو جب تک اس مقام کو نہ دیکھ لوں گا باز نہ آؤں گا۔ تینوں بھائی چلے جس گھر میں ان کی بہن رہتی تھی آئے۔ دروازہ کھولا اور جو جگہ ان کو خواب میں بتائی گئی تھی تلاش کی۔ اور جیسا ان سے کہا گیا تھا اپنی بہن اور اس کے بچے کو ایک گڑھے میں

ذبح کیا ہوا پایا۔ انہوں نے عابد سے کل کیفیت دریافت کی عابد نے شیطان کے قول کی اپنے فعل کے بارے میں تصدیق کی۔ انہوں نے اپنے بادشاہ سے جاکر نالش کی عابد صومعے سے نکالا گیا اور اس کو دار پر کھینچنے کے لیے لے چلے۔ جب اس کو دار پر کھڑا کیا گیا شیطان اس کے پاس آیا اور کہا کہ تم نے مجھے پہچانا؟ میں ہی تمہارا وہ ساتھی ہوں جس نے تم کو عورت کے فتنے میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ تم نے اس کو حاملہ کر دیا اور ذبح کر ڈالا۔ اب اگر تم میرا کہنا مانو اور جس خدا نے تم کو پیدا کیا ہے اس کی نافرمانی کرو تو میں تم کو اس بلا سے نجات دوں۔ راوی نے کہا کہ عابد خدا تعالیٰ سے کافر ہو گیا۔ پھر جب عابد نے کفر باللہ کیا شیطان اس کو اس کے ساتھیوں کے قبضہ میں چھوڑ کر چلا گیا۔ انہوں نے اس کو دار پر کھینچا۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر (الحشر پ ۲۸ آیت ۱۶) یعنی شیطان کی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کفر کر۔ جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ رب العالمین سے خوف کرتا ہوں۔ اس شیطان اور اس کافر دونوں کا انجام یہی ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ظلم کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔

وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک راہب اپنے صومعے میں خلوت گزیں تھا۔ ابلیس نے اس کا ارادہ کیا تو کچھ قابو نہ چلا اور اس کے پاس ہر ڈھب سے آیا لیکن کسی طرح اس پر قابو نہیں چلا یہاں تک کہ اس کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ بن کر آیا۔ راہب نے کہا کہ اگر تو عیسیٰ علیہ السلام ہے تو مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ کیا تو نے ہم کو عبادت کرنے کا حکم نہیں کیا اور قیامت کا وعدہ نہیں دیا۔ چل اور اپنا کام کر مجھے تجھ ـــ کچھ کام نہیں۔ ابلیس لعین چلا گیا اور اسے چھوڑ دیا۔

سالم بن عبد اللہؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو اس میں ایک انجان بڈھے کو دیکھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس سے کہا تو یہاں کیوں آیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں تمہارے یاروں کے دلوں کو قابو کرنے آیا ہوں تاکہ ان کے دل میرے ساتھ ہوں اور جسم تمہارے ساتھ۔ حضرت نوح

علیہ السلام نے کہا کہ اے خدا کے دشمن نکل جا۔ ابلیس بولا کہ پانچ چیزیں ہیں جن سے میں لوگوں کو ہلاک کرتا ہوں ان میں سے تین تمہیں بتاؤں گا اور دو تم سے نہ کہوں گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اس سے کہو تین لی مجھے حاجت نہیں۔ وہ دو بیان کر۔ ابلیس نے کہا انہی دو سے میں آدمیوں کو ہلاک کرتا ہوں اور ان کو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ ایک حسد کہ اسی کی وجہ سے میں ملعون ہوا اور شیطان مردود کہلایا۔ دوسری حرص کہ آدم کے لیے تمام جنت مباح کر دی گئی۔ میں نے حرص کی بدولت ان سے اپنا کام نکال لیا۔

راوی نے کہا کہ ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا اور کہنے لگا اے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی رسالت کے لیے برگزیدہ فرمایا ہے اور تم سے ہم کلام ہوا ہے۔ میں بھی خدا کی مخلوق میں شامل ہوں اور مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا۔ اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میرے پروردگار عزوجل کے پاس میری سفارش کیجئے کہ میری توبہ قبول کرے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ حکم ہوا کہ اے موسیٰ ہم تمہاری حاجت برلائے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام شیطان سے ملے اور کہا کہ مجھے ارشاد ہوا ہے کہ تو حضرت آدمؑ کی قبر کو سجدہ کرے۔ تو تیری توبہ قبول ہو۔ شیطان نے انکار کیا اور غصے میں آ کر کہنے لگا کہ جب میں نے آدمؑ کو ان کی زندگی میں سجدہ نہ کیا تو اب مرنے پر کیا سجدہ کروں گا۔ پھر شیطان نے کہا کہ اے موسیٰؑ تم نے جو اپنے پروردگار کے پاس میری سفارش کی ہے اس لیے تمہارا مجھ پر ایک حق ہے تم مجھ کو تین حالتوں میں یاد کیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کو ان تین وقتوں میں ہلاک کر دوں۔ ایک تو غصہ کے وقت مجھ کو یاد کرو کیونکہ میرا وسوسہ تمہارے دل میں ہے اور میری آنکھ تمہاری آنکھ میں ہے اور میں تمہارے رگ و پوست میں خون کی طرح دوڑتا پھرتا ہوں۔ دوسرے جہاد و غزا کی حالت میں میرا خیال کیا کرو کیونکہ میں فرزند آدمی کے پاس اس وقت جاتا ہوں جب وہ کفار سے مقابلہ کرتا ہے اور اس کے بال بچے بی بی گھر والے یاد دلاتا ہوں۔ یہاں تک کہ جہاد سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ تیسرے غیر محرم عورت کے پاس بیٹھنے سے بچتے رہو۔ کیونکہ میں تمہارے پاس اس کا قاصد ہوں اور اس کے پاس تمہارا پیامبر ہوں۔

سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر یہ کہ شیطان اس بات سے نا امید نہیں ہوا کہ اس کو عورتوں کے ذریعہ ہلاک کر دے۔

فضیل بن عیاض ؒ کہتے ہیں ہم کو اپنے بعض مشائخ سے یہ حدیث پہنچی کہ ابلیس حضرت موسی علیہ السلام کے پاس گیا۔ اس وقت حضرت موسی علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتے تھے شیطان سے فرشتے نے کہا وائے ہو تجھ پر اس حالت میں کہ حضرت موسی علیہ السلام اپنے پروردگار سے باتیں کر رہے ہیں تو ان سے کیا خواہش رکھتا ہے۔ جواب دیا کہ میں ان سے وہی خواہش رکھتا ہوں جو اس کے باپ آدم ؑ سے بہشت میں چاہا تھا۔

عبد الرحمٰن بن زیاد ؒ سے روایت ہے کہ ایک وقت حضرت موسی علیہ السلام کسی مجلس میں بیٹھے تھے اتنے میں ابلیس ان کے پاس آیا اور اس کے سر پر کلہ دار ٹوپی تھی جس میں طرح طرح کے رنگ تھے جب حضرت موسی علیہ السلام سے قریب ہوا تو ٹوپی اتار ڈالی اور سامنے رکھ لی۔ پھر آکر سلام علیک کیا۔ حضرت موسی علیہ السلام نے کہا تو کون ہے ؟ بولا میں ابلیس ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام بولے خدا تجھے زندہ نہ رکھے تو کیوں آیا؟ کہنے لگا میں آپ کو سلام کرنے آیا تھا۔ کیونکہ آپ کا مرتبہ اور آپ کی منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے جو میں نے تیرے سر پر دیکھی تھی۔ کہا کہ اس سے اولاد آدم ؑ کے دلوں کو لبھالیتا ہوں۔ پوچھا کہ بھلا یہ تو بتا کہ وہ کون سا کام ہے جس کے مرتکب ہونے سے تو انسان پر غالب آ جاتا ہے۔ جواب دیا کہ جب آدمی اپنی ذات کو بہتر جانتا ہے اور اپنے عمل کو بہت کچھ خیال کرتا ہے اور اپنے گناہوں کو بھول جاتا ہے۔ اے موسیٰ ؑ میں تم کو تین باتوں سے ڈراتا ہوں۔ ایک تو غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھنا۔ کیونکہ جب کوئی شخص غیر محرم کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو اس کے ساتھ میں بذات خود ہوتا ہوں میرے ساتھی نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ اس عورت کے ساتھ اس کو فتنے میں ڈال دیتا ہوں۔ دوسرے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کرو اس کو پورا کیا کرو۔ کیونکہ جب کوئی اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہے تو اس کا ہمراہی اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر میں خود ہوتا ہوں یہاں تک کہ اس شخص اور وفاء عہد کے درمیان حائل ہو جاتا ہوں۔ تیسرے جو صدقہ نکالا کرو اسے جاری کر دیا کرو۔ کیونکہ جب

کوئی صدقہ نکالتا ہے اور اسے جاری نہیں کرتا تو میں اس صدقہ اور اس کے پورا کرنے کے بیچ میں حائل ہو جاتا ہوں۔ اور یہ کام بذات خود کرتا ہوں۔ اپنے ساتھ والوں سے نہیں لیتا یہ کہہ کر شیطان چل دیا۔ اور تین بار کہا ہائے افسوس موسیٰؑ نے وہ باتیں جان لیں جن سے بنی آدم کو ڈرائے گا۔

حسن بن صالحؒ کہتے ہیں' میں نے سنا ہے کہ شیطان عورت سے کہتا ہے تو میرا آدھا لشکر ہے اور تو میرے لیے ایسا تیر ہے کہ جس کو مارتا ہوں نشانہ خطا نہیں کرتا۔ اور تو میری بھید کی چیز ہے۔ اور تو میری حاجت برلانے میں قاصد کا کام دیتی ہے۔

عقیل بن معقلؒ نے کہا میں نے وہب بن منبہ سے سنا کہ ایک راہب پر شیطان ظاہر ہوا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ اولاد آدم علیہ السلام کی کونسی ایسی خصلت ہے جو ان کے بارے میں تیری بہت معاون ہوتی ہے۔ شیطان نے جواب دیا کہ تیزی غضب' جب انسان تند مزاج ہوتا ہے تو ہم شیاطین اس کو اس طرح الٹتے پلٹتے ہیں جیسے لڑکے گیند کو لڑھکاتے پھرتے ہیں۔

ثابتؒ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابلیس لعین نے اپنے شیاطین کو اصحاب رضی اللہ عنہم کے پاس بھیجنا شروع کیا وہ سب کے سب نامراد لوٹے اور اپنی کاروائی کے دفتر اسی طرح سادہ لے گئے کچھ ان میں نہیں لکھا تھا۔ شیطان نے ان سے کہا تم کو کیا ہو گیا۔ اس قوم پر کچھ بھی حملہ نہ کر سکے۔ انہوں نے جواب دیا ہم نے ایسے لوگ آج تک نہیں دیکھے ابلیس نے کہا خیر اس وقت ان کو جانے دو۔ اور درگزر کرو۔ عنقریب دنیاوی فتوحات ان کو حاصل ہوں گی' اس وقت تم ان سے خاطر خواہ اپنا مطلب نکال لو گے۔

ابو موسی اشعریؓ سے مروی ہے کہ جب صبح ہوتی ہے ابلیس اپنے لشکروں کو منتشر کر دیتا ہے پھر کہتا ہے کہ جو تم میں سے کسی مسلمان کو گمراہ کرے گا میں اس کو تاج پہناؤں گا۔ راوی نے کہا کہ ایک ان میں سے آ کر بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں مسلمان سے اس کی بی بی کو طلاق ہی دلوا کر چھوڑا۔ ابلیس کہتا ہے عجب نہیں کہ دوسری کر لے ایک اور بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں مسلمان سے اس کے ماں باپ کی نافرمانی ہی کرا کر

چھوڑی۔ شیطان کہتا ہے عجب نہیں کہ وہ پھران کی خدمت کرے گا۔ ایک اور بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں کو شراب پلا کر چھوڑی۔ شیطان کہتا ہے تو نے بڑا کام کیا۔ ایک اور بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں مسلمان کو زنا کرا کے چھوڑا۔ شیطان کہتا ہے تو نے بھی بڑا کام کیا۔ ایک اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں سے قتل ہی کرا کر چھوڑا۔ شیطان کہتا ہے تو نے بہت ہی بڑا کام کیا۔

حسن کہتے ہیں کہ ایک درخت تھا جس کی لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے اس درخت کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں اس درخت کو ضرور کاٹ ڈالوں گا۔ یہ کہہ کر خدا کے خوف سے اس نے درخت کے کاٹنے کا قصد کیا۔ اتنے میں شیطان ایک انسان کی صورت اختیار کر کے اس کے سامنے آیا اور کہا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے ؟ اس شخص نے جواب دیا کہ اس درخت کو کاٹنا چاہتا ہوں جس کو لوگ خدا چھوڑ کر پوجتے ہیں۔ شیطان نے کہا کہ جب تم اس درخت کی پرستش نہیں کرتے تو دوسروں کی عبادت کرنے سے تمہارا کیا نقصان ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس کو ضرور کاٹوں گا۔ شیطان نے کہا کیا تم ایسی چیز چاہتے ہو جو تمہارے لیے بہتر ہو ؟ اس درخت کو مت کاٹو۔ تم کو ہر روز علی الصبح دو دینار تکیہ کے نیچے سے ملا کریں گے۔ اس نے کہا تمہاری بات کا ضامن کون ہے ؟ شیطان بولا میں خود ذمہ دار ہوں۔ وہ شخص واپس لوٹ آیا۔ اگلے روز صبح کو دو دینار اپنے سرہانے پائے۔ پھر جو دوسرے دن صبح کو اٹھا تو اسے کچھ نہ ملا۔ غصہ میں آکر درخت کو کاٹنے کے لیے اٹھا۔ شیطان اس کے پاس آدمی کی صورت میں آیا تو کہا تو کیا چاہتا ہے ؟ اس نے کہا اس درخت کو کاٹنا چاہتا ہوں۔ جس کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے۔ شیطان نے کہا تو جھوٹا ہے تو خدا کے خوف سے اس کو نہیں کاٹتا۔ وہ شخص درخت کو کاٹنے لگا۔ شیطان نے اس کو زمین پر دے مارا۔ اور اس کا گلا گھونٹ دیا۔ قریب تھا کہ اس کا دم نکل جاوے۔ پھر اس سے کہا تو مجھے جانتا ہے کہ میں کون ہوں ؟ مجھ کو شیطان کہتے ہیں۔ پہلی بار تو خدا کے واسطے غصہ سے بھرا ہوا آیا تھا تو میں تجھ پر قابو نہ پا سکا۔ اس لیے تجھ کو فریب دیا کہ دو دینار ملا کریں گے۔ تو نے اس کو چھوڑ دیا۔ اب جب کہ تو دیناروں کے لیے غصہ کر کے آیا تو میں تجھ پر غالب ہوا۔

زید بن مجاہد نے کہا کہ ابلیس کی اولاد میں سے پانچ ہیں جن میں سے ہر ایک کو ایک کام پر جس کا اس نے حکم کیا ہے مقرر کر رکھا ہے۔ اور ان کے نام یہ ہیں : ثبر' اعور' مسبوط (مسوط) داسم' زکنبور۔ ثبر کے اختیار میں تو مصیبتوں کا کاروبار ہے۔ جن میں لوگ ہائے واویلا کرتے ہیں اور گریبان پھاڑتے ہیں۔ اور اعور زنا کا حاکم ہے لوگوں کو زنا کا مرتکب کرتا ہے اور اسے اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ اور مسبوط (مسوط) اس کذب و دروغ پر مامور ہے جسے لوگ کان لگا کر سنیں۔ ایک انسان سے ملتا ہے جھوٹی خبر اس کو دیتا ہے۔ وہ شخص لوگوں کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ایک انسان کو دیکھا جس کی صورت پہچانتا ہوں مگر نام نہیں جانتا مجھ سے ایسا ایسا کہتا تھا۔ اور داسم کا کام یہ ہے کہ آدمی کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہوتا ہے اور گھر والوں کے عیب اس کو دکھاتا ہے اور اس کو ان پر غضب ناک کرتا ہے۔ اور زکنبور بازار کا مختار ہے۔ بازار میں آ کر اپنا جھنڈا گاڑتا ہے۔

مخلد بن حسین ؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو کسی شئے کی طرف نہیں بلاتا مگر یہ کہ شیطان اس میں دخل دے کر دو میں سے ایک کام کر گزرتا ہے یا تو وہ اس شئے میں افراط کرتے ہیں یا اس سے کوتاہی کرتے ہیں۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شیطان سب سے نیچے والی زمین میں جکڑا ہوا ہے۔ پھر جب وہ جنبش کرتا ہے تو زمین پر سب شرو فساد جو کہ دو یا زیادہ شخصوں میں پیدا ہوتا ہے وہ اس کی حرکت سے ہوتا ہے۔

مصنف ؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ شیطان کے مکر اور فتنے بہت ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب میں اپنے اپنے موقع پر بیان ہوں گے۔ اور چونکہ شیطان کے فتنے بکثرت ہیں اور دلوں کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اس لیے انسان کو اس کے مکائد سے بچنا مشکل ہے۔ کیونکہ جو شخص آدمی کو اس کی مرغوب الطبع چیز پر ابھارتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے کشتی کے لیے بہاؤ دریا کا ہوتا ہے۔ دیکھو کس تیزی سے کشتی رواں ہوتی ہے۔ اور جب کہ ہاروت و ماروت میں خواہش نفسانی کا مادہ پیدا کر دیا گیا تو وہ ضبط نہ کر سکے۔ لہٰذا جب فرشتے کسی مسلمان کو ایمان پر مرتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کے سلامت بچنے سے تعجب کرتے ہیں۔

عبد العزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ جب بندۂ مومن کی روح آسمان پر لے جاتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں سبحان اللہ اس بندے کو خدا نے شیطان سے نجات دی۔ تعجب ہے کہ یہ بے چارہ کیونکر بچ گیا۔

ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے

ابن قسیط کہتے ہیں کہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے اٹھ کر باہر تشریف لے گئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں مجھ کو رشک ہوا۔ پھر آپ ﷺ میرے پاس آئے تو مجھ کو سوچ میں پایا۔ فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا تجھ کو کیا ہوا کیا تجھے رشک ہوا؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلا مجھ ایسی عورت کو آپ ایسے کے بارے میں کیونکر رشک نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہؓ کیا تجھ پر تیرا شیطان غالب آیا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ فرمایا ہاں میں نے عرض کیا اور کیا ہر آدمی کے ساتھ شیطان ہے؟ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا اور آپ کے ساتھ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے۔ مگر میرے پروردگار عزوجل نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

مصنف نے کہا یہ حدیث فقط مسلم میں ہے۔ اور دوسرے لفظ میں یوں آئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا۔ اس لیے میں اس کے شر سے بچا رہتا ہوں۔ ابو سلیمان خطابی نے کہا عامہ رواۃ لفظ **فاسلم** کو بصیغۂ ماضی غائب کہتے ہیں۔ یعنی وہ شیطان مسلمان ہو گیا' مگر سفیان بن عیینہ **فاسلم** بصیغۂ مضارع متکلم کہتے ہیں۔ یعنی میں اس کے شر سے بچا رہتا ہوں۔ سفیان کا قول ہے کہ شیطان مسلمان نہیں ہوتا۔

مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ ابن عیینہ کا قول حسن ہے اور اس سے ریاضت و محنت کشی کا اثر ظاہر ہوتا ہے کیونکر شیطان اس کے مخالف ہے۔ لیکن بظاہر عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ابن عیینہ کے قول کو رد کرتی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی فرد بشر نہیں مگر اس

کے ساتھ ایک ہمراہی جن اور ایک ہمراہی فرشتہ موکل ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اور آپ ﷺ کے ساتھ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا میرے ساتھ بھی۔ مگر اللہ عزوجل نے اس پر مجھے غالب کر دیا' اس لیے مجھ کو حق بات کے سوا نہیں بتاتا۔

سالمؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک آدمی کے ساتھ اس کا قرین موکل ہے۔ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کے ساتھ؟ فرمایا میرے ساتھ بھی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا۔ لہٰذا وہ اسلام لے آیا تو اب مجھے نیک کام کے سوا نہیں بتاتا مصنفؒ نے کہا کہ یہ حدیث فقط مسلم میں ہے۔ اور سالم راوی حدیث ابو الجعد کے بیٹے ہیں اور ابو الجعد کا نام رافع ہے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے شیطان کا اسلام لانا پایا جاتا ہے' اور احتمال دوسرے قول کا بھی ہے۔

شیطان آدمی کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے

حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی نے کہا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے۔ میں رات کو آپ ﷺ کی زیارت کے لیے گئی اور آپ ﷺ سے باتیں کر کے واپس آنے لگی۔ آپ ﷺ میرے ساتھ مجھ کو گھر پہنچانے کے لیے ہو لیے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مکان اسامہ بن زیدؓ کے احاطہ میں تھا۔ اتنے میں دو انصار کے آدمی نمودار ہوئے۔ انہوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو تیزی کے ساتھ آگے بڑھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ٹھہرو ٹھہرو' میرے ساتھ صفیہؓ ہے وہ عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ یہ آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے' میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں تمہارے دلوں میں "خیالِ فاسد" یا فرمایا "کوئی بات" نہ ڈال دے۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ ابو سلیمان خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں فقہی بات یہ ہے کہ انسان کو ہر ایسے امر مکروہ سے بچنا مستحب ہے جس سے بدگمانیاں پیدا ہوں اور دلوں میں خطرے

گزریں۔ اور چاہئے کہ عیب سے اپنی برائت ظاہر کر کے لوگوں کے طعن سے بچنے کی کوشش کرے۔ اسی بارے میں امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا خوف ہوا کہ کہیں ان دونوں انصاریوں کے دل میں کوئی خیال ناقص نہ آوے جس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائیں اور یہ آپ ﷺ کا فرمانا ان کی بہتری کے لیے تھا۔ کچھ اپنے نفع کے واسطے نہیں۔

شیطان سے پناہ مانگنے کا بیان

مصنف کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ایک تو تلاوت قرآن مجید کے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا **واذا قراء ت القرآن فاستعذ باللہ الخ** (النحل پ ۱۴ آیت ۹۸) یعنی جب تم قرآن شریف پڑھا کرو تو شیطان مردود سے خدا کی پناہ مانگو۔ دوسرے جادو کیے جانے کے وقت چنانچہ ارشاد فرمایا **قل اعوذ برب الفلق الخ** جب کہ ان دو موقعوں میں شیطان کے شر سے بچنے کا حکم فرمایا تو دوسرے موقعوں کا تو کیا ذکر ہے۔

ابو التیاح کہتے ہیں میں نے عبدالرحمن بن خنبش سے کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے۔ وہ بولے ہاں۔ میں نے کہا بھلا یہ تو بتاؤ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے شیاطین نے مکر گانٹھا تھا تو آپ ﷺ نے کیا کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ شیاطین جنگل کی نالیوں سے اور پہاڑوں کی گھاٹیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اور ان میں سے ایک شیطان اپنے ہاتھ میں آگ کا شعلہ لیے ہوئے تھا۔ چاہتا تھا کہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو جلا دے۔ اتنے میں آپ ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہئے۔ فرمایا کیا کہوں کہا یہ دعا پڑھئے۔ **اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق وذراء وبراء ومن شر ما ینزل من السماء ومن شرما یعرج فیھا ومن شرفتن اللیل والنھار ومن شر کل طارق الاطارقا یطرق بخیر یارحمن** راوی نے بیان کیا کہ اس دعا کے

پڑھنے سے شیاطین کی آگ بجھ گئی۔ اور خدا نے ان کو شکست دی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ایک کے پاس شیطان آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تم کو کس نے پیدا کیا' وہ کہتا ہے خدا نے پھر پوچھتا ہے کہ خدا کو کس نے بنایا۔ پس جب تم میں کسی کے دل میں یہ خیال آئے تو یوں کہنا چاہئے امنت باللہ ورسلہ اس کے کہنے سے یہ خیال جاتا رہے گا۔

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرزند آدم کو شیطان بھی چھوتا ہے اور فرشتہ بھی مس کرتا ہے' تو نیکی کی طرف جھکتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے۔ جب تمہارے دل میں خیال نیک آئے تو سمجھ لو خدا کی طرف سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ اور جب بری بات جی میں آئے تو شیطان سے پناہ مانگو۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء (البقرہ پ ۳ آیت ۲۶۸) الخ شیطان تم کو محتاجی کا وعدہ دیتا ہے اور بری باتیں بتاتا ہے۔ مصنفؒ نے کہا کہ اس حدیث کو جریر نے عطا سے اور عطا نے ابن مسعودؓ سے موقوفاً" روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے تعوذ فرماتے تھے اور اس طرح کہتے تھے اعیذ کما بکلمات اللہ التامہ من کل شیطان وھامتہ ومن کل عین لامتہ پھر فرماتے تھے کہ اسی طرح میرے باپ ابراہیم علیہ السلام بھی اسمٰعیل و اسحٰق کے لیے پناہ مانگا کرتے تھے۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا ہامہ ہوام کا واحد ہے۔ اور ہامہ اس مخلوق کو کہتے ہیں جو بدی کا قصد کرے اور لامہ بمعنی ملمہ ہے۔ یعنی رنج دینے والی اور حدیث میں لامہ فقط ھامہ کی مناسبت سے آیا ہے۔ اور زبان پر خفیف ہے۔

ثابتؒ سے روایت ہے کہ مطرف نے کہا کہ میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ فرزند آدم اللہ عزوجل اور ابلیس کے درمیان میں پڑا ہے۔ اگر خدا چاہتا ہے کہ اس کو محفوظ رکھے

تو بچالیتا ہے اور اگر چھوڑ دیتا ہے تو شیطان اس کو لے جاتا ہے۔

بعض سلف سے حکایت منقول ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب شیطان گناہ کو تیری نظروں میں آرائش دے گا تو کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس کو محنت میں ڈالوں گا۔ ان بزرگ نے پھر دو مرتبہ کہا اگر پھر وہ ایسا کرے گا تو تو کیا کرے گا۔ شاگرد نے دونوں مرتبہ کہا اس کو مشقت میں ڈالوں گا۔ بزرگ نے فرمایا کہ یہ بات بہت بڑی ہے یہ بتا کہ اگر تو کسی بکریوں کے گلے پر گزرے اور گلے کا کتا تجھ پر حملہ کرے اور تجھ کو چلنے سے باز رکھے تو تو کیا کرے گا؟ اس نے کہا میں کتے کو ماروں گا اور بقدر امکان ہٹاؤں گا۔ بزرگ نے کہا یہ تیرے لیے بڑا کام ہے تم کو چاہئے کہ گلے کے مالک کو پکارا کرو وہ تم کو کتے کے شر سے بچائے گا۔

مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ جاننا چاہئے کہ ابلیس کی مثال متقی اور دنیا دار کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک آدمی بیٹھا ہو اور اس کے سامنے کھانا نہ ہو اس پر کتے کا گزر ہوا اور اس نے اس کو دھتکارا تو وہ جھٹ چل دیا۔ پھر دوسرے شخص پر گزرا اور اس کے آگے کھانا اور گوشت ہے جب وہ اس کو ڈانٹتا ہے تو وہ بھاگتا نہیں۔ پہلی مثال متقی کی ہے کہ اس کے پاس شیطان آتا ہے تو اس کے دور کرنے کے لیے فقط ذکر خدا کافی ہے اور دوسری مثال دنیا دار کی ہے کہ اس سے شیطان جدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ہر ایک سے ملا جلا رہتا ہے۔

باب چہارم

تلبیس اور غرور کے معانی کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ تلبیس کے معنی باطل کو حق کی صورت میں ظاہر کرنا ہے۔ اور غرور ایک قسم کی نادانی ہے جس کی وجہ سے فاسد عقیدہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور ناقص چیز اچھی معلوم ہوتی ہے اور اس نادانی کا سبب فقط کسی ایسے شبہ کا وجود ہے جس سے یہ بات پیدا ہوئی اور ابلیس اپنے حتیٰ المقدور لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان پر قابو پانا چاہتا ہے اور اس کا غالب ہونا آدمیوں کی عقل و دانش اور جہل و علم کے موافق کم و بیش ہوتا ہے اور جاننا چاہئے کہ انسان کا دل مثل قلعے کے ہے اور اس قلعے کی ایک چار دیواری ہے۔ اور چار دیواری میں دروازے ہیں اور روزن ہیں۔ اس میں عقل رہتی ہے۔ اور فرشتے اس قلعے میں آتے جاتے رہتے ہیں اور قلعے کے ایک طرف پناہ گاہ ہے۔ اس میں خواہشات اور شیاطین آتے جاتے رہتے ہیں جنکو کوئی نہیں روکتا۔ قلعے والوں اور پناہ گاہ والوں میں لڑائی ہوتی ہے۔ اور شیاطین قلعے کے گرداگرد گھومتے رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پاسبان غافل ہو جاوے یا کسی روزن سے آڑ ہٹ جائے تو قلعے میں گھس پڑیں۔ لہٰذا پاسبانوں کو چاہئے کہ ان کو قلعے کے جن جن دروازوں کے لیے مقرر کیا ہے ان کی خبر گیری رکھیں اور تمام روزنوں کا خیال رکھیں اور پاسبانی سے ایک لحظہ بے خبر نہ ہوں کیونکہ دشمن موقعہ کا منتظر ہے اور بے خبر نہیں۔ (کسی شخص نے حسن بصریؒ سے پوچھا کہ یا حضرت کیا کبھی شیطان سوتا بھی ہے؟ جواب دیا کہ شیطان کو نیند آتی تو ہم لوگوں کو بہت راحت ملتی) پھر وہ قلعہ ذکر خدا سے روشن اور ایمان سے پر نور ہے۔ اس میں ایک جلا کیا ہوا آئینہ ہے جس میں صورتیں نظر آتی ہیں۔ جب شیاطین پناہ گاہ میں بیٹھتے ہیں تو پہلے دھواں کثرت سے کرتے ہیں جس سے قلعے کی دیواریں سیاہ ہو جاتی ہیں۔ اور آئینہ زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ یہ دھواں فکر کی ہوا سے زائل ہوتا ہے اور آئینہ پر ذکر الٰہی صیقل کا کام کرتا ہے۔ دشمن کا حملہ کئی طرح سے ہوتا ہے۔ کبھی تو قلعہ کے اندر آنے لگتا ہے تو

پاسبان اس پر حملہ کرتا ہے۔ اور کبھی داخل ہو کر چھپ رہتا ہے۔ اور کبھی پاسبان کی غفلت سے قلعے میں قیام کرتا ہے۔ بسا اوقات دھویں کو اڑا دینے والی ہوا ٹھہر جاتی ہے تو قلعے کی دیواریں سیاہ رہتی ہیں اور آئینہ میں زنگ ہوتا ہے تو شیطان جلد آتا ہے اور اس کو کوئی نہیں جانتا۔ اور اکثر اوقات پاسبان اپنی غفلت کی وجہ سے باہر چلا جاتا ہے' تو قید کر لیا جاتا ہے' اور اس سے شیاطین خدمت لیتے ہیں' اور وہ ہوائے نفسانی کی موافقت کر کے خوش دلی سے لشکر شیاطین میں رہ جاتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شر و فساد کا گرو گھنٹال بن جاتا ہے۔

کسی بزرگ نے کہا میں نے شیطان کو دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ میں لوگوں سے ملتا تھا تو ان کو تعلیم دیتا تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ ان سے ملتا ہوں اور خود تعلیم لیتا ہوں۔ اور اکثر اوقات شیطان ہوشمند اور عاقل آدمی پر ہجوم کرتا ہے۔ اور خواہش نفسانی کو ایک دلہن کی صورت میں اس کی نظروں میں جلوہ گر کرتا ہے۔ وہ شخص اس کو دیکھ کر شیطان کی قید میں پھنس جاتا ہے۔ اور زیادہ قوی دشمن جس کی زنجیر میں آدمی جکڑ جاتا ہے جہل و نادانی ہے۔ اس سے کم خواہش نفسانی ہے۔ اس کے بعد ایک دشمن ضعیف غفلت ہے۔ جب تک ایمان کی زرہ مومنوں پر رہتی ہے۔ اس وقت تک دشمن کا تیر کارگر نہیں ہوتا۔

حسن بن صالحؒ کہتے ہیں کہ شیطان آدمی کے لیے ننانوے دروازے نیکی کے کھول دیتا ہے جس سے ایک دروازہ برائی کا مقصود ہوتا ہے۔

اعمش نے کہا کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا جو جنوں سے باتیں کرتا تھا کہ شیاطین باہم گفتگو کرتے تھے کہ جو لوگ سنت نبوی ﷺ کے تابع ہیں۔ وہ ہمارے لیے نہایت سخت ہیں۔ لیکن جو خواہش نفسانی کے بندے ہیں ان کے ساتھ تو ہم کھیلتے ہیں۔

باب پنجم

شیطان کا عقائد و دیانات تلبیس کرنا

سوفسطائیہ کے لیے شیطان کی تلبیس کا بیان

مصنف نے کہا سوفسطائیہ ایک قوم ہے جو ایک شخص کی طرف منسوب ہیں جن کو سو فسطا کہتے ہیں۔ اس قوم کا خیال یہ ہے کہ اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ جو چیز ہم دور سے دیکھتے ہیں ممکن ہے کہ جیسی ہم دیکھتے ہیں ویسی ہی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے خلاف ہو۔ علماء نے ان پر اعتراض کیا ہے اور پوچھا ہے کہ تمہارے اس قول کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں۔ اگر تم کہو کچھ حقیقت نہیں اور اس کے بطلان کو جائز رکھو تو ایسا دعویٰ جس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ تم اس قول سے اقرار کرتے ہو کہ تمہاری بات قابل تسلیم نہیں۔ اور اگر تم یہ کہو کہ اس قول کی حقیقت ہے تو تم نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا۔ ان لوگوں کے مذہب کا تذکرہ ابو محمد حسین بن موسیٰ نو بختی نے کتاب ال آراء والدیانات میں کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے اکثر علماء متکلمین کو دیکھا کہ اس جماعت کے بارے میں انہوں نے صریح غلطی کی۔ کیونکہ انہوں نے اس قوم سے بحث و مباحثہ کیا۔ اور دلائل و مناظرے سے ان کی تردید کی۔ حالانکہ یہ لوگ حقیقت اور امر اور مشاہدہ ہی کو ثابت نہیں کرتے۔ پھر ایسے شخص سے کیونکر کلام کرے جو کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم تم مجھ سے کلام کرتے ہو یا نہیں۔ اور ایسا آدمی کس طرح مناظرہ کرتا ہے جو اتنا نہیں جانتا کہ وہ خود موجود ہے یا معدوم۔ اور ایسا انسان کیسے خطاب کرتا ہے جو خطاب کو بمنزلہ سکوت سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور صحیح کو مثل فاسد کے خیال کرتا ہے۔ نو بختی نے کہا پھر مناظرہ وہی شخص کرتا ہے جو ایک کا مقر ہو اور ایک امر کا معترف ہو۔ اور جس کا وہ مقر ہو اس کو ایسی چیز کی صحت کا سبب قرار دے۔ جس

سے وہ منکر ہو۔ لیکن جو شخص اس کا معترف نہ ہو اس کا مجادلہ اعتبار سے ساقط ہے۔

مصنفؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ اس کلام کا ابو الوفاء بن عقیل نے رد کیا اور کہا کہ ایک جماعت کا قول ہے کہ ہم سوفسطائیوں سے کلام کیا کریں۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ مباحثہ کرنے والا معقول کو محسوس سے ملائے اور شاہد کو پیش کر کے اس کی وجہ سے غائب پر دلیل لائے۔ حالانکہ یہ لوگ سرے سے محسوسات ہی کے قائل نہیں۔ ابو الوفاء کہتے ہیں اور یہ کلام تنگ حوصلگی ہے۔ یہ نہ چاہئے کہ ان لوگوں کے معالجہ سے مایوس ہو کر فارغ ہو جائیں۔ کیونکہ ان کو جو کچھ خبط ہوا ہے وہ فقط وسواس سے زیادہ نہیں۔ لہٰذا ایسا زیبا نہیں کہ ان کے تعرض سے حوصلہ تنگ کیا جاوے۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کو برگشتگی مزاج کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے ہماری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو خدا نے بھینگا بیٹا بخشا۔ وہ ہمیشہ ایک چاند کو دو چاند دیکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کو اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔ کہ آسمان پر دو چاند ہیں۔ اس سے اس کا باپ کہتا ہے کہ چاند ایک ہی ہے۔ صرف قصور تیری آنکھ کا ہے۔ اپنی عیب دار آنکھ بند کر کے دیکھ۔ جب وہ لڑکا اس طرح کرتا تو کہتا ہے کہ میں ایک چاند اس وجہ سے دیکھتا ہوں کہ ایک آنکھ بند کیے ہوں۔ دوسرا چاند غائب ہو گیا۔ اب اس قول سے ایک اور شبہ پیدا ہو گیا۔ پھر اس کے باپ نے کہا کہ تیرے قول کے مطابق اس وجہ سے ایک چاند جاتا رہا تو اچھی آنکھ بند کر کے نظر کر۔ جب اس نے ایسا کیا تو دو چاند دکھائی دیئے۔ اب اس نے اپنے باپ کی بات کو درست جانا۔

محمد بن عیسیٰ نظام نے کہا کہ صالح بن عبد القدوس کا ایک بیٹا مر گیا۔ اس کے پاس ابو الہذیل کا گزر ہوا۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اور اس زمانے میں میں لڑکا تھا۔ صالح نے دردناک آواز سے گفتگو کی۔ اس کی حالت متغیر دیکھ کر ابو الہذیل نے کہا کہ مجھ پر تمہارے رنج و غم کی کوئی وجہ نہیں کھلتی۔ کیونکہ تمہارے نزدیک آدمی ایسے ہیں جیسے کھیتی۔ صالح نے جواب دیا کہ اے ابو الہذیل میں بیٹے کا غم محض اس لیے کرتا ہوں کہ اس نے کتاب الشکوک کو نہ پڑھا۔ ابو الہذیلؒ نے پوچھا کتاب الشکوک کیا ہے؟ کہنے لگا ایک کتاب ہے جو میں نے تصنیف کی ہے۔ جو اس کو پڑھتا ہے اس کو ہو چکی ہوئی چیزوں

میں شک پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو وہم ہو جاتا ہے کہ نہیں ہوئیں اور جو باتیں نہیں ہوئیں ان میں شبہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ خیال کرلیتا ہے کہ ہو چکیں۔ نظام کہتے ہیں میں نے صالح سے کہا کہ پھر اب تم بھی اپنے بیٹے کے مرنے میں شک کرو اور اس پر عمل کرو کہ وہ نہیں مرا گو کہ مرچکا۔ اور شبہ میں پڑ جاؤ کہ اس نے کتاب الشکوک پڑھ لی اگرچہ نہیں پڑھی۔

ابو القاسم بلخی حکایت کرتے ہیں کہ ایک سوفسطائی شخص کسی متکلم کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ ایک بار ان کے پاس آیا اور مناظرہ کیا۔ ان عالم نے کسی سے کہہ دیا کہ اس شخص کی سواری کہیں لے جاؤ۔ جب وہ سوفسطائی باہر آیا تو سواری کو نہ پایا۔ عالم کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میری سواری چوری ہو گئی۔ عالم نے جواب دیا کہ یہ کیا کہتے ہو۔ شاید تم سواری پر نہ آئے ہو گے۔ اس نے کہا کیوں نہیں۔ عالم بولے سچ بولو۔ وہ کہنے لگا میں اس امر کا یقین کرتا ہوں عالم نے بار بار کہنا شروع کر دیا کہ یاد کرلو۔ وہ کہنے لگا آپ کیا فرماتے ہیں۔ یہ کچھ یاد کرنے کی بات نہیں۔ مجھ کو کامل یقین ہے کہ میں سوار ہو کر آیا ہوں۔ پھر عالم نے کہا پھر تم کیونکر دعوی کرتے ہو کہ اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ حالت بیداری اور حالتِ خواب یکساں ہے سوفسطائی لاجواب ہوا اور اپنے مذہب سے رجوع کیا۔

ابو محمد نوبختی نے کہا کہ ایک نادانوں کا گروہ خیال کرتا ہے۔ کہ اشیاء کی حقیقت خاص نہیں بلکہ ہر شے کی حقیقت ہر قوم کے نزدیک ان کے اعتقاد کے موافق ہے مثلاً شہد صفراوی مزاج والے کو تلخ معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو شیریں۔ اسی طرح عالم کو بھی جو لوگ قدیم مانتے ہیں ان کے نزدیک قدیم ہے اور جو حادث جانتے ہیں ان کے نزدیک حادث ہے۔ اور رنگ کو جو لوگ جسم فرض کرتے ہیں ان کے نزدیک جسم ہے۔ اور جو لوگ عارض سمجھتے ہیں ان کے نزدیک عارض ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اب اگر ہم اعتقاد رکھنے والوں کو بھی معدوم خیال کریں تو یہ اعتقاد رکھنے والے کے وجود پر موقوف ہوگا۔ نوبختی نے کہا یہ لوگ بھی سوفسطائیہ کی قسم سے ہیں۔ ان کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا قول صحیح ہے۔ تو وہ کہیں گے کہ ہاں ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ اور ہمارے مخالف

کے نزدیک باطل ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ تمہارے قول کا صحیح ہونا مردود ہے۔ اور تمہارا یہ اقرار کرنا کہ تمہارا مذہب تمہارے مخالف کے نزدیک باطل ہے تم پر حجت ہے۔ اور جو کسی وجہ سے اپنے قول کے باطل ہونے پر حجت لائے تو اس کا مخالف اس کے فساد مذہب کے ظاہر کرنے میں کافی و غالب ہو جائے گا اور ایک دوسرا جواب اس قوم کا یہ ہے کہ ان سے پوچھا جاوے تم مشاہدہ کے لیے کوئی حقیقت ثابت کرتے ہو یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں تو اس کا جواب اول الذکر جماعت میں مذکور ہو چکا ہے اور اگر کہیں کہ مشاہدہ کی حقیقت اعتقاد پر موقوف ہے۔ تو انہوں نے اس سے نفس حقیقت کی نفی کر دی۔ اب ان کے ساتھ وہی کلام ہوگا جو پہلے فرقہ کے ساتھ تھا۔ نوبختی نے کہا اس قوم سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ عالم پگھلتا رہتا ہے۔ اور بہتا رہتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ انسان ایک شے کو دو بار ذہن میں نہیں لا سکتا۔ کیوں کہ اشیاء ہمیشہ متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ تم کو یہ علم کہاں سے آگیا حالانکہ تم خود اسی بات کا انکار کرتے ہو جس کی وجہ سے یہ علم آیا۔ دوسرے جب ہم تم میں سے کسی کو جواب دیں گے تو وہ شخص مخاطب نہ ہو گا جس سے ہم نے کلام کیا تھا۔

دہریہ پر شیطان کی تلبیس کا ذکر

مصنفؒ نے کہا ابلیس نے بہت سی مخلوق کو اس وہم میں ڈال دیا ہے کہ نعوذ باللہ کوئی معبود اور صانع نہیں۔ اور یہ اشیاء بغیر کسی موجود کنندہ کے وجود میں آگئیں۔ ان لوگوں نے جبکہ صانع کو حس کے ذریعے سے نہ پایا اور اس کی معرفت کے لیے عقل کو کام میں نہ لائے تو اس کی ہستی کا انکار کر بیٹھے۔ کیا بھلا کوئی عاقل آدمی صانع کے وجود میں شک لا سکتا ہے۔ اگر انسان کا گزر کسی میدان میں ہوتا ہے جہاں کوئی عمارت نہ ہو پھر کبھی دوبارہ وہاں دیوار کھڑی دیکھے تو یقیناً" جانے گا کہ اس دیوار کا کوئی بنانے والا ہے۔ پھر کیا یہ فرش زمین اور یہ آسمان بلند اور یہ عجب بنیادیں اور حکمت کے موافق جاری قوانین صانع مطلق پر دلالت نہیں کرتے۔ کسی عرب نے کیا خوب کہا ہے : **ان البعرة تدل علی البعیر فھیکل علوی بھذه اللطافته ومرکز سفیلی**

بھذه الکثافته اما یدلان علی اللطیف الخبیر یعنی اونٹ کی مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے۔ پھر پیکر علوی اس لطافت سے اور مرکز سفلی اس کثافت سے کیا لطیف و خبیر پر دلالت نہیں کرتے۔ پھر اگر انسان اپنے نفس میں تامل کرے تو اس کے واسطے ایک کافی و شافی دلیل موجود ہے۔ کیونکہ اس جسم انسانی میں حکمتیں ہیں جن کے بیان کی کتاب میں گنجائش نہیں جو شخص غور کرے گا کہ دانت اس لیے تیز ہیں تاکہ ٹکڑے کریں داڑھیں اس لیے چوڑی ہیں کہ پیس ڈالیں اور زبان لقمہ کو الٹتی پلٹتی ہے اور جگر طعام پر مسلط ہے۔ اسے پکاتا ہے پھر ہر خارجی حصہ کو بقدر ضرورت غذا پہنچاتا ہے۔ اور ان انگلیوں میں اس لیے گرھیں ہیں تاکہ کھلیں اور بند ہو جائیں اور کام کر سکیں۔ پھر انگلیوں کو ہڈی سے خالی نرا گوشت ہی نہ رکھا۔ کیونکہ اگر پولی ہوتیں تو مضبوط چیز سے انہیں صدمہ پہنچتا اور ٹوٹ جاتیں۔ پھر کوئی انگلی بڑی کوئی چھوٹی بنائی۔ جب سب مل جاتی ہیں تو برابر ہو جاتی ہیں۔ اور بدن انسانی میں اس چیز کو پوشیدہ کیا جس سے بدن قائم ہے۔ وہ نفس ہے جس کے نکل جانے سے بدن فاسد ہو جاتا ہے۔ اور عقل ہے جو مصلحتوں کی ہدایت کرتی ہے۔ ان چیزوں سے ہر ایک بہ آواز بلند پکار کر کہتی ہے **افی اللہ شک** کیا خدا کی ہستی میں کوئی شبہ ہے۔ منکرین فقط اس وجہ سے بے راہ ہو گئے کہ انہوں نے خدا کو حس ظاہری کے ذریعے سے طلب کیا۔ بعض لوگوں نے خدا کا اس لیے انکار کیا کہ جس کا وجود اجمالی طور پر ثابت کیا گیا۔ انہوں نے تفصیلی حیثیت سے اس کا ادراک نہ کیا لہٰذا اصل ہی سے منکر ہو گئے۔ اور اگر یہ لوگ اپنے غور و فکر کو کام میں لاتے تو جان لیتے کہ خود ہم میں ایسی چیزیں ہیں جن کا ادراک ہم اجمالی طور پر کرتے ہیں جیسے نفس اور عقل۔ حالانکہ کوئی ان کا وجود ثابت کرنے سے باز نہیں رہا اور زیادہ سے زیادہ اتنا ہے کہ خالق کا وجود مجمل طور پر ثابت کیا جاتا ہے۔ اور یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ کیسا ہے وہ کیا ہے۔ جب کہ نہ اس کی کوئی کیفیت ہے نہ ماہیت۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قطعی دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ عالم حادث ہے۔ کیونکہ وہ حوادث سے خالی نہیں۔ اور جو چیز کہ حوادث سے نہ بچی ہو وہ حادث ہے۔ اب اس حادث کے حدوث کا کوئی سببُ ہونا ضروری ہے۔ وہی سبب خالق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔

ملحدین زبان درازی سے ہمارے اس قول پر اعتراض کرتے ہیں کہ صنعت کے لیے کوئی صانع ضرور ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تمہارا اس بارے میں اس دلیل پر دار و مدار ہے اور اسی دلیل سے تم فیصلہ کرتے ہو۔ ہم کہیں گے کہ جس طرح صنعت کے لیے صانع کا ہونا ضروری ہے اسی طرح اس صورت کے لیے جو صانع نے بنائی ایک مادہ کا ہونا ضروری ہے جس میں وہ صورت واقع ہو۔ جیسے لکڑی دروازے کی صورت کے لیے' لوہا کلہاڑی کی صورت کے لیے ملحدین کہتے ہیں کہ اب جس دلیل سے تم نے صانع کا وجود ثابت کیا تھا۔ اسی دلیل سے عالم کا قدیم ہونا لازمی آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہم کو مادہ کی کوئی حاجت نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ صانع نے اشیاء کی ایجاد و اختراع کی ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جسم میں صورتیں اور اشکال متجددہ جیسے دولاب کی صورت اس میں کوئی مادہ نہیں۔ حالانکہ صانع نے اس صورت کو اختراع کیا ہے۔ اور اس کے لیے مصور کا ہونا ضروری ہے۔ اب ہم نے آپ کو ایک ایسی صورت دکھا دی جس کا وجود عدم محض سے ہوا۔ اور تم ہم کو کوئی ایسی صنعت نہیں دکھا سکتے جو بغیر کسی صانع کے ظہور میں آئی ہو۔

طبعیات والوں (طبائعیین) پر شیطان کی تلبیس کا ذکر

مصنف ؒ نے کہا کہ جب شیطان نے دیکھا کہ صانع کا انکار کرنے میں اس کی بات کم مانی جاتی ہے۔ کیونکہ عقلیں اس بات کی شاہد ہیں کہ مصنوع کے لیے صانع کا ہونا لازم ہے تو چند اقوام کی نگاہوں میں اس عقیدہ کو زینت دی کہ یہ تمام مخلوقات صرف طبیعت کا فعل ہے اور سمجھایا کہ دنیا میں جو اشیاء ہیں وہ سب چاروں طبیعتوں کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ طبیعتیں ہی غافل ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ طبائع بغیر اجتماع اور باہمی آمیزش کے فعل نہیں کرتیں۔ اور یہ امر خود طبائع کی طبیعت کے خلاف ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ طبائع مجبور و مقہور ہیں۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ طبائع میں حیات اور علم اور قدرت نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایک باانتظام اور باقاعدہ فعل کسی عالم و دانا ہی سے سرزد ہو گا۔ پھر جب کوئی چیز خود عالم نہیں وہ دوسرے عالم کا فاعل کب ہو سکتی ہے۔ اور جس میں خود قدرت نہیں وہ ایک قادر کا

فاعل کیا ہو گی اگر منکرین کہیں کہ فاعل اگر حکیم و دانا ہوتا تو اس کی عمارت میں خلل نہ پایا جاتا اور یہ موذی حیوانات نہ ہوتے' معلوم ہوا کہ سب کچھ طبیعت سے ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ یہ اعتراض تمہیں پر لوٹتا ہے کہ اس سے جو امور باانتظام اور استوار صادر ہوئے۔ طبیعت سے ایسے امور صادر نہیں ہو سکتے۔ اور خلل جو تم کہتے ہو تو ممکن ہے کہ امتحان اور تنبیہ اور سزا کی غرض سے ہو یا اس خلل میں ایسے منافع پوشیدہ ہوں جنھیں ہم نہیں جانتے۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ ماہ نیسان میں آفتاب کی طبیعت کا اثر کہاں چلا جاتا ہے۔ کہ انواع و اقسام کے غلوں اور میووں پر طلوع ہوتا ہے۔ پھر غورۂ انگور وغیرہ کو تر کرتا ہے۔ اور گیہوں کا عرق کھینچ کر اس کو خشک کر دیتا ہے۔ اگر آفتاب کا فعل طبعًا" ہوتا تو سب کو خشک کر دیتا یا تر کر ڈالتا۔ اب فاعل مختار کے سوا کوئی نہ رہا جس نے اپنی مرضی کے موافق آفتاب سے کام لیا کہ ایک کو ذخیرہ کے لیے خشک کر دیا اور دوسرے کو کھانے کے لیے تر رکھا۔ اور لطف یہ ہے کہ جس کو حرارت آفتاب نے خشکی پہنچائی ہے وہ غلاف میں ہوتا ہے۔ اور اس کے جسم سے حرارت ملحق نہیں ہوتی۔ اور جس کے جسم سے ملی ہوتی ہے اس کو تر رکھا۔ یعنی گیہوں کو خشک کر دیا اور انگور کو تری پہنچائی۔ پھر وہی حرارت خشخاش کے پھول کو سفید کرتی ہے اور گل لالہ کو سرخ بناتی ہے اور انار کو کھٹ مٹھا رکھتی ہے۔ اور انگور کو ترشی پہنچاتی ہے حالانکہ پانی ایک ہی ہے۔ اور اس کی طرف اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **یسقی بماء واحد ونفضل بعضها علی بعض فی الاکل** (الرعد پ ۱۳ آیت ۴) یعنی میوہ جات ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور ہم کھانے میں بعض کو بعض پر فوقیت بخشتے ہیں۔

ثنویہ پر شیطان کی تلبیس کا ذکر

مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ثنویہ وہ قوم ہے۔ جس کا مقولہ ہے کہ صانع عالم دو ہیں ایک فاعل خیر جو نور ہے۔ دوسرا فاعل شر جو ظلمت ہے۔ اور یہ دونوں قدیم ہیں۔ ہمیشہ سے ہیں۔ اور ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں قوی حساس سمیع و بصیر ہیں۔ اور دونوں نفس اور صورت میں مختلف ہیں۔ فعل اور تدبیر میں باہم برعکس ہیں۔ جو جوہر نور ہے وہ

صاحب فضل و حسن اوصاف ہے۔ خوشبو اور خوبصورت ہے۔ اور اس کی ذات خیرات و برکت والی اور جود و کرم والی اور دانا اور نفع رساں ہے۔ اسی سے خیر اور لذت اور سرور اور بہتری ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں کسی قسم کی زیاں رسانی اور برائی نہیں۔

جو جوہر ظلمت ہے وہ اس کے برخلاف ہے۔ اس میں کدورت اور نقص اور گندگی اور بدنمائی ہے۔ اور اس کی ذات مفسد اور کنجوس اور نادان اور زیاں دہ ہے۔ اسی سے جھگڑا اور فساد نکلتا ہے۔ ثنویہ کا خیال ہے کہ نور ہمیشہ ظلمت کے اوپر رہتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ایک دوسرے کی جانب ہے۔ اور اکثر یہ کہتے ہیں کہ نور ہمیشہ جانب شمال بلند ہوتا رہا اور ظلمت جانب جنوب گرتی رہی۔ اور دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے علیحدہ رہے۔ نوبختی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ثنویہ کا مقولہ ہے کہ یہ دونوں خدا پانچ پانچ جنس پر منقسم ہیں۔ جن میں سے چار جسم ہیں اور پانچویں روح۔ نور کے چاروں جسم یہ ہیں۔ نار' نور' ہوا' پانی اور روح روشنی ہے۔ جو ان بدنوں میں ہمیشہ متحرک رہتی ہے۔ ظلمت کے چار جسم یہ ہیں : سوزش تاریکی' باد سموم' غبار اور روح دھواں ہے۔ انہوں نے نور کے اجسام کا نام ملائکہ رکھا ہے۔ اور ظلمت کے اجسام کا نام شیاطین رکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ظلمت سے شیاطین پیدا ہوتے ہیں اور نور سے ملائکہ تولد پاتے ہیں۔ اور نور کو شر پر قدرت نہیں اور نہ شر اس سے ممکن ہے۔ ظلمت خیر پر قادر نہیں اور نہ خیر اس سے ممکن ہے۔ نوبختی نے ان کے مذاہب نور اور ظلمت کے متعلق مختلف بیان کیے اور پھر عقائد ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان پر محنت و مشقت فرض ہے اور دن کی خوراک سے زیادہ ذخیرہ نہ جمع کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان پر عمر کے ساتویں حصے کی مدت کے روزے رکھنا اور جھوٹ اور بخل اور جادو اور بت پرستی اور زنا اور چوری چھوڑ دینا فرض ہے۔ اور کسی ذی روح کو ایذا نہ دینی چاہئے۔ اس بارے میں ان کے مذاہب ہیں۔ جو انہوں نے اپنے خیالات ناقصہ سے ایجاد کر لیے ہیں۔

یحییٰ بن بشر نہاوندی نے ذکر کیا ہے کہ ان میں سے ایک قوم ہے۔ جن کو دیصانیہ کہتے ہیں ۔ ان کا خیال ہے کہ عالم کی طینت سخت و درشت تھی۔ وہ طینت ایک زمانے تک جسم باری تعالیٰ میں جس کو نار کہتے ہیں۔ حلول کیے رہی۔ باری تعالیٰ نے اس سے

تکلیف پائی- جب اس کو ایک زمانہ گزرا تو اس نے اپنے جسم سے اس طینت کو جدا کرنا چاہئے وہ جسم طینت میں مل گیا اور گڈ مڈ ہو گیا- اسی جسم اور طینت سے یہ عالم مرکب ہوا جو کہ نوری اور ظلمی ہے- اب جو کچھ صلاح کی قسم سے ہوتا ہے وہ نور کی طرف سے ہے اور جو فساد کی قسم سے ہو وہ ظلمت کی جانب سے ہوتا ہے- جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے وہ آدمیوں کو قتل کرتے اور آزار پہنچاتے ہیں- اور اپنے لچر مذہب کی رو سے خیال کرتے ہیں کہ اس حرکت سے نور کو ظلمت سے جدا کرتے ہیں- ان کو اس عقیدہ پر جس نے مجبور کیا وہ یہ ہے کہ انہوں نے عالم میں شر اور اختلاف دیکھا- لہٰذا سمجھ گئے کہ ایک اصل سے دو متضاد چیزیں ظاہر نہیں ہو سکتیں اور جس طرح آگ میں گرمی اور سردی جمع نہیں ہو سکتیں- علماء نے ان کے اس کے قول کا کہ صانع عالم دو ہیں یوں رد کیا ہے کہ اگر خدا دو ہوتے تو ضرور ہے کہ دونوں یا قادر ہوتے یا عاجز یا ایک قادر ہوتا اور دوسرا عاجز- اب یہ تو ممکن نہیں کہ دونوں عاجز ہوں کیونکہ عجز کے ساتھ الہیت کا ثبوت نہیں ہو سکتا اور یہ بھی جائز نہیں کہ دونوں میں سے ایک عاجز ہو- لہٰذا ایک صورت باقی رہ گئی کہ دونوں قادر ہوں- اب ذہن میں آتا ہے کہ دونوں میں سے ایک قادر کسی جسم میں ایک حالت میں حرکت دینا چاہتا ہے اور دوسرا اس کے سکوں کا خواہاں ہے- یہ دونوں جس امر کا ارادہ کرتے ہیں- اس کا ظہور میں آنا محال ہے- کیونکہ اگر ایک مراد پوری ہوگی تو دوسرے کا عجز ثابت ہوگا- ثنویہ کے اس مقولہ کا کہ فاعل خیر نور ہے اور فاعل شر ظلمت ہے' علماء نے یوں رد کیا ہے کہ اگر کوئی مظلوم بھاگ کر ظلمت سے پناہ لے تو یہ خیر ہے جو شر سے صادر ہوئی- اس قوم سے کلام کرنے میں نفس کو راغب نہ کرنا چاہئے کیونکہ ان کے مذاہب محض خرافات ہیں- جن کی اصل نہیں ہے-

فلاسفہ اور ان کے تابعین پر شیطان کی تلبیس کا ذکر

مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ شیطان نے فلاسفہ کو دھوکہ دینے پر اس جہت سے قابو پایا کہ یہ لوگ فقط اپنی رایوں اور عقلوں کے ہو رہے- اور اپنے خیالات کے مطابق گفتگو کی- انبیاء علیہم السلام کی طرف متوجہ نہیں ہوئے- ان میں سے بعض وہ ہیں جو

دھریہ فرقہ کے ہم مشرب ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عالم کا کوئی صانع نہیں۔ فلاسفہ کا یہ مقولہ نو بختی وغیرہ نے ان کی کتابوں سے نقل کیا۔

یحییٰ بن بشر نہاوندی نے ذکر کیا ارسطاطالیس اور اس کے اصحاب کا خیال ہے کہ زمین ایک ستارہ ہے جو کہ آسمان کے جوف میں ہے اور ہر ایک ستارے میں اس زمین کی طرح کے عالم ہیں اور درخت اور نہریں ہیں جیسے کہ زمین میں ہے اور یہ فرقہ صانع نہیں مانتا اور ان میں سے اکثر وہ ہیں جو عالم کے لیے علت قدیمہ ثابت کرتے ہیں۔ پھر عالم کو قدیم کہتے ہیں اور قائل ہیں کہ عالم ہمیشہ خدا تعالیٰ کے ساتھ موجود اور اس کا معمول رہا۔ اس کے وجود سے پیچھے نہیں ہٹا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسا رہا جیسے کہ معلول علت کے ساتھ رہتا اور نور شمس کے ساتھ لازم ہے اور یہ لزوم بالزمان نہیں۔ بلکہ بالذات اور بالرتبہ ہے۔ اس گروہ کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ تم قدیم ارادہ کی جہت سے عالم کے حادث ہونے کا انکار کیوں کرتے ہو۔ کیونکہ ارادۂ قدیمہ اس عالم کے اسی وقت موجود ہونے کو چاہتا تھا۔ جس وقت یہ عالم پایا گیا۔ پھر اگر وہ کہیں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ وجود باری اور وجود مخلوقات میں ایک زمانہ ہو تو ہم جواب دیں گے کہ زمانہ خود مخلوق ہے اور زمانہ سے پہلے کوئی زمانہ نہیں۔ پھر اس قوم سے کہا جاتا ہے کہ تم یہ بتاؤ کہ آیا خدا میں یہ قدرت ہے کہ آسمان کے دل کو موجودہ بلندی سے ایک آدھ ہاتھ کم زیادہ کر دے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہ بات ممکن نہیں تو یہ ایک تو خدا کو عاجز بناتا ہے' دوسرے جس چیز کا بڑھنا گھٹنا ممکن نہ ہو اس کا اپنی اصلی حالت پر موجود رہنا واجب ہے نہ ممکن۔ اور جو چیز واجب ہوتی ہے' وہ علت سے مستغنی ہے۔ ان لوگوں نے جو یوں کہا کہ خدا تعالیٰ عالم کا صانع ہے تو دراصل اپنا مذہب چھپاتا ہے۔ عالم کا مصنوع ہونا ان کے خیال میں جائز ہے۔ حقیقت میں نہیں کیونکہ فاعل اپنے فعل میں ارادہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اور ان کے نزدیک عالم کا ظہور ضروری ہے۔ خدا کے فعل سے نہیں ہے۔ اس فرقہ کے مذاہب میں سے یہ بھی ہے کہ عالم ہمیشہ رہے گا جس طرح اس کی ابتدا نہیں اسی طرح اس کی انتہا بھی نہیں ہے۔ کیونکہ عالم علت قدیمہ کا معلول ہے۔ اور معلول اپنی علت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اور جب عالم ممکن الوجود ہوا تو نہ قدیم ہوگا اور نہ معلول ہوگا۔ جالینوس نے کہا ہے

، کہ مثلا فرض کرو اگر آفتاب قابل انعدام تو اس قدر مدت دراز میں اس پر پژمردگی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ بہت سی چیزوں میں پژمردگی نہیں آتی۔ بلکہ یکایک فاسد ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں تم نے کیونکر جان لیا کہ افتاب میں پژمردگی اور کمی نہیں آئی۔ کیونکہ آفتاب فلاسفہ کے نزدیک زمین سے ایک سو سترحصے یا اس سے کم و بیش بڑا ہے۔ پھر اگر اس میں سے پہاڑوں کے برابر کم بھی ہو جائے تو وہ حس سے معلوم نہ ہو گا۔ پھر ہم جانتے ہیں کہ یاقوت اور سونا فاسد ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ برسوں تک باقی رہتے ہیں۔ اور ان کا نقصان محسوس نہیں ہوتا۔ پس ظاہر ہوا کہ ایجاد اور اعدام اسی قادر کے ارادہ سے ہے جو اپنی ذات میں تغیر سے پاک ہے اور اس کی کوئی صفت حادث نہیں' فقط اس کا فعل متغیر ہوتا ہے۔ جو ارادہ قدیمہ کے متعلق ہے۔

ابو محمد نوبختی نے کتاب الاراوالدیانات میں نقل کیا ہے کہ سقراط کا خیال ہے کہ اشیاء کے اصول تین ہیں۔ علت فاعلی' عنصر اور صورت۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ عزو جل تو عقل ہے اور عنصر کون و فساد کا موضوع اول ہے۔ اور صورت جسم نہیں بلکہ جوہر ہے۔ اسی فرقہ میں سے دوسرے کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ علت فاعلی ہے اور عنصر منفعل ہے۔ تیسرا کہتا ہے کہ عقل نے اشیاء کو اسی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ چوتھے کا مقولہ ہے کہ عقل نے ترتیب نہیں دی بلکہ طبیعت کا فعل ہے۔

یحیٰی بن بشر نہاوندی نے نقل کیا کہ فلاسفہ میں سے ایک قوم کا قول ہے کہ جب ہم نے عالم کو مجتمع اور متفرق اور متحرک اور ساکن دیکھا تو جان لیا کہ وہ حادث ہے اور حادث کے لیے کسی محدث کا ہونا ضروری ہے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ آدمی پانی میں جاگرتا ہے اور اچھی طرح تیرنا نہیں جانتا۔ لہٰذا اس صانع و مدبر سے فریاد کرتا ہے۔ مگر وہ اس کی فریاد رسی نہیں کرتا۔ اسی طرح کوئی آگ میں گر پڑتا ہے تو ہم نے معلوم کر لیا کہ صانع معدوم ہے۔ یحیٰی نے کہا کہ عدم صانع کے بارے میں یہ لوگ تین فریق ہیں۔ ایک فرقہ کا تو خیال ہے کہ جب صانع نے عالم کو کامل اور تمام کر دیا تو اس کو اچھا معلوم ہوا۔ اس لیے وہ ڈرا کہ کہیں اس میں زیادتی یا کمی نہ آ جائے۔ جس سے وہ فاسد ہو جائے۔ اس خوف سے اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ اور عالم اس سے خالی ہو گیا۔ اور تمام احکام

حیوانات اور عالم کے مطبوعات میں جاری حسب اتفاق باقی رہ گئے۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں بلکہ باری تعالیٰ کی ذات میں ایک شور و غوغا ظاہر ہوا۔ اس لیے اس کی قوت منجذب ہوتی رہی۔ اور نور گھٹتا رہا حتیٰ کہ وہ نور اور قوت اس شور و فریاد میں آ گئے۔ اسی شور کو عالم کہتے ہیں۔ باری تعالیٰ کا نور بگڑ گیا اور اس میں سے ایک محدود رہ گیا۔ اور ان لوگوں کا گمان ہے کہ عالم میں سے نور جذب ہو کر اسی کی طرف جائے گا۔ پھر وہ جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا۔ اور چونکہ وہ اپنی مخلوقات کی کارپردازی سے کمزور تھا' اس لیے ان کا کاروبار مہمل چھوڑ دیا۔ اس لیے جور و ظلم شائع ہو گیا۔ تیسرا فرقہ گمان کرتا ہے' یوں نہیں بلکہ باری تعالیٰ نے جب عالم کو استوار کیا تو اس کے اجزاء عالم میں متفرق ہو گئے۔ اور عالم میں جو قوت ہے' وہ جوہر لاہوتی سے ہے۔

مصنف ؒ نے کہا' یہاں تک جو کچھ ذکر ہوا وہ یحییٰ بن بشر نے بیان کیا ہے' جس کو میں نے نظامیہ میں ایک نسخہ سے نقل کیا' جو دو سو بیس برس قبل لکھا گیا تھا اور اگر اس کے نقل کرنے سے ابلیس کی تلبیس کا بیان مقصود نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے سبب سے اس بیان سے روگردانی بہتر ہوتی۔ ایسے ناشائستہ عقائد کا ذکر کرنا زیبا نہیں۔ لیکن ہم نے اس کے ذکر کرنے میں فائدہ کی صورت بیان کر دی۔

اکثر فلاسفہ اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ علم نہیں فقط اپنی ذات کا علم ہے حالانکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مخلوق کو اپنی ذات کا علم ہے اور اپنے خالق کا بھی علم ہے تو گویا انہوں نے مخلوق کا رتبہ خالق سے بڑھا دیا۔ مصنف نے کہا اتنی ہی بات سے اس عقیدہ کی رسوائی ظاہر ہو گئی۔ زیادہ کلام کرنے کی ضرورت نہیں۔ غور کا مقام ہے کہ ان احمقوں کو ابلیس نے ایسا فریب دیا۔ باوجودیکہ یہ لوگ کمال عقل کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس عقیدہ میں شیخ بوعلی سینا ان کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بات نہیں بلکہ خدا کو اپنے نفس کا علم ہے اور اشیاء کلیہ کا بھی علم ہے۔ لیکن جزئیات کا علم نہیں۔ اس مذہب کو معتزلہ نے بھی ان لوگوں سے لیا ہے۔ گویا انہوں نے معلومات زیادہ بہم پہنچائیں۔ الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اس جماعت میں داخل کیا۔ جو ذات باری تعالیٰ سے جہل اور نقص کو دور کرتی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر ایمان لائے الا یعلم من خلق (الملک

پ ۲۹ آیت ۱۴) یعنی کیا اللہ تعالیٰ کو مخلوق کا علم نہیں- **وقولہ ویعلم ما فی البر والبحر** (الانعام پ ۷ آیت ۵۹) یعنی اللہ تعالیٰ کو بحر و بر کی ہر چیز کا علم ہے- کوئی پتہ درخت سے نہیں گرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور معتزلہ اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت خود اس کی ذات ہی ہے- یہ عقیدہ اسی لیے رکھا تاکہ دو قدیم ثابت نہ کرنا پڑیں- جواب اس قوم کا یہ ہے کہ قدیم فقط ایک ذات ہے- جو صفات کمالیہ سے موصوف ہے-

مصنفؒ نے کہا کہ مرنے کے بعد اٹھنے سے اور روحوں کے بدنوں میں لوٹائے جانے سے اور بہشت و دوزخ کے جسمانی ہونے سے فلاسفہ نے انکار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ فقط مثالیں ہیں- جو عوام الناس کے لیے بیان کی گئی ہیں- تاکہ عذاب و ثواب روحانی سمجھ میں آجائے اور خیال کیا ہے کہ نفس بعد موت کے ہمیشہ کے لیے زندہ رہتا ہے- یا تو ایسی لذت میں ہوتا ہے جو بیان میں نہیں آسکتی وہ کامل نفوس ہیں جو گناہوں میں آلودہ ہوتے ہیں اور اس تکلیف کے درجے لوگوں کے اندازوں کے موافق کم و بیش ہوا کرتے ہیں اور کبھی بعض نفوس سے یہ تکلیف مٹ بھی جاتی اور دور بھی ہو جاتی ہے اس قوم کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ موت کے بعد وجود نفس کے ہم منکر نہیں اور اسی واسطے نفس کے عود کو اعادہ کہتے ہیں اور نہ اس سے انکار کرتے ہیں کہ نفس کے لیے راحت اور رنج ہے- مگر یہ بتاؤ کہ حشر اجساد کو کونسی چیز مانع ہے اور ہم بہشت و دوزخ میں لذات جسمانی کا کیونکر انکار کریں- جب کہ شریعت نے ہم کو اس کی تعلیم دی- لہٰذا ہم سعادت و شقاوت روحانی و جسمانی دونوں پر ایمان لاتے ہیں اور لیکن تم جو حقائق کو مقام امثال میں قائم کرتے ہو- یہ بلا دلیل زبردستی ہے- پھر اگر وہ کہیں کہ ابدان کا بعد ریزہ ریزہ اور معدوم ہونے کے پایا جانا محال ہے تو ہم جواب دیں گے کہ قدرت کے سامنے کوئی بات بعید نہیں- علاوہ اس کے انسان اپنی ذات میں انسان ہے اب اگر اس خاک کے سوا جس سے وہ پیدا ہوا ہے دوسری خاک کا بدن اس کے لیے بنا دیا جاوے تو انسان انسانیت سے خارج نہیں ہوگا- چنانچہ اس کے اجزاء خوردی سے بزرگی کی طرف اور لاغری سے فربہی کی جانب بدلتے رہتے ہیں اور اگر وہ کہیں کہ بدن وہ بدن نہیں رہا جب کہ ایک حالت سے دوسری

حالت میں ترقی کر گیا حتیٰ کہ رگ و پوست بن گیا تو ہم جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت مفہوم مشاہد پر موقوف نہیں ہیں۔

مصنفؒ نے کہا کہ ہم کو ہمارے نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ اجساد قبل از بعث قبروں سے اگیں گے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں نفخوں کے درمیان چالیس دن کا زمانہ ہو گا۔ لوگوں نے کہا' اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا چالیس دن کا زمانہ ہو گا؟ جواب دیا' مجھے یاد نہیں۔ پوچھا گیا چالیس مہینے ہوں گے؟ کہا' خیال نہیں۔ سوال کیا' کیا چالیس برس کی مدت ہو گی؟ جواب دیا' مجھے دھیان نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا تو تم اس طرح اگو گے جیسے سبزہ اگتا ہے اور فرمایا کہ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے مگر صرف ایک ہڈی باقی رہتی ہے اور وہ ہڈی دم گزے کی ہے (کمر کا آخری حصہ) اسی سے قیامت کے دن خلقت مرکب ہو گی یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ ابلیس نے ہمارے مذہب والوں میں سے چند قوموں پر تلبیس کی تو ان پر ان کی ذکاوت اور ذہن اور عقلوں کی راہ میں سے داخل ہوا۔ ان کو سمجھایا کہ فلاسفہ ہی کی پیروی ثواب ہے۔ کیونکہ ان لوگوں سے ایسے ایسے افعال اور اقوال صادر ہوئے جو نہایت ذکا اور کمال عقل پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ سقراط وبقراط وافلاطون و ارسطاطالیس و جالینوس کی حکمت میں پڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ ان علماء پر فقط علوم ہندسہ و منطق و طبیعات کا دارومدار ہے۔ اور انہوں نے اپنی عقل سے پوشیدہ امور نکالے ہیں۔ لیکن جب انہوں نے الٰہیات میں گفتگو کی تو گڈ مڈ کر دیا اور اسی وجہ سے ان میں اختلاف پڑا اور حساب وہندسہ میں خلاف نہ ہوا۔ ہم نے ان کی تخلیط کا بیان ان کے عقائد میں کیا ہے اور ان کی تخلیط کا سبب یہ ہے کہ بشری قوتیں علوم الٰہیہ کو فقط اجمالی طور پر ادراک کر سکتی ہیں اور اس ادراک کے لیے شرائع کی جانب رجوع کرنا پڑتا ہے اور ان متاخرین کے لیے امثال میں بیان کیا گیا کہ حکماء متقدمین صانع کے منکر تھے اور شرائع کو دور کر دیتے تھے بلکہ ان کو ابلہ فریبی اور دھوکہ دہی سمجھتے تھے۔ پس متاخرین نے ان کے خیالات کی تصدیق کی انہوں نے شعار دین کو چھوڑ دیا۔ نمازوں کو مہمل اور بیکار سمجھا۔ ممنوعات کے

مرتکب ہوئے اور حدود شریعت کو ناچیز جانا اور اسلام کی پابندی ترک کردی۔ ان لوگوں کی بہ نسبت یہود و نصاریٰ اپنے عقائد میں معذور ہیں کیونکہ وہ اپنی شرائع کے پابند ہیں۔ جن پر معجزات دلالت کرتے ہیں۔ اور اہل بدعت بھی معذور ہیں کیونکہ وہ ادلۂ شرعیہ میں غور و فکر کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے کفریات کی کچھ بھی سند نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ جانتے ہیں کہ فلاسفہ حکماء تھے۔ افسوس ان کو یہ خبر نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام حکماء بھی ہیں اور حکماء سے زیادہ بھی ہیں اور ان لوگوں کو جو حکماء سے انکار صانع کی خبر ملی ہے تو محض دروغ اور محال ہے کیونکہ ان میں سے صانع کو ثابت کرتے ہیں اور نبوتوں کے منکر نہیں۔ الا آنکہ اس میں غور کرنا بیکار جانا۔ ان میں سے معدودے چند بچے کہ دہریہ کے تابع ہوگئے۔ جن کی فہموں کا فساد کئی مرتبہ ظاہر کیا جا چکا ہے۔ کہ ہم نے اپنی امت کے تفلسف پیشوں میں سے اکثر کو دیکھا کہ ان کے اس تفلسف سے بجز سرگردانی کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اب نہ وہ مقتضائے فلسفہ ہی سمجھتے ہیں اور نہ مقتضائے اسلام جانتے ہیں۔ بلکہ بہت سے ان میں ایسے ہیں جو روزہ رکھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور پھر خالق اور نبوتوں پر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور حشر اجساد کے انکار میں بحث کرتے ہیں اور جس کو دیکھئے کہ فقر و فاقہ کی مصیبت میں گرفتار ہے۔ وہ عام طور پر قضا و قدر سے ناراض ہے حتیٰ کہ مجھ سے بعض متفلسفہ نے کہا کہ ہم تو اسی سے مخاصمہ کرتے ہیں۔ جو آسمان پر ہے اور اس بارے میں بہت سے اشعار پڑھتا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ جو دنیا کی صف میں ہے کیا تم دنیا کو کسی صانع کی صنعت خیال کرتے ہو یا تم اس کو ایسا تیر سمجھتے ہو۔ جس کا کوئی پھینکنے والا نہیں۔ انہی میں سے چند شعروں کا ترجمہ یہ ہے کہ افسوس دنیا میں ہمارے لیے بھلائی کو نہ اختیار پیش کرتا ہے۔ نہ علم سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر تحصیل سے کیا فائدہ ہے۔ ہم زمانے کے ہاتھوں سے ایسی مصیبت میں گرفتار ہیں جس سے نہ عقل ہی نجات دے سکتی ہے اور نہ نرمی اور نہ تند خوئی۔ ہم ایسی تاریکیوں میں پڑے ہیں جن میں نہ کوئی چاند چمکتا ہے نہ آفتاب روشن ہے اور نہ کوئی چنگاری سلگتی ہے۔ ہم سراسیمہ و حیران ہیں۔ جہل نے ہم کو گھیر رکھا ہے جو کہ ہم پر ترش روئی کرتا ہے۔ بے شک زمانے میں عمل کرنا محض بیکار ہے اور کسی قسم کی گفتگو کرنا بالکل ہوس ہے۔

چونکہ ہمارے زمانے سے فلاسفہ اور رہبان دونوں کا زمانہ قریب ہے۔ للذا ہمارے اہل سنت میں سے بعض نے تو ان کا دامن پکڑ لیا اور بعض نے ان کی اطاعت کی اسی لیے تم اکثر احمقوں کو دیکھتے ہو کہ جب وہ اعتقاد کے باب میں غور کرتے ہیں تو تغلسف میں پڑ جاتے ہیں اور جب زہد کے بارے میں فکر کرتے ہیں تو راہب بن جاتے ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ ہم کو ہمارے مذہب پر قائم رکھے اور ہمارے دشمن سے ہمیں بچائے۔

ہیکل پرستوں پر ابلیس کی تلبیس کا بیان

ہیکل پرست وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ علوی روحانیات میں سے ہر ایک روحانی کے لیے ایک پیکر ہے۔ یعنی اجرام فلکی میں سے ایک جرم اس کی صورت ہے۔ اور ایک روحانی کی طرف جو اس کے ساتھ مختص ہے۔ منسوب ہے۔ جس طرح ہماری روحوں کی نسبت ہمارے ابدان کی جانب ہے۔ وہی روحانی اس کا مدبر ہے۔ اور وہی اس میں تصرف کرتا ہے۔ منجملہ ہیاکل علویہ کے ثوابت اور سیارے ہیں۔ اس گروہ کا قول ہے کہ ہماری رسائی خاص روحانی تک نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہم اس کے پیکر کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اس پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اس قوم کا دوسرا فریق کہتا ہے کہ ہر پیکر آسمانی کے لیے اسی کی صورت اور جوہر کا ایک شخص اشخاص سفلی میں سے ہے۔ للذا اس فریق نے صورتیں بنائی ہیں اور بت تراشے ہیں اور ان کے لیے مکان تیار کیے ہیں۔

یحییٰ بن بشیر نہاوندی نے ذکر کیا ایک قوم کا قول ہے کہ سات ستارے زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر اس عالم کے مدبر ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ کے حکم سے صدور پاتے ہیں۔ اس قوم نے ان ستاروں کی صورتوں پر بت نصب کیے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک حیوان کا جو اس سے مشابہ ہے چڑھاوا مقرر کیا ہے۔

زحل کے واسطے ایک بت کو رچشم سیسے کا بنایا ہے۔ اس پر ایک بوڑھا بیل چڑھایا جاتا ہے۔ اس بیل کو ایک گڑھے کے پاس لاتے ہیں جو نیچے کھودا ہوتا ہے۔ اس گڑھے کے اوپر لوہے کی درازیں ہوتی ہیں بیل کو مارتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس گڑھے میں

داخل ہوتا ہے اور ان درازوں پر چلتا ہے جس سے اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ جاتے ہیں۔ پھر اس کے تلے آگ روشن کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بیل جل کر رہ جاتا ہے۔ نیاز چڑھانے والے کہتے ہیں کہ اے معبود نابینا تو پاک ہے۔ تیری طبیعت میں وہ شر ہے کہ کبھی نیکی نہیں کرتا۔ ہم نے تجھ پر وہ چیز چڑھائی جو تجھ سے مشابہ ہے۔ ہم سے اس کو قبول کر اور اپنے شر اور اپنے ارواح خبیثہ کی برائی سے ہم کو بچا۔

مشتری پر ایک شیر خوار لڑکا چڑھاتے ہیں۔ اس کا طریق یہ ہے کہ ایک لونڈی خریدتے ہیں۔ اس سے ساتوں بتوں کے مجاور وطی کرتے ہیں۔ وہ حاملہ ہو جاتی ہے۔ وضع حمل تک اس کو نہیں چھیڑتے۔ اس کے بعد لاتے ہیں۔ آٹھ روز کا بچہ اس کی گود میں ہوتا ہے۔ اس بچے کے جسم میں سوئیاں اور کانٹے چبھوتے ہیں۔ وہ لونڈی ندامت کے مارے روتی ہے۔ یہ نیاز چڑھا کر کہتے ہیں کہ اے معبود خیر جو کہ شر سے ناواقف ہے ہم نے تجھ پر ایسے شخص کو چڑھایا ہے جو شر کو مطلق نہیں جانتا۔ طبیعت میں تیرا ہم جنس ہے۔ ہماری نیاز قبول کر اور اپنی ارواح نیک کی خیر ہم کو نصیب کر۔

مریخ پر ایک آدمی بھورے رنگ کا سفید داغوں والا جس کا سر بھورے پن کی وجہ سے سفید ہوتا ہے- چڑھاتے ہیں- اس آدمی کو لاتے ہیں اور ایک بڑے حوض میں داخل کرتے ہیں اور حوض کی تہہ میں میخیں گاڑ کر اس سے باندھ دیتے ہیں- پھر حوض کو روغن زیتون سے بھر دیتے ہیں- وہ شخص اس میں گلے تک ڈوبا ہوا کھڑا رہتا ہے اور زیتون میں ایسی دوائیں ملاتے ہیں جو اعصاب کو قوت پہنچائیں اور جسم پر گوشت بڑھائیں- جب ایک سال گزر جاتا ہے اور فربہی بخش غذاؤں سے موٹا تازہ ہو جاتا ہے تو اس کی چربی کھال سے جدا کرتے ہیں اور اس کے سر کے نیچے لپیٹتے ہیں پھر اس بت کے پاس لاتے ہیں جو مریخ کی صورت پر ہے اور کہتے ہیں کہ اے معبود شریر صاحب فتنہ و فساد ہم نے تجھ پر وہ نیاز چڑھائی جو تیرے مشابہ ہے ہماری نیاز قبول کر اور ہم کو اپنے اور اپنی ارواح شریر و خبیثہ کے شر سے محفوظ رکھ- ان کا خیال ہے کہ اس کے سر پر سات دن تک حیات باقی رہتی ہے اور وہ ان سے گفتگو کرتا ہے- اور اس سال جو خیر و شر ان کو پہنچنے والا ہے وہ جانتا ہے- شمس پر اس عورت کو چڑھاتے ہیں- جس کے بچے کو مشتری کے

لیے مارڈالا تھا۔ شمس کی صورت کا طواف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے نورانی معبود تو قابل مدح وثنا ہے۔ ہم نے تجھ پر وہ چڑھاوا چڑھایا ہے۔ جو تیرے مشابہ ہے۔ ہماری نذر قبول کر اور اپنی خیر نصیب کر اور اپنی برائی سے پناہ دے۔

زہرہ پر ایک بے باک ادھیڑ بڑھیا چڑھائی جاتی ہے۔ اس طرح کہ اس ادھیڑ عورت کو زہرہ کے روبرو کرکے اس کے گرد پکارتے ہیں کہ اے بے باک معبود ہم تیرے لیے وہ قربانی کرتے ہیں۔ جس کی سفیدی تیری سفیدی کے مشابہ ہے جس کی بیباکی تیری بیباکی سے ملتی ہے جس کی نظربازی تیری نظربازی کے مانند ہے۔ ہماری قربانی قبول کر پھر لکڑی لاتے ہیں اور اس عورت کے گرد انبار لگا کر آگ سلگاتے ہیں حتیٰ کہ عورت جل کر خاک ہوجاتی ہے اور اس کی راکھ لے کر اس بت کے منہ پر ملتے ہیں۔

عطارد پر ایک جوان آدمی خوش خرام' لکھا پڑھا' حساب داں' آداب سے واقف چڑھاتے ہیں اس کو کسی حیلہ سے پھانس لاتے ہیں اور ہر ایک کو جس قدر مذکور ہوئے اس طرح مکرو فریب میں پھانستے ہیں اور لالچ دیتے ہیں اور ایسی دوائیں کھلاتے ہیں جس سے عقل زائل اور زبان بند ہوجاتی ہے اور اس جوان کو عطارد کے رو برو کرکے کہتے ہیں کہ اے ظریف معبود ہم تیرے پاس ایک شخص ظریف لائے ہیں۔ اور ہم نے تیری طبیعت کو پہچان لیا۔ اب ہم سے اس نیاز کو قبول کرلے۔ پھر اس جوان کو چیر کر دو ٹکڑے پھر چار ٹکڑے کر ڈالتے ہیں۔ اور بت مذکور کے گرد چار لکڑیوں پر بٹھلایا جاتا ہے۔ (یعنی ہر ٹکڑا ایک لکڑی پر ہوتا ہے) پھر ہر لکڑی میں آگ لگاتے ہیں۔ وہ جلنے لگتی ہے اس کے ساتھ چوتھائی ٹکڑا بھی جل جاتا ہے۔ اس کی خاک لے کر بت کے منہ پر ملتے ہیں۔

قمر کے لیے ایک مرد گندم گوں بڑے چہرے والا چڑھاتے ہیں اور اس طرح پکارتے ہیں کہ اے معبودوں کے ہرکارے اور بالائی اجرام کے ہلکے۔

بت پرستوں پر تلبیس کا بیان

مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ ہر امتحان جس سے ابلیس نے لوگوں پر شبہ ڈالا تو اس کا سبب یہ کہ خواہش جو اس کی طرف کھینچے اور عقل جس امر کو مقتضی ہے۔ اس سے

منہ پھیر لیا اور حواس کا میدان اپنے مثل کی طرف ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا ابلیس نے بکثرت مخلوق کو صورتوں کی پوجا کرنے کی طرف بلایا۔ اور ان لوگوں میں عقل کا عمل ایکبارگی مٹایا پس ان میں سے بعض کو تو یہ سمجھایا کہ یہی صورت خود تمہاری معبود ہے۔ اور وہ احمق مان گئے اور بعض میں کچھ تھوڑی سی دانائی تھی۔ جس سے وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ مجھ سے اس بات پر موافقت نہ کریں گے۔ تو ان کے لیے یہ رچایا کہ اس مورت کی بندگی کرو تو تم کو خالق کی جناب میں تقرب دلا دے گی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا مقولہ ہے۔ **ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی** (الزمر پ ۲۳ آیت ۳) (ترجمہ) ہم ان کو نہیں پوجتے مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہم کو تقرب دلا دیں۔

بت پرستوں پر ابلیس کی ابتدائی تلبیس کا بیان

ہشام بن محمد بن السائب الکلبی نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے خبر دی کہ بت پرستی کی بنیاد اس طرح شروع ہوئی کہ جب آدم علیہ السلام نے انتقال کیا تو شیث بن آدم کی اولاد نے ان کی لاش اس پہاڑ کے غار میں رکھی جس پر جنت سے اتارے گئے تھے۔ وہ پہاڑ سر زمین ہندوستان میں ہے۔ اور اس کا نام نوذ ہے۔ اور وہ روئے زمین کے پہاڑوں سے زیادہ سرسبز ہے۔ ہشام نے کہا پھر میرے باپ نے مجھے یہ خبر دی بروایت عن ابی صالح عن ابن عباس کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے تھے کہ شیث کی اولاد اس پہاڑ کے غار میں آدم کی لاش کے پاس جایا کرتی۔ پس اس کی تعظیم کرتے اور اس پر ترحم کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر قابیل کی اولاد میں سے ایک نے کہا کہ اے بنی قابیل دیکھو کہ بنی شیث کے پاس ایک شے ایسی ہے۔ جس کے گرد گھومتے اور اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔ پھر ان کے لیے ایک مورت گھڑی اور یہی پہلا شخص ہے جس نے مورت بنائی۔ ہشام نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے خبر دی کہ ود' سواع' یغوث یعوق اور نسر یہ سب بندگان صالح تھے۔ ایک ہی مہینے میں سب نے انتقال کیا۔ تو ان کی برادری والوں کو ان کی وفات سے بڑا صدمہ ہوا۔ پس بنی قابیل میں سے ایک نے ان سے کہا کہ اے قوم کیا تم چاہتے ہو کہ میں ان کی صورتوں کی پانچ مورتیں تم کو گھڑ دوں (تو گویا وہ

تمہارے سامنے ہوں گے) سوا اتنی بات کے کہ مجھے یہ قدرت نہیں کہ ان کی روحیں ان میں پہناؤں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم چاہتے ہیں۔ پس اس نے ان کے لیے پانچ بت بنا دیئے جو ان کی صورتوں کے موافق تھے اور وہاں نصب کر دیئے۔ پس آدمی اپنے بھائی و چچا و چچیرے بھائی کی مورت کے پاس آتا اور اس کی تعظیم کرتا اور اس کے گرد پھرتا۔ اس کی ابتدا بزمانہ یردی بن مہلائیل بن قینان بن انوش ابن شیث بن آدم علیہ السلام ہوئی تھی۔ پھر یہ پہلی قرن گزر گئی اور دوسری قرن آئی تو اول قرن سے بڑھ کر انہوں نے ان مورتوں کی تعظیم و تکریم کی۔ پھر ان کے بعد تیسری قرن آئی تو کہنے لگے کہ ہم سے اگلے لوگ جو ہمارے بزرگ تھے بے فائدہ ان کی تعظیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس لیے تعظیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی شفاعت (سفارش) کے امیدوار تھے۔ پس یہ لوگ ان مورتوں کو پوجنے لگے اور ان کی شان بزرگ قرار دی اور کفر شدید ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ادریس علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ ادریس ؑ نے ان کو توحید کی طرف بلایا۔ تو انہوں نے ادریس ؑ کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ نے ادریس ؑ کو مقام بلند میں اٹھا لیا۔ کلبی کی روایت ابی صالح عن عباس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ بت پرستوں کا معاملہ سخت ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا۔ اور وہ چار سو اسی (۴۸۰) برس کے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبری عطا کی۔ پس نوح علیہ السلام نے ان کو ایک سو بیس برس تک اپنی نبوت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی جانب بلایا۔ انہوں نے نہ مانا اور نوح علیہ السلام کو جھوٹا ٹھہرایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ کشتی بناوے۔ پھر جب نوح ؑ کشتی بنا کر فارغ ہوئے اور اس پر سوار ہو چکے تو چھ سو برس کا فرق تھا۔ اور پانی کا طوفان ان بتوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک زمین سے دوسری زمین تک اچھالتا پھرا۔ یہاں تک کہ پانی کے تھپیڑوں نے ان کو جدہ میں لاکر ڈالا۔ جب پانی خشک ہوا تو یہ مورتیں کنارے ساحل پر پڑی رہیں۔ اور ہوا کے جھونکوں سے ریگ بیابان اڑ کر اس قدر ان پر پڑی کہ یہ ریگ کے نیچے دب گئے۔

کلبی نے کہا کہ عمرو بن لحی ایک کاہن تھا۔ اس کی کنیت ابو ثمامہ تھی۔ اور ایک جن اس کا موکل تھا۔ اس نے کاہنوں کے لہجہ میں اس سے کہا کہ : عجل بالمسیر و

الظعن من تهامه' بالسعدو السلامه' ایت ضف جده' تجد فیها اصناما معده' فاوردها تهامه ولا تهاب (سادتها) ثم ادع العرب الی عبادتها (تجاب) یعنی تہامہ سے کجاوہ کس کے جلد اپنے آپ کو سعدو سلامہ میں پہنچا۔ پھر جدہ کے کنارے جا۔ وہاں تجھ کو رکھی ہوئی مورتیں ملیں گی۔ ان کو تہامہ میں لے آ۔ اور یہاں کے سرداروں سے خوف نہ کھا۔ پھر عرب کو ان کی عبادت کے لیے بلا۔ عمرو بن لحی نے جا کر نہر جدہ سے نشان ڈھونڈ کر ان کو نکالا پھر لاد کر تہامہ لایا۔ اور جب حج کا موسم آیا تو۔ عمرو بن لحی نے سب اہل عرب کو بتوں کی پرستش کی جانب بلایا۔ پس عوف بن عذرہ بن زید اللات نے اس کا کہنا مان لیا۔ تو اس نے عوف مذکور کو ود نام بت حوالہ کیا۔ وہ "ود" کو لے گیا اور وادی القریٰ کے قریہ دومتہ الجندل میں رکھا۔ اور اسی کے نام سے منسوب کر کے اپنے بیٹے کا نام عبد ود رکھا۔ اور یہی شخص سب سے پہلے اس بت کے نام سے منسوب ہوا۔ عوف نے اپنے دوسرے بیٹے عامر کو اس بت کا دربان (مجاور) مقرر کیا۔ اس وقت سے اس کی اولاد برابر اس بت کی پرستش کا دین رکھتی آئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام بھیجا۔ کلبی نے کہا کہ محمد سے مالک ابن حارثہ نے بیان کیا کہ میں نے ود کو دیکھا تھا۔ اور میرا باپ میرے ہاتھ دودھ بھیجا کرتا تھا کہ یہ لے جا کر اپنے معبود کو پلا۔ تو میں اس کو خود پی جاتا تھا پھر اس کے بعد میں نے دیکھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صورت یہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک سے خالد بن ولید کو اس بت کے منہدم کرنے کے لیے روانہ کیا تھا۔ وہاں عبد ود کی اولاد اور عامر کی اولاد نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کے توڑنے سے روکا۔ اور مانع ہوئے۔ پس خالدؓ نے ان سے قتال کر کے اس بت کو منہدم کر کے توڑ ڈالا۔ اس لڑائی میں خالد نے بنی عبد ود میں سے ایک مرد کو قتل کیا تھا۔ جس کا نام قطن بن شریح تھا۔ تو اس کی ماں یہ کہتی ہوئی دوڑی آئی۔ ترجمہ : "آگاہ رہو کہ یہ الفت ہمیشہ پائیدار نہیں رہتی۔ اور زمانے میں کوئی نعمت باقی نہیں رہے گی۔ اور پہاڑی بزغالہ زمانے میں نہیں بچتا۔ اور اس کی ماں چوٹی پر بے تاب ہے"۔ پھر اس نے کہا "اے میرے دل و جان کے جمع کرنے والے + اے کاش تیری ماں پیدا نہ ہوتی۔ اور تجھ

کو نہ جنتی"۔ اور پھر اس کی لاش پر اوندھی گر کر لیٹی۔ اور زور سے ایک نعرہ لگا کر مر گئی۔ کلبی نے کہا کہ میں نے مالک بن حارثہؓ سے کہا کہ ود کی مورت کو ایسی عبارت میں ظاہر کیجئے۔ کہ گویا میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔ مالک نے کہا کہ ایک مرد کی صورت تھا جو بڑے سے بڑا ہو سکتا ہے۔ اور اس پر دو حلے بنائے گئے تھے۔ ایک ازار کی طرح تھا۔ اور دوسرا اوڑھے تھا۔ اور ادھر سے ایک تلوار لٹکائے اور کندھے پر کمان لگائے ہوئے اور آگے ایک نیزہ بطور جھنڈا کے لیے ہوئے تھا۔ اور ترکش میں تیر ہے"۔

کلبی نے کہا کہ مضر بن نزار نے بھی عمرو بن لحی کا کہنا مان لیا۔ تو اس نے ہذیل کے ایک شخص کو جس کا نام حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر تھا' ایک بت دیا جس کو سواع کہتے تھے۔ اور وہ بطن نخلہ کی زمین رباط میں تھا۔ اور اس کے قرب و جوار کے مضر اس کی عبادت کرتے تھے۔ چنانچہ عرب کے ایک شاعر کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔ ترجمہ : تو ان کو دیکھے کہ اپنے قبیلہ کے گرد عبادت میں ایسے جھکے ہیں جیسے کہ ہذیل کے لوگ سواع کے گرد پوجا کے لیے جھکے رہتے تھے۔ ہمیشہ اس کی درگاہ پر انبار دیکھو۔ کہ ہر ایک راعی کے ذخیرہ کے نفائس ہیں"

کلبی نے کہا کہ مذحج نے بھی اس کا کہنا قبول کیا تو اس نے انعم بن عمرو المرادی کو وہ بت دیا جس کا نام یغوث تھا۔ وہ یمن کے ایک ٹیلہ پر تھا۔ اور مذحج اور اس کے حلیف قبائل اس بت کی پرستش کیا کرتے تھے۔

ہمدان نے اس کا کہنا مان لیا تو اس نے مالک بن مرثد بن جشم کو وہ بت دیا جس کا نام یعوق تھا۔ وہ ایک گاؤں میں رکھا گیا جس کا نام خیوان تھا۔ اس کو قبیلہ ہمدان اور اس کے یمنی حلیف پوجا کرتے تھے۔

قبیلہ حمیر نے اس کا کہنا مانا تو اس نے ذی رعین کے ایک شخص کو جس کا نام معدیکرب تھا۔ ایک بت دیا جس کا نام نسر تھا۔ یہ بت زمین سبا کے موضع بلخع میں تھا۔ جس کو قبیلہ حمیر اور اس کے حلیف دوست پوجتے تھے۔ اور برابر اس بت کی پرستش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ تو آپ نے (غلبہ پاکر) ان کے منہدم کرنے کا حکم فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میرے سامنے کی گئی۔ تو میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا۔ کہ ایک شخص پست قد سرخ رنگ کرنجا ہے۔ وہ آگ میں اپنی آنتیں گھسیٹتا پھرتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے۔ تو مجھ سے کہا گیا کہ یہی تو عمرو بن لحی ہے۔ جس نے سب سے اول بحیرہ اور وصیلہ اور سائبہ اور حامی کو نکالا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا دین بگاڑا اور عرب کو بت پرستی کی طرف بلایا۔

فائدہ : بتوں کے نام پر بحیرہ کان پھاڑ کر چھوڑتے اور وصیلہ نر و مادہ جننے والی یا دو نر کے بعد تیسری مادہ یا برعکس جنتی تو بت کے نام پر چھوڑتے۔ اور اس کی دوسری صورتیں بھی تفسیر میں مذکورہ ہیں۔ اور سائبہ جیسے سانڈ ہے۔ اور حامی ایک مدت تک نر اونٹ کی جفتی لینے یا دلانے کے بعد بت کے نام پر آزاد کرتے۔

ہشام ابن کلبی نے کہا کہ مجھ سے میرے باپ محمد بن السائب اور دوسروں نے بیان کیا کہ جب اسمٰعیل مکہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور ان کے بال بچے پیدا ہو کر بڑے ہوئے تو مکہ کے مالک ہو گئے۔ اور وہاں سے قوم عمالقہ کو نکال دیا تو کثرت ہونے سے مکہ میں ان کی گنجائش نہ رہی باہم ان میں لڑائیاں اور عداوت واقع ہوئی۔ اور بعض نے بعض کو نکال دیا۔ آخر دوسرے بلاد میں پھیلے اور روزی کی تلاش میں بھی نکلے۔ پھر جس سبب سے انہوں نے اول بتوں اور پتھروں کی پرستش شروع کی یہ ہے کہ ان میں سے جو کوئی مکہ سے باہر جاتا تو وہ ضرور اپنے ساتھ حرم سے ایک پتھر لے جاتا کیونکہ وہ لوگ حرم مکہ کی تعظیم کرتے تھے۔ تو جہاں کہیں منزل اختیار کرتے وہاں ایک پتھر کو رکھ لیتے۔ اور طواف کعبہ کی طرح اس کا طواف کرتے۔ کیونکہ اس کو متبرک سمجھتے اس لیے کہ حرم کو مصئون جانتے۔ اور اس سے محبت کرتے تھے۔ باوجودیکہ ان میں مکہ و کعبہ کی تعظیم بدستور باقی تھی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کی شریعت پر خانہ کعبہ کا حج اور عمرہ کیا کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اپنی پسند کے موافق پوجنے لگے اور طریقۂ قدیم کو بھول گئے۔ اور دین اسمٰعیل و ابراہیم کے بدلے دوسرا دین اختیار کر لیا۔ اور بتوں کی پوجا کرنے لگے۔ اور ان کا بھی وہی حال ہوا جو ان سے پہلی امتوں کا ہو چکا تھا۔ انہوں نے وہ بت نکالے جن کو نوح علیہ السلام کی قوم پوجتی تھی۔ باوجودیکہ ان میں بعض امور شریعت ابراہیم و اسمٰعیل

نے ایسے باقی رہے جن کو نہیں چھوڑا۔ جیسے بیت اللہ کی تعظیم اور اس کا طواف کرنا۔ حج و عمرہ اور وقوف عرفات ومزدلفہ اور اونٹ وغیرہ قربانی کا ہدیہ بھیجنا اور حج و عمرہ کے لیے تلبیہ کہنا۔ قبیلہ نزار کے لوگ جب احرام باندھتے تو تلبیہ اس طرح کہتے تھے : لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک الا شریکا ھو لک ملکه وما ملک یعنی لبیک الہی لبیک' لبیک تیرا کوئی شریک نہیں ہے سوائے ایسے شریک کے کہ وہ تیرا ہی ہے۔ تو ہی اس کا اور اس کی مملوک چیزوں کا مالک ہے۔

فائدہ : قولہ سوائے ایسے الخ یہ فقرہ اپنی طرف سے ملا کر شریک کر لیا۔ پھر سب سے پہلے جس نے دین اسمٰعیل کو بدلا اور بت کھڑے کیے اور سانڈ چھوڑے اور وصیلہ کی رسم نکالی وہ عمرو بن ربیعہ ہے اور ربیعہ ہی لحی بن حارثہ ہے۔ اور یہی حارثہ قبیلہ خزاعہ کا جد اعلی ہے۔ عمرو بن لحی کی ماں فہیرہ بنت عمرو بن الحارث ہے۔ اور یہی خانہ کعبہ کا متولی تھا۔ پھر جب عمرو بن لحی بالغ ہوا تو متولی ہونے میں حارث سے جھگڑا کرنے لگا۔ آخر قبیلہ بنی جرہم نے اولاد اسمٰعیل سے قتال کیا۔ اور فتح یاب ہو کر ان کو کعبہ کے متولی ہونے سے بلکہ بلاد مکہ سے خارج کر دیا۔ ان کے بعد خود متولی بن بیٹھا۔

پھر عمرو بن لحی سخت بیمار ہوا۔ تو اس سے کہا گیا کہ بلقاء شام میں ایک گرم چشمہ ہے۔ اگر تو اس میں جا کر نہائے تو اچھا ہو جائے۔ وہ منحوس وہاں جا کر نہایا اور اچھا ہو گیا۔ اور دیکھا کہ وہاں کے لوگ مورتیں پوجتے ہیں۔ ان سے پوچھا یہ کیا چیزیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان سے بارش پاتے ہیں۔ ان کی مدد سے دشمنوں پر غالب ہو جاتے ہیں۔ ابن لحی نے ان سے ایک بت مانگا۔ انہوں نے دیدیا۔ وہ اس کو مکہ میں لایا۔ اور خانہ کعبہ کے گرد بیٹھا دیا۔ اس طرح اہل عرب نے بتوں کو معبود بنا لیا۔ سب سے پرانا بت مناۃ تھا۔ وہ بحر قلزم کے کنارے مشلل کے ایک جانب قدیہ میں مکہ مدینہ کے درمیان میں بنایا گیا تھا۔ عرب سب اس کی تعظیم کرتے اور اوس و خزرج اور جو کوئی مدینہ اور مکہ اور اس کے قریب و جوار کے مواضع میں رہتا سب اس کی تعظیم کرتے۔ اور اس کے لیے قربانی کرتے اور اس کے لیے ہدیئے بھیجتے رہتے تھے۔ اور یوں تو سب لوگ اس کی تعظیم کرتے ولیکن اوس و خزرج سے بڑھ کر کوئی اس کی تعظیم نہ کرتا۔ ابو عبیدہ بن عبداللہ نے کہا کہ اوس و

خزرج اور جو کوئی ان کے مسلک پر چلتا خواہ (یثرب) مدینہ کا ہو یا دوسری جگہ کا ہو۔ یہ لوگ حج کرنے آیا کرتے۔ اور ہر ایک موقف میں لوگوں کے ساتھ کھڑے ہوتے۔ لیکن اپنا سر نہیں منڈاتے تھے۔ پھر جب مکہ سے روانہ ہوتے تو مناہ کے یہاں جا کر اس کے پاس اپنا سر منڈاتے اور وہاں ٹھہرتے تھے۔ اور بدون اس کے اپنا حج پورا نہیں جانتے تھے۔ اور بت مناۃ قبیلہ ہذیل و خزاعہ کا تھا۔ فتح مکہ کے سال میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت علیؓ نے اس کو توڑ کر منہدم کر دیا۔ منات کے بعد لوگوں نے لات کو نکالا تھا۔ وہ منات کی نسبت جدید تھا۔ اور طائف میں ایک بڑے مربع پتھر پر بنایا گیا تھا۔ اس کے دربان قبیلہ ثقیف کے لوگ تھے۔ انہوں نے اس پر عمارتیں بنائی تھیں۔ قریش اور تمام عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔ عرب اس کی نسبت سے زید اللات اور تیم اللات وغیرہ نام رکھتے تھے۔ اور اب جہاں مسجد طائف ہے۔ اس کے بائیں منارہ کے مقام پر تھا۔ پس وہ برابر اسی حالت پر رہا۔ یہاں تک کہ بنو ثقیف مسلمان ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے اس کو منہدم کر کے آگ سے پھونک دیا۔

بت عزیٰ کو ظالم بن اسعد نے لیا۔ اور ذات عرق سے اوپر نخلہ شامیہ کی وادی میں نصب کر کے اس پر کوٹھری بنائی۔ یہ لوگ اس سے آواز سنا کرتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عزیٰ ایک شیطانہ عورت تھی۔ جو بطن نخلہ کے تین درخت کیکر پر آیا کرتی تھی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو خالد بن الولید سے فرمایا کہ تو یہ بطن نخلہ میں جا وہاں تجھے کیکر کے تین درخت ملیں گے۔ ان میں سے اول درخت کو جڑ سے کاٹ ڈالنا۔ خالد نے وہاں جا کر ایک درخت کو جڑ سے کھود پھینکا۔ اور واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے کچھ دیکھا تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر جا کر دوسرے کو جڑ سے کاٹ دے۔ خالد نے حکم کی تعمیل کی۔ جب واپس آئے تو پھر آپ نے پوچھا کہ تو نے کچھ دیکھا تھا۔ عرض کی جی نہیں آپ نے فرمایا کہ پھر جا کر تیسرے درخت کو بھی جڑ سے کاٹ دے۔ خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ بال بکھیرے اپنے دونوں ہاتھ

دونوں کندھوں پر رکھے۔ اپنے دانت کٹکٹاتی ہے اور اس کے پیچھے دبیہ السلمی کھڑا ہے جو اس کا دربان ہے خالد نے کہا : **یاعز کفرانک لا سبحانک انی رایت اللہ قد اھانک** ترجمہ : اے عزیٰ تجھ سے کفر ہے نہ تعریف کیونکہ میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے خوار کیا پھر اس کو تلوار ماری تو اس کا سر دو ٹکڑے ہو گیا۔ دیکھا تو وہ کوئلہ ہے۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ نے مذکورہ درخت کاٹ ڈالا۔ اور دبیہ دربان کو بھی قتل کر ڈالا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی عزیٰ تھی۔ اب آئندہ عرب کے واسطے عزیٰ نہ ہو گی۔

ہشام بن الکلبی نے بیان کیا کہ قریش کے بہت سے بت خانہ کعبہ کے اندر اور اس کے گرد باہر تھے۔ اور سب سے بڑا ان کے نزدیک ہبل تھا۔ اور مجھے خبر ملی ہے کہ وہ سرخ یاقوت کا تھا آدمی کی شکل جیسا بنا ہوا تھا۔ جس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش نے اس صورت سے اس کو پایا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ سونے کا بنا کر لگایا۔ سب سے پہلے اس بت کو خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر نے نصب کیا تھا۔ اور یہ بیچ کعبہ میں تھا۔ اس کے آگے سات لکڑیاں بے پھل کے تیر کی شکل کی پڑی تھیں۔ ایک میں صریح اور دوسرے میں ملصق لکھا ہوا تھا۔ لوگ جب کسی بچہ میں شک کرتے ہبل کے نام چڑھاوا لے جاتے۔ پھر ان تیروں سے پانسہ پھینکتے تھے۔ اگر صریح نکلتا تو اس بچہ کو الفت سے لیتے۔ اور اگر ملصق نکلتا تو دفع کرتے۔ اسی طرح جب کسی امر پر جھگڑتے یا سفر کا قصد کرتے تو ہبل کے پاس جا کر پانسہ پھینکتے تھے۔ ابو سفیان بن حرب نے احد کی لڑائی کی دن اسی بت کو کہا تھا کہ **اعل ھبل** یعنی اے ہبل تیرا دین بلند ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو جواب دو **اللہ اعلی واجل** یعنی اللہ تعالیٰ برتر اور بزرگ تر ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ مشرکوں کے بتوں میں سے اساف اور نائلہ بھی تھے۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اساف اور نائلہ قبیلہ جرہم میں سے ایک مرد و عورت تھے۔ ان کو اساف بن یعلی اور نائلہ بنت زید کہتے تھے۔ یہ دونوں جرہم کی نسل سے تھے۔ اور دونوں کا عشق زمین یمن سے شروع ہوا تھا۔ پھر قافلہ کے ساتھ دونوں حج کو آئے۔ اور ایک رات دونوں خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں خالی گھر پایا۔ کوئی آدمی نہ تھا۔ پس اساف

نے نائلہ سے بدکاری کی تو مسخ ہو کر پتھر ہو گئے۔ صبح کو لوگوں نے ان کو مسخ پاکر خانہ کعبہ سے باہر نکال کر قائم کیا۔ بعد ازاں قریش و خزاعہ و دیگر عرب نے جو حج کو آتے تھے ان دونوں کو پوجنا شروع کیا۔ ہشام بن الکلبی نے کہا کہ جب دونوں مسخ ہو کر پتھر ہو گئے تو کعبہ سے باہر اس غرض سے رکھے گئے کہ لوگوں کو عبرت ہو۔ جب زیادہ مدت گزری اور بتوں کی پوجا شروع ہوئی تو بتوں کے ساتھ ان کی بھی پوجا ہونے لگی۔ پہلے ایک تو کعبہ سے متصل تھا۔ اور دوسرا زمزم کے مقام پر تھا۔ پھر قریش نے کعبہ کے پاس والا بھی اٹھا کر دوسرے سے ملا دیا۔ اور ان کے پاس قربانی کی بھینٹ چڑھایا کرتے منجملہ بتوں کے ایک ذوالخلصہ تھا۔ سفید دودھیا پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اور اس پر تاج کی سی صورت نقش تھی۔ اور مکہ سے سات روز کے فاصلے پر یمن اور مکہ کے درمیان ایک مکان میں رکھا تھا۔ اس کی بھی تعظیم ہوتی اور چڑھاوے کی قربانی بھیجی جاتی تھی۔ خثعم اور بجیلہ اس کی تعظیم کرتے تھے اس پر قربانی چڑھاتے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے فرمایا کہ تو مجھے اس ذوالخلصہ سے کفایت نہیں کرتا۔ پس جریرؓ سواران احمس لے کر روانہ ہوئے تو خثعم و باہلہ دونوں قبیلوں نے جریرؓ کو روکا۔ جریرؓ نے مقابلہ میں ان کو بھگا دیا۔ اور ذوالخلصہ کی عمارت کو آگ لگا دی۔ اور منہدم کر ڈالی۔ ذوالخلصہ اب مسجد تبالہ کا چوکھٹ ہے۔ یعنی اس بت کی جگہ کو چوکھٹ بنا دیا گیا۔

قبیلہ دوس کا ایک بت تھا۔ جس کو ذوالکفین کہا کرتے تھے۔ جب وہ لوگ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طفیل بن عمرو کو بھیجا۔ انہوں نے اس کو جلا دیا۔

بنی حارث بن یشکر کا ایک بت تھا۔ جس کو ذوالشریٰ کہتے تھے۔

قزاعہ و لخم وجذام و عاملہ کا ایک بت مشارف شام (دیہات) میں تھا۔ اس کو اُقیصر کہتے تھے۔ مزینہ کا ایک بت بنام نہم تھا۔ اور اسی کے نام پر اس کے پوجنے والوں کے نام "عبد نہم" لیے جاتے تھے۔

قبیلہ عنزہ کے بت کا نام سعیر تھا۔

قبیلہ طی کے بت کو فلس کہتے تھے۔

مکہ کی ہر وادی میں بت رہتا تھا۔ اس کو اسی علاقہ والے پوجتے تھے۔ اور جب ان

میں سے کوئی سفر کو جانا چاہتا تو سب سے پہلے کام اس کا یہ تھا کہ اس بت کو چھوئے۔ اور جب سفر سے آتا تو سب سے پہلے اس احاطہ میں داخل ہو کر یہ کام کرتا کہ اس بت کو چھوتا۔ بعض ان میں ایسے تھے کہ انہوں نے بت کا گھر بنایا تھا۔ یعنی بت کو کوٹھری میں رکھا تھا۔ اور بعض جس کے پاس کوئی مورت نہ تھی۔ اس نے اپنی نظر سے کوئی اچھا پتھر ہی تلاش کر کے رکھ لیا تھا۔ پھر اس کا طواف کرتا تھا۔ مشرکین ان کو انصاب کہتے تھے۔ جب کوئی مشرک سفر کو جاتا اور کسی منزل پر اترتا تو چار پتھر تلاش کر کے دیتا۔ ان میں سے جو پتھر اس کو اچھا معلوم ہوتا اس کو اپنا رب بنالیتا۔ اور باقی سے اپنی ہانڈی کا چولہا بنالیتا۔ اور جب وہاں سے کوچ کرتا تو اس کو چھوڑ جاتا۔ پھر جب وہ دوسری منزل پر اترتا تو وہاں بھی ایسا ہی کرتا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو مسجد الحرام میں گئے۔ وہاں خانہ کعبہ کے گرد مورتیں رکھی ہوئی تھیں۔ اور آپ ﷺ کمان کی نوک سے ان کی آنکھوں اور چہروں پر مارتے جاتے اور یہ کہتے جاتے : **جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا** (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۸۱) یعنی حق آگیا اور باطل مٹا اور باطل تو ہمیشہ ہی نیست ہوتا ہے۔ پھر حکم فرمایا گیا تو سب بت اوندھے گرائے گئے۔ پھر مسجد سے نکلوا کر جلا دیئے گئے۔

فائدہ : بعض کتب اسیر میں ہے کہ جس بت کی طرف اشارہ فرماتے وہ اوندھا گر جاتا تھا۔ اور یہ اقرب ہے۔ اگرچہ اسناد میں کچھ کلام ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک زمانہ آوے گا۔ کہ بت پرست لوگ لوٹائے جائیں گے۔ یعنی زیادہ ہوں گے۔ پھر جو پھرنے والے ہیں۔ دین اسلام سے پھر جائیں گے۔

مہدی بن میمون نے کہا کہ میں نے ابو رجاء العطاردی سے سنا وہ کہتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہم نے آپ ﷺ کی بعثت کی خبر سن لی۔ پھر مسیلمہ کذاب سے ملے تو آگ میں ملے۔ ابو رجاء نے بیان کیا کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔ پھر جب ہم ایک پتھر سے بہتر دوسرا پتھر خوبصورت پاتے تو پہلے

پتھر کو پھینک دیتے۔ اور دوسرے کو پوجنے لگتے تھے۔ اور جب ہم کسی مقام پر پتھر نہ پاتے تو ریگ کا تودہ جمع کر لیتے اور ایک بھیڑ لا کر اس پر کھڑی کر کے وہاں اس کا دودھ دوہ لیتے۔ پھر اس تودہ کے گرد طواف کیا کرتے۔

ابو رجاء العطاروی ؒ سے مروی ہے کہ ہم بالو لے کر اس کو جمع کر کے اس پر دودھ دھو لیتے پھر اس کو پوجتے۔ اور سپید پتھر لے کر ایک مدت تک اس کو پوجتے پھر اسے پھینک دیتے۔

ابو عثمان النہدی سے روایت ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں پتھر پوجتے تھے۔ ایک دفعہ ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے قوم والو تمہارا رب تباہ و ہلاک ہو گیا ہے۔ اب کوئی دوسرا رب تلاش کرو۔ تو ہم لوگ نکل کر ہر طرف اونچے نیچے میدان میں ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ کہ اتنے میں ایک پکارنے والے نے آواز دی۔ کہ ہم نے تمہارا رب پایا (یا اسی طرح کوئی اور لفظ کہا) پھر ہم لوگ لوٹ آئے تو دیکھا کہ ایک پتھر پایا پھر اس پر اونٹوں کی قربانی کی گئی۔ عمرو بن عنبسہ نے کہا کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو پتھر پوجتے تھے۔ پھر جب گروہ (قبیلہ) جا کر کہیں (پانی پر) اترتے اور ان کے ساتھ معبود (پتھر) نہیں ہوتے تو ایک آدمی ان میں سے نکل کر جاتا اور چار پتھر لاتا۔ پھر تین پتھروں سے ہانڈی کا چولہا بناتا اور چوتھا پتھر جو سب سے اچھا ہوتا اس کو معبود بنا کر رکھتا۔ اس کی پوجا کرتا۔ پھر اسی پانی پر بسیرا ڈالنے کے زمانہ ہی میں شاید وہ کبھی اس سے خوب صورت پتھر پاتا تو پہلے کو پھینک دیتا اور دوسرے کو معبود بنا لیتا۔

سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا کہ اہل عرب نے پتھروں اور بتوں کی پوجا کیونکر شروع کی تو فرمایا کہ وہ لوگ اصل میں پتھروں کی عبادت کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے کہا بیت اللہ پتھر ہے تو ہم جہاں کہیں کوئی پتھر رکھ لیں وہی بمنزلہ بیت اللہ کے ہو جاوے گا۔

ابو معشر ؒ نے کہا کہ بہت سے ہندوؤں کا اعتقاد یہ ہے کہ رب بے شک ہے۔ اور یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ بھی ہیں لیکن وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو سب سے اچھی صورت تصور کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ کو بھی خوب صورت اجسام بیان

کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ خدا اور ملائکہ نے آسمان میں مخلوق سے پوشیدگی کرلی ہے۔ اور اپنے نزدیک خدا کی صورت پر بت بنائے۔ اور ملائکہ کی صورتوں کے بت بنائے اور ان کی پوجا کرتے ہیں۔ بعض کے خیال میں یہ سمایا کہ ستارے اور آسمان بہ نسبت دیگر اجسام کے خالق سے زیادہ نزدیک ہیں۔ اس خیال سے ان چیزوں کی تعظیم کرنے لگے۔ اور ان کے لیے چڑھاوے چڑھانے لگے۔ پھر ان کے نام کے بت بنائے۔

بہت سے پرانے زمانے کے لوگوں نے بتوں کے واسطے گھر (مندر) بنائے تھے۔ ازاں جملہ اصفہان میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک گھر تھا۔ جس میں بت رکھے تھے۔ پھر جب گشتاسپ مجوسی ہو گیا تو اس نے اس کو آتش خانہ بنا دیا۔ دوم و سوم دو گھر ہندوستان میں تھے۔ چہارم شہر بلخ میں تھا۔ جس کو بنو شہر نے بنایا تھا۔ پھر جب اسلام کا غلبہ ہوا تو بلخ کے مسلمانوں نے اس کو برباد کر ڈالا۔ پنجم بت خانہ شہر صنعاء میں تھا جس کو ضحاک نے زہرہ ستارے کے نام پر بنوایا تھا۔ اس کو عثمان بن عفانؓ نے برباد کرادیا۔ ششم شہر فرغانہ میں قابوس بادشاہ نے آفتاب کے نام پر بنایا تھا۔ جس کو خلیفہ معتصم عباسی نے اجاڑ دیا۔

نہاوندی نے لکھا ہے کہ ہندوستان کا دین وہاں کے لوگوں کے لیے ایک برہمن نے بنایا تھا۔ ان کے لیے بت خانے بنائے گئے۔ اور سب سے بڑا بت خانہ اس نے ملتان میں بنایا تھا اور یہ سندھ کے شہروں میں سے بڑا شہر تھا۔ اسی بت خانہ میں ان کا سب سے بڑا بت تھا۔ جو ہیولائے اکبر کی صورت پر بنایا تھا۔ (یعنی اپنے خیال کے موافق) حجاج ثقفی کے زمانہ میں یہ شہر فتح ہوا اور مسلمانوں نے چاہا کہ اس بت کو توڑ دیں۔ تو مجاوروں اور متولیوں نے کہا کہ اگر تم اس کو باقی رکھو تو جس قدر اس کو چڑھاوا آتا ہے اس کا تہائی ہم تم کو دیں گے۔ پس سپہ سالار نے حجاج کو لکھا اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا۔ اس نے حکم دیا کہ اچھا باقی رکھو۔ لوگ دو ہزار فرسخ سے اس بت کی زیارت کرنے آتے تھے۔ اور زائر کے لیے یہ شرط تھی۔ کہ اس کے نذرانہ کے لیے سو (۱۰۰) روپے سے دس (۱۰،۰۰۰) ہزار تک کے درمیان جس قدر ہو سکے نذر چڑھاوے۔ اس سے کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور جو کوئی اس قدر نذرانہ نہیں لایا تو اس کا مقصد زیارت پورا نہ ہوا۔ پھر جو کوئی مال لئے ہوئے درشن کو آتا وہ مال پہلے ایک بڑے صندوق میں ڈال دیتا جو

وہاں رکھا تھا پھر بت کا طواف کرتا۔ جب درشنی لوگ چلے جاتے تو وہ صندوق کھولا جاتا۔ اس میں سے تہائی مال مسلمانوں کا حق تھا۔ اور ایک تہائی اس شہر کے قلعہ جات وغیرہ کی مرمت میں خرچ ہوتا۔ اور باقی ایک تہائی اس کے مجاوروں اور خادموں کا حق تھا۔

مصنف ؒ نے کہا کہ ذرا غور کرو کہ کس طرح ان لوگوں کو شیطان نے اپنا مسخرہ بنایا۔ اور ان کی عقلیں گم کیں۔ کہ جس چیز کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ اسی کی پوجا کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ان مسخروں کے بتوں کی بہت اچھی مذمت فرمائی ہے۔ بقولہ تعالیٰ **الھم ارجل یمشون بھا ام لھم اید یبطشون بھا ام لھم اعین یبصرون بھاام لھم اذان یسمعون بھا** (الاعراف پ۹ آیت ۱۹۵) یعنی وہ کیا ان بتوں کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں۔ یا ان کے ہاتھ ہیں کہ جن سے گرفت کرتے ہیں۔ یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں۔ یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں۔ یہ بت پرستوں کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی تم لوگ پیروں سے چلتے ہو۔ ہاتھوں سے گرفت کر سکتے ہو۔ اور دیکھتے اور سنتے ہو' اور تم لوگ حیوان جاندار ہو۔ تو کیونکر پوری خلقت کے جاندار نے ناقص جمادات کو اپنا معبود بنایا۔ اگر یہ بت پرست ذرا غور کرتے تو اس قدر ضرور جان لیتے کہ معبود خدا تو چیزوں کو بنانے والا ہوتا ہے۔ اور وہ خود نہیں بنایا جاتا ہے۔ اور وہی جمع کرتا ہے۔ وہ خود نہیں جمع کیا جاتا۔ اور کل اشیاء کا قیام اسی کی قدرت سے ہوتا ہے۔ اس کو کوئی قائم نہیں کر سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنی چاہئے۔ جو سب صورت سے کامل ہے۔ نہ کہ اس کی جس میں کچھ قدرت نہیں۔ پھر بت پرستوں کے خیال میں جو یہ اعتقاد جم گیا ہے کہ بت ہماری سفارش کیا کرتے ہیں۔ تو یہ محض خیال ہے جس میں کوئی مناسبت بھی بتوں کے ساتھ نہیں ہے۔

آگ و سورج و چاند پوجنے والوں پر ابلیس کی تلبیس کا بیان

مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک جماعت پر ابلیس نے تلبیس سے یہ رچایا کہ آگ کی عبادت کریں۔ اور کہا کہ آگ ایک ایسا جوہر ہے کہ عالم کو اس سے چارہ نہیں یعنی عالم کے لیے یہ ضروری ہے اور اسی سے آفتاب کی پوجا بھی رچائی۔ امام ابو جعفر بن

جریر الطبری نے ذکر کیا کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اور اپنے باپ آدم علیہ السلام کے پاس سے بھاگ کر یمن کو چلا گیا تو ابلیس نے اس کے پاس آکر کہا ہابیل کا نذرانہ اس وجہ سے قبول ہوا اور آگ نے اس کو کھا لیا کہ وہ آگ کی خدمت کرتا تھا۔ اور اس کو پوجتا تھا۔ اب تو بھی آگ مہیا کر تو آئندہ تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے وہ کارساز ہو گی۔ پس اس نے ایک آتش خانہ بنایا اور آگ کو پوجنے لگا۔

جاحظ نے بیان کیا کہ زرادشت جس کو مجوسی اپنا پیغمبر مانتے ہیں۔ وہ بلخ سے آیا۔ اور دعویٰ کیا کہ وہ کوہ سیلان پر تھا۔ وہاں اس پر وحی نازل ہوئی اور یہ ممالک بہت سرد ہیں۔ وہاں کے لوگ سردی کے سوا کچھ نہیں جانتے ہیں اور اقرار کیا کہ وہ فقط ان پہاڑیوں کے سوائے کسی کی طرف پیغمبر کر کے نہیں بھیجا گیا ہے اور جن لوگوں نے اس کو مانا ان کے لیے اس نے ایسے قبیح امور سے شرع مقدر کی جیسے اقسام پیشاب سے وضو کرنا اور ماؤں (بیٹیوں و بہنوں) سے وطی کرنا اور آگ کی پوجا وغیرہ کرنا۔ زرادشت مذکور کے اقوال میں سے یہ ہے کہ اللہ اکیلا تھا۔ جب تنہائی کو مدت دراز گزری تو اس نے غور و فکر کر کے ابلیس کو پیدا کیا۔ جب ابلیس اس کے رو برو آیا تو خدا نے اس کو قتل کرنا چاہا ابلیس نے روکا اور مانع ہوا۔ تو جب خدا نے دیکھا کہ وہ قابو میں نہیں آتا ہے تو ایک مدت کے لیے اس سے صلح کر لی۔

واضح ہو کہ آتش پرستوں نے آگ کی پوجا کرنے کے لیے بہت سے آتش خانے بنائے۔ چنانچہ سب سے اول افریدون نے آگ کی پوجا کے لیے طرسوس میں آتش خانہ بنایا۔ اور دوسرا بخارا میں بنایا۔ اور بہمن نے سیستان میں بنایا اور ابو قباذ نے نواح بخارا میں بنایا۔ اور اس کے بعد بکثرت آتش خانے بنائے گئے۔ زرادشت نے ایک آگ رکھی تھی۔ جس کی نسبت وہ مدعی تھا۔ کہ یہ آسمان سے اتری ہے اور اسی نے ان کے نذرانے کھائے ہیں اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس نے ایک احاطہ بنایا اور اس کے درمیان میں ایک شیشہ نصب کیا۔ اور نذرانہ کا جانور ایک لکڑی پر لٹکایا جس پر گندھک لگا دی تھی۔ جب ٹھیک دوپہر کو سورج سر پر آیا اور چھت کے روشندان سے سورج کی کرن اس شیشہ پر پڑی تو گندھک کی تیزی سے لکڑی میں آگ لگ گئی زرادشت نے کہا کہ اب تم اس

آگ کو بجھنے نہ دینا۔

مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ ابلیس نے چند اقوام کے خیال میں چاند کی پوجا رچائی اور دوسروں کے خیال میں ستاروں کی پرستش اچھی دکھلائی۔ ابن قتیبہؒ نے کہا کہ اسلام سے پہلے جہالت کے زمانے میں ایک قوم نے ستارہ شعری العبور کو پوجا۔ اور اس کی وجہ سے فتنہ میں پڑے۔ اور اس کے واسطے وہ نذرانہ چڑھایا۔ جس کو اپنے زعم میں اس کے مشابہ سمجھے۔

ابو کبشہ جس کی نسبت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرک لوگ ابن ابو کبشہ کہا کرتے تھے۔ وہ پہلا شخص جس نے شعری کو پوجا اور کہا کہ یہ ستارہ آسمان کو چوڑان میں کاٹتا ہے۔ اور سوائے اس کے کوئی ستارہ اس کو عرض میں طے نہیں کرتا۔ اس خیال سے اس کو پوجنا شروع کیا۔ اور قریش کے خیال سے مخالف ہوا۔ لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی طرف بلایا اور کہا کہ بتوں کو چھوڑ دو تو قریش نے کہنا شروع کیا کہ یہ بھی ابو کبشہ کا بیٹا ہے۔ یعنی جس طرح ابو کبشہ نے ہم سے مخالفت کی اسی طرح اس نے مخالفت کی۔ بنی اسرائیل نے اسی محاورہ کے موافق حضرت مریمؑ کو اخت ہارون کہا تھا۔ یعنی ہارون کی طرح نیک بخت صالح ہے۔

جاننا چاہیے کہ شعری دو ہیں۔ ایک یہی شعری عبور ہے اور دوسرے کو شعری غمیصاء کہتے ہیں۔ وہ اس کے مقابل ہے۔ اور دونوں کے درمیان میں مجرہ (ثریا) ہے۔ اور غمیصاء برج اسد میں ذرا مبسوط ہے۔ اور یہ شعری برج جوزا میں ہے۔

ابلیس نے دیگر قوموں پر فرشتوں کی پوجا رچائی اور انہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا تعالی اللہ عما یقولون علوا کبیرا شیطان نے ایک اور قوم پر گھوڑے اور گائے کی پوجا رچائی۔ سامری گائے پوجنے والوں میں سے تھا۔ چنانچہ اس نے گوسالہ بنایا تھا۔ تعبیر میں آیا ہے کہ فرعون بھی مینڈھا پوجتا تھا۔ ان احمقوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے فکر و عقل سے کچھ کام لیا ہو۔

اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت والوں پر ابلیس کی تلبیس کا بیان

مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہم نے یہ بیان کردیا کہ ابلیس نے کیونکر ان لوگوں پر بت پوجنے میں تلبیس کی اور سب سے بدتر اس معاملہ میں اس کی تلبیس ان جاہلوں پر تھی کہ بغیر دلیل کے بے سوچ سمجھے اپنے باپ دادوں کی تقلید کرتے تھے۔ چناچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **اذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالو بل نتبع ما الفینا علیہ آباء نا اولو کان آباء ھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون** (البقرہ پ ۲ آیت ۱۷۰) یعنی جب ان لوگوں سے کہا جاوے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو کہیں کہ نہیں بلکہ ہم تو اسی راہ پر چلتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ تو کیا باپ دادوں کی تقلید پر اڑے رہیں گے۔ اگرچہ ان کے باپ دادے نہ کچھ سمجھتے اور نہ راہ پاتے تھے۔

اور ان میں سے ایک گروہ پر شیطان نے ایسی تلبیس کی کہ دہریہ کے طریقے اختیار کرلیے خالق کا اور مرے پیچھے جی اٹھنے کا انکار کیا اور کہا کہ کوئی پیدا کرنے والا نہیں اور نہ کبھی مردے اٹھائے جائیں گے۔ اسی فرقہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن مبعوثین** (الانعام پ ۷ آیت ۲۹) یعنی کچھ نہیں یہی فقط ہماری دنیا کی زندگی ہے اور ہم کبھی اٹھائے نہ جائیں گے۔ **وما یھلکنا الا الدھر** (الجاثیہ پ ۲۵ آیت ۲۴) اور ہم کو یہی زمانہ کی گردش ہلاک کرتی ہے

فائدہ اس زمانہ میں تو بکثرت دہریئے موجود ہیں۔ لیکن دنیا میں عیش کی زندگی بسر کرنے میں ایک انتظامی قانون کی پابندی ہے۔

ان میں سے ایک فرقہ پر ابلیس نے یہ تلبیس کی کہ خالق کو اپنی رائے سے اقرار کیا۔ مگر رسولوں اور قیامت سے انکار کیا اور ایک فریق پر یہ تلبیس کی کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور ایک فرقہ کو دین یہود ونصاریٰ کی طرف مائل کیا اور ایک فرقہ کو مجوسی دین کی طرف مائل کیا اور یہ عقیدہ عرب کے اکثر بنی تمیم میں تھا۔ چنانچہ زرارہ بن جدیس التمیمی اور اس کے بیٹے حاجب کا یہی عقیدہ تھا۔

بعضے عرب ایسے تھے کہ خالق کا اقرار کرتے اور کہتے کہ اس نے ابتداء میں پیدا کیا- اور موت کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا- اور ثواب و عذاب بھی ملے گا- اس عقیدہ والے عبدالمطلب ابن ہاشم زید بن عمرو بن نفیل قیس بن ساعدہ اور عامر بن الظرب تھے اور روایت ہے کہ عبد المطلب نے جب ایک ظالم کو دیکھا جس کو دنیا میں اس کے ظلم کی سزا نہیں پہنچی تو کہا کہ خدا کی قسم اس دار دنیا کے علاوہ دوسرا جہان ہے جہاں نیک و بد کو اپنا عوض ملے گا۔ اسی فرقہ میں سے زہیر بن ابی سلمی بھی تھا۔ (جس کا قصیدہ "سبعہ معلقہ" میں موجود ہے) اسی کا یہ شعر ہے **یوخر فیوضع فی کتاب فیدخر' لیوم الحساب اویعجل فینقم** یعنی جو خدا کے نزدیک تمہاری بدنیتی معلوم ہے وہ چھپ نہیں سکتی تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ عذاب میں تاخیر کرے گا۔ تو نامۂ اعمال میں لکھ کر روز حساب کے لیے ذخیرہ رکھی جائے گی۔ یا بالفعل ہی تم سے انتقام لیا جاوے گا۔ کہ عذاب دیا جاوے گا۔

فائدہ : گویا یہ شخص یہ اعتقاد بھی رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ دل کے بھید سب جانتا ہے پھر یہ شخص زمانۂ اسلام میں مسلمان ہو گیا۔ اسی قسم میں سے زیدالفوارس بن حصن تھا اور اسی قسم میں سے قلس بن امیتہ الکنانی تھا یہ شخص کعبہ کے سایہ میں کھڑا ہو کر وعظ سنایا کرتا تھا۔ اور عرب کے قبائل مواسم حج سے بغیر اس کا خطبہ اور وصیت سنے ہوئے واپس نہیں جاتے تھے۔ ایک روز اس نے کہا کہ اے قوم عرب میری بات سنو' اور مانو' تم فلاح پاؤ گے۔ عرب نے کہا کہ وہ کیا بات ہے۔ اس نے کہا کہ تم لوگوں میں سے ہر کنبہ نے الگ الگ بت بنا لیے ہیں اور جدا جدا ہو گئے ہیں۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ خدا ان سب سے راضی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ٹھاکروں کا پروردگار ہے۔ اور وہ یہی چاہتا ہے کہ فقط اسی کی عبادت کی جاوے۔ یہ سن کر عرب کے لوگ اس سال متفرق ہو گئے۔ اور اس کی نصیحت کچھ نہیں سنی۔

عرب میں بعض قوم ایسی تھی جن کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص مرا اور اس کی قبر پر اس کا اونٹ باندھ دیا گیا اور چھوڑ دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ بھی مر گیا۔ تو یہ شخص حشر میں یہ سواری پاوے گا۔ اور اگر ایسا نہ کیا جاوے تو وہ پیدل محشر میں جائے گا۔ عمرو بن زید الکلبی

کا یہی عقیدہ تھا۔

ان میں سے اکثر ایسے تھے کہ برابر شرک پر رہے اور بہت کم ایسے ہوئے کہ بتوں کو چھوڑ کر فقط خدا کو مانا ہو۔ جیسے قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ ہمیشہ بکثرت نئی نئی بدعتیں نکالا کرتے۔ منجملہ ان بدعات کے نسئی ہے۔ یعنی حلال مہینہ کو حرام کر دینا۔ اور حرام مہینہ کو حلال کر دینا۔ بات یہ تھی کہ عرب والے ملت ابراہیمؑ میں سے چار ماہ (رجب' ذیقعدہ' ذوالحجہ' محرم) کی حرمت پر مسلک رہے۔ لیکن جب قبائل میں خانہ جنگی ہوتی اور محرم میں لڑائی کی ضرورت ہوتی تو اس کو حلال کر لیتے اور اس کی تحریم کو صفر پر نسئی کرتے۔ یعنی ہٹا کر تاخیر کرتے۔ پھر اگر صفر میں بھی لڑائی ختم نہ ہوتی تو ضرورت سے اس کو آئندہ تاخیر کرتے چلے جاتے' یہاں تک کہ سال پلٹ جاتا۔ ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ جب حج کرتے تو تلبیہ اس طرح کہتے **لبیك لا شریك لك الاشریکا ھو لك ملك وما ملك** یعنی لبیک تیرا کوئی شریک نہیں ہے سوائے ایسے شریک کے جو تیرا ہے۔ تو اس کا اور اس کے مملوکوں کا مالک ہے۔

منجملہ بدعتوں کے مردوں کو خیرات دینا اور عورتوں کو محروم رکھنا۔

منجملہ ان کے یہ کہ جب کوئی مرتا تو اس کی زوجہ کے نکاح کا وارث وہ مرد ہوتا جو میت کے اقربا میں سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ (مگر باپ یا بیٹا نہیں بلکہ وہ جس سے نکاح ہو سکتا ہو)

منجملہ ان کے بحیرہ کی رسم نکالی۔ یعنی وہ اونٹنی جو پانچ پیٹ جنی۔ پس اگر پانچواں پیٹ مادہ جنی تو اس کے کان پھاڑ دیئے۔ اور عورتوں پر اس کا کھانا حرام کیا۔ سائبہ کی رسم نکالی۔ یعنی اونٹ' گائے' بکری کی قسم سے جانور کو آزاد چھوڑ دیتے۔ نہ اس کی پیٹھ پر کوئی سواری لیتا اور نہ کوئی اس کا دودھ دوہ سکتا تھا۔ وصیلہ کی رسم مقرر کی۔ وصیلہ وہ بکری جو سات پیٹ جنی۔ اگر ساتواں پیٹ دو بچے ایک نر اور دوسرا ~~مادہ ہو تو کہتے کہ~~ اس نے مادہ کے ساتھ اس کا بھائی ملا دیا تو وہ ذبح نہیں کی جاتی۔ اور اس کا نفع (دودھ اور بال وغیرہ) فقط مردوں کے لیے ہوتا۔ اس میں عورتوں کے لیے کچھ نہ ہوتا۔ اور اگر مر جاتا تو اس میں مرد عورتیں دونوں شریک ہوتے۔ حام نکالا۔ یعنی وہ نر جس سے جفتی کھلا کر دس پیٹ

جنائے تو کہتے ہیں کہ اس نے اپنی پیٹھ کی حمایت کرلی۔ اور اس کو بتوں کے نام پر سانڈ کی طرح چھوڑ دیتے۔ اور اس پر کچھ لادا بھی نہ جاتا پھر مشرکین یہ دعوی کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان رسموں کا حکم دیا ہے۔ اور یہ جھوٹ تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب** (المائدہ پ۲ آیت ۱۰۳) لیکن جو لوگ کافر رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں) پھر مشرکوں نے جو بحیرہ و سائبہ و وصیلہ و حام کو حرام ٹھہرایا اور جس قدر حلال بتلایا کہ خالص مردوں کے لیے حلال ہے عورتوں کے لیے نہیں ...... تو اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کیا بقولہ **قل ء الذکرین حرم ام الانثیین الایہ** (الانعام پ ۸ آیت ۱۴۴) یعنی اگر نر ہونے کی وجہ سے ان جانوروں میں حرمت ہے تو جو جانور نر ہو گا وہ حرام ہو گا اور اگر مادہ ہونے کی جہت سے حرمت ہے تو جو مادہ جانور ہو حرام ہو گی اور مادہ کے جھول میں آنے سے حرمت ہوتی ہے تو مادہ کے پیٹ میں نر و مادہ دونوں آتے ہیں پس دونوں حرام ہوں گے معلوم ہوا کہ یہ سب مشرکوں کا جاہلانہ افتراء ہے۔

منجملہ قبائح کے ابلیس نے عرب کے گنواروں پر اولاد کا قتل کرنا رچایا۔ چنانچہ ان میں بہت سے ایسے تھے کہ اپنی لڑکیوں کو مار ڈالتے اور کتے کو اس کا گوشت کھلا کر پالتے۔

منجملہ جہالتوں کے جس سے ابلیس نے ان پر تلبیس کی ایک یہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **قالوا لوشاء اللہ ما اشرکنا** (الانعام پ ۸ آیت ۱۴۸) "یعنی مشرکوں نے جھگڑا لو پن سے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم لوگ شرک نہ کرتے" یعنی اگر وہ ہمارے شرک سے راضی نہ ہوتا تو ایسا رخنہ ڈال دیتا کہ ہم لوگ اس کے ساتھ شرک نہ کرسکتے۔ دیکھو ان جاہلوں نے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو پکڑا۔ اور حکم چھوڑ دیا۔ اور مشیت سب کائنات کو شامل ہے۔ اور حکم سے عام مراد نہیں ہوتی تو حکم خاص آ جانے کے بعد کسی کو روا نہیں ہے کہ مشیت کی حجت پکڑے۔ واضح ہو کہ مشرکوں کی بے ہودہ رسمیں اور واہی طریقے جو انہوں نے نکالے تھے۔ وہ بہت کثرت سے ہیں کہاں تک ان کے بیان سے وقت ضائع کیا جاوے۔ اور وہ ایسے بے ہودہ ہیں کہ ان کو رد کرنے میں تکلف کی مطلق حاجت بھی نہیں ہے۔

نبوت سے منکر لوگوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

ابلیس نے برہمن و ہندوؤں وغیرہ پر اپنی تلبیس کا پردہ ڈالا تو ان کے لیے یہ رچایا کہ نبوت سے منکر ہوئے۔ تاکہ اس تلبیس سے جو فیض رحمت پہنچتا اس کا راستہ بند کر دیا۔ ہندوؤں کے فرقے بہت سے ہیں۔ بعض ثنویہ بعض برہمنوں کے مذہب پر ہیں۔ بعض فقط آدم و ابراہیم علیہما السلام کی نبوت مانتے ہیں۔

شیخ ابو محمد نوبختیؒ نے کتاب الاراء والدیانات میں ذکر کیا ہے۔ کہ ہندوؤں اور برہمنوں کی ایک قوم نے ثابت کیا کہ خالق ہے۔ رسول آئے ہیں اور بہشت و دوزخ بھی ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا رسول ایک فرشتہ آیا تھا۔ جو آدمی کی صورت میں تھا۔ لیکن اس کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ اور چار ہاتھ اور دس سر تھے۔ ان میں سے ایک سر آدمی کے سر کی طرح تھا۔ اور باقی شیر گھوڑے، ہاتھی اور سور وغیرہ حیوانات کے سروں کی طرح تھے۔ اس نے ان کو حکم دیا کہ آگ کی تعظیم کریں اور قتل و ذبح سے منع کیا سوائے اس کے کہ آگ کی تعظیم کے لیے جانور ماریں۔ اور ان کو جھوٹ اور شراب خوری سے منع کیا اور زنا ان پر مباح کر دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ گائے کی پوجا کریں۔ جب ان میں سے کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اس کا سر اور داڑھی اور مونچھیں اور بھویں و پلکیں سب مونڈ ڈالتے ہیں۔ پھر اس کو لے جا کر گائے کا سجدہ کراتے ہیں۔ اسی قسم کی بے ہودہ ہذیان کی باتیں بہت ہیں۔ کہاں تک اس کے بیان سے وقت ضائع کیا جائے۔

ابلیس نے براہمہ (برہمنوں) پر چھ شبہات ڈال رکھے ہیں۔

شبہ اول یہ ہے کہ ایک شخص کا ان چیزوں پر مطلع ہونا از بس بعید ہے جو اور سے مخفی رکھی گئی ہیں۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے۔ **ماھذا الابشر مثلکم** (المومنون پ ۱۸ آیت ۲۴۔ ۳۳) مطلب یہ ہے کہ جو بات دوسروں پر پوشیدہ ہے وہ ایک شخص پر کیونکر ظاہر ہو سکتی ہے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ اگر یہ لوگ انسانی عقلوں سے بات کرتے تو ان کو بتلاتے کہ ان کی جنس میں ایک شخص میں ایسے عمدہ خصائل ہوتے ہیں جن کی وجہ سے سب پر

فوقیت رکھتا ہے پس ان خاص فضائل کی وجہ سے وہ اس لائق ہو سکتا ہے کہ اس کو وحی حاصل ہو۔ اور ہر ایک آدمی اس لائق نہیں ہو سکتا۔ سب لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مزاج مرکب فرمائے ہیں۔ اور ان میں بہت فرق پیدا کیا ہے۔ اور بہت سی دوائیں پیدا فرمائیں جو بدن کے فساد کو اصلاح پر لاتی ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے نباتات اور پتھروں میں ایسی خاصیتیں پیدا کیں جن سے اس بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ جو حقیقت میں اسی دار فنا میں مٹ جانے کے لیے رکھا گیا ہے۔ تو دار آخرت میں باقی رکھنے کے لیے ضرورت زاید ہے۔ تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے کچھ اشخاص کو حکمت بالغہ کے ساتھ خاص کرے۔ جس کے ذریعہ سے وہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں۔ اور مخلوقات میں جن کے اندر بسبب بد اعمالیوں اور بداخلاقیوں کے فساد ہو گیا ہے۔ ان کو اصلاح پر لاویں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جو لوگ نبوت میں مخالفت کرتے ہیں۔ وہ اس سے انکار نہیں کرتے کہ کچھ قومیں حکمت کے ساتھ مخصوص ہوں تا کہ شریر طبیعتوں کے جوش کو اچھی نصیحت سے ٹھنڈا کریں۔ تو پھر کیونکر منکر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو ایسی رسالت و وصیت سے مخصوص فرما دے جس سے وہ لوگ عالم کی اصلاح کریں اور ان کے اخلاق درست کریں۔ اور ان کی سیاست ٹھیک کریں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی جانب اشارہ فرمایا بقولہ **اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم ان انذر الناس** الخ (یونس پ ۱۱ آیت ۲) "یعنی کیا لوگوں کو اس امر سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کو یہ وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈراوے"

شبہ دوم۔ منکروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو رسول بنا کر کیوں بھیجا۔ کیونکہ ملائکہ اس سے اقرب ہیں۔ اور ان میں شک ہونا بہت بعید ہے اور آدمیوں میں یہ خصلت ہے کہ اپنی جنس کے آدمیوں پر سردار ہو جانا پسند کرتے ہیں۔ تو اس سے شک پیدا ہو گا۔

اس کا جواب تین طرح سے دیا گیا ہے۔ (اول) یہ کہ ملائکہ کی قوت میں یہ ہے کہ بڑے پہاڑوں کو الٹ دیں۔ تو ایسا کوئی معجزہ نہیں ہو سکتا جو ان کی سچائی پر دلیل ہو سکے۔ کیونکہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو اس جنس کی عادات کے خلاف محال ہو' اور ملائکہ کی یہ عادت ہے تو معجزہ صرف کمزور آدمی ہی کے ہاتھوں سے ظاہر ہو کر اس کی نبوت کے صدق دعوی

پر دلیل کر سکتا ہے۔ (دوم) یہ کہ ہر جنس کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے تو یہ لائق ہوا کہ لوگوں کی طرف ان کی جنس سے آدمی بھیجا جاوے تاکہ اس سے نفرت نہ کریں اور اس کی باتوں کو سمجھیں پھر اسی ہم جنس کو خاص کر ایسی چیز بطور معجزہ دی جاتی ہے۔ جس سے اس جنس والے عاجز ہوں تاکہ اس کے صدق دعوے پر دلیل ہو جائے۔ (سوم) آدمی کی یہ طاقت نہیں ہے کہ فرشتہ کو دیکھ کر زندہ بچ سکے۔ اور انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ ایک قسم کا خصوصی ادراک نصیب کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا** (الانعام پ ۷ آیت ۹) یعنی ہم اگر فرشتہ کو رسول بنا دیں تو اس کو بھی مرد کی صورت میں بناویں۔ تاکہ اس کو دیکھ کر مانوس ہو کر اس کی ہدایت کو سمجھیں۔ پھر فرمایا **وللبسنا علیھم ما یلبسون** یعنی جو شبہ لوگ اپنے اوپر ڈالتے ہیں وہی ہم ان پر ڈالیں۔ یعنی اگر وہ فرشتہ بصورت مرد آدمی ہو گا تو نہ جانیں گے کہ یہ فرشتہ ہے یا آدمی ہے۔

فائدہ : اور وہ نہ کھائے نہ پیئے اور نہ نکاح کرے تو اس قسم کے شرائع ان کو کیسے معلوم ہوں اور یہ آدمی کے جامہ میں یہ خواہش اس میں مرکب ہو تو وہی کیفیت ہو گی۔

شبہ سوم منکروں نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام جن معجزات کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور علم الغیب بتلاتے ہیں۔ اور جو وحی ان پر آتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے آثار کاہنوں و ساحروں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ تو کس دلیل سے ہم فرق جانیں کہ یہ معجزہ ہے اور جادو نہیں ہے۔ تو صحیح و فاسد میں فرق کی دلیل نہ رہی۔ جواب یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شبہ دور کرنے کی حجتیں بیان فرمائیں اور عقلوں کو پابند کیا کہ دونوں میں فرق کر لے۔ تو جادوگر کو یہ قدرت نہیں ہے کہ مردے کو زندہ کر دے یا عصا سے اژدہا نکالے۔ رہا کاہن تو وہ کبھی ٹھیک رہتا ہے تو کبھی غلط بر خلاف نبوت کے کہ اس میں کچھ غلطی و خلاف نہیں ہے (اور خصوصاً" آسمانی چاند کو دو ٹکڑے کرنا کسی ساحر سے ممکن نہیں ہے۔

شبہ چہارم۔ منکروں نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام جو کچھ لائے وہ عقل کے خلاف ہے تو قبول نہیں ہے اور عقل کے موافق ہے تو عقل ہی کافی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ثابت ہو

چکا کہ بکثرت آدمی اپنے دنیاوی معاملات سیاست سے عاجز ہیں حتیٰ کہ ایک مہتمم جیسے عقلاء و سلاطین کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو بھلا امور الٰہی و آخرت سے کیونکر عاجز نہ ہوں گے۔ (یعنی اس میں سب عاجز ہیں۔ تو وحی الٰہی کی ضرورت ہے)۔

شبہ پنجم۔ شریعت میں چند چیزیں ایسی آئی ہیں جن سے ہماری عقل نفرت کرتی ہے۔ جیسے جاندار کو قتل کرنا۔ تو یہ شریعت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ بے شک عقل اس سے منکر ہے کہ ایک حیوان دوسرے حیوان کو دکھ دے۔ اور جب خالق نے ایسا حکم دیا ہو تو عقل کو اعتراض کی جگہ نہیں رہی۔ اس جواب کا مشرح بیان یہ ہے کہ عقل کے نزدیک ثابت ہو گیا کہ خالق عزوجل حکیم ہے اور اس میں کچھ خلل و نقص نہیں ہے۔ اور جب یہ معرفت عقل کو مل گئی تو اس پر لازم ہے کہ خالق کے سب احکام تسلیم کرے۔ اگرچہ بعض کی حکمت اس پر مخفی رہے۔ اور اگر کسی شاخ کی حکمت ہم پر مشتبہ ہو تو بھی یہ جائز نہیں کہ ہم جڑ کے باطل ہونے کا حکم لگا دیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اس حکم کی حکمت بھی ظاہر ہو گئی۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جمادات پر حیوانات کو فضیلت ہے۔ اور حیوانات میں غیر ناطق پر ناطق کو فضیلت ہے۔ کیونکہ ناطق کو فہم و فطنت دی گئی۔ اور نظری و علمی قوتیں عطا کی گئی ہیں۔ اور ناطق کا باقی رہنا بہ نسبت غیر ناطق کے زیادہ اہتمام کے قابل ہے۔ ناطق کی یہ قوتیں باقی رہنے میں گوشت کے قائم مقام اور کوئی چیز نہیں ہے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ کہ جس قسم کا فائدہ عظیم ہے وہ کم فائدہ والے کو کھالے اور کمزور کو قوی تناول کرے۔ بہائم حیوان تو بزرگ حیوانات اشرف المخلوقات کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اگر بہائم ذبح نہ کیے جاویں تو بہت کثرت سے بڑھ جاویں اور چراگاہ اور کھیتی باڑی کی گنجائش نہ رہے اور مریں تو ان کے مردار کی بد بو سے اشرف المخلوقات کو بہت تکلیف ہو (بلکہ اس کے قوائے عقلیہ میں خلل ہو جاوے) اور بہائم کی ایجاد کا کچھ فائدہ بھی نہ رہے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ ذبح کرنے میں دکھ ہے تو یہ بہت خفیف ہے۔ بعض حکماء نے کہا کہ درد بالکل محسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ درد کا محسوس ہونا دماغ کی جھلیوں کو ہوتا ہے۔ اس لیے اسی میں اعصاب حساسہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے جب خود دماغ کو صرع یا سکتہ پہنچتا ہے۔ تو انسان کو کچھ درد محسوس نہیں ہوتا۔ اور ذبح

میں جب تیزی سے شاہ رگیں کاٹ دی گئیں تو دور ایسے محل میں نہیں پہنچا جس کو حس ہو' اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم میں سے جب کوئی ذبح کرے تو چھری تیز کرلینا چاہئے اور ذبیحہ کو آرام دینا چاہئے۔

فائدہ : اور اگر حیوان کے غذا ہو جانے میں مصیبت ہوتی تو حکیم مطلق عزوجل درندہ جانوروں کو خشکی و تری میں ایسی حقیقت پر پیدا کرتا کہ ساگ پات کھاتے یا ان کے دانت و پنجے نہ ہوتے۔ کیونکہ انسان میں اگر عقل ہے تو درندوں میں نہیں ہے' فافہم۔

شبہ ششم۔ نبوت کے منکروں نے کہا کہ شائد صاحبان شریعت کو بعض پتھر و لکڑی کے کچھ خواص معلوم ہو گئے ہوں یعنی اس کے ذریعہ سے معجزہ بنالیا جواب یہ ہے کہ شبہ کرنے والوں کو کچھ شرم کرنی چاہئے تھی۔ اس لیے کہ نباتات کے خواص و منافع مدت دراز سے بخوبی ظاہر ہو چکے اور بھید کھل چکا ہے۔ پھر اگر کسی شخص کو کوئی پتھر یا لکڑی مل جاتی اور وہ اس کی خاصیت ظاہر کرتا (مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے عصا میں کوئی خاصیت ہوتی) تو ان چیزوں کے جاننے والے اسی وقت کہتے کہ یہ آپ کا معجزہ نہیں ہے بلکہ اس لکڑی یا پتھر کی خاصیت ہے۔ پھر معلوم ہے کہ معجزات کچھ ایک ہی قسم کے نہ تھے بلکہ ان کی مختلف اقسام ہیں۔ جیسے پہاڑ سے ناقہ نکلا' موسیٰ علیہ السلام کا عصا بالکل بدل کر اژدھا ہو گیا۔ پتھر سے چشمے جاری ہوئے اور یہ قرآن عظیم معجزہ کبریٰ ہے کہ قریب چھ سو برس کے ہوئے۔ جب سے نازل ہوا ہے اور کان اس کو سنتے ہیں اور افکار اس میں غور کرتے ہیں اور اس سے تحدی کی گئی کہ اس کی ایک سورۃ کے مثل بنا کر لاؤ۔ اور یہ تحدی قیامت تک باقی ہے۔ پھر کسی کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ ایک آیت بھی اس کے علاوہ کہیں سے بنا کر لاتا۔

فائدہ : بلکہ اب تو عقلاً" محال ہو گیا۔ اس لیے کہ عرب عرباء جو کامل فصیح اہل زبان تھے جب لاکھوں نے عاجزی کا اقرار کیا تو اب جو کوئی مدعی ہو وہ قطعاً" واہی و کاذب ہے۔ خصوصاً" جب کہ اہل زبان سے بھی نہ ہو اور عرب میں یہود و نصاریٰ سب موجود تھے اور عراق و نجران و بنی تغلب مدت تک اسلام نہ لائے اور لڑائیاں لڑے۔

پھر کہاں یہ معجزہ عظیم اور کہاں خاصیت و سحر و شعبدہ

شیخ ابو الوفاء علی بن عقیلؒ نے کہا کہ ملحدوں کی جبلت کا خمیر یہ ہے کہ دل سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح کلمۂ حق چھپ جائے اور مخلوقات میں شریعت کا ثبوت نہ رہے۔ اور لوگ اس کے احکام پر عمل نہ کریں۔ انھیں ملحدوں میں سے ابن الراوندی فیلوف و ابو العلا المعری شاعر اور ان کے مانند بہت ہیں (جیسے اکثر دیلمی روافض تھے) اور باوجود اس کوشش کے ان ملحدوں کو اپنی گفتگو کی کچھ قدر نہیں دکھائی دیتی اور نہ کچھ اثر پاتے ہیں۔ بلکہ ان خبیثوں کی امید کے برخلاف جامع مسجدیں لوگوں کی کثرت و اژدہام سے لبریز ہوتی ہیں اور پانچوں وقت عام مسجدوں میں بندگان حق کی اذانوں سے ان ملحدوں کے کانوں میں سوراخ ہوتے ہیں کہ بندگان باری تعالیٰ' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان والا کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور جو نعمت ہدی آپ لائے صاف گواہی سے اس کا اقرار کرتے ہیں۔ اور حج میں اپنی جانیں و مال خرچ کرتے ہیں۔ باوجودیکہ سفر میں ہر طرح کے خطرات و مشقت اور آل و اولاد سے مفارقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن حکم شریعت کی تعظیم ایمانی تصدیق سے سب پر عمل کرتے ہیں۔

پھر ان ملحدوں کے مکر کو دیکھو کہ بعضے تو یہ کرتے ہیں کہ علمائے نقل کے یہاں کسی فاجر کو لالچ دے کر جھوٹی اسناد سے فسادی بات بنا کر ان کی کتابوں میں خفیہ داخل کراتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے حالات اور صحابہؓ کے واقعات میں جھوٹی خبریں بنا کر اسی طرح علمائے نقل کے یہاں داخل کراتے ہیں۔ اور بعضے ملحدوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے کہ معجزات کے مشابہ چیزیں نقل کرتے ہیں کہ بعضے ملکوں میں ایسا پتھر ہوتا ہے جس کی یہ خاصیت ہوتی ہے۔ یعنی اس سے خرق عادات ظاہر ہوتے ہیں اور بہت سے کاہنوں و منجموں سے غیب کی خبریں نقل کرتے ہیں اور اس کے اندازے میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان ملحدوں نے بیان کیا سطیح کاہن کے امتحان کے لیے کسی نے پچھیرے کے نرہ کے سوراخ میں گیہوں کا دانہ رکھ دیا تھا اور سطیح سے پوچھا کہ جو کچھ ہم نے مخفی کیا ہے وہ بتلاؤ تو اس نے کہا کہ حبہ برفی احلیل مھر یعنی پچھیرے کے آلہ نرہ میں گیہوں کا دانہ ہے۔ اسود عنسی حالت وعظ میں بعض بات جو ہونے والی ہے قبل وجود کے بتلاتا تھا اور آج کل یہاں بہت عامل موجود ہیں جو اسی جنی سے

باتیں کرتے ہیں جو مجنون کے پیٹ میں ہوتا ہے تو وہ ان کو بہت سی ہونے والی باتیں بتلاتا ہے۔ شیخ ابو الوفاء نے کہا کہ یہ لوگ اسی قسم کے خرافات بہت بیان کرتے ہیں اور جس نے یہ دیکھا تو اپنی کم عقلی سے ان ملحدوں کا اصلی فتنہ نہیں سمجھتا اور کہنے لگتا ہے کہ نبوت کے ذکر میں جو اس قسم کی مخفی باتیں بتانے کا حال آیا ہے تو کیا اس کے قریب نہیں پہنچتا ہے بلکہ نبوت میں فقط اسی قدر تو آیا ہے۔ **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** (آل عمران پ ۳ آیت ۴۹) (میں تم کو آگاہ کرتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو چھپا رکھتے ہو) کیا اب اس کی کچھ وقعت دلوں میں باقی رہی اور یہ امر براہ عادت ہی تو ہوا کہ اب بھی وقوع منع نہیں ہوا۔ شیخ نے کہا کہ دیکھو اس غبی نے کیسا اشارہ کیا ہے واللہ ان لوگوں نے جو قصد کیا وہ ظاہر ہے۔ اور جدھر اشارہ کیا وہ کھلا ہوا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ آؤ ہم تم کو بکثرت ملکوں و شخصوں و نجوم و خواص کے حوالے بتلاویں۔ اور اس کثرت سے خود ظاہر ہے کہ آخر کوئی ایک امر تو سچ ہو گا اور جب ایک بات سچ مانی گئی تو پھر سب سچ مانی جاویں کیونکہ سب ہی یکساں ہیں تو پھر یہ دعوی کہ جو کچھ انبیاء (معجزات) لائے تھے وہ خرق عادت تھا۔ یہ دعوی باطل ہو گیا۔

پھر ان فسادی ملحدوں نے مکار صوفیہ میں سے ایک جماعت کو اپنے مکر میں ملا کر داخل کیا ہے جو بیان کرتے پھرتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے اپنے پیالہ کو دجلہ کی طرف جھکا کر سونے سے بھر لیا اور یہ بطور کرامت کے صوفیوں کی طرف سے عادت ہو گئی۔ اور منجموں کے حق میں بطور عادت کے ہوا اور طبیعی گروہ میں بطریق خواص اشیاء کے ہوا۔ اور اہل منتر یعنی عالموں و عرافین کی طرف سے بطور کہانت کے ہوا۔ تو اب عیسیٰ کے قول **وانبئکم بما تکلون وماتدخرون فی بیوتکم** کا حکم کیا رہا۔ اور اس میں خرق عادت کیا ہوئی۔ کیونکہ یہ تو برابر اس کے مانند ہوتا رہا اور عادت اسی کو کہتے ہیں کہ وہ چیز برابر جاری رہے۔ اور اکثر پائی جائے پھر جب کسی عاقل دیندار نے ان کو ہوشیار کیا کہ اس میں یہ فساد ہے تو صوفی مکار جھگڑنے لگتا ہے کہ کیا اب اولیاء اللہ کی کرامت سے انکار کرتے ہو۔ اور طبیعی کہتا ہے کہ کیا تم خواص سے منکر ہو کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ اور شترمرغ آگ کی انگاری نگل جاتا ہے۔ تو آخر وہ اصل بات واقعی

کی وجہ سے ان کی جھوٹی باتوں سے بھی سکوت کرتا ہے۔ تو زمانہ ہے کہ اس میں حق کے معتقد کو ان ملحدوں سے پریشانی ہے اور ایک طرف باطنیہ ملاحدہ ہیں اور ایک منجم ہیں مع ارباب مناصب کے۔ یعنی امراء و سلاطین و وزراء وغیرہ جو حل و عقد کے مالک ہیں۔ اور لوگ ان ہی کی باتوں پر چلتے ہیں۔

باوجود اس فتنہ عظیم کے پاک ہے حق سبحانہ و تعالیٰ جو اس ملت حنیفیہ کی حفاظت فرماتا ہے اور اس کا کلمہ بلند رکھتا ہے یہاں تک کہ یہ سب گروہ اس کے قہر کے نیچے مقہور ہیں کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے نبوت کے احکام کی نگہبانی رکھی اور ملاحدہ حیلہ بازوں کو مردود اور نابود کیا۔

ہندوستان کے برہمنوں میں سے بعض قوم ہے جس پر شیطان نے یہ رچایا کہ اپنی جان جلا کر خدا کے یہاں تقرب حاصل کریں۔ چنانچہ جب کوئی آمادہ ہوتا ہے تو اس کے لیے ایک گڑھا کھودا جاتا ہے۔ یعنی آگ بھری جاتی ہے اور لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ اس کو خلق سے خوشبو دار کرتے ہیں۔ ڈھول و نقارہ جھانجھ بجاتے ہوئے یہ کہتے ہوئے لاتے ہیں کہ اس جیو (جان) کو مبارک ہو کہ اب بیکنٹھ (جنت) کے اونچے درجے پر چڑھ جائے گا۔ وہ کہتا ہے تمہاری یہ قربانی مقبول ہو اور میرا ثواب جنت ہو۔ پھر وہ اپنے آپ کو اس خندق میں ڈال دیتا ہے اور جل کر خاک سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر وہ آگ میں نہ کودا اور بھاگ کھڑا ہوا تو اس کو دھتکارتے ہیں اور اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ آخر وہ لاچار ہو کر پھر جلنا اختیار کرتا ہے۔

بعض کے لیے ایک پتھر سخت گرم کیا جاتا ہے اور اس کے پیٹ پر لگایا جاتا ہے اور اسی طرح دوبارہ کیا جاتا ہے اور برابر اسی طرح اس کے پیٹ سے گرم پتھر لگائے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ جاتا ہے۔ اور آنتیں نکل پڑتی ہیں تب وہ مرجاتا ہے۔

کوئی اس قدر آگ سے نزدیک کھڑا ہوتا ہے کہ اس کی چربی گل کر بہتی ہے تب گر کر جل جاتا ہے۔

بعض کی پنڈلی اور ران سے ٹکڑے کاٹ کر آگ میں ڈالے جاتے ہیں اور لوگ اس

کی تعریف کرتے جاتے ہیں اور اس کے مثل مرتبہ مانگتے ہیں آخر وہ مرجاتا ہے۔

کوئی گائے کے گوبر میں (یعنی کنڈوں میں) ساق تک کھڑا ہوتا ہے اور اس میں آگ لگادی جاتی ہے اور جل کر مرجاتا ہے۔

بعض ہنود پانی پوجتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے جاندار کی زندگی ہے پس اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

بعض کے لیے پانی کے قریب خندقیں کھودی جاتی ہیں تو وہ خندقوں میں گر پڑتا ہے یہاں تک کہ جب آگ مشتعل ہو جاتی ہے تو وہ اٹھ کر پانی میں غوطہ مارتا ہے۔ اور پھر وہ پانی سے خندقوں کی طرف لوٹتا ہے۔ یہاں تک کہ مرجاوے۔ پھر اگر وہ پانی و خندق کے درمیان میں مرگیا تو اس کے آدمی غمگین ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنت سے محروم رہا اور اگر وہ پانی یا خندق میں مرا تو گواہی دیتے ہیں کہ وہ جنت میں پہنچ گیا۔

کوئی ان میں سے بھوک پیاس سے تڑپ کر جان دیتا ہے پس پہلے تو چلنے سے عاجز ہو کر بیٹھ جاتا ہے پھر بیٹھنے سے عاجز ہو کر مردہ کی طرح لیٹ جاتا ہے۔ پھر بات نہیں نکلتی پھر حواس میں خلل ہو کر تڑپنے لگتا ہے۔ پھر تڑپنا بھی موقوف ہو کر مرجاتا ہے۔

ان میں سے کوئی زمین میں آوارہ ہو کر مخبوط پھرتا ہے۔ یہاں تک کہ مرجاتا ہے۔

ان میں کوئی اپنے آپ کو دریا میں غرق کر کے مرجاتا ہے۔

بعض ان میں عورت کے پاس نہیں جاتا اور بالکل ننگا پھرتا ہے۔ فقط ایک چیٹ سی لنگوٹی باندھے پھرتا ہے۔

ہند میں ایک بلند پہاڑ ہے اس کے نیچے ایک درخت ہے۔ وہاں ایک شخص کتاب لیے پڑھتا اور کہتا ہے کہ مبارک ہو اس کو جو پہاڑ پر چڑھ کر اپنا پیٹ پھاڑ کر اپنے ہاتھ سے اپنی آنتیں نکال ڈالے۔

بعض ان میں وہ ہے جو بڑا پتھر لے کر اپنا بدن کچل کر مرجاتا ہے اور لوگ اس کو مبارک باد دیتے جاتے ہیں۔

ہند میں دو دریا ہیں (گنگا اور جمنا) اور جو فقیر لوگ غاروں وغیرہ میں بیٹھ رہے ہیں وہ عید کے روز نکل کر وہاں آتے ہیں۔ اور کچھ لوگ وہاں مقرر ہیں۔ وہ ان جوگیوں اور

عابدوں کے کپڑے وغیرہ اتار لیتے ہیں۔ اور ان کو پٹ لٹا کر دو ٹکڑے کاٹ ڈالتے ہیں۔ ایک ٹکڑا ایک دریا میں اور دوسرا ٹکڑا دوسرے دریا میں ڈال دیتے ہیں ان لوگوں کا دعوی یہ ہے کہ یہ دونوں دریا بہہ کر جنت میں جاتے ہیں۔

بعض ان میں نکل کر آفتاب (یا چٹیل میدان) میں جاتا ہے۔ جہاں دھوپ کے سوا سایہ نہیں ہے اور کچھ لوگ اس کے ساتھ دعا دیتے اور مبارک باد کہتے جاتے ہیں۔ جب وہ صحرا میں جاتا ہے تو بیٹھ جاتا ہے اور شکاری چڑیاں ہر طرف اکٹھی ہوتی ہیں۔ پھر وہ ننگا ہو کر لیٹ جاتا ہے اور لوگ اس کو دیکھتے ہیں۔ اور شکاری چڑیاں ہر طرف سے اس پر ہجوم کر کے اس کو کھاتی ہیں۔ جب وہ چلی جاتی ہیں تو لوگ آکر اس کی ہڈیاں لے جا کر جلاتے ہیں اور اس کی راکھ بطور تبرک رکھتے ہیں۔

شیخ ابو محمد نوبختیؒ نے اس کے ساتھ بہت طول طویل افعال ذکر کیے ہیں۔ جن کا نقل کرنا تضیع اوقات ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ہندوستان سے مسافر لوگ حکمت کی باتیں حاصل کرتے ہیں اور ان میں باریک اعمال ہیں۔ باوجود اس کے پاک ہے حق سبحانہ تعالیٰ کہ جس نے ہندیوں کو ایسا اندھا کر دیا کہ شیطان نے ان کو اس طرح ہانکا جس کا نمونہ بیان کیا گیا ہے۔ ابو محمد نوبختی نے لکھا ہے کہ بعض ہندی دعوی کرتے ہیں کہ جنت کے ۳۲ درجات ہیں اور اگر کوئی جنتی اس کے سب کے نیچے درجے میں چار لاکھ تینتیس ہزار چھ سو بیس سال رہا تو اوپر بڑھے گا۔ اور ہر بالائی مرتبہ بہ نسبت اول کے دو چند ہے اور جہنم کے بھی ۳۲ درجے ہیں۔ از انجملہ ۱۶ مرتبے میں زمہریر وغیرہ طرح طرح کے عذاب ہیں۔ اور باقی ۱۶ مرتبے میں جلن اور طرح طرح کے عذاب ہیں۔

یہود پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ ابلیس نے یہود کو بھی طرح طرح کی تلبیس میں گمراہ کیا۔ اس ڈھیری میں سے ایک مٹھی بھر نمونہ ذکر کیا جاتا ہے۔ جس سے باقی پر قیاس دوڑایا جا سکتا ہے۔ از انجملہ یہ کہ یہود نے خالق کو مخلوق سے مشابہ کیا۔ اور یہ نہ سمجھے کہ اگر تشبیہ حق ہوتی تو جو باتیں مخلوق پر جائز ہوتی ہیں وہ اس پر بھی جائز ہوتیں۔ شیخ ابو عبداللہ بن حامد

نے ذکر کیا کہ یہود کا زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ معبود ایک نور کا شخص ہے۔ وہ نور کی کرسی پر نور کا تاج رکھے ہوئے بیٹھا ہے اور آدمیوں کے اعضاء کی طرح اس کے اعضاء ہیں۔

از انجملہ یہود نے دعویٰ کیا کہ عزیر علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ اگر یہود سمجھ رکھتے ہوتے کہ فرزند ہونا حقیقت میں اس طرح ہو سکتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کا جزو ہووے تو پھر حماقت میں نہ پڑتے اس لیے کہ خالق عزوجل کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کے ٹکڑے ہو سکیں۔ یا بعض بعض ہو سکے اس لیے کہ یہ کچھ مرکب نہیں ہے تو اپنی حماقت سے اس کا بیٹا نہ بناتے۔ پھر بیٹا بھی باپ کے معنی میں ہوتا ہے حالانکہ عزیر علیہ السلام بغیر کھانے پینے کے قائم نہیں رہتے تھے۔ اور اللہ وہ ہے جس سے مخلوق اشیاء کا قیام ہے۔ اور وہ نہیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا قیام ہے۔ واضح ہو کہ یہودی حقائق سے بھی واقف نہ تھے اور باوجود اس کے یہ قول جو انہوں نے کہا تو اس کا باعث یہ ہوا کہ انہوں نے عزیز علیہ السلام کو دیکھا کہ موت کے سو (۱۰۰) برس بعد زندہ ہو کر آئے اور تمام توریت اپنے حفظ سے سنائی تو (پچھلے زمانہ کے) یہود نے اپنے بے ہودہ قیاس سے (نصرانیوں کی مشابہت کرنے کو) عزیز علیہ السلام کی نسبت یہ کلمہ کہا۔ اور اس قوم کی بھدی سمجھ پر دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھ لی کہ کس طرح اس نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر پھاڑ دیا۔ پھر جب پار ہو کر ایک قوم کے بتوں پر گزر ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لیے بھی ایسے ہی بت بنا دیجئے جیسے ان کے واسطے بت ہیں۔ پھر جب موسیٰ ؑ نے ان کو جھڑکا تو چپ رہے کہیں ان کے دلوں میں مخفی خواہش باقی رہ گئی۔ جو سامری کے گوسالہ بنانے پر ان کی عبادت کرنے سے ظاہر ہوئی۔ اور جس چیز نے ان لوگوں کو ایسے افعال پر آمادہ کیا وہ دو باتیں تھیں۔ ایک یہ کہ یہ لوگ اپنے خالق عزوجل کی شان سے جاہل تھے۔ اور دوم یہ کہ انہوں نے چاہا کہ ان کا معبود وہ ہو جو ان کے حواس میں آوے۔ اس لیے کہ حواس ان پر غالب تھے اور عقل سے یہ لوگ دور پڑے تھے (یہی حال اب تک جمیع یہود و نصاریٰ میں صاف ظاہر ہے) اور اگر یہ لوگ اپنے معبود سے جاہل نہ ہوتے تو کبھی اس کی شان میں ایسے کلمات ناشائستہ کہنے کی جرات نہ کرتے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود نے کہا ان اللہ فقیر و نحن

اغنیاء (آل عمران پ ۴ آیت ۱۸۱) (اللہ بندوں کا محتاج ہے اور ہم بے پرواہ) اور ید اللہ مغلولہ یعنی یہود کو دینے سے اللہ کے ہاتھ بندھے ہیں۔

از انجملہ یہود پر تلبیس نے یہ تلبیس رچائی کہ تم لوگ یہ دعوی کرو کہ شریعت منسوخ نہیں ہو سکتی ہے۔ باوجودیکہ یہودی خوب جانتے تھے کہ آدم علیہ السلام کے وقت میں بہنوں سے اور محرمات عورتوں سے نکاح روا تھا۔ اور سینچر کے روز سب مباح کام کرنے جائز تھے۔ پھر موسیٰ کی شریعت میں یہ امر منسوخ ہو گیا۔ لیکن یہودیوں نے ابلیس کی پیروی میں یہ دعوی کیا کہ جب خدا نے کسی چیز کا حکم دیا تو وہ حکمت ہے۔ پس حکمت کو منسوخ کر دینا جائز نہیں ہے۔ (غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت قیامت تک منسوخ نہ ہو گی۔ ہم ان کو جواب دیتے ہیں کہ بعض اوقات میں اس کو بدل دینا حکمت ہوتا ہے۔ چنانچہ آدمی کو صحت سے مرض کی طرف بدل دینا اور مردہ کر دینا سب حکمت ہے۔ اس طرح تم پر سینچر کے دن دنیاوی کام کرنا حرام کیا گیا۔ پھر اتوار کے دن اختیار دیا گیا۔ اور یہ اسی قسم کی بات ہے جس سے تم انکار کرتے ہو اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے فرزند کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا پھر اس سے منع کر دیا۔

از انجملہ ابلیس نے یہود پر یہ تلبیس کی کہ یہودیوں نے یہ دعوی کیا کہ لن تمسنا النار الا ایاما معدودہ (البقرہ پ ا آیت ۸۰) "یعنی ہم لوگوں کو آگ نہیں چھوئے گی۔ سوائے گنتی کے چند دنوں کے" اور یہ چند دن وہی ہیں جن میں ہم نے گوسالہ کو پوجا تھا۔ یہودیوں کی ناشائستہ باتیں بہت ہیں۔ پھر ابلیس نے یہودیوں کو خالص عداوت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ان کی کتاب میں جو صفت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکور تھی اس سے جان بوجھ کر انکار کیا اور اس صفت کو بدل ڈالا۔ حالانکہ کتاب توریت میں ان کو تاکیدی حکم تھا کہ اس پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لاویں لیکن یہ بدبخت آخرت کے عذاب پر راضی ہو گئے۔ پس ان کے پڑھے لکھوں نے دشمنی پر کمر باندھی اور جاہلوں نے اپنے عالموں کی تقلید پر اصرار کیا۔ پھر تعجب تو یہ ہے کہ جو کچھ ان کو حکم دیا گیا تھا وہ تو بگاڑ کے بدل ڈالا۔ اور جو کچھ ان کے جی چاہتے تھے اس کو دین بنایا تو بھلا ایسے شخص کے حق میں خدا کی بندگی کہاں رہی جس نے حکم الٰہی چھوڑ دیا اور اپنے جی کی پیروی کی۔ پھر واضح

رہے کہ یہودی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخالفت کرتے بلکہ ان کو عیب لگاتے چنانچہ کہتے کہ ان کو فتق کا مرض ہے اور اتہام لگایا کہ انہوں نے ہارونؑ کو قتل کیا ہے اور اسی طرح داؤدؑ کی نسبت اتہام لگایا کہ ان کی اوریا کی جورو سے آشنائی ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز یہود کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جو تم میں سب سے بڑا عالم ہو اس کو میرے سامنے لاؤ انہوں نے کہا کہ وہ عبداللہ بن صوریا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تنہا بلایا اور الگ اس کو اس کے دین کی قسم دلائی کہ بعوض اس حق کے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر انعام کیا اور من و سلوی کھانے کو دیا اور بادل سے ان پر سایہ کیا۔ تو سچ بتلا کہ تو یہ جانتا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔ عبداللہ بن صوریا نے کہا کہ ہاں واللہ میں جانتا ہوں اور یہ قوم سب میری طرح آپ کو پیغمبر پہچانتے ہیں۔ اور بے شک آپ ﷺ کی صفت و تعریف توریت میں صاف صاف مذکور ہے۔ لیکن یہ لوگ آپ ﷺ سے حسد کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ابن صوریا سے کہا کہ پھر خود تجھ کو کیا چیز مانع ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے اپنی قوم سے مخالفت کرنا گوارا نہیں ہے اور امید ہے کہ عنقریب یہ لوگ آپ ﷺ کے تابع ہوں گے اور اسلام لاویں گے تب میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔

سلمہ بن سلامہ بن وقش سے روایت ہے کہ اسلام سے پہلے بنی عبدالاشہل کے محلہ میں ہمارے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھر سے نکل کر ہمارے پاس آیا اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ ابھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ الغرض وہ یہودی بنی عبدالاشہل کی مجلس میں آکھڑا ہوا۔ سلمہ نے کہا کہ وہاں کے لوگوں میں اس وقت میں سب میں چھوٹا تھا اور میں ایک چادر لپیٹے اپنے لوگوں کے گھر کے صحن میں بیٹھا تھا۔ پس اس یہودی نے موت کے بعد زندہ کرکے اٹھائے جانے کا اور قیامت کا اور میزان و جنت و دوزخ کا ذکر کیا یہ قوم اس زمانے میں اہل شرک و بت پرست تھی۔ موت کے بعد زندگی کی قائل نہ تھی تو کہنے لگے کہ اے فلاں بھلا تو سمجھتا ہے کہ یہ بات ہونے والی ہے کہ موت کے بعد لوگ زندہ کرکے اٹھائے جاویں گے۔ اور ایسے ملک میں

جہاں جنت و دوزخ ہے وہاں اپنے اپنے اعمال کے موافق بدلہ دیئے جاویں گے۔ اس یہودی نے کہا کہ ہاں اور قسم ہے کہ جہنمی اس دن آرزو کرے گا کہ کاش اس جہنم کی آگ سے ایک لحظہ نکال کر ایک بڑے تنور ہی میں ڈالا جاوے۔ تم لوگ یہاں بڑے سے بڑا تنور تصور کرو جس کو تم خوب آگ جلا کر گرم کرو۔ پھر اس کو اس میں ڈال کر اوپر سے بند کر دو تو وہاں جہنم کی آگ سے بچ کر اس تنور میں بند ہونے کی آرزو کرے گا۔ قوم نے یہودی سے کہا کہ ارے جو کچھ تو کہتا ہے اس کی کیا دلیل ہے۔ اس نے ملہ و یمن کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ انہیں ملکوں سے ایک پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے۔ قوم نے کہا کہ تیرے نزدیک وہ کب تک مبعوث ہوگا۔ یہودی نے نظر دوڑا کر مجھے دیکھا کہ میں ان میں سے سب سے چھوٹا تھا تو کہا کہ اگر یہ لڑکا اپنی عمر تک بچ گیا تو اس پیغمبر ﷺ کا زمانہ پالے گا۔ سلمہ ؓ نے کہا کہ واللہ کچھ بہت دن نہیں گزرے تھے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اس یہودی نے بغاوت و حسد سے انکار کیا تو ہم نے اس سے کہا کہ اے بدبخت کیا تو وہ نہیں ہے جس نے ہم سے فلاں روز اس پیغمبرؐ کے بارہ میں ایسا کہا تھا۔ اس نے کہا، ہاں، میں نے کہا تو تھا لیکن یہ وہ پیغمبرؑ نہیں ہیں۔

نصاریٰ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ ابلیس نے نصاریٰ پر بہت سی تلبیس کر دی ہے۔ ازاں جملہ اس نے نصاریٰ کے وہم میں یہ جما دیا کہ خالق سبحانہ و تعالیٰ جوہر ہے۔ چنانچہ نصاریٰ کے فرقہ یعقوبیہ نے (جو یعقوب کے شاگرد ہیں) اور ملکیہ نے جو بادشاہی دین پر کہلائے تھے اور نسطوریہ نے (جو نسطور کے تابع تھے ان سب گمراہوں نے زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ جوہر واحد ہے۔ تین اقنوم والا۔ پس وہ جوہر ہونے میں ایک ہے اور اقنوم ہونے میں تین ہے۔ اور ان تین اقنوم میں سے ایک باپ ہے اور دوسرا بیٹا ہے اور تیسرا روح القدس ہے۔ پھر بعض نے کہا کہ اقنوم خواص ہیں اور بعض نے کہا کہ صفات ہیں اور بعض نے کہا کہ اشخاص ہیں اور ان لوگوں کو یہ نہیں سوجھا کہ اگر اللہ تعالیٰ جوہر ہوتا تو جو چیزیں جواہر کے لوازم ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جائز ہوتیں۔ جیسے کسی مکان میں جگہ پکڑنا اور جنبش کرنا اور

ساکن ہونا اور کسی وقت و زمانہ میں ہونا۔ پھر ابلیس نے بعض نصرانیوں پر یہ تلبیس کی کہ مسیح ہی اللہ ہے۔ شیخ ابو محمد نوبختی نے لکھا کہ ملکیہ اور یعقوبیہ نے کہا کہ مریم نے جس کو جنا تھا وہی اللہ ہے اور بعض پر شیطان نے تلبیس کی کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ مسیح میں دو جوہر ہیں۔ ایک قدیم ہے اور دوسرا حادث ہے۔ اور باوجودیکہ یہ لوگ مسیح کے بارے میں یہ زعم بیان کرتے ہیں پھر بھی اقرار کرتے ہیں کہ اس کو کھانے پانی کی ضرورت تھی اور سب کے سب یہ کہتے ہیں کہ مسیحؑ کو سولی دی گئی اور وہ قتل سے اپنے آپ کو نہ بچا سکا اور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ ناسوت کے ساتھ کیا گیا یعنی جو جزو اس میں مخلوقیت کا تھا وہ سولی دیا گیا۔ یہ جواب رد کیا گیا کہ اس میں جو لاہوت کا جزو تھا اس نے ناسوت سے یہ بلا کیوں نہ دفع کی۔ پھر انجیل میں ہمارے نبی ﷺ کا ذکر صاف تھا مگر شیطان نے ان پر تلبیس کی تو ہٹ دھرمی سے انکار کر گئے۔

کنائس میں سے بعض لوگ ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں کہنے لگے کہ وہ نبی ہیں مگر فقط عرب کے واسطے بھیجے گئے ہیں۔ ابلیس نے ان پر عجب تلبیس کی اور غفلت میں ڈبویا کیونکہ جب معلوم ہوا کہ وہ نبی ہیں تو نبی جھوٹ نہیں بولتا۔ اور بے شک آپ نے فرمایا کہ میں تمام جہان کے سب لوگوں کی طرف رسول بھیجا گیا ہوں اور اس میں بھی شک نہیں کہ آپ نے قیصر و کسریٰ و دیگر ملوک عجم سب کے نام ہدایت کے فرمان لکھے تھے۔

ابلیس نے یہود و نصاریٰ دونوں پر جو تلبیس کی اس میں سے ایک تلبیس یہ ہے کہ ان دونوں نے دعویٰ کیا کہ ہمارے بزرگوں کی وجہ سے خدا ہم کو عذاب نہیں دے گا کیونکہ ہم میں بنی اسرائیل کے انبیاء و اولیاء گزرے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا زعم قرآن میں فرمایا نحن ابناء اللہ واحباؤہ (المائدہ پ ۶ آیت ۱۸) یعنی ہم تو خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم میں خدا کے بیٹے عزیر علیہما السلام ہیں اور عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ اس تلبیس کا پردہ اس طرح کھلتا ہے کہ اگر کسی شخص پر اللہ تعالیٰ کے حق کا مطالبہ ہوتا ہے (جیسے نماز روزہ) تو کوئی قرابتی اس کے ذمہ سے خدا کے حق کو دفع نہیں کر سکتا اور سمجھنے کی بات ہے کہ اگر کسی شخص سے محبت ہو اور اس کی وجہ سے غیر ر حاوے جو محبوب ہے تو عداوت و بغض بھی اسی طرح متعدی ہو گا یعنی جس کافر سے

بغض ہے وہ بغض بھی اس کے قرابتی پر جاوے۔ اگرچہ وہ مومن ہو۔ یعنی یہ صریح باطل ہے اور بے شک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ لا اغنی عنک من اللہ شیئا۔ یعنی میں تجھ سے خدا تعالیٰ کا عذاب نہیں دفع کر سکتا ہوں" (یعنی شفاعت کی اجازت تو ایمان پر موقوف ہے) اور محبوب کو فضیلت تقویٰ پر ہے۔ (شرک وغیرہ سے بچے) پس جو تقویٰ نہیں کر سکتا اسکے لیے محبت بھی نہیں ہے۔ پھر واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بندہ کے ساتھ کچھ جوش قلب سے نہیں ہوئی جیسے آدمیوں کی محبت باہم ہوا کرتی ہے کیونکہ محبت ایسی ہوتی تو امر متحمل تھا۔

صابی فرقہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ صائبین کی اصل اس محاورہ سے ہے کہ صبات یہ اس وقت کہتے ہیں جب تو ایک چیز سے نکل کر دوسری چیز میں چلا جاوے۔ "صبات النجوم" اس وقت بولتے ہیں جب تارے ظاہر ہو جاویں۔ "صبا نابہ" جب بچہ کے دانت نکل آویں۔ "صابون" وہ لوگ جو ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں چلے جاویں۔ صابون کے مذاہب کے بارے میں علماء کے دس اقوال ہیں۔ قول اول یہ کہ صابئیہ ایک قوم ہے جو مجوس و نصاریٰ کے درمیان میں ہے۔ اس کو سالمؒ نے سعید بن جبیر سے روایت کیا اور لیث بن ابی سلیم نے مجاہد سے روایت کیا۔ قول دوم یہ کہ وہ یہود و مجوس کے درمیان قوم ہے اس کو ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا۔ قول سوم یہ کہ صائبہ یہود و نصاریٰ کے بیچ میں ہیں اس کو قاسم بن ابی بزہ نے مجاہد سے روایت کیا۔ چہارم یہ کہ وہ نصاریٰ میں سے ایک قوم ہے جن کا قول بہ نسبت نصاریٰ نرم ہے۔ اس کو ابو صالح نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ پنجم یہ کہ ایک قوم مشرکین میں سے ہے ان کے واسطے کوئی کتاب نہیں ہے۔ اس کو بھی قاسمؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا۔ ششم یہ کہ صابئیہ مثل مجوس کے ہیں۔ یہ حسن بصریؒ کا قول ہے۔ ہفتم یہ کہ یہ اہل کتاب میں سے ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں۔ یہ ابوالعالیہ کا قول ہے۔ ہفتم یہ کہ یہ اہل کتاب میں سے ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں۔ یہ ابوالعالیہ کا قول ہے۔ ہشتم یہ کہ سابئیہ قبلہ کی طرف

نماز پڑھتے ہیں اور ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں۔ یہ قتادہ ؒ و مقاتل کا قول ہے۔ ششم یہ کہ یہ اہل کتاب میں سے ایک گروہ ہے۔ یہ سعدیؒ کا قول ہے۔ دہم یہ کہ یہ فرقہ فقط لاالہ الا اللہ کہتا ہے اور نہ کچھ کام و عمل کرتے ہیں اور نہ ان کے واسطے کوئی کتاب ہے اور نہ پیغمبر ہے۔ فقط لا الہ الا اللہ قول ہے۔ یہ ابن زید کا قول ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ یہ اقوال مفسرین مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و قاسم و حسن وغیرہم سے مروی ہیں اور متکلمین نے کہا کہ صابئون کے مذاہب مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ فقط ایک ہیولٰی ہے۔ وہی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ بنانے والا اسی ہیولٰی سے عالم کو بناتا ہے۔ اکثر صابیہ کہتے ہیں کہ عالم قدیمی ہے۔ پیدا نہیں ہوا ہے اور ستاروں کو یہ لوگ ملائکہ کہتے ہیں اور ان میں سے ایک قوم نے ستاروں کا نام آلہ رکھا اور ان کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے لیے عبادت خانے بناتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک خانہ جو زحل کا خانہ ہے وہی خدا کا بیت الحرام ہے۔ بعض نے زعم کیا کہ خدا کی صفت نفی سے بیان ہو سکتی ہے۔ اثبات سے نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ مخلوق نہیں ہے۔ وہ مردہ نہیں ہے وہ جاہل نہیں ہے' وہ عاجز نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ہم نے اس لیے کہا کہ مشابہت اور نسبت ثابت نہ ہو۔

انہوں نے اپنی عبادت کے طریقے بنا رکھے ہیں۔ ازاں جملہ کہتے ہیں کہ ان پر ہر روز تین نمازیں ہیں۔ اول نماز آٹھ رکعات ہیں اور ہر رکعت میں تین سجدے ہیں۔ اس کا وقت طلوع آفتاب کے وقت ختم ہوتا ہے۔ دوم پانچ رکعتیں ہیں اور سوم بھی پانچ رکعتیں ہیں اور ان پر ایک ماہ کے روزے ہیں۔ اور ان کا شروع ماہ آزار کی آٹھ راتیں گزرے ہوتا ہے اور سات دن کے روزے اس وقت ہیں جب کہ کانون اول کے سات روز باقی رہتے ہیں اور سات دن کے روزے اور ہیں جن کی ابتداء شباط کی آٹھ راتیں ہوتی ہیں۔ اپنے روزوں کے ختم پر صدقہ دیتے اور قربانی کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت حرام رکھتے ہیں اور اسی قسم کے دیگر خرافات ہیں جن کے بیان میں تضیع اوقات ہے۔

صابئیہ کا گمان یہ ہے کہ نیک روحیں ثوابت تاروں کی جانب چڑھ جاتی ہیں اور نور میں پہنچتی ہیں اور شریر روحیں زمین اور تاریکی کی طرف اتاری جاتی ہیں۔ بعض صابئیہ

کہتے ہیں کہ یہ عالم فنا ہوگا اور ثواب و عذاب بذریعہ تناسخ کے ملتا ہے یعنی جسے ہندو آواگون کہتے ہیں اور ایسے مذاہب کی تردید میں زیادہ تکلف کی ضرورت نہیں' اس لیے کہ یہ سب بلا دلیل کے محض دعوے ہیں۔

ابلیس نے بہت سے صابئین کو یہ امر اچھا دکھلایا کہ کمال اس طرح حاصل کریں کہ ان میں اور عالم بالا کی رحانیت میں بذریعہ طہارتوں کے مناسبت حاصل ہو اور چند قوانین و دعاؤں کا ورد کریں اور یہ لوگ نجوم کی تعلیم و تسخیر میں پڑ گئے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان میں کوئی درمیانی واسطہ ضرور ہونا چاہئے جو معارف کی شناخت کرائے اور خوبیوں کی طرف ہدایت کرے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ درمیانی واسطہ کوئی جسمانی شخص نہ ہو بلکہ روحانی ہو۔ پس ہم اپنے واسطے اپنے اور خدا کے درمیان مناسبت قدسیہ تلاش و حاصل کرتے ہیں تاکہ وہ ہمارے اور خدا کے درمیان وسیلہ ہو جاوے اور اس تک پہنچادے۔ یہ لوگ جسمانی حشر سے انکار کرتے ہیں۔

مجوس پر تلبیس ابلیس کا بیان

یحییٰ بن بشر نہاوندیؒ نے کہا کہ مجوس کا پہلا بادشاہ کیومرث تھا اسی نے ان کو یہ دین بتلایا۔ پھر ان میں پے در پے نبوت کے مدعی پیدا ہوئے یہاں تک کہ آخر میں زرادشت مشہور ہوا۔ مجوس کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) ایک شخص روحانی ہے وہ ظاہر ہوا تو اس کے ساتھ روحانی چیزیں پوری ظاہر ہوئیں۔ پھر اس نے کہا کہ کوئی دوسرا اس طرح ایجاد نہ کرسکے جیسے میں ایجاد کرتا ہوں۔ پس اس نے اپنے فکر سے یہ تاریکی پیدا کی۔ تا کہ غیر کی قدرت سے انکار ہو سکے۔ پھر اس تاریکی نے اٹھ کر اس پر غلبہ پانا شروع کیا۔ منجملہ ان امور کے جو زرادشت نے مجوسیوں اور آتش پرستوں کے لیے نکالے ایک آگ کی پوجا ہے اور آفتاب کی جانب نماز ہے اور اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ آفتاب اس عالم کا بادشاہ ہے۔ وہی دن کو لاتا اور رات کو لے جاتا ہے۔ اور نباتات کو زندہ کرتا اور حیونات کو بڑھاتا ہے اور ان کے اجسام میں حرارت کو پھیرلاتا ہے اور مردوں کو تعظیم زمین کی وجہ سے اس میں دفن نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے حیوانات کی

پیدائش ہوتی ہے ہم اس کو گندہ نہیں کریں گے اور پانی کی تعظیم کی وجہ سے اس سے نہاتے نہ تھے اور کہتے تھے کہ اسی سے ہر چیز کی زندگی ہے۔ لیکن اگر اس سے پہلے گائے وغیرہ کا پیشاب استعمال کر لیتے تو پانی استعمال کرتے۔ اور اس میں تھوکتے نہ تھے اور حیوانات کا قتل و ذبح جائز نہ رکھتے تھے۔ اپنا منہ گائے کے پیشاب وغیرہ سے بطور تبرک کے دھوتے۔ اور جس قدر گائے کا پیشاب پرانا ہوتا اسی قدر اس میں زیادہ تبرک سمجھتے تھے۔ اپنی ماں کی فرج اپنے لیے حلال سمجھتے تھے۔ اور کہتے کہ ماں کی شہوت بجھانے کی کوشش کرنے کا حق بیٹے پر زیادہ ہے۔ اور جب شوہر مر جاوے تو بیٹا اس عورت کا زیادہ مستحق ہے۔ اور اگر بیٹا نہ ہوا تو میت کے مال سے کوئی مرد کرایہ پر کر لیا جاتا تھا۔ مرد کے واسطے جائز رکھتے کہ وہ سو عورتوں یا ہزار عورتوں سے نکاح کر لے۔ جب حائضہ عورت غسل کرنا چاہتی تھی تو موبذو (داروغہ آتش خانہ) کو ایک اشرفی دیتی وہ اس کو آتش خانہ میں لے جاتا۔ اور جانور کی طرح چار پاؤں پر اس کو کھڑا کر کے اپنی انگلی سے اس کے اندام شرم میں آمدورفت کرتا۔ یہ قاعدہ بادشاہ قباد کے وقت میں مزوک نے رائج کیا۔ اور عورتیں اس نے ہر مرد کے واسطے مباح کر دیں۔ کہ جو مرد جس عورت سے چاہے وطی کرے۔ قباد نے عورتوں سے خود وطی کی۔ تاکہ باقی سب لوگ اس فعل میں اس کی اقتداء کریں۔ چنانچہ عموماً" عورتوں کے ساتھ یہی طریقہ عمل میں آنے لگا۔ یہاں تک کہ جب نوشیرواں کی ماں کا نمبر آیا تو اس نے بادشاہ قباد سے کہا کہ نوشیرواں کی ماں کو میرے پاس بھیج دے۔ اگر تو انکار کرے گا اور میری شہوت پوری نہ ہونے دے گا تو تیرا ایمان درست نہ ہو گا۔ قباد نے قصد کیا کہ اس کو بھیج دے۔ جب یہ خبر نوشیرواں کو پہنچی تو اس نے مزوک کے سامنے رونا شروع کیا اور باپ کے سامنے مزوک کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو چومتا رہا اور درخواست کی کہ میری ماں کو مجھے بخش دے۔ تو قباد نے مزوک سے کہا کہ آپ کا قول یہ نہیں ہے کہ مومن کو اس کی شہوت سے روکنا نہ چاہیے۔ کہا ہاں ہے، تو قباد نے کہا کہ پھر آپ کیوں نوشیرواں کو اس کی شہوت سے روکتے ہیں۔ مزوک نے کہا کہ اچھا میں نے اس کی ماں اس کو ہبہ کر دی۔ پھر مزوک نے لوگوں کو مردار کھانے کی اجازت دے دی۔ جب قباد کے مرنے کے بعد نوشیرواں بادشاہ ہوا تو اس نے مزوکیوں

کو یک قلم قتل کر کے نیست کر دیا۔

نہاوندیؒ نے لکھا ہے کہ مجوس کے اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ زمین کی کچھ انتہاء نیچے کی طرف نہیں ہے اور آسمان جو نظر آتا ہے تو شیاطین کی کھال میں سے ایک کھال ہے اور گرج فقط ان عفریتوں کے خر خرہ کی آواز ہے جو افلاک میں قید ہیں۔ اور لڑائیوں میں قید ہوئے ہیں۔ پہاڑ ان کی ہڈیاں ہیں اور سمندر ان کے پیشاب و خون سے جمع ہوا ہے۔

جب بنی امیہ سے دولت اسلامی منتقل ہو کر بنی عباس کے ہاتھ میں آئی تو اس زمانہ میں ایک شخص مجوس کے دین کا تابع پیدا ہوا۔ اس نے بہت مخلوق کو گمراہ کر دیا۔ اور اس سے متعلق بہت سے وقائع پیش آئے جن کا ذکر طویل ہے اور یہ آخری شخص ہے جس نے مجوس کا دین ظاہر کیا۔ بعض علماء نے بیان کیا کہ مجوس کے واسطے آسمانی کتابیں تھیں جن کو تلاوت کرتے اور پڑھتے پڑھاتے تھے۔ پھر انہوں نے نیا دین نکالا وہ کتابیں اٹھالی گئیں۔

منجملہ عجائب تلبیس کے جو ابلیس نے مجوس پر ڈالیں ایک یہ بھی ہے کہ مجوس نے افعال میں نیک و بد دیکھے۔ پھر ابلیس نے ان کو تلبیس میں ڈالا کہ نیکی کا پیدا کرنے والا برائی پیدا نہیں کرتا ہے تو انہوں نے دو خدا ثابت کیے اور دوسرا شیطان ہے۔ وہ تاریکی ہے وہ فقط بدی و برائی پیدا کر سکتا ہے۔ جیسے ہم نے ثنویہ کے مذہب کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ مصنفؒ نے کہا کہ وہاں میں نے ان کے شبہات وجوابات ذکر کر دیئے ہیں۔ بعض مجوس نے کہا کہ باری تعالیٰ قدیم ہے اس سے سوائے بہتری کے کچھ نہیں ہو سکتا اور شیطان مخلوق ہے۔ اور اس سے سوائے بدی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ جواب یہ ہے کہ ان سے کہا جاوے کہ جب تم نے قرار کیا کہ نور (ایزد) نے شیطان (اہرمن) کو پیدا کیا تو اس نے بدی کا پتلا مجسم پیدا کر دیا (یعنی اس سے زیادہ بدی کیا ہو گی) بعض مجوس نے کہا کہ خالق نور ہے۔ وہ رُدی فکر سوچتا ہے۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ میری بادشاہت میں کوئی ایسا پیدا ہو جو میرا مخالف ہو جاوے اور یہ فکر اس کی ردی تھی اس سے ابلیس پیدا ہو گیا۔ پھر بعد شریک ثابت ہونے کے ابلیس فقط اتنی بات پر راضی ہو گیا کہ وہ ردی چیزوں کی

طرف منسوب رہے۔ شیخ نوبختی نے ذکر کیا ہے کہ بعض مجوس نے کہا کہ خالق نے کسی بات میں شک کیا تھا تو اس شک سے شیطان پیدا ہو گیا۔ اور کہا کہ بعض مجوس کا یہ زعم ہے آلہ و شیطان دو جسم قدیم ہیں۔ ان دونوں میں موافقت تھی اور دنیا آفت سے پاک تھی اور شیطان اس سے الگ تھا۔ پھر ابلیس نے چالاکی سے تدبیر نکال کر آسمان پھاڑا اور اپنے لشکروں کو لے کر چڑھ دوڑا تو آلہ ان کی قوت سے خوف کھا کر اپنے فرشتوں کو ساتھ لے کر بھاگا۔ اور ابلیس نے اس کا پیچھا کر کے محاصرہ کر لیا۔ تین ہزار برس تک لڑائی رہی۔ نہ تو ابلیس ہی آلہ تک پہنچ سکا اور نہ آلہ ہی نے اس کو دفع کیا۔ پھر آلہ نے اس شرط پر ابلیس سے صلح کر لی کہ سات ہزار برس تک ابلیس اور اس کے لشکر دنیا میں رہیں۔ اور آلہ نے اس میں بہتری دیکھی کہ ابلیس کے مکروہ وجود کو برابر برداشت کرتا رہے۔ یہاں تک کہ شرط کی میعاد پوری ہو جاوے اور دنیا کے لوگ اس مدت کے گزرنے تک آفات و بلا میں رہیں۔ جب یہ مدت گزر جائے گی تو پھر عیش میں ہو جائیں گے۔ ابلیس نے آلہ سے یہ شرط کر لی تھی کہ اس کو ردی چیزوں پر قابو دے گا۔ تو اس نے اس عالم میں ردی چیزیں رکھ دیں۔ اور یہ مجوسی کہتے ہیں کہ جب آلہ و شیطان ان شرائط سے فارغ ہوئے تو دو عادلوں کو اس پر گوارہ کر لیا اور دونوں نے اپنی تلواریں انہیں دونوں عادلوں کے حوالے کیں۔ اور انہوں نے کہہ دیا کہ تم میں سے جس کسی نے عہد توڑا ہم اسی کو قتل کر دیں گے۔ اسی قسم کی بے ہودہ باتیں بہت سی ذکر کیں جن کے لکھنے میں وقت رائگاں ہوتا ہے۔ ہم نے ان کو چھوڑ دیا۔ اور ہم اس خبط کو بھی بیان نہ کرتے اگر یہ مفاد نہ ہوتا کہ معلوم ہو جائے کہ کہاں تک ابلیس کی تلبیس کا اثر ہوا ہے۔
اور اس قوم احمق پر تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ خالق کو خیر و بہتر بتلاتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ اس سے فکری ردی سرزد ہوئی جس سے شیطان پیدا ہو گیا۔ یعنی جو بدی کی جڑ ہے۔ ان لوگوں کے قول پر یہ جائز ہوتا ہے کہ ابلیس کے فکر سے فرشتہ پیدا ہو جائے۔ پھر ان لوگوں سے کہا جاوے کہ پھر اس کو باقی رکھنا حکمت کے منافی ہے اور اگر کہیں کہ ہاں وفا کرے گا تو کہا جاوے کہ تم نے اقرار کر لیا کہ عہد پورا کرنے کی اچھی خصلت اس شریر محض سے صادر ہو گئی۔ اسی طرح ان لوگوں سے کہا جاوے کہ جب شیطان نے اپنے خدا ہی کی

نافرمانی کی تو پھر ان دونوں درمیانی عادلوں کی اطاعت کیسے کرے گا اور اگر کہا جاوے کہ آلہ پر غلبہ کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور یہ سب باتیں خرافات ہیں ان کے ذکر کرنے کا بھی کچھ مطلب نہیں تھا سوائے اس کے کہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو کہ شیطان نے کس طرح عقلوں پر تسلط کیا ہے۔

فلکیات والوں اور منجموں پر تلبیس ابلیس کا بیان

شیخ ابو محمد نوبختیؒ نے کہا کہ ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ فلک قدیم ہے اس کا بنانیوالا کوئی نہیں ہے۔ اور جالینوس نے ایک قوم سے نقل کیا کہ ان کا یہ دعوی تھا کہ فقط فلک زحل قدیم ہے۔ اور ایک قوم کا یہ گمان ہے کہ فلک کی پانچویں طبیعت ہے۔ یعنی نہ حرارت ہے نہ رطوبت ہے نہ سردی ہے نہ خشکی ہے۔ بلکہ ان چاروں کے علاوہ پانچویں طبیعت ہے اور نہ بھاری ہے نہ ہلکا ہے۔ بعض کی یہ رائے تھی کہ فلک ایک آتشی جوہر ہے اور قوت دورانیہ کے ساتھ وہ زمین سے لیا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ ستارے پتھر کے مشابہ جسم سے بنے ہیں۔ بعض نے کہا یہ بادلوں میں سے ہیں۔ ہر روز دن میں بجھ جاتے ہیں اور رات میں روشن ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئلہ میں آگ لگنے سے شعلہ ہو جاتا ہے اور پھر بجھ جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ قمر کا جسم آگ اور ہوا سے مرکب ہے۔ دوسروں نے کہا کہ فلک پانی اور ہوا اور آگ سے بنا ہے اور وہ بمنزلہ گیند کے ہے۔ وہ دو حرکتیں کرتا ہے ایک مشرق سے مغرب کی طرف ہے اور دوسری مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ ان لوگوں کا قول ہے کہ زحل ستارہ قریب تیس سال میں آسمان کا دور ختم کرتا ہے۔ اور مشتری قریب بارہ سال میں ختم کرتا ہے۔ اور مریخ قریب دو سال کے دور پورا کرتا ہے اور سورج و زہرہ و عطارد ایک سال میں دور کرتے ہیں۔ اور چاند تیس دن میں دور کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ کواکب کے سات افلاک ہیں پس یہ فلک جو ہم سے نزدیک ہے چاند کا فلک ہے۔ پھر فلک عطارد پھر فلک زہرہ پھر فلک آفتاب پھر فلک مریخ پھر فلک مشتری پھر فلک زحل ہے۔ پھر ان جڑے ہوئے (ثابت) ستاروں کا فلک ہے۔ کواکب کی جسامت میں بھی یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اکثر فلاسفر نے کہا کہ آفتاب کا جرم سب

سے بڑا ہے۔ اور زمین سے قریب ایک سو ساٹھ گنا زیادہ ہے۔ اور جو کواکب ثابتہ یعنی بے حرکت جڑے ہوئے ہیں وہ ہر ایک زمین سے قریب چورانوے گنا زیادہ ہے۔ مریخ زمین سے قریب ڈیڑھ گنا بڑا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اعلائے فلک کے ہر مقام سے وہاں عود کرنے تک ایک لاکھ ایک ہزار چونسٹھ فرسخ ہیں۔ بعض نے کہا کہ فلک زندہ ہے اور آسمان جاندار ہیں۔ اور ہر ستارہ میں جان ہے۔ پرانے فلاسفر نے کہا کہ ستارے نیکی و بدی کے کام کرتے ہیں اور ہر ایک ستارہ اپنی نیک یا منحوس طبیعت کے موافق عطا کرتا ہے' یا روکتا ہے۔ جان و جسم میں ان کا اثر ہوتا ہے۔ اور وہ سب زندہ ہیں۔ اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں۔

مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے منکر لوگوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ ابلیس نے بہت سے لوگوں پر تلبیس کی تو انہوں نے موت کے بعد زندگی سے انکار کیا۔ اور سڑ گل جانے کے بعد دوبارہ اعادہ کو محال تصور کیا۔ ابلیس نے ان پر دو شبہات ڈال دیئے۔ ایک یہ کہ اس نے ان لوگوں کو مادہ کا ضعیف ہونا دکھلا دیا۔ دوم یہ دکھلایا کہ بدن کے اجزائے متفرقہ زمین کی تہہ میں متفرق ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ کبھی ایک حیوان دوسرے حیوان کو کھا لیتا ہے تو کیسے اعادہ ہو سکتا ہے۔ قرآن شریف میں ان کے دونوں شبہات مذکور ہیں۔ چنانچہ اول شبہ کی نسبت فرمایا **ایعدکم انکم اذا متم وکنتم ترابا وعظاما انکم مخرجون ھیھات ھیھات لما توعدون** (المومنون پ ۱۸ آیت ۳۵۔۳۶) یعنی کافروں نے آپس میں کہا کہ کیا تم کو وہ پیغمبر یہ وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرے اور خاک ہو گئے اور ہڈیاں ہو گئے تو پھر تم نکالے جاؤ گے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو یہ بہت دور ہے۔ اور دوسرے شبہ کی نسبت فرمایا : **ااذا ضللنا فی الارض ءانا لفی خلق جدید** (السجدہ پ ۲۱ آیت ۱۰) یعنی کیا جب ہم زمین میں گم ہو گئے تو کیا ہم نئی خلقت میں پیدا ہوں گے۔ یہی اکثر

زمانۂ جاہلیت والوں کا مذہب تھا۔ اس میں جاہلیت والوں کے اشعار ہیں۔

یخبرنا الرسول بان سنحیی
وکیف حیاہ اصداء وھام

ہم کو رسول خبر دیتا ہے کہ ہم پھر زندہ کیے جاویں گے بھلا سڑی ہوئی پریشان چیز کیوں کر زندہ ہو سکتی ہے۔

دوسرے جاہل (ابو العلاء المعری) کا شعر ہے۔

حیاہ ثم موت ثم بعث
حدیث خرافہ یا ام عمرو

حیات ہے پھر موت ہے پھر زندگی ہے اے ام عمرو یہ تو بے عقلی کی بات ہے۔ اول شبہ کا جواب یہ ہے کہ دوسری زندگی میں جس مادہ یعنی خاک کو تم ضعیف ٹھہراتے ہو وہ غلط ہے۔ کیونکہ ابتداء میں انسان نطفہ پھر جما ہوا خون پھر لوتھڑے سے پیدا ہوا تھا پھر آدمیوں کی جو اصل ہے یعنی آدمؑ وہ تو خاک ہی سے بنائے گئے تھے۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ نے جو خوبصورت خلقت پیدا کی وہ ضرور کسی ضعیف مادہ سے بنائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو نطفہ سے بنایا اور امور کو گول انڈے سے بنایا۔ اور سبزی کا گچھا ایک گندے سڑے دانہ سے نکالا۔ پس چاہئے کہ پیدا کرنے والے کی قوت و قدرت پر نظر ہو اور مادہ کی کمزوری و متفرق ہونے پر نظر نہیں ہونی چاہئے۔ قدرت پر نظر کرنے سے دوسرے شبہ کا بھی جواب نکل آتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو متفرق ذروں کے جمع ہو جانے کا نمونہ دکھلا دیا۔ چنانچہ جب سونے کے ریزے بہت سی خاک میں متفرق ملے ہوتے ہیں تو جب اس پر تھوڑا سا پارہ ڈالا جاوے تو سب سونے کے ذرات جو متفرق تھے جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر بھلا قدرت الہیہ میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔ جس کے اثر سے بدون کسی چیز کے خلقت موجود ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ فرض کریں کہ دوبارہ پیدا کرنے کی صورت میں اس خاک کے سوائے دوسری خاک سے جسم پیدا ہوں گے تو بھی کچھ مضرت نہیں ہے۔ اس واسطے کہ آدمی تو اس روح کا نام ہے اس بدن کا نام نہیں ہے۔ کیونکہ آدمی بدستور باقی رہتا ہے اور جسم کبھی گل جاتا ہے اور کبھی موٹا ہو جاتا ہے اور بچپن سے بوڑھا ہو جاتا

ہے۔ حالانکہ وہی آدمی رہتا ہے اور سب سے عجیب دلیل جس سے بعث ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں سے ایسے امور ثابت فرمائے جو دوبارہ زندگی سے بہت بڑھے ہوئے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو بدل کر اژدھا حیوان بنا دیا۔ اور پہاڑی کے جوف سے ناقہ عظیم پیدا کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے دوبارہ زندگی حقیقت میں دکھلا دی۔

مصنف ؒ نے کہا کہ ہم نے فلاسفہ کی تردید میں اس کی کافی توضیح بیان کی ہے۔

بعض اقوام نے خالق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت مشاہدہ کی۔ پھر ان کو یہ دونوں مذکورہ شبہات عارض ہوئے تو ان کو دوبارہ زندگی میں تردد ہو گیا۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا **ولئن رددت الی ربی لا جدن خیرا منھا منقلبا** (ا لکھف پ ۱۵ آیت ۳۶) یعنی بطور شک کے کہا اگر میں اپنے رب کے یہاں لوٹایا گیا تو اس سے بہتر مرجع پاؤں گا۔ عاص بن وائل نے کہا کہ **لا وتین مالا وولدا**" یعنی طعنہ سے کہا کہ وہاں بھی میرے واسطے مال و اولاد عنایت ہوں گے یہ ان کا قول بوجہ شک کے تھا۔ اور ابلیس نے ان پر اس معاملہ میں تلبیس ڈال دی اور کہنے لگے کہ اگر وہاں دوبارہ زندگی ہوئی تو ہم ہی اچھے رہیں گے کیونکہ جس نے ہم کو دنیا میں یہ نعمت مال و اولاد دی ہے وہ آخرت میں بھی ہم کو مکرم رکھے گا۔ مصنف ؒ نے کہا کہ یہ ان کی غلطی ہے اس لیے کہ وہ لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ شائد دنیا میں ہم کو یہ چیزیں استدراج و عذاب کے طور پر دی گئی ہوں۔ کیونکہ آدمی کبھی اپنے فرزند کو پرہیز کراتا ہے اور اپنے غلام کو اس کی خواہشوں میں مطلق العنان کر دیتا ہے۔

تناسخ (آواگون) والوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا کہ ابلیس نے بعض اقوام پر تلبیس کی کہ وہ لوگ آواگون کے قائل ہو گئے کہ نیکوں کی روحیں جب بدن سے نکلتی ہیں تو اچھے بدن میں داخل ہوتی ہیں پس مال و دولت سے عیش کرتی ہیں۔ اور بدکاروں کی روحیں جب نکلتی ہیں تو برے اجسام میں داخل ہوتی ہیں تو ان پر مشقتیں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ مذہب زمانۂ فرعون و موسیٰ علیہ السلام

سے ظاہر ہوا ہے ابو القاسم البلخی نے ذکر کیا کہ ان لوگوں نے یہ مذہب اس خیال سے اختیار کیا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ بچوں و درندوں و جانوروں کو دکھ حاصل ہوتا ہے تو ان کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہ آئی کہ ان کے دکھ سے غیروں کا امتحان کیا جائے یا ان کو ثواب و عوض دیا جائے یا کسی غیر معنی سے ہو سوائے اتنی بات کے کہ یہ چیزیں مملوک ہیں تو انہوں نے اپنے زعم میں یہ صحیح سمجھا کہ اس حالت سے پہلے ان سے کچھ گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ جن کی یہ سزا ہے۔

یحییٰ بن بشر بن عمیر النہاوندی کہتے ہیں کہ ہندو کہتے ہیں کہ طبیعتیں چار ہیں مادہ مرکبہ نفس، عقل، مادہ مطلقہ۔ پس مادہ مرکبہ چھوٹا رب ہے۔ نفس مادہ اصغر ہے۔ عقل رب اکبر بڑا ہے۔ وہی مادہ اکبر بھی ہے۔ نفوس جب دنیا چھوڑتے ہیں تو چھوٹے رب کے پاس جاتے ہیں اور وہی مادہ مرکبہ ہے۔ پس اگر یہ نفس نیک اور صاف ہو وہ اس کو اپنی طبیعت میں قبول کرتا ہے۔ پھر اس کو صاف کر کے مادہ اصغر کے یہاں نکالتا ہے اور وہ نفس ہے۔ یہاں تک کہ وہ رب اکبر کے یہاں چلا جاتا ہے۔ پھر وہ اس کو مادہ اکبر کے یہاں بھیجتا ہے پھر اگر وہ بھیجتا ہے۔ پھر اگر وہ نیکی میں پورا تھا تو عالم بسیط میں اس کے پاس رہتا ہے اور اگر وہ نیکی میں پورا نہ ہوا تو وہ دوبارہ رب اکبر کے پاس واپس کرتا ہے پھر رب اکبر اس کو مادۂ اصغر کے پاس بھیجتا ہے۔ پھر مادۂ اصغر اس کو رب کے پاس پھیر دیتا ہے تو وہ اس کو نورانیت سے مخلوط نکالتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسا ساگ کر دیتا ہے جس کو آدمی کھاتے ہیں۔ تو وہ انسان کی صورت میں بدل جاتا ہے۔ اور دوبارہ اس عالم میں پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی حال اس کا ہر موت کے وقت ہوتا ہے۔ جب وہ یہاں مرتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو بدکردار ہیں تو ان کے نفوس جب مادہ اصغر کے پاس بھیجے جاتے ہیں۔ تو الٹ کر گھاس ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسی گھاس پات جس کو جانور کھاتے ہیں تو اس کی روح کسی جانور کی صورت میں جاتی ہے پھر اس جانور کے مرنے پر کسی دوسرے جانور کے اندر ہو جاتی ہے اسی طرح ہمیشہ تناسخ سے صورتوں میں پھرتی رہتی ہے اور ہر ہزار برس کے بعد انسانی صورت میں پھر جاتی ہے۔ پھر اگر اس نے انسانی صورت میں نیکی اختیار کی تو نیکوں میں مل جاتی ہے۔

مصنف" نے کہا کہ دیکھو ان گمراہوں کے واسطے کس طرح ابلیس نے یہ تلبیسات ترتیب دے کر ان پر ڈالی ہیں کہ بغیر کسی دلیل مستند کے انہوں نے یہ تلبیسات قبول کر لیں۔ حالانکہ عقلی و نقلی سب طرح کی دلیلوں سے یہ مذہب باطل ہے۔ ابو الحسن علی بن نظیف المتکلم نے بیان کیا بغداد میں ہمارے پاس فرقہ امامیہ کا ایک پیشوا جس کو ابو بکر بن الفلاس کہتے تھے آیا کرتا تھا اس نے ہم سے بیان کیا کہ میں ایک شخص کے پاس جایا کرتا تھا۔ جس کو میں شیعہ جانتا تھا۔ ایک مدت کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ تناسخ کا قائل ہو گیا۔ چنانچہ ایک روز میں نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک سیاہ بلی بیٹھی ہے وہ اس کو پیار کرتا اور اس پر ہاتھ پھیرتا اور اس کا سر و آنکھیں سہلاتا ہے ۔ اور بلی کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں۔ جیسے عموماً" بلیوں کی عادت ایسی حالت میں یونہی جاری ہے۔ اور وہ شخص بہت روتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں ؟ اس نے کہا کہ واہ کیا تجھے یہ بھی نظر آتا ہے کہ جس قدر میں اس پر ہاتھ پھیرتا ہوں یہ روتی ہے یہ بلاشک میری ماں ہے۔ اور مجھے دیکھ کر حسرت سے روتی ہے اور اس سے اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے کوئی اپنے نزدیک سمجھدار سے باتیں کرتا ہے۔ بلی نے آہستہ آہستہ میاؤں میاؤں کرنا شروع کیا میں نے کہا کہ تم جو کچھ کہتے ہو یہ سمجھتی ہے۔ کہنے لگا کہ ہاں میں نے کہا کہ تم بھی اس کی بولی سمجھتے ہو کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر تو تجھ میں تناسخ ہوا اور وہ (بلی) انسان ہے۔

ہماری امت (مسلمہ) پر عقائد اور دیانات میں تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف" نے کہا کہ ابلیس دو طریقوں سے اس امت کے عقائد میں داخل ہوا (ایک) باپ دادوں کی تقلید (دوم) ایسی بات میں خوض کرنا جس کی تہہ نہیں مل سکتی۔ یا غور کرنے والا اس کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔ پس ابلیس نے دو دوسری قسم کے لوگوں کو طرح طرح کے خلط ملط میں ڈال دیا۔ رہا طریق اول (باپ دادوں کی تقلید) تو ابلیس نے ان مقلدوں پر یہ رچایا کہ دلیلیں کبھی مشتبہ ہوتی ہیں اور راہ صواب مخفی ہو جاتی ہے تو تقلید کر لینا سلامت راہ ہے۔ اس راہ تقلید میں بکثرت مخلوق گمراہ ہوئی۔ اور عموماً" اسی سے

لوگوں پر تباہی آئی بے شک یہود و نصاری نے اپنے باپ دادوں کی اور اپنے پادریوں کی اور پوپوں کی تقلید کی۔ اور اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت والے بھی اسی قسم کی تقلید میں پڑے ہوئے تھے۔ واضح ہو کہ جس دلیل سے انہوں نے تقلید کی تعریف کی۔ اسی سے اس کی مذمت نکلتی ہے کیونکہ جب دلیلیں مشتبہ ہیں اور راہ صواب مخفی ہے تو ضرور تقلید کو چھوڑ دینا چاہئے تا کہ ضلالت میں نہ پڑ جاوے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اپنے باپ دادوں کی تقلید میں پڑے تھے۔ بقولہ تعالیٰ **بل قالوا انا وجدنا ابائنا علی امه وانا علی اثارهم مقتدون الایه** (الزخرف پ ۲۵ آیت ۲۳) یعنی کفار نے کہا نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم ان ہی کے قدم کی اقتداء کرتے ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے کہا کیا تم تقلید ہی کیے جاؤ گے اگرچہ میں اس سے بہتر ہدایت لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے یعنی کیا ایسی صورت میں بھی تم ان ہی گمراہوں کی پیروی کرو گے۔ وبقولہ تعالیٰ **انهم الفوا آبائهم ضالین الایه** (الصفت پ ۲۳ آیت ۶۹) یعنی کافروں نے اپنے بزرگوں کو گمراہ پایا تھا تو یہ بھی ان کے نشان قدم پر دوڑے جاتے ہیں۔ مصنف ؒ نے کہا کہ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ مقلد نے جس بارہ میں تقلید کی اس میں اعتماد پر نہیں ہوتا۔ اور تقلید کرنے میں عقل کی منفعت بھی زائل کرنا لازم ہے۔ اس لیے کہ عقل تو اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ غور و تامل کرے۔ اور جس شخص کو خدا نے شمع دی ہو جس سے روشنی ہوتی ہے وہ اگر شمع کو بجھا دے اور اندھیرے میں چلے تو اس کی یہ حرکت قبیح ہے واضح ہو کہ اکثر اصحاب مذاہب کے ذہن میں جو شخص بھی بڑی نشان کا متصور ہو جاتا ہے تو جو کچھ اس نے کہا اس کو بے سوچے سمجھے مانتے اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہی عین گمراہی ہے۔ کیونکہ نگاہ درحقیقت بات پر جانی چاہئے۔ بات کہنے والے پر نہیں۔ چنانچہ حارث ابن حوط نے حضرت علی ؓ سے کہا تھا کہ کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ ہمارا گمان یہ ہے کہ طلحہ ؓ و زبیر ؓ باطل پر تھے۔ تو حضرت علی ؓ نے اس سے فرمایا کہ اے حارث تجھ پر معاملہ مشتبہ ہے۔ حق کا پہچاننا لوگوں سے نہیں ہوتا ہے بلکہ حق کو پہچان لے تو حق والے لوگوں کو بھی پہچان جائے گا امام احمد بن حنبل ؒ کہا کرتے تھے کہ آدمی کی تنگی علم سے یہ ہے کہ

اپنے اعتقاد میں کسی شخص کی تقلید کر لے اور اسی وجہ سے احمدؒ نے (میراث) جد کے مسئلے میں ابو بکر الصدیق ؓ کا قول چھوڑ دیا اور زید بن ثابت کا قول لے لیا۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ عوام تو دلائل نہیں جانتے ہیں تو کیونکر تقلید نہ کریں گے؟ جواب یہ کہ اعتقاد کی دلیل بالکل ظاہر ہے جیسا کہ ہم نے دہریہ فرقہ کی تردید میں اشارہ کیا ہے اور ایسی واضح دلیل کسی پر مخفی نہیں ہو سکتی جس کو عقل دی گئی ہے۔ رہے مسائل فرعیہ تو یہ چونکہ بکثرت نئے نئے واقع ہوتے ہیں اور عوام پر ان کا پہچاننا دشوار ہے اور دھوکا کھانا قریب ہے اس لیے ان مسائل میں عامی کو تقلید کرنا بہتر ہے ایسے شخص کی تقلید کر لے کہ جس کو علم و نظر حاصل ہے۔ علاوہ بریں عامی کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے کہ چاہے کسی شخص عالم کی تقلید کرے۔

جاننا چاہئے کہ دوسرا طریق قابل تفصیل یہ ہے کہ ابلیس نے جس طرح احمقوں کو قابو میں لا کر محض تقلید کے گرداب میں ڈبویا اور جانوروں کی طرح ان کو ان کے متبوع کے پیچھے ہانک لے گیا۔ تو غبی لوگوں کے برخلاف جن لوگوں میں اس نے کچھ ذہن کی تیزی دیکھی ان کو بھی جتنا جس پر قابو پایا گمراہ کیا۔ چنانچہ بعض کو اس نے سمجھایا کہ محض تقلید پر جم جانا قبیح ہے۔ اور ان کو ارشاد کیا کہ عقائد اسلام میں غور کریں۔ پھر اس نے ان میں سے ہر ایک کو ایک نہ ایک طریقہ سے گمراہی میں ڈالا چنانچہ بعض نے دیکھا کہ ظاہر شریعت پر ٹھہرنا عاجزی ہے۔ تو ابلیس ان لوگوں کو کھینچ کر فلاسفہ کے مذہب میں لے گیا اور برابر ان کے خیالات کو دوڑاتا رہا۔ یہاں تک کہ آخر یہ لوگ اسلام سے نکل گئے۔ فلاسفہ کے رد میں ان کا تذکرہ ہو چکا ہے بعض کے خیال میں یہ رچایا کہ فقط اسی پر اعتماد جماوے جو حواس کے ادراک میں آوے۔ ان گمراہوں سے پوچھا جاوے کہ کیا تم نے حواس سے اپنے قول کی صحت پہچانی ہے اگر کہیں کہ ہاں تو جھوٹے جھگڑالو ہوں گے کیونکہ ہمارے حواس نے تو اس کو صحیح نہ جانا جو وہ اپنے حواس سے ادراک کرنا بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ حواس سے جو چیز پہچانی جاتی ہے اس میں جس قدر لوگ یہ حواس رکھتے ہیں کوئی اختلاف نہیں کرتا ہے۔ اور اگر کہیں کہ ہم نے اس کو حواس کے علاوہ دوسری چیز سے ادراک کیا تو خود انہوں نے اپنے قول کو توڑ دیا۔ بعض کو ابلیس نے تقلید

سے نفرت دلائی۔ اور یہ رچایا کہ علم کلام میں خوض کریں اور فلاسفہ کے اوضاع دیکھیں۔ اور وہ اس سے اپنے زعم میں سمجھتا ہے کہ میں عوام کے غول سے نکل آیا۔ فرقہ متکلمین کے حالات طرح طرح سے بگڑے۔ اور اکثروں کا انجام یہ ہوا کہ کلام سے ان کو دین حق میں شکوک پیدا ہو گئے اور بعضے نکل کر ملحد ہو گئے۔ واضح رہے کہ دین اسلام کے قدیم علماء نے جو علم کلام سے سکوت کیا تو عاجزی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ انہوں نے کمال عقل سے دیکھ لیا کہ اس سے بیمار کو صحت نہیں ہوتی اور نہ پیاسے کی پیاس بجھتی ہے۔ لہٰذا خود اس سے باز رہے اور سب کو اس میں خوض کرنے سے منع کر دیا۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ اگر آدمی سوا شرک کے باقی ہر گناہ میں مبتلا رہے تو اس سے بہتر ہے کہ علم کلام میں نظر کرے اور کہا کہ جب تو کسی شخص سے سنے کہ وہ کہتا ہے کہ اسم عین مسمی ہے یا غیر مسمی ہے تو سمجھ لے کہ کلام والوں میں سے ہے اور اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اور اہل کلام کے حق میں نقل کیا کہ چھڑیوں سے پیٹے جاویں۔ اور ان کو محلہ محلہ اور قبیلہ قبیلہ میں پھرایا جاوے۔ اور پکارا جاوے کہ یہ ایسے شخص کی سزا ہے۔ جس نے قرآن و حدیث چھوڑ کر علم کلام میں خوض شروع کیا۔ امام احمد ابن حنبلؒ نے کہا کہ کلام والا کبھی فلاح نہیں پاوے گا۔ اور کلام جاننے والے ملحد زندیق ہوتے ہیں۔

مصنفؒ نے کہا کہ کیونکر علم الکلام کی مذمت نہ کی جائے تم دیکھتے ہو کہ اس نے معتزلہ کی نوبت یہاں تک پہنچائی کہ ان کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو مجمل جانتا ہے۔ اور تفصیل سے نہیں جانتا۔ جہم بن صفوان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت و حیات سب پیدا ہوئی ہیں ابو محمد نوبختیؒ نے جہم کا یہ قول نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کچھ چیز نہیں ہے۔ ابو علی الجبائی اور ابو ہاشم اور ان کے تابعین معتزلہ نے کہا کہ معدوم ایک شے ہے ذات و نفس و جوہر میں اور سفیدی و سرخی و زردی عرض میں۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں کہ ذات کو ذات بناوے یا عرض کو عرض بناوے یا جوہر کو جوہر بناوے بلکہ یہ قدرت ہے کہ فقط ذات کو عدم سے وجود میں کر دے۔

قاضی ابو یعلی نے کتاب المقتبس سے نقل کیا کہ مجھ سے علاف المعتزلی نے کہا کہ جنت والوں کی نعمت کا اور جہنم والوں کے عذاب کا آخر خاتمہ ہے۔ اللہ کا یہ وصف نہیں

ہو سکتا کہ وہ اس کو دفع کرنے پر قادر ہے۔ اور ایسی صورت میں اس کی جانب رغبت صحیح نہیں ہے اور نہ اس سے خوف کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اس صورت میں کسی بھلائی یا برائی پر قدرت نہیں رکھتا ہے اور نہ کسی نفع یا ضرر پر قادر ہے۔ اس نے کہا کہ اہل جنت سب سکوت میں پڑے رہیں گے نہ کوئی کلمہ بول سکیں گے نہ جنبش کریں گے۔ نہ کسی پر قادر ہوں گے۔ اور نہ ان کا رب ان میں سے کسی بات پر قادر ہو گا۔ اس لیے کہ سب حادث کی آخر انتہا ضرور ہے کہ وہاں تک پہنچ کر ختم ہو جائے۔ پھر اس کے بعد کچھ نہ ہو۔

مصنف ؒ نے کہا کہ ابو القاسم عبد اللہ بن احمد بن محمد البلخی نے کتاب المقالات میں لکھا ہے کہ ابو الہذیل محمد بن ہذیل علاف نے جو اہل بصرہ میں سے قوم عبد القیس کا غلام تھا۔ اور فرقہ معتزلہ میں سے تھا۔ اس نے تنہا یہ قول نکالا کہ اہل جنت کے حرکات ختم ہو جائیں گے تو آخر وہ ساکن ہو کر ہمیشہ کے لیے بت کی طرح سکوت میں پڑے رہیں گے اور اگر اس کی نہایت مقدر نہ ہو تو بالفعل قدرت سے خارج ہو گی اور یہ نہیں ہو سکتا تو غیر متناہی پر قدرت بھی محال ہے اور یہ شخص کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم خود اللہ ہے اور اس کی قدرت خود اللہ ہے۔ ابو ہاشم معتزلی نے کہا کہ جس شخص نے ہر گناہ سے توبہ کی لیکن اس نے ایک گھونٹ شراب پی تو اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے کافروں کی طرح عذاب میں پڑا رہے گا۔ نظام معتزلی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی برائی پر کچھ قدرت نہیں ہے اور ابلیس کو برائی و بھلائی دونوں پر قدرت ہے۔ ہشام القوطی کہتا تھا کہ اللہ کا یہ وصف نہیں ہو سکتا کہ ہمیشہ کے لیے عالم ہے۔ بعض معتزلہ نے کہا کہ خدا سے جھوٹ سرزد ہونا جائز ہے۔ لیکن یہ بات اس سے واقع نہیں ہوئی۔ فرقہ مجبرہ نے کہا کہ آدمی کو کچھ قدرت نہیں ہے۔ بلکہ وہ جمادات کی طرح ہے نہ اس کو کسی فعل پر قدرت ہے نہ اختیار ہے۔ فرقہ مرجیہ نے کہا کہ جس نے **اشھد ان محمدا" عبدہ ورسولہ** زبان سے کہا پھر وہ سب قسم کے معاصی کرتا رہا تو وہ ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہو سکتا ان لوگوں نے صحیح احادیث سے انکار کیا جن میں مذکور ہے کہ اہل توحید جہنم سے نکالے جاویں گے۔ امام ابن عقیل نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس نے مرجیہ مذہب نکالا وہ کوئی زندیق تھا اس لیے کہ عالم کی صلاحیت اسی پر موقوف ہے کہ عذاب کی آیات سے ڈریں

اور ثواب کے امیدوار ہوں پس جب مرجیہ نے دیکھا کہ صانع عزوجل سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ لوگ یہ سن کر نفرت کرتے ہیں اور عقل کے بھی مخالف ہے تو صانع عزوجل کے ثابت کرنے سے جو فائدہ تھا اس کو مٹا دیا۔ پس یہ لوگ اسلام میں سب سے برا گروہ ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ ابو عبد اللہ بن کرام نے تقلید کی تو سب مذاہب میں سے ردی مذہب لیا۔ اور احادیث میں سب سے ضعیف احادیث لیں۔ اور خالق کی مشابہت جائز رکھی بلکہ ذات باری تعالیٰ میں حوادث کا حلول جائز رکھا۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں ہے کہ اجسام و جواہر کو دوبارہ پیدا کرے۔ بلکہ فقط ابتداء میں ان کو پیدا کر سکتا ہے۔ سالمیہ فرقہ کا قول ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر فرقہ و ہر چیز کے لیے اس کے معنی میں متجلی ہو گا چنانچہ آدمی تو اس کو آدمی دیکھے گا۔ اور جن اس کو جن دیکھے گا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بھید ہے کہ اگر اس کو ظاہر کر دے تو تدبیر مٹ جاوے۔

مصنف ؒ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو ایسے قبیح مذاہب کی طرف جاوے۔ متکلمین نے اپنے زعم میں یہ مقرر کیا کہ ایمان ہی پورا نہیں ہوتا جب تک اسے ان کے مرتب کیے ہوئے قواعد سے نہ جانے یہ لوگ بالکل غلطی پر ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ ؓ کو ایمان کا حکم دیا۔ اور متکلمین کی ان بحثوں کا حکم نہیں دیا۔ اور صحابہ ؓ اسی پر تھے جن کا درجہ مطابق شہادت اللہ و رسول کے سب اولین و آخرین سے افضل ہے۔ اور کلام کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔ اور ہم سے نقل کیا گیا کہ متکلمین نے اپنے طریقہ سے جس پر وہ چلے تھے آخر بیزاری کی اور بالکل الگ ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے اس کے قبیح فساد کا انجام دیکھ لیا۔ چنانچہ ہم سے ابن الاشعث نے بیان کیا کہ میں نے احمد بن سنان سے سنا وہ کہتے تھے کہ ولید بن ابان الکرابیسی میرا ماموں تھا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ کیا تم لوگ علم کلام میں مجھ سے بڑھ کر کسی کو جانتے ہو انہوں نے کہا نہیں۔ تو اس نے کہا کہ کیا تم مجھے اپنے حق میں دروغ گوئی وغیرہ سے متہم سمجھتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں تم میری وصیت قبول

کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ تو فرمایا کہ تم پر فرض ہے کہ اس طریقہ کو اختیار کرو جس پر حدیث جاننے والے علماء ہیں۔ کیونکہ میں نے حق انہیں کے ساتھ دیکھا ابو المعالی جوینی (امام غزالی کے استاد) یہ کہتے تھے کہ افسوس میں نے اہل اسلام اور ان کے علوم کو چھوڑا۔ اور بڑے سمندر میں چلا۔ اور وہاں غوطہ مارا جہاں مجھے منع کیا جاتا تھا۔ یہ سب اس قصد سے کیا تھا کہ حق تلاش کروں اور تقلید سے بھاگوں اور اب میں نے ہر چیز سے منہ پھیر کر کلمۂ حق کو لیا۔ اور تم پر واجب ہے کہ بوڑھی عورتوں کے یقین پر جم جاؤ۔ اور اگر حق تعالیٰ نے اپنے لطف و احسان سے مجھے سرفراز نہ کیا کہ میں بوڑھیوں کے دین پر مروں اور موت کے وقت کلمۂ اخلاص پر میرا خاتمہ بخیر ہو تو جوینی کے حق میں ہلاکت ہے اور اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے کہ تم لوگ علم کلام میں مشغول نہ ہو کیونکہ اگر میں یہ جانتا کہ کلام سے یہاں تک نوبت پہنچے گی۔ جہاں تک پہنچی تو میں کبھی اس میں مشغول نہ ہوتا۔ شیخ ابو الوفا ابن عقیل نے اپنے بعض شاگردوں سے فرمایا کہ ہم قطعاً" جانتے ہیں کہ صحابہؓ نے انتقال کیا اور یہ نہ جانا کہ جوہر کیا چیز ہے؟ اور عرض کیا چیز ہے۔ پھر اگر تجھے یہ منظور ہو کہ ان کی مثل ہو جائے تو وہی طریقہ اختیار کر۔ اور اگر تیری رائے میں یہ سمائے کہ متکلمین کا طریقہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ سے بہتر ہے تو تیرے خیال ناقص میں بہت بری بات سمائی ابن عقیلؒ نے کہا کہ میں نے خوب دیکھا کہ علم کلام سے آخر متکلمین کے بعض لوگوں میں شکوک پیدا ہو گئے۔ اور بکثرت ان میں سے ملحد ہو گئے۔ پھر انہوں نے متکلمین کے لایعنی کلمات کے ذریعہ سے الحاد کو رواج دینا شروع کیا۔ اصل اس کی یہ ہے کہ انہوں نے اس حد پر قناعت نہ کی جہاں ان کو شریعت نے ٹھہرایا تھا۔ اور بڑھ کر حقائق کو اپنے حواس سے طلب کرنے لگے۔ حالانکہ ان کی عقل میں یہ قوت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو حکمت ہے اس کو دریافت کر لیں۔ کہ وہ حکمت فقط اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے منفرد ہے اور جو حقائق امور وہ جانتا ہے اس نے مخلوق کے لیے اس کے دریافت کا طریقہ پیدا نہیں کیا ہے۔ ابن عقیلؒ نے کہا کہ ابتداء میں بہت مدت تک میں نے کلام میں مبالغہ کیا۔ پھر الٹے پاؤں لوٹ کر کتابوں کے مذہب پر آ گیا اور یہ جو کہا گیا کہ بوڑھی عورتوں کا دین بہت سالم ہے تو اس لیے کہا کہ جب متکلمین

اپنی نظری بحث میں انتہاو تدقیق کو پہنچے تو انہوں نے تعلیلات و تاویلات میں ایسی چیز نہ پائی جس کو عقل نکالتی ہے۔ پس شرع کے مراسم پر ٹھر گئے اور تعلیل کی گفتگو سے رکے اور عقل نے یقین کر لیا کہ اس سے برتر حکمت الیہ ہے تو انہوں نے گردن جھکا دی۔ ان کا بیان یہ ہے قول نے نیکی کی تو چاہا کہ مذکور ہو تو کسی کہنے والے نے کہا کہ کیا نفع پہنچانے کا شوق شدید تیرے دل میں پیدا ہوا تھا۔ یا کوئی امر دیگر داعی ہوا کہ تو احسان پھیلاوے یہ معلوم ہے کہ شوق و داعی تو ذات کے عوارض ہیں اور نفس کی خواہشات ہیں اور یہ بات کبھی عقل میں نہیں آتی تو ایسی ذات کے جس میں شوق ایسی چیز حاصل کرنے کا سما جاوے جو اس کو حاصل نہ تھی۔ اور اب اسی ذات کو اس چیز کی احتیاج ہے۔ پھر جب یہ غرض حاصل ہو جاوے تو اس کا شوق تھم جائے گا اور خواہش سست ہو جائے گی اور ایسے حاصل کرنے کو غنی کہتے ہیں۔ ذات باری تعالیٰ قدیم سے موصوف ہے کہ وہ غنی ہے اور مستقل بالذات ہے۔ اس کو کسی مزید کی یا عارض کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ پھر جب ہم اس کے انعام میں نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہاں فقیری اور دکھ اور ایذائے حیوانات بھری پڑی ہیں پس اگر عقل نے چاہا کہ خلق پیدا کرنے کی علت اس کا انعام بنا دے تو تحقیق کی نگاہ نے آکر دیکھا کہ فاعل قادر ہے کہ بالکل صافی انعام دے جس سے بڑھ کر صافی امکان میں نہیں ہے۔ اور وہ فاعل قطعی دلیل عقل سے بخیلی سے پاک ہے اور یہی بخیلی ایسی چیز تھی کہ جس چیز کو حاصل کرتا ہے اس سے منع کرے اور وہ عاجزی سے پاک ہے کہ جو فساد و خرابی ان موجودات کو عارض ہوتی ہے اس کو دفع نہ کر سکے تو اب یہاں عقل عاجز ہوئی کہ مخلوقات کو پیدا کرنے میں محض انعام کی علت نہیں نکال سکتی ہے۔ پس عقل نے عاجز ہو کر اس علت کو چھوڑا اور اس پر واجب ہوا کہ گردن جھکا دے اور ان لوگوں میں فساد اس وجہ سے داخل ہوا کہ انہوں نے فوائد کا پیدا کرنا اور مضرتوں کا دور کرنا صرف اس کی قدرت کے مقتضا پر رکھا اور اگر اس کے ساتھ یہ بھی ملاتے کہ وہ پاک عزوجل حکیم ہے تو ان کے نفس گردن جھکا کر اس کے لیے حکمت کاملہ تسلیم کرتے اور بغیر اعتراض کے وسیع باغ تفویض میں اچھی طرح زندگی بسر کرتے۔

کچھ لوگوں نے ظاہری آیات و احادیث پر وقوف کیا اور ان کو اپنے ظاہری حواس

کے مقتضی پر محمول کیا۔ چنانچہ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے اور یہ ہشام بن الحکم و علی بن منصور و محمد بن الخلیل و یونس بن عبد الرحمن کا مذہب ہے۔ پھر ان لوگوں نے باہم اختلاف کیا بعض نے کہا کہ وہ جسم مانند دیگر اجسام کے ہے۔ اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ ان اجسام کے مانند نہیں ہے۔ پھر اگر ان اجسام کے مثل نہیں ہے تو کس قسم کا جسم ہے۔ اس میں انہوں نے پھر اختلاف کیا۔ بعض نے کہا کہ وہ نور ہے اور بعض نے کہا کہ سفید چاندی کی مانند ہے یہی ہشام بن الحکم کہا کرتا تھا اور کہتا کہ الٰہ اپنی بالشت سے سات بالشت ہے اور اس کی آنکھ سے شعاع نورانی نکل کر تحت الثریٰ تک پہنچ کر ہر چیز سے متصل ہوتی ہے تو وہ اس کو دیکھتا ہے۔

ابو محمد نوبختیؒ نے جاحظ سے اس نے نظام سے نقل کیا کہ ہشام بن الحکم نے ایک ہی سال میں تشبیہ کے بارے میں پانچ اقوال نکالے۔ آخری قول جس پر اس نے یقین کر لیا وہ یہ ہے کہ خدا اپنی بالشت سے سات بالشت ہے۔ کیونکہ ایک قوم نے کہا تھا کہ وہ گداختہ چاندی کے مثل ڈھلا ہوا ہے۔ اور فریق دیگر نے کہا تھا کہ وہ صاف بلور کے مانند گول ہے جدھر سے دیکھو ایک ہی صورت ہے۔ ہشام نے کہا کہ اس کی ذات محدود ہے۔ یہاں تک کہا کہ گھوڑا اس سے بڑا ہے اور کہا کہ اس کی ماہیت کو وہی جانتا ہے۔ مصنفؒ کہتا ہے کہ ماہیت کہنے سے لازم آتا ہے کہ اس کی کیفیت و کمیت بھی ہو اور جب اس کے قائل ہوں تو ان کی توحید کا قول مٹا جاتا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی کہ ماہیت اسی کی ہوتی ہے جو جنس کے تحت میں ہو اور اس کے نظائر ہوں تو وہ فصل سے جدا کرنے کا محتاج ہوتا ہے کہ ممیز ہو جاوے اور حق سبحانہ تعالیٰ جنس والا نہیں ہے اور نہ اس کا مثل ہے اور نہ اس کا وصف متناہی بارادہ ہو سکتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سب طرف بے انتہا چلا گیا ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ جسم نہیں اور نہ جوہر ہے جس کو انتہا لازم ہوتی ہے۔ نوبختیؒ نے نقل کیا کہ مقاتل بن سلیمان و نعیم بن حماد اور داؤد الحواری بھی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے صورت و اعضا ہیں۔

مصنفؒ نے کہا تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ کس طرح اس کے لیے قدیم ہونا ثابت کرتے ہیں اور آدمیوں کے لیے نہیں ثابت کرتے۔ مرض و تلف وغیرہ جو آدمیوں کے لیے جائز

ہے وہ اپنے خدا کے لیے کیوں نہیں جائز رکھتے۔ پھر ہر ایک شخص جس نے جسم ہونے کا دعویٰ کیا اس سے کہا جاوے کہ تو نے کس دلیل سے اجسام کا حادث ہونا ثابت کیا تو اس کا انجام یہ ہو گا کہ آخر پتہ ملے گا کہ جس معبود کو اس نے جسم ثابت کیا ہے وہ حادث ہے قدیم نہیں ہے۔

مجسمہ فرقہ کے اقوال میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ٹٹول کر چھو سکتے ہیں تو ان سے کہا جاوے کہ پھر اس سے لازم آتا ہے کہ اس سے معانقہ بھی کیا جائے۔ مجسمہ نے کہا کہ وہ جسم ایک فضا ہے (یعنی خالی جیسے آسمان و زمین کے درمیان نظر آتا ہے) اور جمیع اجسام اسی کے درمیان ہیں۔ بیان ابن سمعان بن عمران کہتا تھا کہ اس کا معبود بالکل نور ہے۔ اور وہ ایک مرد کی صورت پر ہے اور وہ اپنے سب اعضاء کا مالک ہے سوائے چہرے کے۔ اس شخص کو خالد بن عبد اللہ نے قتل کر دیا۔ مغیرہ بن سعد العجلی کہتا تھا کہ اس کا معبود نور کا ایک مرد ہے۔ جس کے سر پر نور کا تاج ہے اور اس کے اعضاء ہیں اور اس کے قلب سے حکمت اس طرح جوش مارتی ہے جیسے چشمہ سے پانی ابلتا ہے۔ اور اس کے اعضاء کی صورت ایسی ہے جیسے الف بے کے حروف ہیں۔ یہ شخص اس بات کا بھی قائل ہے کہ محمد بن عبد اللہ بن الحسن بن الحسن امام ہیں۔ زرارہ بن اعین کوفی کہا کرتا تھا کہ ازل میں باری تعالیٰ کو علم و قدرت و حیات کی صفتیں نہ تھیں۔ پھر اس نے اپنے لیے یہ صفتیں پیدا کر لیں۔ داؤد الحواری نے کہا کہ وہ جسم ہے' اس میں گوشت و خون ہے اور اس کے جوارح و اعضا ہیں اور منہ سے سینہ تک جوف دار (خول) ہے اور باقی ٹھوس ہے۔

منجملہ ان لوگوں کے جو حواس پر ٹھہر گئے کچھ لوگ ہیں جن کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بذات خود اس سے ملا ہوا بیٹھا ہے۔ پھر جب وہاں سے اترتا ہے تو عرش کو چھوڑ کر اتر آتا ہے اور متحرک ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے اس کی ذات کو ایک محدود متناہی قرار دیا۔ اور یہ لازم کیا کہ وہ ناپ میں آ سکتا ہے اور اس کی مقدار محدود ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اترنا اسی کے حق میں کہتے ہیں جو اوپر چڑھا ہو۔ اور انہوں نے اترنے کو محسوس چیز پر رکھا جس سے اجسام کا وصف بیان کیا جاتا ہے۔ یہ قوم مشبہ وہ ہیں

جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو محسوس کے موافق قرار دیتے ہیں۔ ہم نے ان کا اکثر کلام اپنی کتاب منہاج الوصول الی علم الاصول میں ذکر کیا ہے۔ بعضے مشبہ اپنے خیال میں قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار اس طرح جماتے ہیں جیسے اشخاص کو دیکھتے ہیں کہ سامنے ہوا۔ لہٰذا یہ تصور باندھتے ہیں کہ ایک شخص سامنے نظر آوے گا۔ جس کا حسن سب حسنوں سے بڑھا ہوا ہو گا لہٰذا تم دیکھو کہ یہ شخص اس کے شوق میں ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے اور دیدار کو تصور میں لاتا ہے تو زیادہ جوش میں آتا ہے اور حجاب دور ہونے کو تصور کرتا ہے' تو زیادہ قلق تک نوبت پہنچتی ہے۔ اور دیدار کو یاد کرتا ہے تو اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے اور وہ سنتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندۂ مومن کو اپنے قریب بلائے گا۔ پس یہ سن کر خیالی نزدیکی۔ تو تصور میں لاتا ہے۔ جیسے ہم جنس آدمی سے ہوتی ہے۔ اس کی یہ سب جہالت اس لیے ظاہر ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے اور یہ اس کی صفت ذات سے زائد صفت ہے۔ اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویبقی وجہ ربک الخ یہ اس کے واسطے ہاتھ اور انگلیاں بھی ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یضع السموت علی اصبع یعنی وہ آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور کہتے ہیں کہ اس کے واسطے قدم بھی ہے اور اسی طرح اور چیزیں بھی ثابت کرتے ہیں جن کا ذکر حدیثوں میں وارد ہوا ہے یعنی ان سب کو اپنے خیالی محسوس پر محمول کرتے ہیں یہ سب انہوں نے حواس کے فہم سے نکالا ہے۔ صحیح و صواب طریقہ یہ تھا کہ وہ آیات کو اور احادیث کو پڑھتے اور ان کی تفسیر نہ کرتے۔ نہ ان میں اپنے حواس سے کچھ کلام کرتے۔ آخر ان لوگوں کو کس نے منع کیا کہ یہ معنی لیتے کہ وجہ سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے نہ یہ کہ وہ صفت زائد ہے اور اسی بنیاد پر اہل تحقیق نے آیت کی تفسیر بیان فرمائی ہے چنانچہ وجہ ربک کے یہ معنی کہے کہ یبقی ربک یعنی فقط تیرے رب کی ذات باقی رہے گی۔ اور قولہ تعالیٰ یریدون وجھہ (الانعام پ ۷ آیت ۵۲) یعنی یریدونہ یعنی اس کو چاہتے ہیں۔ اور یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ دو انگلیوں میں بندوں کے دل سے یہ مراد ہو کہ انگلی چونکہ کسی چیز کی پلٹ دینے والی ہے اور جو چیز دو انگلیوں کے درمیان ہو تو

انگلیوں والا جس طرح چاہے تصرف کرتا ہے اس لیے یہ لفظ ذکر کیا نہ یہ کہ یہ صفت زائد ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ میرے علم میں اس تفسیر سے بھی سکوت کرنا چاہئے۔ اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہی تفسیر مراد ہو اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہاں ایک ذات ہو جس کے اجزاء دو ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔

ظاہر یہ کے سب سے عجیب حالات میں سے یہ ہے کہ سالمیہ فرقہ نے کہا کہ قبر میں مردہ کھاتا پیتا اور نکاح کرتا ہے اس کا باعث یہ ہوا کہ ان لوگوں نے سنا کہ نیک بخت میت کے واسطے وہاں نعمت ہے اور عمدہ عیش ہے۔ اور ان کو عیش سوائے اس کے ظاہر نہ ہوا تو یہ اعتماد جمایا۔ اور اگر یہ لوگ فقط اسی قدر پر اکتفا کرتے جو حدیث میں وارد ہے کہ مومنوں کی روحیں پرندوں کے پوٹوں میں رکھی جاتی ہیں۔ اور جنت کے درختوں سے کھاتی ہیں تو اس خراب اعتقاد سے بچ جاتے۔ لیکن انہوں نے اس کے ساتھ میں جسم کو بھی ملا لیا۔ ابن عقیل ؒ نے کہا کہ یہ مذہب وہ مرض ہے جو خیالات جاہلیت کے مشابہ ہے جن کو جاہلیت والے ھام و صدا کے بارے میں کہا کرتے تھے' ان لوگوں کے ساتھ مناظرہ کے طور پر مدارات کرنی چاہئے جس سے جاہلیت کے خیالات کو سمجھ کر راہ حق کی طرف آ جاویں۔ اور ان سے ضد باندھ کر مخالفت نہ کی جائے کیونکہ اس طریقہ سے یہ لوگ بگڑ جاویں گے۔ ابلیس نے ان لوگوں پر تلبیس اس لیے ڈالی کہ انہوں نے ایسے دلائل سے بحث چھوڑ دی جو شرع و عقل سے منطبق ہیں۔ چنانچہ جب میت کے لیے نعمت عیش یا عذاب وارد ہوا ہے تو معلوم ہو گیا کہ قبر یا جسم کی طرف نسبت کر کے بیان فقط اس لیے ہے کہ میت کی پہچان ہو جائے گویا یہ فرمایا کہ اس قبر میں دفن ہونے والا اور وہ روح جو اس جسم میں تھی وہ جنت کی نعمتوں سے عیش میں ہے یا آگ کے عذاب سے تکلیف میں ہے۔

فصل : مصنف ؒ نے کہا کہ اگر سوال کیا جاوے کہ تم نے اعتقادات کے بارے میں تقلید کرنے والوں پر بھی عیب لگایا اور بے جا خوض کرنے والے متکلمین پر بھی عیب لگایا اب بتلاؤ وہ طریقہ کیا ہے جس پر ابلیس کی تلبیس سے بچا جاوے۔ جواب یہ وہ طریقہ ہے

جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابی اور ان کے تابعین بالاحسان تھے۔ یعنی یہ ایمان لاوے کہ حق سبحانہ تعالیٰ برحق ہے۔ اور اس کی وہ سب صفات برحق ہیں جو آیات و احادیث میں وارد ہوئیں بدون اس کے کہ ہم ان صفات کے معانی بگاڑیں۔ یا بے جا بحث کر کے ایسی تفسیر و علم کا دعوی کریں جو قوت بشری سے باہر ہے اور یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ واللہ میں نے کسی مخلوق کو اپنے اور معاویہؓ کے درمیان حکم نہیں ٹھہرایا بلکہ میں نے تو قرآن کو حکم ٹھہرایا ہے (وہ مخلوق نہیں ہے) اور یہ ایمان لاوے کہ اس کے باوجود قرآن ہمارے سننے میں آتا ہے بدلیل قولہ تعالیٰ حتی یسمع کلام اللہ (التوبہ پ ۱۰ آیت ۶) یعنی اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سنے الخ اور یہ کہ کلام اللہ مصاحف میں سے ہے بدلیل قولہ تعالیٰ فی رق منشور (الطور پ ۲۷ آیت ۳) اور یہ کہ مضمون آیات ادا نہیں ہو سکتا۔ (یعنی بے مثل ہے) اور اس کی تفسیر میں اپنی رائے سے کلام نہیں ہو سکتا۔ امام احمد بن حنبلؒ اس امر سے منع کیا کرتے تھے کہ کوئی کہے کہ قرآن کے ساتھ میرا بولنا مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے تا کہ سلف صالحین کی پیروی سے خارج ہو کر بدعت میں نہ پڑ جائے اور اب تو ایسے لوگوں پر تعجب ہے جو اس امام کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر ایسے مسائل بدعتیہ میں گفتگو کرتے ہیں۔ عمرو بن دینارؒ سے روایت ہے کہ میں نے نو اصحاب رسول اللہ ﷺ کو پایا جو فرماتے تھے کہ جو کوئی کہے کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے امام مالک بن انسؒ نے کہا کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ کرے تو بہتر ورنہ وہ قتل کیا جاوے۔ جعفر بن برقان نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے کسی نے بدعتوں کو پوچھا تو فرمایا کہ تجھ پر واجب ہے کہ اس طرح عقیدہ پر جم جا۔ جیسے مکتب میں لڑکے اور دیہات میں اعراب ہوتے ہیں۔ اور ان دونوں کے سوا سب سے غافل ہو جا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت ہے کہ جب تم کسی گروہ کو دیکھو کہ علانیہ عام لوگوں کو چھوڑ کر خاص طور پر دین میں خفیہ مشورے کرتے ہیں تو جان لو کہ یہ گروہ کسی ضلالت کی بنیاد قائم کرنے کی فکر میں ہے۔ سفیان ثوریؒ نے کہا کہ مجھے حضرت عمرؓ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے اپنے

بعض عاملوں کو لکھا کہ میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقوی رکھ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر وہ بدعتیں چھوڑے رہنا جو بعد کو بدعتیوں نے نکالی ہیں جن کی محنت سے ان کی کفایت کی گئی تھی۔ اور تو جان رکھ کہ جس کسی کو علم سنن سے واقفیت ہے وہ خوب جانتا ہے کہ طریقہ سنت سے مخالفت' اس میں کرید کرنے میں کیسی کیسی غلطی اور لغزشیں ہیں۔ چنانچہ اگلے بزرگوں نے باوجود علم معرفت کے توقف کیا۔ اور باوجود پرکھنے والی نگاہ کے رک گئے۔ دوسری روایت میں عمر(بن عبدالعزیزؒ) نے کہا کہ سلف سابقین ان امور کے ظاہر کرنے میں زیادہ قدرت رکھتے تھے جس نے کوئی بدعت نکالی یہ وہی شخص ہو گا جس نے ان کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی اور خود ان کی راہ سے بے رغبت ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے ان کے طریقہ سے کوتاہی کی تو اپنے اوپر ظلم کیا۔ اور کچھ لوگوں نے ان کی حد سے زیادہ بڑھ جانے میں غلو کیا(تو یہ گمراہ ہوئے) سفیان الثوری نے کہا کہ تمام لوگوں پر لازم ہے کہ اس عقیدہ و یقین پر رہو جس پر کاشتکار اور گھروں کی عورتیں اور مکتب کے لڑکے رہتے ہی کہ ایمان کا اقرار کرتے اور عمل کیے جاتے ہیں۔

مصنفؒ کہتا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ یہ تو کم عقل و عاجز کا کام ہے اور مردوں کا مقام نہیں ہے۔ جواب ہم نے پہلے ہی لکھ دیا اور کہہ دیا ہے کہ عمل پر ٹھہر جانا ضروری ہے اس لیے کہ جن متکلمین نے سمندروں میں غوطہ مارا وہ ہرگز ایسی چیز تک پہنچ سکے جس سے پیاسے کی پیاس بجھ جاوے اسی لیے انہوں نے سب کو نصیحت کی کہ کنارے پر ٹھہرے رہو۔ چنانچہ ہم نے ان کے اقوال ذکر کر دیئے ہیں۔

خوارج پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ کہتا ہے کہ خوارج میں سب سے اول اور سب سے بدتر شخص کا نام ذوالخویصرہ تھا۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے کمائے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں کافی سونا بھیجا۔ یہ سونا خاک میں مخلوط تھا۔ اسے صاف نہیں کیا گیا تھا۔ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید الخیل اقرع بن حابس' عیینہ بن حصن اور علقمہ بن علاثہ

یا عامر بن الطفیل چار آدمیوں میں تقسیم کیا عمارہ راوی کو شک ہے کہ علقمہ بن علاثہ کا نام لیا تھا یا عامر بن الطفیل کا اس وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور انصار وغیرہ کو کچھ آزردگی ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھے امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں آسمان والے کا امین ہوں۔ مجھے ہر صبح و شام آسمان سے خبر پہنچتی ہے۔ پھر آپ کے پاس ایک شخص آیا جس کی آنکھیں اندر گھسی ہوئی' پیشانی ابھری ہوئی گالوں کا گوشت چڑھا ہوا تھا' داڑھی کے بال بہت گھنے تھے' پنڈلیوں پر اونچی ازار (لنگی) باندھے اور سر گھٹائے (منڈائے ہوئے) تھا۔ اس نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ خدا سے ڈرو (انصاف کرو) آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف سر اٹھا کر فرمایا کہ کیا میں خدا تعالیٰ سے تقویٰ کرنے میں سب سے بڑھ کر لائق نہیں ہوں پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا میں اس کی گردن نہ مار دوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شاید وہ نماز پڑھتا ہو تو خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حضرت ﷺ بعض نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ منہ سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر مجھے تو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دل چیر کر دیکھوں اور نہ ان کے پیٹ پھاڑوں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی طرف نگاہ کی اور وہ پیٹھ پھیرے جا رہا تھا تو فرمایا کہ تم آگاہ رہو کہ اس کے جتھے سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن پڑھیں گے وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اور دین سے ایسے نکل جاویں گے جیسے نشانہ سے تیر نکل جاتا ہے مصنف نے کہا یہ شخص جس نے اس طرح بے ادبی سے کلام کیا تھا اس کا نام ذوالخویصرہ تمیمی تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے آکر کہا کہ عدل کرو تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ارے تیرا برا ہو اگر میں بھی عدل نہ کروں تو کون شخص عدل کرے گا۔ مصنف نے کہا کہ دین اسلام میں یہ سب سے پہلا خارجی تھا۔ اس کمبخت پر آفت یہ پڑی کہ وہ اپنے نفس کی رائے پر نازاں ہوا۔ اگر وہ ذرا صبر کرتا تو جان لیتا کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے سے بہتر کسی کی رائے نہیں ہو سکتی ہے۔ اسی خارجی شخص کے تابعین وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان لڑائی

بہت مدت تک قائم رہی تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے مصاحف بلند کیے اور اصحاب علی رضی اللہ عنہ کو دعوت دی کہ جو کچھ مصاحف مجید میں ہے اس پر ہم اور تم راضی ہو جاویں کہا کہ ایک شخص تم اپنے لوگوں میں سے بھیجو اور ایک شخص ہم اپنی طرف سے بھیجیں اور ان سے عہد لے لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کریں۔ سب لوگوں نے کہا کہ ہم اس پر راضی ہیں۔ چنانچہ اہل شام نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ادھر اہل عراق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجئے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے نہیں ہے کہ ابو موسیٰ کو بھیجو جو سادہ دل ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما موجود ہے ان کو کیوں نہ بھیجوں۔ لوگوں نے کہا کہ ان کو ہم نہیں چاہتے۔ کیونکہ یہ تو آپ کی ذات کے مانند آپ کے قرابتی ہیں۔ آخر آپ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور حکم فیصلہ میں رمضان تک تاخیر ہوئی۔ پس عروہ بن اذینہ نے کہا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم میں لوگوں کو حاکم بناتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ان **الحکم الا للہ** حکم نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے اھ (اور یہ شخص مع اپنے تابعین کے جماعت سے خارج ہو گیا) جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مقام صفین سے واپس ہو کر کوفہ میں داخل ہوئے تو خوارج آپ کے ساتھ کوفہ میں داخل نہ ہوئے۔ بلکہ انہوں نے موضع حروراء کوفہ کے قریب مقام میں اپنا جتھا جمایا۔ حتیٰ کہ وہاں بارہ ہزار خوارج جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ **لاحکم الا للہ** اور یہی خوارج کے ظاہر ہونے کی ابتداء ہے۔ خوارج کے لشکر میں ان کے منادی نے آواز دی کہ جنگ کے موقع پر شبث بن ربعی تمیمی سردار ہے اور نماز پڑھانے میں عبداللہ بن الکواء یشکری سردار ہے۔ واضح ہو کہ خارجی لوگ بہت عبادت کیا کرتے تھے مگر ان کی حماقت کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ لوگ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر عالم ہیں اور ان کا سخت مہلک مرض تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ جب خوارج الگ ہوئے تو ایک احاطہ میں جمع ہوئے اور وہ یہاں چھ ہزار تھے۔ سب نے اتفاق کیا کہ حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر خروج کریں لوگ ایک ایک دو دو برابر آتے اور خبر دیتے کہ اے امیرالمومنین یہ گروہ آپ پر خروج کرنے والا ہے۔ تو حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ فرماتے

کہ ان کو چھوڑو میں ان سے قتال نہیں کرتا جب تک وہ مجھ سے قتال نہ کریں۔ یہ وقت قریب ہے کہ جب وہ لوگ ایسا کریں گے۔ پھر ایک روز نماز ظہر سے پہلے میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا اے امیرالمومنین ذرا ظہر کی نماز میں ٹھنڈے وقت تک تاخیر کیجئے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ اس گروہ خوارج میں جا کر ان سے گفتگو کروں۔ آپ مجھ پر کچھ خوف نہ کیجئے۔ اور میں ایک شخص نیک خلق ملنسار تھا۔ کسی کو ایذا نہیں دیتا تھا۔ آپ نے مجھے اجازت دی تو میں نے بہتر بیش قیمت حلہ پہنا اور روانہ ہو کر ان خارجیوں کے یہاں پہنچا۔ دوپہر کا وقت تھا میں نے وہاں ایسی قوم کو دیکھا جن سے بڑھ کر عبادت میں کوشش کرنے والی قوم میں نے نہ دیکھی تھی ان کی پیشانیوں پر سجدے کی کثرت سے زخم پڑ گئے تھے ان کے ہاتھ گویا اونٹ کے دست تھے۔ (جو زمین پر ٹیکنے سے غبار آلود ہو جاتے ہیں) ان کے بدن پر حقیر قمیضیں تھیں۔ ان کی ازاریں ٹخنوں سے بہت اونچی تھیں۔ اور راتوں کو عبادت میں جاگنے سے ان کے چہرے خشک ہو رہے تھے میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے کہا کہ مرحبا اے ابن عباس آپ اس وقت کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تمہارے پاس مہاجرین و انصار کے پاس سے آیا ہوں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے داماد کے پاس سے آیا ہوں۔ انہیں لوگوں پر قرآن نازل ہوا ہے اور یہ لوگ قرآن کے معنی تم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ میری گفتگو سن کر ان میں سے ایک قوم نے کہا کہ (یہ شخص قریش میں سے ہے اور) تم قریش سے مناظرہ مت کرو۔ کیونکہ اللہ تعالی نے قریش کے حق میں فرمایا ہے کہ 'بل هم قوم خصمون۔ یعنی یہ لوگ جھگڑالو (حجت باز) قوم ہیں۔ پھر ان میں سے دو تین آدمیوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم ان سے مباحثہ کریں گے۔ تب میں نے کہا تم لوگ وہ الزامات بیان کرو جو تم نے رسول اللہ ﷺ کے داماد پر اور مہاجرین و انصار پر لگائے ہیں حالانکہ انہی لوگوں پر قرآن نازل ہوا ہے اور ان میں سے کوئی بھی تم میں شامل نہیں ہے اور وہ لوگ قرآن کے معانی و مطلب تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ خوارج نے کہا کہ وہ تین باتیں ہیں۔ میں نے کہا کہ اچھا انکو بیان کرو۔ کہنے لگے کہ ایک یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے خدا کے معاملہ میں لوگوں کو ثالثی (فیصلہ کرنیوالا) بنایا۔ حالانکہ اللہ تعالی فرماتا ہے ان الحکم الا للہ یعنی حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے تو اس قول الٰہی

کے بعد آدمی کو حکم سے کیا تعلق رہا۔ میں نے کہا کہ یہ تو ایک ہوا اور کیا ہے۔ کہنے لگے کہ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے قتال کیا مگر نہ مخالفوں کو لونڈی غلام بنایا اور نہ ان کا مال لے کر غنیمت جہادی ٹھہرایا' تو ہم پوچھتے ہیں کہ جن سے قتال کیا اگر وہ مومنین تھے تو ہم کو ان سے لڑنا حلال نہیں اور نہ ان کو لونڈی غلام بنانا حلال ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ثالثی فیصلہ کا عہد نامہ لکھواتے وقت امیرالمومنین کا لقب اپنے نام سے مٹا دیا۔ پس وہ اگر امیرالمومنین نہیں ہیں تو امیر الکافرین ہوئے یعنی کافروں کے سردار ہیں میں نے پوچھا کیا کچھ اس کے سوا بھی کوئی اعتراض باقی ہے۔ خوارج نے کہا کہ بس یہی (اعتراضات) کافی ہیں۔ میں نے کہا کہ پہلا قول تمہارا یہ کہ امرالٰہی میں علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم بنایا ہے بھلا اگر میں تم پر کتاب الٰہی سے ایسی آیات تلاوت کروں جن سے تمہارا قول ٹوٹ جائے تو کیا تم اپنے قول سے توبہ کر لو گے۔ کہنے لگے کہ ہاں میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خرگوش کے معاملہ میں جس کی قیمت چوتھائی درہم ہوتی ہے۔ دو مردوں کے حکم پر اس کا فیصلہ راجح کر دیا۔ اور میں نے یہ آیت پڑھی **لا تقتلوا الصید وانتم حرم الآیہ** (المائدہ پ ۷ آیت ۹۵) یعنی احرام کی حالت میں شکار کے قتل سے ممانعت فرمائی۔ اور اگر کسی نے جرم کیا مثلاً ایک خرگوش مارا تو فرمایا کہ تم میں دو عادل مرد اس موقع پر جہاں جانور مارا ہے اس کی قیمت کا فیصلہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے عورت اور اس کے شوہر کے معاملہ میں فرمایا **وان خفتم شقاق بینھما الآیہ** (النساء پ ۵ آیت ۳۵) یعنی مرد کی برادری سے ایک مرد اور عورت کی برادری سے ایک مرد بھیجو وہ دونوں ان کے معاملہ میں حکم کریں۔ اب میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ بھلا مردوں کا حکم لگانا اپنی درمیانی اصلاح حال میں اور خون ریزی روکنے میں افضل ہے۔ یا یہ کہ ایک خرگوش میں اور ایک عورت کے معاملہ میں افضل ہے۔ خوارج نے کہا کہ ہاں بیشک اصلاح ذاتی میں افضل ہے (کہ اس سے بڑی خونریزی کا سدباب ہوا) میں نے کہا کہ اچھا میں تمہارے اس اعتراض کے جواب سے باہر ہوا (یعنی تم کو جواب مل گیا) کہنے لگے کہ ہاں میں نے کہا کہ رہا تمہارا دوسرا قول کہ علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا اور قیدی و غنیمت حاصل نہ کی۔ تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم اپنی ماں ام

المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی مملوکہ لونڈی بناؤ گے؟ واللہ اگر تم کہو کہ وہ ہماری ماں نہیں ہے تو تم اسلام سے خارج ہوئے۔ اور واللہ اگر تم یہ کہو کہ ہم کو مملوکہ بنادیں گے یا ان سے بھی وہ بات حلال کریں گے جو دیگر عورتوں سے حلال ہوا کرتی ہے تو واللہ تم اسلام سے خارج ہو گئے تم دو گمراہیوں کے بیچ میں گھرے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازوجہ امھاتھم یعنی مومنوں کے حق میں پیغمبر ان کی جان سے زیادہ پیارا اور حقدار ہے اور اس کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں۔ پھر اب اگر تم کہو کہ ہماری ماں نہیں ہے تو تم اسلام سے خارج ہو۔ اب بتلاؤ کہ میں تمہارے اس اعتراض کے جواب سے بھی باہر ہوا کہ نہیں کہنے لگے کہ جی ہاں میں نے کہا کہ رہا یہ تمہارا یہ تیسرا قول کہ علی رضی اللہ عنہ نے امیرالمومنین کا لفظ اپنے نام سے مٹا دیا تو میں تمہارے پاس ایسے عادل گواہ لاتا ہوں جن کو تم مانتے ہو کہ جب حدیبیہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کے ساتھ صلح ٹھرائی تو مشرکوں کے سردار ابوسفیان' صخر بن حرب و سہیل بن عمرو وغیرہ کے ساتھ عہد نامہ لکھوایا اور علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لکھو ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ یعنی یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ اور الخ تو مشرکوں نے کہا کہ واللہ یہ ہم نہیں جانتے کا تم رسول اللہ ہو۔ اور اگر ہم بھی جانتے کہ تم رسول اللہ ہو تو ہم تم سے قتال نہ کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الٰہی تو جانتا ہے کہ میں رسول اللہ ہوں پھر فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ اس کو مٹا دو اور اس کو یوں لکھو کہ یہ وہ صلح نامہ ہے۔ جو محمد ابن عبداللہ اور اہل مکہ نے لکھا الخ اب تم دیکھو کہ واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رضی اللہ عنہ سے بہتر ہیں اور رسول اللہ کا لفظ اپنے نام سے محو کرادیا۔ حالانکہ اس سے وہ رسول اللہ ہونے سے خارج نہیں ہو گئے۔ ابن عباس• بیان کرتے تھے (اس مکالمہ کے نتیجہ میں) خوارج میں سے دو ہزار آدمی توبہ کرکے واپس آئے اور باقی اپنی گمراہی پر مقتول ہوئے۔

جندب الازدی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج پر چڑھائی کی اور ان کے لشکر گاہ کے قریب پہنچے تو ان کی تلاوت قرآن کی آوازیں اس کثرت سے آتی تھیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ دوسری روایت میں ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ نے ثالثی فیصلہ ٹھہرایا تو خوارج میں سے زرع

بن البرج الطائی اور حرقوص بن زہیر السعدی دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ لا حکم الا للہ۔ حضرت علی نے فرمایا کہ ہاں لا حکم الا للہ۔ تو حرقوص نے کہا کہ آپ اپنے گناہ سے توبہ کیجئے۔ اس ثالثی نامہ سے رجوع کیجئے اور ہم کو لیکر دشمنوں پر چلئے ہم ان سے قتال کریں گے یہاں تک کہ اپنے رب تعالی سے مل جاویں اور اگر آپ یہ لوگوں کا فیصلہ نہ چھوڑیں گے کہ کتاب الہٰی میں حکم لگادیں تو ہم خالص رضائے الہٰی کے واسطے آپ سے قتال کریں گے۔ پھر خوارج عبداللہ بن وہب الراسی کے گھر میں جمع ہوئے۔ اس نے اللہ تعالی کی حمد و ثناء کی پھر کہا کہ جو قوم اللہ تعالی پر ایمان رکھتی ہو اور حکم قرآن پر عامل ہو اس کو نہیں چاہیے کہ اس دنیا کے واسطے امر معروف اور نہی منکر اور حق بات کہنا چھوڑے۔ اب ہم تم سب چلو نکل کھڑے ہوں۔ پھر (بعد فیصلہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ اما بعد یہ دونوں آدمی جو باہمی رضامندی سے حکم بنائے گئے تھے انہوں نے کتاب الہٰی کے خلاف کیا اور خواہش نفس کی پیروی کی اور اب ہم اپنی اول حالت پر ہیں۔ خوارج نے جواب دیا کہ آپ کو اپنے رب عزوجل کے واسطے کچھ غیظ نہیں آیا بلکہ یہ اپنے نفس کے واسطے آپ کا غصہ ہے۔ اب اگر آپ اپنے نفس پر گواہی دیں کہ آپ کافر ہو گئے تھے اور نئے سرے سے توبہ کریں تو البتہ ہم اپنے اور آپ کے معاملہ میں غور کریں ورنہ ہم اعلان سے تم کو اطلاع دیتے ہیں کہ ہمارے تمہارے درمیان لڑائی و قتال ہے۔

ایک روز خوارج راستہ میں جاتے تھے تو عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے عبداللہ کو گرفتار کر لیا۔ اور کہا کہ تم نے اپنے باپ سے کوئی حدیث سنی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتا ہو وہ ہم سے بیان کرو۔ عبداللہ نے کہا کہ ہاں میں نے اپنے باپ سے سنا کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے فتنۂ عظیم کا ذکر کیا جس میں بیٹھ جانے والا کھڑے سے بہتر ہو گا اور کھڑا بہ نسبت چلنے والے کے بہتر ہو گا اور چلنے والا بہ نسبت دوڑنے والے کے بہتر ہو گا اگر تجھ کو یہ فتنہ پہنچے تو تجھ کو چاہیئے کہ مقبول بندہ ہو جائیو خوارج نے کہا کہ کیا تو نے یہ حدیث اپنے باپ سے سنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتا تھا عبداللہ نے کہا کہ ہاں۔ تو خوارج نے ان کو نہر

کے کنارے کھڑا کر کے گردن مار دی- چنانچہ ان کا خون نہر میں اس طرح رواں ہوا جیسے جوتی کا تسمہ ہوتا ہے- ان کی بیوی حاملہ تھیں ان کا پیٹ پھاڑ دیا گیا اور آگے بڑھ کر ایک ذمی کے باغ میں اترے اس کے درخت سے پھل گرا اس کو ایک نے اپنے منہ میں ڈال لیا تو دوسرے نے کہا کہ بے حلت اور بغیر داموں کے اس کو کھاتا ہے اس نے فوراً منہ سے نکال پھینکا (یعنی ان جاہلوں کی یہ کم بختی تھی کہ ایک پھل کا یہ لحاظ اور عبداللہ بن خباب کا خون بہانے میں اس قدر بے باکی) پھر ان میں سے ایک نے اپنی تلوار نکال کر ہلائی اور ذمی نصرانیوں کے سور وہاں جاتے تھے اس نے ایک سور پر تلوار آزمائی- تو دوسروں نے کہا کہ یہ ملک میں فساد کرنا ہوا- یعنی حرام ہے تو اس نے جا کر سوروں کے مالک کو تلاش کر کے اس کو جس طرح ہو سکا راضی کر لیا (نعوذ باللہ جہالتهم باللہ من حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس آدمی بھیجا کہ جس شخص نے عبداللہ بن خباب کو قتل کیا ہے اس کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کرو- خوارج نے جواب بھیجا کہ ہم سب نے اس کو قتل کیا ہے- حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے ان کو تین مرتبہ اسی طرح آواز دی- اور ہر بار خوارج نے یہی جواب دیا تب حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر سے فرمایا کہ اب تم اس قوم کی خبر لو- پس ذرا سی دیر میں سب خوارج مارے گئے- (یہ واقعہ نہروان ہے) خوارج لڑائی شروع ہونے کے وقت ایک دوسرے کو وعظ کرتے تھے کہ اپنے رب سے ملنے کے لیے آراستہ ہو اور چلو جنت کو چلو- پھر ان خوارج کے مقتول ہونے کے بعد ایک جماعت اور خارج ہوئی- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک سردار کو اس کے قتال کے واسطے روانہ کیا- پھر عبدالرحمان بن ملجم (خارجی) اور اس کے ساتھی جمع ہوئے اور اپنے بھائیوں پر جو نہروان میں مارے گئے تھے- رحمت بھیجی اور کہنے لگے کہ ہم کو اب دنیا میں زندگی کا کیا لطف ہے جب کہ ہمارے وہ بھائی مارے گئے جو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامتی کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے- اب ہم کو چاہیئے کہ خدا سے اپنی جانیں جنت کے بدلے خریدیں اور موقع تلاش کرتے رہیں، جب ان گمراہ سرداروں (حضرت علیؓ و معاویہؓ) کو غافل پاویں تو اپنے بھائیوں کے عوض ان کو قتل کر کے بندگان خدا کو راحت پہنچاویں-

محمد بن سعد نے اپنے مشائخ سے روایت کی کہ خوارج کے تین سرداروں نے دیہات میں رہنا اختیار کیا تھا۔ ان کا نام عبدالرحمن بن ملجم اور برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر التمیمی تھا۔ یہ لوگ مکہ میں (ایام حج میں) جمع ہوئے۔ اور باہم عہد و میثاق باندھا کہ جس طرح ہو سکے تین آدمیوں یعنی علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قتل کریں اور مخلوق کو ان سے راحت پہنچاویں۔ ان میں سے عمرو نے کہا کہ میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قتل کا ضامن ہوں۔ برک نے کہا کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا ضامن ہوں۔ اور ابن ملجم نے کہا کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا ضامن ہوں۔ پس سب نے عہد کیا کہ جس نے جس کے قتل کا ذمہ لیا ہے اس میں عہد شکنی نہ کرے گا۔ ابن ملجم کوفہ میں آیا اور جب وہ رات آئی جس میں ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کا عزم مصمم کر لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز کے واسطے مسجد کی طرف نکلے اور ابن ملجم مردود نے آپ کو تلوار ماری جو آپ کی پیشانی پر پڑی اور دماغ تک پہنچ گئی۔ آپ نے آواز دی کہ یہ شخص بچنے نہ پائے۔ پس وہ پکڑا گیا۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا (آپ کی صاحبزادی) نے فرمایا کہ اے دشمن خدا تو نے امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ اس مردود نے کہا کہ میں نے تو فقط تیرے باپ کو مارا ہے۔ ام کلثوم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کو اس زخم سے کچھ نقصان نہ ہو گا۔ ابن ملجم بولا کہ پھر تو کیوں روتی ہے۔ پھر بولا کہ واللہ میں نے اس تلوار کو ایک مہینہ تک زہر میں بجھایا ہے اگر اب بھی اس نے کام نہ کیا تو خدا اس کا برا کرے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو ابن ملجم قید خانہ سے نکالا گیا تاکہ قتل کیا جاوے۔ عبداللہ بن جعفر نے اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے تو اس نے کچھ جزع (آہ و فریاد) نہ کیا۔ اور نہ بولا۔ پھر گرم سیخ سے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری تو بھی جزع نہ کیا۔ اور اقراء باسم ربک الذی خلق پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ختم کر دی اور اس حالت میں اس کی آنکھوں سے مواد جاری تھا۔ پھر اس کی زبان کاٹنے کا قصد کیا گیا تو وہ گھبرانے لگا۔ اس سے پوچھا گیا تو کہا کہ مجھے یہ گوارا نہیں ہوتا کہ دنیا میں کچھ دیر بھی ایسی حالت میں رہوں کہ اللہ کا ذکر نہ کر سکوں۔ ابن ملجم ایک شخص گندم گوں تھا جس کے چہرہ پر سجدہ کا گہرا نشان تھا۔

مصنف نے کہا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلیں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر بھی ایک خارج جراح بن نسان نے خروج کیا۔ اور نیزہ مارا جو آپ کی ران مبارک کی جڑ میں لگا خارجی نے کہا کہ تم نے بھی اپنے باپ کی طرح شرک اختیار کیا۔ الغرض خوارج برابر امرائے اسلام پر خروج کرتے رہے اور ان کے مختلف مذاہب ہیں۔

نافع بن الازرق خارجی کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جب تک ہم لوگ شرک کے ملک میں رہیں تب تک مشرک ہیں۔ اور جب ملک شرک سے نکل جاویں تو مومن ہیں۔ اور کہتے تھے کہ جو کوئی ہمارے مذہب سے مخالف ہو وہ مشرک ہے اور جس کسی سے گناہ کبیرہ سرزد ہو وہ مشرک ہے۔ اور جو کوئی لڑائی میں ہمارے ساتھ نہ ہو وہ کافر ہے۔ اس فرقۂ خوارج نے مسلمان بچوں و عورتوں کا قتل بھی جائز رکھا اور ان کو مشرک قرار دیا۔ اس گروہ میں سے نجدہ بن عامر الثقفی تھا اس نے نافع بن الازرق سے صرف اس قدر اختلاف کیا کہ مسلمانوں کی جان و مال حرام ہیں اور دعویٰ کیا کہ اس کی موافقت کرنے والوں میں سے جو گنہگار ہو گا وہ جہنم کی آگ کے سوا دوسری آگ سے عذاب کیا جائے گا اور جہنم میں صرف وہی جائیں گے جو اس کے مذہب سے مخالف ہیں۔

ابراہیم الخارجی نے کہا کہ (دیگر مسلمان) قوم کفار ہیں۔ اور ہم کو اس کے ساتھ نکاح بیاہ کرنا اور میراث کا حصہ بانٹ کرنا جائز ہے جیسے ابتداء اسلام میں جائز تھا۔ بعض خوارج کا قول تھا کہ اگر کسی نے یتیم کے مال سے دو پیسے کھا لیے تو اس پر جہنم کی آگ واجب ہو گئی' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر (یتیم کا مال کھانے پر) آتش جہنم کی وعید فرمائی ہے (اور اگر یتیم کو قتل کرے یا اس کے ہاتھ کاٹے یا پیٹ پھاڑے تو اس پر جہنم واجب نہیں ہے) مصنف نے کہا کہ خارجیوں کے قصص طویل ہیں اور ان کے عجیب عجیب مذاہب ہیں۔ میں نے ان کے ذکر کو طول دینا فضول سمجھا۔ مقصود تو فقط اسی قدر ہے کہ ابلیس نے کس طرح اپنے حیلے و تلبیس ان احمقوں پر ڈالے جس کے باعث اتنی لڑائیاں لڑے اور یہ اعتقاد رکھا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غلطی پر ہیں' اور یہ احمق خوارج راہ صواب پر ہیں' انہوں نے بچوں کا خون بہانا تو حلال سمجھا اور ایک پھل بغیر داموں کے کھانا حلال

نہیں جاتا۔ اور راتوں کو عبادات میں اور بیداری میں تعب و تکلیف اٹھائی اور ابن ملجم مردود کو اس کی زبان کاٹے جانے کے وقت اس لیے گھبراہٹ ہوئی کہ ذکر کرنا جاتا رہے گا۔ اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل کرنا حلال سمجھا تھا۔ پھر انہوں نے مسلمانوں پر تلوار کھینچی۔ اگر ان خوارج نے اپنے علم و اعتقاد پر غرہ کیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھے ہیں تو کیا عجب ہے ان سے بڑھ کر ان کا پیشوا ذوالخویصرہ تھا۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ تم نے عدل نہیں کیا ہے۔ انصاف کرو۔ ابلیس کو کہاں یہ بے ادبیاں سوجھی تھیں اللہ تعالی بد بختی سے ہم کو پناہ دے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ تم میں ایک قوم ایسی نکلے گی کہ ان کی نماز کے مقابلہ میں تم اپنی نماز حقیر سمجھو گے اور ان کے روزہ کے مقابلہ میں اپنا روزہ حقیر سمجھو گے اور ان کے اعمال کے مقابلہ میں اپنے اعمال حقیر سمجھو گے۔ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے تو ان کے حلق سے نہیں اترے گا' اور وہ دین سے ایسے نکل جاویں گے جیسے نشانہ سے تیر نکل جاتا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں یہ حدیث موجود ہے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ خوارج جہنمیوں کے کتے ہیں۔

فصل۔ مصنف نے کہا کہ خوارج کی رائے (عقیدہ) یہ بھی ہے کہ امام ہونا ایک شخص میں مخصوص نہیں ہو سکتا۔ مگر جب کہ اس میں علم و زہد جمع ہو تب وہ البتہ امام ہو گا اگرچہ وہ عجم کے کسانوں میں سے ہو۔ انہیں خوارج کی رائے سے معتزلہ نے یہ قول نکالا کہ خوبی و برائی کا حکم لگانا عقل کے اختیار میں ہے۔ اور عدل وہ ہے جس کو عقل مقتضی ہو۔ پھر قدریہ فرقہ نکلا۔ اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ معبدالجہنی و غیلان دمشقی وجعد بن درہم نے قدریہ کا قول کہا (یعنی بندہ سب امور کا خود مختار ہے جیسا کرے ویسا ہو جاوے) معبد الجہنی کی بناوٹ پر واصل بن عطاء نے تانا تنا۔ اور عمرو بن عبید بھی ان میں مل گیا۔ اسی زمانہ میں مرجیہ فرقہ نکلا جن کا قول یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ ضرر نہیں کرتا۔ جیسے کفر کی حالت میں کوئی بندگی مفید نہیں ہوتی۔ پھر مامون عباسی کے زمانہ میں معتزلہ میں سے ابوالہذیل علاف و نظام و معمر اور جاحظ وغیرہ نے

فلاسفہ کی کتابیں مطالعہ کر کے اس میں سے مانند لفظ جوہر و عرض و زمان و مکان و کون وغیرہ نکال کر ان کو شرعی مسائل میں ملایا۔ پہلا مسئلہ جو ظاہر کیا گیا وہ قرآن مخلوق ہونے کا مسئلہ ہے۔ اور اسی وقت سے اس فن کا نام علم کلام رکھا گیا۔ ان مسائل کے ساتھ ساتھ مسائل صفات بھی نکالے گئے۔ جیسے علم و قدرت حیات و سننا اور دیکھنا۔ چنانچہ ایک گروہ نے کہا کہ یہ سب ذات کے اوپر زائد معانی ہیں۔ معتزلہ نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ وہ اپنی ذات سے عالم ہے اور اپنی ذات سے قادر ہے۔ ابوالحسن الاشعری پہلے جبائی معتزلی کے مذہب پر تھے۔ پھر اس سے جدا ہو کر ان لوگوں میں آ گئے جو صفات ثابت کرتے ہیں۔ پھر بعضے صفات ثابت کرنے والوں نے شئے ہونے کا اعتقاد نکالنا شروع کیا۔ اور انتقال و نزول کے مسئلہ میں مرکز فرض کر کے اس سے زائل ہونے کا اعتقاد نکالا۔

روافض پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ابلیس نے خوارج پر تلبیس کی تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا۔ اسی طرح ان کے برعکس ایک قوم کو تلبیس میں ڈالا جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں یہاں تک غلو کیا کہ حد سے بڑھا دیا۔ چنانچہ بعض روافض نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ اللہ ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ انبیاء سے افضل ہیں۔ بعض روافض کو شیطان نے ابھارا تو وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو برا کہنے لگے۔

بلکہ بعض نے ان دونوں کو کافر کہا۔ اور اسی قسم کے بے ہودہ مذاہب باطلہ ان روافض میں بہت ہیں کہاں تک ان کے بیان میں اوقات ضائع کروں۔ میری غرض تو یہ ہے کہ تلبیس ظاہر کرنے کے لیے مختصراً" ذکر کر دوں۔ اسحاق بن محمد نخعی احمر کہا کرتا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ ہی اللہ عزوجل ہے۔ مدائن میں ایک جماعت اسحاقیہ اسی گمراہ کی طرف منسوب ہے۔ خطیب نے کہا کہ مجھے ابو محمد حسن بن یحییٰ النوبختی کی ایک کتاب ہاتھ آئی جس نے غلاۃ روافض پر رد کیا تھا۔ اور یہ شخص نوبختی مصنف خود متکلمین شیعہ امامیہ میں سے ہے۔ پس اس نے غلو کرنے والے روافض کے مقالات نقل کرنے شروع کیے یہاں تک کہ اس نے لکھا کہ ہمارے زمانہ میں جس کو غلو کے جنون نے کھینچ لیا ہے وہ ایک شخص

اسحاق بن محمد احمر ہے۔ اس کا گمان یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ ہی اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ہر وقت میں ظہور کرتا ہے۔ چنانچہ ایک وقت میں حسن کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور دوسرے وقت حسین کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور اسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر کر کے بھیجا تھا۔

مصنف کہتا ہے کہ روافض میں سے ایک فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کافر تھے۔ بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتد ہو گئے تھے اور بعض روافض کا یہ قول کہ سوائے علی رضی اللہ عنہ کے سب سے تبرا اور بیزاری کرتے ہیں۔ ہم کو صحیح روایت پہنچی کہ شیعہ نے زید بن علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ آپ ان لوگوں سے تبرا کریں جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ کی امامت میں مخالفت کی۔ ورنہ ہم آپ کو رفض (ترک) کریں گے۔ آپ نے اس بات سے انکار کیا تو ان شیعوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اس لیے اس فرقہ کا نام رافضہ ہوا۔ روافض میں سے ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ امامت موسیٰ بن جعفر میں تھی۔ پھر آپ کے فرزند علی میں آئی۔ پھر ان کے بیٹے محمد بن علی میں پھر ان کے بیٹے علی بن محمد میں پھر حسن بن محمد العسکری میں پھر ان کے بیٹے محمد میں آئی۔ یہی بارھویں امام مہدی ہیں۔ جن کا انتظار تھا۔ اور کہتے ہیں کہ وہ مرے نہیں بلکہ غار میں چھپ رہے ہیں۔ اور آخر زمانہ میں آئیں گے تو زمین کو عدل سے بھریں گے۔ ابو منصور العجلی کہتا تھا کہ محمد بن علی الباقر کا انتظار ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہی خلیفہ ہیں۔ اور ان کو بالفعل آسمان پر لے گئے ہیں وہاں پر پروردگار نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور قرآن میں جو آسمان سے **کسفاساقطا** (گرا ہوا ٹکڑا) آیا ہے وہ یہی ہیں۔

روافض میں سے ایک فرقہ جناحیہ کہلاتا ہے جو عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ذی الجناحین کے مریدین تھے۔ ان کا یہ قول تھا کہ اللہ کی روح نے انبیاء کی پشت میں دورہ کیا۔ یہاں تک کہ عبداللہ مذکور کی نوبت پہنچی اور یہ شخص مرا نہیں۔ بلکہ اسی مہدی کا انتظار ہے۔

انہیں میں سے ایک فرقہ غرابیہ ہے۔ جو اس کے حق میں نبوت کی شرکت ظاہر کرتے ہیں ایک گروہ مفوضہ کہلاتا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ خدا نے محمد کو پیدا کر کے باقی عالم کا پیدا کرنا ان کے اختیار میں سپرد کیا۔ ایک گروہ کو ذمیہ (ذمامیہ) کہتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت

جبرئیل کی مذمت کرتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ان کو حکم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وحی پہنچا دیں انہوں نے محمد کو پنہچائی۔ ان میں سے بعضے کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ظلم کیا کہ ان کی میراث نہ دی۔

روایت ہے کہ سفاح عباسی نے ایک روز خطبہ شروع کیا۔ تو ایک شخص نے جو اپنے آپ کو آل علی میں سے کہلاتا تھا۔ عرض کیا کہ یا امیرالمومنین جس نے مجھ پر ظلم کیا وہ مظلمہ مجھے واپس کرادیجئے۔ سفاح نے کہا کہ کس نے تجھ پر ظلم کیا ہے اس نے کہا کہ میں اولاد علی رضی اللہ عنہ میں سے ہوں اور مجھ پر ظلم یہ کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ کو فدک نہیں دیا (خلاصہ یہ کہ فدک مجھے دلوادو) سفاح نے کہا کہ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد کون شخص ہوا اس نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ سفاح نے کہا وہ بھی برابر ظلم پر رہے؟ کہا کہ ہاں سفاح نے کہا کہ پھر کون شخص خلیفہ ہوا؟ کہا کہ عثمان سفاح نے کہا کہ وہ بھی بدستور ظلم پر رہے؟ کہا کہ ہاں سفاح نے کہا کہ پھر عثمان کے بعد کون شخص ہوا؟ راوی نے کہا کہ اب اس رافضی کو ہوش آیا تو اس نے جواب چھوڑ کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا کہ میں کس طرف سے بھاگوں۔ (سفاح نے کہا کہ اگر یہ پہلا خطبہ نہ ہوتا تو میں تیرا سر اڑا دیتا جس میں تیری دونوں آنکھیں ہیں)

ابن عقیل نے کہا کہ یہ بات ظاہر ہے کہ جس نے رافضی مذہب بنایا ہے اس کی اصلی غرض یہ تھی کہ دین اسلام میں اور اصل نبوت محمدی میں طعن کر کے مٹادے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اعتقاد حق لائے وہ ہماری نظر سے غائب چیز ہے (اور ہم نے آپ کی زبان سے کچھ سنا بھی نہیں ہے) بلکہ ہمارا بھروسہ فقط سلف صالحین یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین بالاحسان کے منقول پر اور دیکھنے والوں کی جودت نظر پر ہے۔ یعنی ان بزرگوں نے اپنی خوبی نظر سے ان کو بزرگ پیغمبر پایا تھا تو ان کی جودت نظر پر بھی ہمارا بھروسہ ہے۔ ان دونوں باتوں سے ہمارا یہ حال ہے کہ گویا ہم خود دیکھتے ہیں جب کہ ہمارے لیے ایسے اکابر نے دیکھ لیا تھا جن کی بزرگی دین و کمال عقل و جودت نظر پر ہمارا بھروسہ ہے۔ پس رافضی مذہب کے بانی نے بہکایا کہ جن پر تم یہ وثوق واعتماد کرتے ہو انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ ان کے خاندان پر خلافت کا ظلم کیا۔ اور ان کی بیٹی پر

میراث کا ظلم کیا- تو یہ بات جب ہو سکتی ہے کہ جس کے حین حیات میں اس کی نبوت کا اعتقاد تھا وہ ان کی نظر میں ٹھیک شخص نہ تھا اس لیے کہ جن کے حق میں سچا اعتقاد ہوتا ہے خصوصاً" انبیاء کے حق میں تو یہ واجب کرتا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے قوانین مقررہ کی حفاظت لازم سمجھی جاوے- خصوصاً" اس کے اہل و اعیال و اولاد کے حق میں اس کے قواعد کے موافق احترام ضروری ہوتا ہے- پس جب فرقۂ رافضہ نے کہا کہ انہوں نے نبی ﷺ کے پاس یہ باتیں حلال سمجھیں تو اس فرقہ نے گویا صاف صاف یہ بھکایا کہ جو شریعت تم کو پہنچی ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ نبی ﷺ سے ہم کو پہنچنے میں سوائے منقول طریقہ کے دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہم سے نقل کیا اور ہم نے ان کے بیان پر اعتماد کیا پھر جب رافضی کے اعتقاد پر یہ لوگ جس کو پیغمبر بیان کرتے ہیں' اس کی موت کے بعد ان کے فعل کا محصول یہ ٹھہرا تو ان کے منقول اعتقادات و شریعت پر اعتبار نہ رہا اور جن عقلاء کے اتباع پر اعتماد کر کے شریعت پر جزم کیا گیا تھا اس سے بد اعتقادی ہو جائے گی اور یقین جاتا رہے گا اور یہ دغدغہ ہو گا کہ جن کے اعتماد پر شریعت کا انحصار ہے شائد انہوں نے ایسی کوئی بات نہ دیکھی جس سے اتباع و ایمان فرض ہو' لیکن یہ مصلحت اس کی زندگی تک رعایت رکھی اور اس کے مرتے ہی اس کی شریعت سے منحرف ہو گئے اور ان بے شمار لوگوں میں سے کوئی تابع نہ رہا- سوائے دو چار کے جو اس شخص کے گھر والے تھے تو لا محالہ رافضی کے مکر کا یہی نتیجہ ہے کہ اعتقادات مٹ جاویں اور اصل ایمان کی روایات قبول کرنے سے سب کے جی سست ہو جاویں- اور معجزات کی روایات نہ مانیں- ابن عقیل نے فرمایا کہ اس مکار فرقہ کا فتنہ بھی اسلام میں سخت مصیبت ہے (مترجم کہتا ہے) ابن عقیل نے جس امر کا اشارہ کیا بہت قوی خیال ہے کہ فرقۂ رافضہ کا بانی اس طرح شیطان کے پنجہ میں احمق ہے کہ اگر اس نے دین اسلام مٹانے کا قصد نہ کیا تو حماقت سے اس نے یہ کام کیا- کیونکہ اعتقاد حق بدون قطعی روایت کے ثبوت نہیں ہو سکتا ہے- اور جب معدودے چند اہل بیت میں سے بیان کرتے ہیں تو ان کے بیان سے کچھ ثبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ افراد ہیں- اور خود پیغمبر کو اللہ تعالیٰ معجزات سے قوت دیتا ہے- اور رافضی تو ان کے معارضہ میں باقیوں کے منحرف

ہو جانے کا مدعی ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ قرآن بھی امام مہدی کے ساتھ غائب ہو جانے کا دعوی کرتا ہے' تو بالکل دین سے بے نصیب رہ گیا۔ رہا یہ دعوی کہ اہل بیت میں سے جو اسلام پر رہے یہ سب معصوم تھے اس بیہودہ دعوی سے اس نے یہود و نصاری وغیرہ اہل شرک پر کیا ثبوت کیا۔ کیونکہ اگر وہ لوگ دعوی مان لیں تو پہلا دعوی نبوت ہی مان لیں۔ پس اس فرقہ سے زیادہ احمق و دشمن اسلام ظاہر نہیں ہوا۔ نعوذ باللہ من شرھا۔

مصنف نے کہا کہ فرقہ رافضہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوستی کا دعوی کا ذبہ یہاں تک بڑھایا کہ آپ کے فضائل میں اپنی طرف سے بہت سی روائتیں گھڑ لیں۔ جن میں ان کی نادانی سے بکثرت ایسی ہیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذمت و ایذا نکلتی ہے میں نے کتاب الموضوعات میں اس قسم کی موضوعات بہت سی لکھ دی ہیں۔ منجملہ ان کی موضوعات کے یہ ہے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر جاتی رہی پھر ان کے لیے دوبارہ پھیر دیا گیا اور یہ من حیث النقل ایسی حالت میں ہے کہ کسی ثقہ راوی نے اس کو نہیں روایت کیا اور من حیث المعنی بھی باطل ہے اس لیے جب پہلے آفتاب ڈوب گیا تو وقت عصر جاتا رہا پھر اگر وہ دوبارہ طلوع کر دیا گیا تو یہ جدید وقت پیدا کیا گیا۔ ازانجملہ یہ کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود غسل کیا۔ پھر انتقال کا وقت آیا تو وصیت کی کہ میرے لیے اسی غسل پر اکتفاء کیا جائے اور دوبارہ غسل میت نہ دیا جائے۔ یہ موضوع من حیث النقل تو جھوٹ ظاہر ہے۔ اور من حیث المعنی اس فرقہ کی حماقت ہے کیونکہ موت حادث ہونے سے غسل لازم آتا ہے تو بھلا موت سے پہلے غسل سے کیا فائدہ ہو گا۔ پھر اس کے علاوہ ان کے خرافات بہت کثرت سے ہیں جن کے لیے کچھ سند نہیں ہے۔

فقہ میں بھی ان کے مذاہب بدعتیہ عجیب ہیں۔ جو اجماع کے خلاف ہیں۔ چنانچہ ابن عقیل کے خط میں نقل کیے جاتے ہیں۔ ابن عقیل نے کہا کہ میں نے مرتضی کی کتاب سے ان کو نقل کیا۔ جس نے متفردات امامیہ کے بیان میں لکھا ہے۔ ازانجملہ یہ کہ جو چیز زمین و نباتات نہ ہو اس پر سجدہ جائز نہیں ہے۔ اونٹ و بھیڑی وغیرہ کے بال و کھال پر بھی سجدہ

روا نہیں ہے ڈھیلے سے استنجاء فقط پائخانہ میں جائز ہے پیشاب میں جائز نہیں ہے سر کا مسح جائز نہیں ہے- مگر اسی تری سے جو ہاتھ میں لگی رہ گئی ہے اور اگر جدید پانی لے کر ہاتھ تر کیا تو اس سے سر کا مسح جائز نہیں ہے- حتیٰ کہ اگر تری باقی نہ رہی ہو تو دوبارہ وضو شروع کرے اور کہا کہ اگر کسی مرد نے ایک عورت سے جس کا خاوند موجود ہے زنا کیا تو یہ عورت زانی پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی- اگر اس کا خاوند اس کو طلاق دیدے تو بھی زانی اس سے نکاح نہیں کر سکتا ہے اس فرقہ نے کتابیات کو حرام ٹھہرایا - اور کہا کہ اگر طلاق کسی شرط پر رکھی اور وہ شرط پائی گئی تو طلاق نہیں پڑے گی اور کہا کہ جب تک دو گواہ عادل موجود نہ ہوں تب تک طلاق نہیں پڑتی اور کہا کہ جو شخص آدھی رات تک بغیر عشاء پڑھے سوتا رہا تو اس پر قضاء واجب ہو گی - جاگے تو اس قصور کے واسطے صبح کو روزہ سے اٹھے تاکہ کفارہ ہو- عورت نے اگر اپنے بال کاٹے تو اس پر خطا کا کفارہ لازم ہے اور اگر کسی نے اپنی بیٹی یا زوجہ یا شوہر کے مرگ میں کپڑے پھاڑے تو اس پر قسم کا کفارہ ہے- جس نے کسی عورت سے نکاح کر لیا حالانکہ اس کا شوہر موجود تھا مگر وہ نہ جانتا تھا تو اس پر پانچ درہم کفارہ لازم ہو گا- شراب خوار اگر دو مرتبہ حد مارا گیا تو تیسری مرتبہ قتل کر دیا جائے اور ہو کوئی فقاع پیئے تو اس پر شراب کی طرح حد ماری جائے- چور کا ہاتھ انگلیوں کی جڑوں سے کاٹا جائے- اور ہتھیلی باقی رکھی جائے اور اگر دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے- اور اگر تیسری بار پھر چوری کرے تو ہمیشہ کے لیے قید خانہ میں ڈال دیا جائے حتیٰ کہ مر جائے- روافض نے بام مچھلی کو اور اہل کتاب کے ذبائح کو حرام رکھا اور ذبح کرنے میں انہوں نے یہ شرط رکھی کہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور بہت سے قیود لگائے جن کے ذکر میں بے فائدہ طول ہے- اور سب مخالف اجماع ہیں- شیطان نے ان کو تلبیس میں لیا کہ بغیر سند کے اور بدون اثر و قیاس کے انہوں نے یہ احکام بنائے ہیں- روافض کی قبیح باتیں شمار سے باہر ہیں- (مصنف نے تو انہی مسائل پر تعجب کیا اور مابعد کے روافض کے مسائل اگر کوئی سنے تو ان کی ضلالت میں شک کرے ' بلکہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے) مصنف نے لکھا کہ روافض نماز سے محروم ہوئے - کیونکہ وہ وضو میں پاؤں نہیں دھوتے اور جماعت سے محروم ہوئے کیونکہ امام معصوم ڈھونڈتے رہتے ہیں (جس کا ملنا

محال ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنے کے وبال میں مبتلا ہوئے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے اصحاب کو برا نہ کہنا کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص کوہ احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے تو ان کے ایک مد بلکہ نصف کے برابر نہ پہنچے گا۔ عبدالرحمن بن سالم سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے برگزیدہ کیا اور میرے واسطے میرے اصحاب برگزیدہ فرمائے وہ میرے لیے وزیر وانصار واصہار بنائے تو جو کوئی ان کو برا کہے اس پر اللہ تعالیٰ و ملائکہ وسب لوگوں کی لعنت ہے۔ ایسے (بدگو) سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز صرف و عدل کچھ قبول نہ کرے گا۔ مصنف نے کہا کہ صرف سے مراد نفل اور عدل سے مراد فریضہ ہے۔

سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا گزر ایک جماعت کی طرف (کوفہ میں) ہوا۔ جو ابوبکرؓ و عمرؓ کا ذکر کرتے اور ان کی شان میں کچھ نقص ظاہر کرتے تھے۔ پس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا اور میں نے بیان کیا کہ یا امیرالمومنین آپ کے چند لشکریوں کی طرف میرا گزر ہوا تو وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے حق میں ایسی باتیں بیان کر رہے تھے جو ان دونوں بزرگوں کی شان کے لائق نہیں ہیں اور شائد ان کو یہ جرات اس گمان پر ہے کہ آپ کے دل میں بھی ان بزرگوں کی طرف سے یہی خیال ہے ورنہ علانیہ اس طرح کیونکر بیان کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اعوذ باللہ اعوذ باللہ میں خدا کی پناہ لیتا ہوں اللہ کی پناہ اس امر سے کہ میں ان کی طرف سے دل میں کوئی برائی مضمر کروں۔ بلکہ میں تو ان کی طرف سے دل میں وہی محبت رکھتا ہوں جو نبی ﷺ کی طرف سے ہے اور جو کوئی ان کی طرف سے سوائے بہتر و خوبی کے کوئی بات دل میں مضمر کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ وہ دونوں تو رسول اللہ ﷺ کے صحابی، برادر اور وزیر تھے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ پھر اسی طرح آبدیدہ روتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور چل کر مسجد میں داخل ہو کر منبر پر چڑھے اور اچھی طرح تمکن سے اس پر بیٹھ گئے اس وقت اپنی سفید داڑھی ہاتھ میں لیے ہوئے (داڑھی) کی طرف نگاہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ آکر آپ کے گرد جمع ہوئے۔ پھر کھڑے ہو کر مختصر موجز بلیغ خطبہ سے اللہ و رسول ﷺ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ بعض اقوام کی یہ کیا حرکت ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو جو قریش (مہاجرین) کے سردار اور

مسلمانوں کے باپ ہیں ایسے نقص سے ذکر کرتے ہیں کہ میں اس سے بری و بیزار ہوں۔ اور ان لوگوں کو ایسی گفتگو پر سزادوں گا۔ خبردار ہو جاو۔ قسم اس پاک عزوجل کی جس نے دانہ اگایا اور انسان پیدا کیا ہے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ سے وہی محبت کرے گا جو مومن متقی ہے اور ان دونوں سے وہی بغض رکھے گا جو فاجر ردی ہے ان دونوں نے کامل صدق و وفا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا حق صحبت ادا کیا پھر کبھی رسول اللہ ﷺ کی رائے و حکم سے تجاوز نہ کیا درانحالیکہ امربالمعروف کرتے رہے اور منکر سے منع کرتے اور غصے بھی ہوتے اور سزا بھی دیتے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی رائے سے تجاوز نہ کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کی رائے کے مثل کسی کی رائے نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان دونوں سے جیسی محبت کرتے ویسی کسی سے نہیں رکھتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس حالت میں سفر آخرت اختیار فرمایا کہ ان دونوں سے بہت راضی تھے۔ پھر ان دونوں نے سفر آخرت اختیار کیا اس حالت میں کہ سب مومنین ان سے بہت راضی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے (یعنی مرض وفات میں) تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مومنوں کو نماز پڑھائیں پس آنحضرت ﷺ کی زندگی میں نو دن تک ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مومنوں کو نماز پڑھائی۔ پھر جب اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر ﷺ کو اٹھا لیا اور اپنے یہاں کی نعمت آپ کے لیے پسند فرمائی تو مومنوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا متولی و خلیفۂ رسول اللہ ﷺ بنایا اور (مثل رسول اللہ کے) ابو بکر رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ سپرد کی اور خوشی کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت کی جس میں کسی قسم کی زبردستی نہ تھی اور میں بنی عبدالمطلب میں سے پہلا شخص ہوں جس نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کا طریقہ شروع کیا باوجودیکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خود اس خلافت کی خوشی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی شخص اس کام کی کفایت کرے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شان یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد جو لوگ باقی رہے تھے واللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان سب سے بہتر تھے۔ رحمت کی صفت میں سب سے بڑھ کر رحیم تھے اور رافت میں سب سے افضل تھے اور تقوی و دیانت میں سب سے بڑھ کر پرہیز گار تھے۔ اور بعد رسول اللہ ﷺ کے سن میں بھی باقیوں سے بڑے تھے۔ اور ایمان لانے میں بھی سب سے مقدم تھے اور رافت و رحمت میں ابو بکر رضی اللہ عنہ ایسی فضیلت رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان

کو میکائیل سے مشابہ کیا اور عفوو وقار میں ایسے بہتر تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو ابراہیم خلیل اللہ سے مشابہ کیا۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے قدم بقدم چلتے رہے یہاں تک کہ اسی طریقہ پر منزل مقصود کو چلے گئے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ پھر ان کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متولی و خلیفہ ہوئے اور میں ان لوگوں میں تھا جو ان کے خلیفہ ہونے پر (ابتداء سے) راضی ہوئے تھے۔ پس عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کو حضرت رسول اللہ ﷺ اور ان کے یار غار کے طریقہ پر بہت ٹھیک قائم رکھا کہ ہر معاملہ میں انہیں دونوں سابقین کے نشان قدم پر چلتے رہے۔ جیسے اونٹنی کے پیچھے اس کا بچہ قدم بقدم چلتا ہے۔ بے شک واللہ عمر رضی اللہ عنہ کی یہ شان تھی کہ مومنین وضعفاء پر نرمی و رحمت رکھنے والے اور مظلوموں کے مدد گار تھے اور ظالموں پر سخت و شدید تھے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حق ان کی زبان پر رواں کیا تھا صدق ان کی ہر شان سے ظاہر فرمایا تھا۔ یہاں تک کہ واللہ ہم لوگ گمان رکھتے تھے کہ کوئی خدائی فرشتہ عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے بولتا ہے۔ جب وہ اسلام لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اسلام کو عزت دیدی اور ان کی ہجرت مدینہ سے دین کا قوام ایسا مضبوط ہوا کہ مدینہ کے منافقوں کے دلوں میں ان کی طرف سے خوف سما گیا اور مومنوں کے دلوں میں ان کی محبت بھر گئی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو جبرائیل سے تشبیہ دی کہ دشمنان خدا اور رسول پر بہت سخت و شدید تھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں اصحاب پر رحمت فرمائے اور ہم کو ان ہی کے طریقہ پر اپنی منزل مقصود کو پہنچ جانا نصیب کرے۔ اب ان دونوں کی مثل تمہارے واسطے کون ہے آگاہ رہو کہ جو کوئی مجھ سے محبت کرتا ہو وہ ضرور ان دونوں سے محبت کرے اور جو کوئی ان دونوں سے محبت نہ کرے تو واللہ اس نے مجھ سے بغض و دشمنی کی اور میں بھی اس سے بیزار ہوں۔ اگر میں نے پہلے سے یہ بات تم سے کہہ دی ہوتی تو اس وقت جب میں نے بعض لوگوں کی بد گوئی سنی تھی تو بد گو کو سخت سزا دیتا۔ اب خبردار رہو کہ اگر آئندہ میں نے کسی بد گو کا حال سنا اور وہ ثابت ہو گیا تو اس پر وہ سزائے شدید قائم کروں گا جو مفتری کی حد ہے (یعنی پاک و پاکیزہ مرد و عورت کو بہتان لگانے والے کی سزا اسی کوڑے) آگاہ رہو کہ اس امت میں بعد نبی ﷺ کے سب

سے بہتر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ پھر ان کے بعد اللہ تعالیٰ جانے کہ بہتری کہاں ہے۔
اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم۔
ابو سلیمان ہمدانی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو ہمارے شیعہ دوست دار ہونا ظاہر کریں گے بدگوئی کریں گے وہ رافضہ کہلائیں گے وہ لوگ ہرگز ہمارے شیعہ نہیں ہیں۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو برا کہیں گے ان کو تم جہاں کہیں پاؤ قتل کرنا کیونکہ وہ لوگ مشرک ہیں۔

باطنیہ فرقہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ باطنیہ ایک فرقہ ہے جس نے اسلام کے پردے میں اپنے آپ کو چھپایا۔ اور رفض کی طرف جھکے' ان کے عقائد و اعمال سب اسلام سے بالکل مخالف ہیں چنانچہ ان کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ صانع بے کار ہے' نبوت باطل ہے' عبادات بے فائدہ ہیں۔ اور بعث و حشر دھوکا ہے لیکن وہ لوگ ابتداء میں یہ باتیں کسی سے ظاہر نہیں کرتے بلکہ ظاہر یہ کہتے ہیں کہ اللہ حق ہے۔ اور محمد رسول ہیں۔ اور دین صحیح ہے۔ لیکن باطن میں خفیہ ان سب سے منکر ہیں۔ ابلیس نے ان کو اپنا مسخرہ بنایا ہے اور پورا مسخرہ کر لیا اور عجب طرح کے واہی مذاہب ان پر رچائے ہیں ان کے آٹھ نام ہیں۔
اول باطنیہ۔ یہ نام اس لیے پڑا کہ وہ لوگ کہتے ہیں قرآن و حدیث کے باطنی معنی بھی ہیں۔ اور وہ مغز ہیں اور ظاہری معنی چھلکا ہیں۔ اور قرآن نے اپنی ظاہری صورت سے جاہلوں کو ان مسائل میں پھانسا ہے۔ اور وہ عاقلوں کے نزدیک رموز و اشارات بحقائق خفیہ ہیں اور جس شخص کی عقل ان حقائق تک نہ پہنچے تو وہ ظاہری تکلیفات شرع کے تحت میں گرفتار رہے گا۔ اور جو کوئی علم باطن تک پہنچ گیا اس سے تکلیفات شرعی ساقط ہو جاتی ہیں اور کہتے ہیں کہ قولہ تعالیٰ ویضع عنھم اصرھم الایہ (الاعراف پ ۹ آیت ۱۵۷) میں یہی لوگ مراد ہیں۔ اس گمراہ فرقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس ذریعہ سے جب ظاہری احکام کا موجب نہ رہا تو شریعت کو مٹانے پر قابو حاصل ہو گا۔

دوم اسماعیلیہ۔ یہ نام اس لیے پڑا کہ ان کا یہ زعم ہے کہ محمد بن اسماعیل بن جعفر کی طرف منسوب ہیں (صحیح نام اسمٰعیل بن جعفر بن محمد الباقر ہے) اور یہ لوگ مدعی ہیں کہ امامت کا دورہ اسی بزرگ پر منتہی ہوا ہے۔ کیونکہ یہ شخص ساتواں ہے اور ساتویں پر خاتمہ ہوتا ہے۔ اس لیے آسمان سات ہیں اور زمین سات اور ہفتہ کے سات دن ہیں تو امامت کا دورہ بھی ساتویں پر تمام ہوا۔ اسی طرح منصور عباسی سے اسی معاملہ کا تعلق ہوا۔ چنانچہ عباس پھر ان کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ، پھر علی بن عبداللہ پھر محمد بن علی پھر ابراہیم بن محمد پھر سفاح پھر منصور۔ یعنی منصور ساتواں پڑتا ہے۔ ابو جعفر طبری نے تاریخ میں ذکر کیا کہ علی بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ راوندیہ میں سے ایک شخص ان کے پاس آیا اور زعم کیا کہ تو ہی وہ روح ہے جو عیسیٰ سے متعلق ہوئی تھی اور اس شخص کو ابلق کہا کرتے تھے۔ کیونکہ جابجا اس پر برص کے داغ تھے پھر یہ شخص گیا اور راوندیہ کو اس گمراہی کی طرف بلایا۔ اور بیان کیا کہ جو روح عیسیٰ بن مریم میں تھی وہ علی بن ابی طالب میں آئی۔ پھر یکے بعد دیگرے اماموں میں آتی رہی یہاں تک کہ ابراہیم بن محمد میں پہنچی۔ اس فرقہ نے محرمہ عورتوں وغیرہ کو حلال کر لیا حتیٰ کہ ان میں سے بعض شخص ایک جماعت کو دعوت کے لیے اپنے یہاں بلاتا۔ اور ان کو کھانا کھلا کر شراب پلا کر اپنی عورتوں کے پاس پہنچا دیتا۔ یہ خبر اسد بن عبداللہ کو پہنچی تو اس نے ان لوگوں کو قتل کر کے سولی دیدی۔ لیکن اب تک ان میں جو لوگ باقی ہیں ان کا یہ ہی طریقہ ہے۔ اور ابو جعفر (منصور) کی بندگی کرتے ہیں۔ انہوں نے خضراء پر چڑھ کر وہاں سے ہاتھ پھڑپھڑائے، جیسے چڑیاں (اڑنے کے لیے) بازو پھڑکاتی ہیں۔ گویا یہ لوگ اڑتے تھے اور اپنے آپ کو نیچے گرایا اور ہنوز زمین تک نہ پہنچے تھے کہ مر گئے۔ ان کی جماعت ہتھیار بند ہو کر لوگوں پر نکلی اور چلانے لگی کہ اے ابو جعفر تم ہو تم ہو۔

تیسرا نام سبعیہ ہے۔ یہ لقب دو وجہ سے دیا گیا (ایک) یہ کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ امامت کا دورہ سات سات ہے۔ جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کیا اور ساتویں پر انتہاء ہوتی ہے اور یہ آخری دورہ ہے اور قیامت سے یہی مراد ہے اور دورے اسی طرح بے انتہا چلے جائیں گے اور قیامتیں ہر سات کے ختم پر ہوتی رہیں گی۔ کہیں خاتمہ نہ ہوگا۔

وجہ دوم یہ کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ عالم اراضی کی تدبیر سات ستاروں کے حوالے ہے یعنی زحل و مشتری و مریخ و آفتاب و زہرہ و عطارد و قمر' اور یہ اسی ترتیب سے ہیں۔

چوتھا نام بابکیہ' یہ ان میں سے ایک گروہ کا لقب ہے یہ لوگ بابک خرمی مجوسی کے تابع تھے وہ باطنیہ میں سے تھا۔ اس کی اصلیت یہ تھی کہ وہ ولد الزنا تھا اور آذربائیجان کے نواح میں ایک پہاڑ میں ۲۰۱ھ میں ظاہر ہوا۔ بکثرت خلقت اس کے تابع ہوگئی اور اس کا زور کثرت سے بڑھ گیا اور اس نے ممنوعات کو حلال کرلیا جب اس کو خبر ملتی کہ فلاں کے پاس خوبصورت دختر ہے' یا بہن ہے تو اس سے طلب کرتا۔ اگر اس نے بھیج دی تو خیر۔ ورنہ اس کو گرفتار کرکے مار ڈالتا۔ اور عورت کو لے لیتا۔ اسی حرامزدگی پر بیس برس تک ان پہاڑی قلعوں پر قابض رہا۔ اس نے دو لاکھ پچپن ہزار پانچ سو آدمی قتل کیے۔ سلطان نے اس سے لڑائی کی- لیکن اس (بابک) نے بہت سے لشکروں کو بھگادیا۔ آخر معتصم نے افشین سردار کو اس کے ساتھ جنگ کرنے پر مامور کیا۔ افشین نے بابک کو گرفتار کرکے مع اس کے بھائی کے ۲۲۳ھ میں بغداد روانہ کیا۔ اس وقت اس کے بھائی نے کہا کہ اے بابک تو نے وہ کام کیا جو کسی نے نہیں کیا۔ اب تجھے ایسا ہی صبر بھی کرنا چاہئے جو کسی نے نہ کیا ہو۔ بابک نے کہا کہ اچھا تو میرا صبر دیکھے گا۔ معتصم نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کا حکم دیا تو اس نے خون سے اپنا منہ رنگ لیا۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ ایسا نہ ہو میرے چہرے پر زردی نظر آوے تو یہ کہا جاوے کہ بابک موت سے ڈر گیا۔ اس کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ گردن ماری گئی اور آگ میں جلا دیا گیا۔ اس کے بھائی کا بھی یہی انجام ہوا اور باوجود اس سختی کے ان میں سے کسی کے منہ سے چیخ کی آواز نہیں نکلی۔ مصنف نے کہا کہ بابکیہ میں سے ایک جماعت باقی رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ سال میں ان کی ایک رات خوشی کی مقرر ہے۔ اس میں عورتیں اور مرد سب ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں آخر چراغوں کو گل کردیتے ہیں۔ اور ہر ایک مرد دوڑ کر ایک عورت کو گرفتار کرکے اس کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے تاویل یہ کرتا ہے حلال ہونا بطور شکار کے ہے کیونکہ شکار مباح ہے۔

پانچواں نام محمرہ ہے اس لئے کہ انھوں نے بابک کے زمانہ میں اپنے کپڑے سرخ

رنگے تھے۔ چھٹا نام قرامطہ ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ مورخین کے نزدیک دو ہیں ایک یہ کہ خراسان کا ایک شخص سواد کوفہ میں گیا وہاں عابد زاہد بن گیا اور لوگوں کو اہل بیت کے امام کی طرف بلایا اور ایک شخص مسمی کرمتیہ کے یہاں اترا تھا جس کی آنکھ کی سرخی کی وجہ سے کرمتیہ کہتے تھے۔ اس لیے کہ دیہات کی زبان میں اس کے یہی معنی ہیں۔ پھر اس نواح کے سردار نے اس کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالا۔ اور قفل کی کنجی اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لی۔ سردار کی لونڈی نے ترس کھا کر کنجی نکال کر قید خانہ کھول کر اس کو بھگا دیا اور دروازہ بند کر کے کنجی بدستور اپنی جگہ رکھ دی۔ صبح کو جب یہ امر مشہور ہوا تو لوگ زیادہ معتقد ہو کر فتنہ میں پڑے۔ شخص مذکور شام میں پہنچا اور وہاں اپنے میزبان کرمتیہ کے نام سے منسوب ہوا۔ (تاکہ سواد کوفہ والے اس نام سے وہاں پہنچ جائیں) رفتہ رفتہ مخفف ہو کر کرمتیہ اور معرب ہو کر قرمطہ ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی اولاد و اقارب وہاں باقی رہے۔ قول دوم یہ کہ یہ نسبت ایک شخص کی طرف ہے جس کو حمدان قرمط کہتے تھے۔ وہ ابتدا میں باطنیہ کا ایک داعی تھا۔ اس کا کہنا ایک جماعت نے مان لیا تو وہ قرمطی کہلائے۔ یہ شخص پہلے تو زہد و فقر کی طرف مائل تھا ولیکن جاہل تھا' کوفہ کا رہنے والا تھا۔ اتفاقاً" وہاں سے ایک گاؤں جاتا تھا۔ اور گاؤں کا قصد رکھتا تھا۔ تو حمان نے اس باطنی سے جو باطنیہ فرقہ کی طرف لوگوں کو دعوت کیا کرتا تھا پوچھا کہ آپ کہاں جائیں گے۔ اور اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ باطنیہ کا داعی ہے۔ داعی نے اس گاؤں کا نام لیا جس میں حمدان جاتا تھا۔ حمدان نے کہا کہ آپ ان گایوں میں سے کسی گائے پر سوار ہو لیں تاکہ تھک نہ جائیں داعی نے کہا کہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے حمدان نے کہا کہ آپ کوئی کام بغیر حکم کے نہیں کرتے۔ پھر آپ کس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ داعی نے کہا کہ میں اپنے مالک اور تیرے مالک اور دنیا و آخرت کے مالک کے حکم پر عمل کرتا ہوں۔ حمدان نے کہا کہ پھر یہ تو اللہ رب العالمین ہے باطنی کذاب منافق نے کہا کہ ہاں تو نے سچ کہا۔ حمدان نے پوچھا کہ جس گاؤں میں آپ جاتے ہیں وہاں آپ کا کیا مقصد ہے؟ داعی نے کہا کہ وہاں کے لوگوں کو جہالت سے علم کی جانب اور گمراہی سے ہدایت کی جانب اور شقاوت سے سعادت کی جانب لاؤں۔ اور ان کو ذلت و فقیری کے گرداب سے نکالوں اور ان کو اس قدر دے دوں

جس کی وجہ سے وہ گداگری سے تونگر ہو جائیں۔ حمدان نے کہا کہ خدا آپ کا بھلا کرے مجھے بھی اس گرداب جہالت وضلالت سے نکال لیجئے۔ اور ایسے علم کا فیضان مجھ پر فرمایئے جس سے میں زندہ جاوید ہو جاوں۔ کیونکہ جو کچھ آپ نے ذکر کیا مجھے اس کی اشد ضرورت ہے داعی مکار نے کہا کہ مجھے یہ حکم نہیں ہے کہ حقیقت کا بھید ہر شخص سے ظاہر کروں جب تک اس پر بھروسہ نہ کرلوں' اور اس سے عہد نہ لے لوں۔ حمدان نے کہا کہ آپ اپنا عہد ذکر کیجئے میں دل و جان سے اس کو لازم کرلوں گا۔ داعی نے کہا کہ تو میرے لیے اور امام وقت کے لیے اپنی جان پر اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق رکھ کہ تو امام کا بھید جو میں تجھ سے ظاہر کروں وہ کسی سے بیان نہ کر اور میرا بھید بھی کسی سے مت کر۔ حمدان نے اسی طرح عہد و میثاق دیا۔ پھر داعی نے اس کو ضلالت کے فنون سے تعلیم دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس کو راہ سے گمراہ کر لیا پھر یہ شخص حمدان خود اس گمراہی کا ایک جاہل پیشوا بن گیا اور اس بدعت کا سرغنہ ہو گیا اس کے تابعین اسی کے نام سے قرمطیہ یا قرامطہ کہلانے لگے اور اس کے بعد برابر اس کی اولاد و نسل سے قائم مقام ہوتے رہے۔ ان میں سے سخت جنگی مکار ایک شخص ابو سعید قرمطی تھا جو ۲۸۶ھ میں ظاہر ہوا۔ اس نے بڑا غلبہ حاصل کیا۔ بیشمار آدمی قتل کیے۔ بہت سی مسجدیں منہدم کیں صدہا قرآن مجید جلا دیے۔ حاجیوں کے بہت سے قافلے لوٹ لیے اپنے لوگوں کے لیے نئے نئے طریقے نکالے اور بہت سی محال باتوں کو ان کے ذہن نشین کیا۔ جب لڑائی لڑتا تو کہتا کہ مجھے اسی دم فتح و ظفر کا وعدہ دیا گیا ہے۔ جب وہ مرا تو لوگوں نے اس کی قبر پر قبہ بنایا اور اس پر گچ کی ایک چڑیا بنائی اور لوگوں کو بہکایا کہ جب یہ چڑیا اڑے گی تو اس زمانہ میں ابو سعید اپنی قبر سے نکلے گا۔ ان گمراہوں نے اس کی قبر کے پاس گھوڑا و جوڑا و ہتھیار رکھے تھے۔ ابلیس نے اس گمراہ فرقے کے خیال میں یہ بات جمائی کہ جو مرا اور اس کی قبر کے پاس گھوڑا بندھا تو وہ جب اٹھے گا تو سوار ہو گا۔ اور اگر گھوڑا نہ باندھا گیا تو پیادہ ٹھوکریں کھائے گا۔ ابو سعید مذکور کے تابعین گمراہ جب اس کا نام آتا تو درود پڑھتے اور رسول اللہ ﷺ کے ذکر مبارک پر درود نہ پڑھتے اور کہتے کہ ہم رزق ابو سعید کا کھائیں تو کیوں ابو القاسم ﷺ پر درود پڑھیں اس کے بعد اس کا بیٹا ابو طاہر قائم مقام ہوا۔ اور اسی کے مانند بدکاریاں کرنے

لگا- یہاں تک کہ اچانک اس نے کعبہ پر ہجوم کیا اور وہاں جو کچھ چڑھاوا تھا' سب لوٹ لیا حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے شہر میں لے گیا اور لوگوں کے ذہن میں جمایا کہ وہ خود اللہ ہے-

ساتواں نام خرمیہ ہے- خرم عجمی لفظ ہے' جس کے معنی لذیذ عیش کی چیز جس کے واسطے آدمی کا نفس راغب ہوتا ہے- اس نام سے قصد یہ تھا کہ لوگ ہر قسم کی لذت و شہوت حاصل کریں' جس طرح ان کو حاصل ہو سکے اور شرع میں جس پرہیز گاری و پاکیزگی کے لیے انسان مہذب کیا گیا ہے یہ سب ترک کر دیا اور بندوں سے شرعی خلعت اتار ڈالے اصل میں یہ لفظ مجوسی مزدکیہ فرقہ کا تھا- جنہوں نے مجوس کے ہر قسم کے فواحش مباح کر دیے تھے یہ لوگ قباد بادشاہ کے زمانہ میں نکلے تھے- دنیا کی سب عورتیں ہر شخص کے لیے مباح کر دی تھیں اور ہر ممنوع چیز حلال کر دی تھی- تو انہیں کی مشابہت سے اس فرقہ باطنیہ کا نام رکھا گیا کیونکہ اگرچہ ابتدائی تصور میں باطنیہ و مزدکیہ میں اختلاف ہو- لیکن ان کے اور ان کے ایمان کا انجام ایک ہی ہے-

آٹھواں نام تعلیمیہ ہے- یہ لقب اس لیے دیا گیا کہ ان کے مذہب کی بنیاد اسی پر ہے کہ عقل کو بالائے طاق رکھیں- اور کچھ بھی سمجھ سے کام نہ لیں- جو کچھ امام معصوم کہے اسی کو قبول کریں اسی کی تعلیم کی طرف خلق کو دعوت دیں' اور یہ کہ اسی کی تعلیم کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا-

فصل- اس بات کا بیان کہ بہت سے لوگ اس بدعت وضلالت میں کیوں داخل ہوئے یعنی اس ضلالت کو ایجاد کرنے میں باطنیوں کا کیا مقصد تھا- مصنف نے کہا کہ اس قوم نے دین و شریعت سے جدا ہو جانے کا قصد کیا- تو اس کے لیے مجوس اور مزدکیہ و ثنویہ و ملاحدہ فلاسفہ کے لوگوں سے مل کر مشورہ کیا کہ ایسی کوئی تدبیر نکالیں کہ اس پریشانی سے نجات ہو- جو اہل اسلام کے استیلاء سے ان پر طاری ہوئی ہے کیونکہ اہل اسلام نے عمدہ دلائل سے انکار خدا و انکار رسالت و حشر میں ان کی زبان گونگی کر دی تھی ان گمراہوں نے دیکھا کہ نبوت و شریعت محمدی کا آوازہ چار دانگ عالم میں شائع ہے- اور یہ گمراہ کسی طرح اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو سب نے مل کر یہ تدبیر نکالی کہ اہل اسلام میں سے ایسے فرقہ کو چھانٹو جو عقل سے بدنصیب' رائے میں بودا' اور محالات کو قبول کرتا ہو-

اور بغیر سند کے جھوٹی باتوں کے قبول کرنے میں مشہور ہو- ایسا فرقہ ان کو یہ روافض مل گیا' تو یہ تدبیر نکالی کہ ظاہر میں روافض کے عقیدے میں شامل ہوں- تا کہ قتل عام سے محفوظ ہو جائیں پھر اس فرقۂ روافض سے دوستی و چاپلوسی پیدا کریں اور غم و گریہ و ماتم ان واقعات مصیبت میں ظاہر کریں جو آل محمد ﷺ پر ظالموں کے ہاتھوں سے پیش آئے پس ہمیں اس حیلہ سے بزرگان سلف کو لعن طعن کرنے کا پورا موقع ہاتھ آئے گا جن سے شریعت نقل ہو کر ان کو حاصل ہوئی ہے اور جب انہیں پر لعن طعن کرنا اس فرقہ روافض کے کانوں پر آسان ہو جائے گا تو جو کچھ امر شریعت و قرآن انہوں نے نقل کیا ہے اس کی قدر بھی اس احمق فرقہ کے دل سے کم ہو جائے گی تب بہت آسانی سے یہ موقع ملے گا کہ ان کو شریعت سے نکال کر باہر کیا جائے اور اگر باوجود اس کے بھی ان میں کوئی ایسا رہے گا جو ظاہر قرآن کا پابند ہے تو اس پر یہ جال ڈال کر بہکائیں گے کہ یہ ان ظواہر کے اسرار و باطن ہیں اور فقط ظاہر پر فریفتہ ہونا حماقت ہے اور دانائی یہ کہ حکمت و فلسفہ کے موافق ان کے اسرار پر اعتقاد ہو- پھر ہم اپنے عقائد ان میں داخل کر دیں گے اور کہیں گے کہ ظاہر سے مراد یہی اسرار ہیں اور اس ذریعے سے باقی قرآن سے منحرف کرنا آسان ہو گا- پھر انہوں نے عملدر آمد کے واسطے ایسے شخص کو تلاش کیا جو اپنے آپ کو اہل بیت میں سے قرار دے اور اس طریقۂ رفض میں ان کا موافق ہو اور دعوی عام یہ رکھا جائے کہ تمام امت پر اس کی متابعت واجب ہے کیونکہ وہ خلیفۂ رسول اللہ ﷺ ہے- اور خطا و لغزش سے معصوم ہے اللہ تعالی نے ہر پیغمبر کی طرح اس کو معصوم کر دیا ہے اور ان لوگوں نے یہ بھی تجویز کیا کہ اس گھڑے ہوئے معصوم خلیفہ کے قرب و جوار میں اس کی فرمانبرداری کی دعوت ظاہر نہ کی جائے- کیونکہ جس قدر گھر نزدیک ہو اسی قدر زیادہ پردہ چاک ہوتا ہے اور جب مسافت دراز ہو گی اور تکلیف شدید لازم آئے گی تو جو شخص اس کی دعوت کرنے وہاں گیا ہے- کب کسی کو خیال ہو گا کہ داعی کے ساتھ جا کر معصوم امام کا حال دریافت کرے یا اس کی حقیقت حال سے مطلع ہو- (بلکہ فلسفی داعی پر اکتفا کریں گے) ان سب باتوں سے اس ملحد فرقہ کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں کے مال و ملک پر مستولی ہو جائیں- اور جیسے قدمائے اسلام نے ان ممالک کو فتح کر کے اموال غنیمت ان اقوام سے حاصل کیے

اور جہادوں میں ان کے باپ دادے قتل کیے تھے تو اب حیلہ سے ان موجودہ مسلمانوں سے انتقام لیں- یہ اس فرقہ کی ابتداء اور ان کے مقصود کی انتہا ہے (مترجم کہتا ہے کہ ممالک ایران وغیرہ میں بعض فرقۂ روافض نے اس فرقہ اسماعیلیہ باطنیہ کے بہت سے مسائل و عقائد و خرافات لے کر اپنے یہاں داخل کیے ہیں نعوذ باللہ من ذلک)-

فصل- مصنف نے کہا کہ اس بد کار قوم کے حیلے لوگوں کے پھانسنے میں عجیب ہیں - اور ایسے احمق کو جو ان کے دام فریب میں آ جائے گا دوسرے سے تمیز کر لیتے ہیں اور جب وہ ان کی کسوٹی پر آیا تو اس جاہل کی طبیعت دیکھتے ہیں اگر دیکھا کہ وہ زہد و ترک دنیا کی طرف راغب ہے تو اس کو امانت و صدق گفتار و ترک شہوات کی دعوت کرتے ہیں- اور اگر دیکھا کہ وہ بے باکی اور شہوت کی طرف مائل ہے تو اس کو فلسفی اُلجھاؤ سے قائل کرتے ہیں کہ عبادت بے وقوفی اور تقوی حماقت ہے اور دانائی یہ ہے کہ نفس کو نا حق اس دنیا کی لذات سے محروم نہ کرے اور ہر مذہب والے کے نزدیک اس کے مذہب کے موافق تقریریں کر کے، قائل کرتے ہیں اور جب یہ جاہل ان کے فریب میں آ کر یہ شک کرنے لگتا ہے کہ وہ پہلے کیسے نادانی کے عقیدہ میں پھنسا تھا' تو ان کی دعوت قبول کر لیتا ہے- یہ قبول کرنے والا یا تو اجڈ سخت دل بے وقوف ہوتا ہے یا سابق کے ایرانی بادشاہوں یا مجوس کی اولاد میں سے ہوتا ہے' جس کے باپ دادے کی سلطنت بوجہ اسلام کے چھنی گئی' یا ایسا شخص جس کا دلی شوق یہ ہوتا ہے کہ کسی شہر یا قلعہ پر مسلط ہو جائے' لیکن زمانہ اس کی مساعدت و موافقت نہیں کرتا- تو یہ لوگ اس کو وعدہ دیتے ہیں کہ ہم مال و بے باک بہادروں سے تمہاری مدد کریں گے یا وہ ایسا شخص ہوتا ہے جس کے نفس میں عوام الناس کے مراتب سے بڑھ جانے اور افزوں رتبہ ہونے کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اپنے خیال و ظنی حالات پر مطلع ہونے کا قصد کرتا ہے یا وہ فلسفی یا ثنویہ یا حماقت سے منافقانہ دین میں متحیر ہے' یا وہ شخص ہے جس پر شرعی پابندی بوجھل معلوم ہوتی ہے اور فحش لذات کی چاٹ رکھتا ہے- (ایسے لوگ ان باطنیہ ملاحدہ کے دام فریب میں گرفتار و خوار ہو جاتے ہیں)-

ملاحدۂ باطنیہ کے مذہبی بعض اعتقادات کا ذکر

شیخ ابو حامد الطوسی نے کہا کہ باطنیہ ایک قوم ہے جو منہ سے تو اسلام کا دعوی کرتے ہیں مگر ان کے عقائد و اعمال بالکل اسلام سے مخالف و مبائن ہیں اور ظاہر میں رفض کی طرف مائل ہیں ان کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ خدائے قدیم دو ہیں اور زمانہ کے لحاظ سے ان کے وجود کی ابتداء نہیں ہے لیکن باوجود اس کے ایک علت ہے دوسرے کے واسطے اور کہتے ہیں جو سابق ہے اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وجود ہے یا عدم ہے نہ موجود ہے نہ معدوم ہے اور نہ مجہول ہے نہ معلوم ہے اور نہ موصوف ہے نہ غیر موصوف ہے اور اسی سابق سے دوسرا پیدا ہوا- اور یہ اول موجود ہے پھر نفس کلیہ کا وجود ہوا- ان کے نزدیک نبی ایک ایسا شخص ہے جس پر خدائے اول سے بواسطہ خدائے دوم کے قوت قدسیہ صافیہ فائض ہوئی- اور کہتے ہیں کہ جبرائیل اس عقل کو کہتے ہیں جو نبی پر فائض ہوئی- وہ کوئی ذات نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ ہر زمانہ میں اسی نبی کے مثل امام معصوم ضرور ہونا چاہیے جو حق کے ساتھ قائم ہو اور وہی ظاہر کی تاویل بتلایا کرے اور کہتے ہیں کہ آخرت و قیامت کوئی چیز نہیں ہے بلکہ کہتے ہیں کہ معاد کے معنی یہ ہیں کہ کوئی چیز اپنی اصل کی طرف عود کرے اور نفس بھی اپنی اصل کی طرف عود کرتا ہے اور رہا شرع سے مکلف ہونا تو کہتے ہیں کہ ہر چیز مطلقاً مباح ہے اور جو چیزیں حرام کہی جاتی ہیں سب مباحات (جائز) ہیں- لیکن جب موقع پاتے ہیں تو اس (قول) سے انکار کر کے کہتے ہیں کہ ہمارا قول یہ ہے کہ انسان کے واسطے مکلف ہونا ضرور ہے- مگر جب وہ حقائق اشیاء سے ماہر ہوا جو ان ظاہری نصوص کے باطنی معنی ہیں' تب اس پر کوئی تکلیف نہیں رہتی ہے چونکہ وہ لوگوں کو قرآن و حدیث سے منحرف کرنے میں عاجز تھے اس لئے یہ مکر گانٹھا کہ اپنی ملمع کی ہوئی باتوں میں پھنسا کر انہیں قرآن و حدیث سے پھیر دیں- اس لیے کہ اگر پہلے ہی سے قرآن و حدیث سے انکار کی تصریح کرتے تو عوام الناس قبول نہ کرتے- کہتے ہیں کہ جنابت جس سے غسل لازم آتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ قبول کرنے والا بھید ظاہر کرے اور غسل سے مراد یہ کہ از سر نو اس خطا سے توبہ کر کے عہد کرے- زنا کے معنی یہ کہ علم باطن کا

نطفہ ایسے شخص کے پیٹ میں ڈالے جس سے سابق میں عہد لیا گیا ہے اور صوم (روزہ) کے یہ معنی ہیں کہ بھید کھولنے سے جی روک رکھے۔ کعبہ نبی ﷺ ہیں اور باب علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ طوفان سے مراد طوفان علم ہے۔ جس میں شبہ کے ساتھ تمسک کرنے والے غرق کیے گئے سفینہ وہ جزیرہ ہے جس میں نوح کی دعوت قبول کرنے والے محصور ہوئے تھے۔ نار ابراھیم سے مراد نمرود کی غصہ کی آگ تھی وہاں یہ حقیقی آگ مراد نہیں ہے۔ اسحاق کو ذبح کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس سے عہد جدید لیا گیا۔ عصاء موسی سے مراد موسی کی دلیل و حجت ہے۔ یاجوج و ماجوج سے مراد علمائے ظواہر ہیں۔

واضح ہو کہ سوائے ابو حامد کے دوسروں نے ذکر کیا کہ باطنیہ کہتے ہیں کہ خدا نے جب ارواح کو پیدا کیا تو خود بھی ان میں ظاہر ہوا اور انہیں کی صورت میں ظاہر ہوا تو کسی نے شک نہ کیا کہ یہ بھی ان میں کا ایک ہے اور سب سے پہلے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ نے پہچانا۔ اور سب سے پہلے اس سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ چنانچہ اس کا نام ابلیس ہوا۔ (نعوذ باللہ) اسی قسم سے خرافات اس ناپاک فرقہ میں بہت ہیں جن کے ذکر میں کہاں تک تضیع اوقات کی جائے اور ان جیسے لوگوں نے دلیل چھوڑ کر کسی شبہ پر بھی تمسک نہیں کیا' تاکہ حق بات ظاہر کرنے کے لیے ان سے گفتگو ہو بلکہ ان لوگوں نے تو اپنے ذہن میں ایک مضمون باندھ کر اس کے موافق سب واقعات گھڑ کے بنا لیے ہیں (یعنی شریعت کے اصول قرآن و حدیث اصلی ہیں' تو ان کے سمجھنے میں جس فرقہ کو غلطی ہوئی اس کے ساتھ مناظرہ ہو سکتا ہے۔ اور اس فرقہ نے خود روائتیں بنائیں کہ مثلا خدا نے ایک فاطمی بھیجا تھا۔ اس میں صاف لکھا تھا اور اس قرآن میں موجود ہے آلم کہ ذلک الکتاب اس سے وہ عہد نامہ مراد ہے جو الف اللہ نے ل جبریل و م محمد ﷺ کی گواہی سے علی رضی اللہ عنہ پر عہد لیا تھا کہ آئندہ تلوار نہ کھینچیں اور ظلم و ذلت برداشت کریں الغرض اسی قسم کے واہیات بنا لیے تو ان کو قرآن و حدیث سے کچھ مطلب نہیں۔ بلکہ جو باتیں اپنے علم باطنی میں بیان کرتے ہیں وہ دین ہیں تو اس فرقہ سے کیا مناظرہ ہو سکتا ہے اور اگر اتفاقاً" کبھی اس فرقہ سے بحث ہو تو کہے کہ تم نے یہ چیزیں کہاں سے پائیں۔ آیا تم کو بدیہی مل گئیں یا نظر کرنے سے یا کسی امام معصوم سے اگر کہیں کہ

بدیہی ہیں تو باطل ہے کیونکہ عقل سلیم والے ان معتقدات کے مخالف ہیں۔ اور بدیہی میں کوئی عقل والا خلاف نہیں کرتا جیسے آفتاب اور اگر خالی دعوے سے کچھ ثبوت ہو تو تمہارا مقابل تمہارے برعکس جو بھی دعوی کرے جائز ہو جائے اور اگر تم نے نظری دلیل سے ثابت کیا تو اس کو تم باطل کہتے ہو۔ کیونکہ وہ عقلی تصرف ہے اور عقلی قضایا تمہارے اصول میں وثوق کے قابل نہیں ہوتے اور اگر کہیں کہ ہم نے امام معصوم سے حاصل کیے تو کہو کہ کیوں تم نے محمد ﷺ کا قول شریف جو معجزات متواتر کے ساتھ تھا چھوڑا اور اپنے اس امام معصوم کا قول لے لیا۔ جو بغیر معجزہ ہے اور باوجود اس کے جو کچھ امام معصوم نے بیان کیا شائد اس کے باطنی معنی ظاہر کے خلاف ہوں۔ پھر ان سے کہا جائے کہ یہ باطن و اسرار جو تم کہتے ہو ان کا چھپانا لازم ہے یا ظاہر کرنا۔ اگر کہیں کہ ظاہر کرنا واجب ہے تو کہنا چاہیے کہ پھر محمد ﷺ نے انہیں کیوں چھپایا اور اگر کہیں کہ چھپانا واجب ہے تو کہنا چاہئے کہ رسول پر جس کا اخفاء واجب تھا تو تم پر افشا کیونکر جائز ہوا۔

ابن عقیل نے کہا کہ اسلام میں باطنیہ و ظاہریہ دونوں فرقوں سے خرابی پیش آئی چنانچہ فرقہ باطنیہ نے اسلام کا نام رکھ کر شرع کو متروک کیا اور اپنی باطنی باطل تفسیریں (خبط بے ربط) کے مدعی ہوئے جن پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ان دشمنوں نے شرع کی کوئی چیز نہیں باقی رکھی' جس کے مقابلہ میں باطنی معنی نہ بنائے ہوں یہاں تک کہ واجب کا ایجاب و ممنوع کی ممانعت بھی ساقط کر دی' رہا فرقہ ظاہریہ تو انہوں نے ہر جگہ ظاہر کو لے لیا حالانکہ اس کی تاویل واجب ہے چنانچہ ظاہریہ نے اسماء و صفات میں بھی وہ معنی لیے جو حواس سے ان کی سمجھ میں آئے۔ حق مذہب دونوں مرتبوں میں دائر ہے یعنی ظاہر کو لے جب تک کوئی دلیل اس سے پھیرنے والی نہ ہو اور رہا باطن تو جس پر کوئی دلیل شرعی نہ ہو اس کو ترک کر دے۔ اگر مجھ سے اور اس فرقہ باطنیہ کے پیشوا سے ملاقات ہوتی تو میں اس کے ساتھ علمی طریقہ کی گفتگو نہ کرتا۔ بلکہ اس کی سمجھ پر اور اس کے تابعین کی سمجھ پر لعنت ملامت کرتا۔ (یعنی اس حیلہ سے بادشاہ بن جانے کا خیال تمہاری حماقت ہے) مثلا اس طرح کہتا کہ بادشاہوں کے واسطے خاص خاص طریقے اور تدبیریں ہیں جن سے وہ مقصود پر پہنچتے ہیں۔ اور تم جو ان چند آدمیوں پر امید سلطنت

لگائے بیٹھے ہو یہ تمہاری حماقت ہے۔ اور تم جان لو کہ یہ ملتیں جنہوں نے زمین کو بھر لیا ہے ان میں سب سے زیادہ قریب اور مناسب شریعت اسلام ہے جس کے نام سے تم قوت پاتے ہو۔ اور اپنی حماقت سے اسی کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہو۔ اس کو اللہ تعالی نے کامل غلبہ دیا ہے اس کے بگاڑنے کی طمع بھی حماقت ہے بھلا زائل کرنا تو دور رہا۔ چنانچہ ہر سال اس کا ایک مجمع عظیم عرفات میں ہوتا ہے اور ہر جمعہ کے روز مساجد جامع میں اور ہر روز پانچوں وقت مساجد عام میں ہوتا ہے تو تم اپنے نفوسِ خبیثہ میں یہ منصوبے کہاں سے باندھتے ہو کہ اس سمندر عظیم کو گدلا کرو گے اور کیسے اس امر ظاہر کا نور دھندلا کرو گے جو جہان میں ظاہر ہے۔ ہر روز ہزاروں مناروں پر یہ اذان دی جاتی ہے کہ اشھد ان محمدا" رسول اللہ اور رہا تمہارا حال تو تمہاری انتہا یہ ہے کہ کسی خلوت خاصہ میں اپنا کچھ منصوبہ بیان کردیا' یا کسی قلعہ میں چند لوگوں کے پیشوا بن جاؤ۔ اگر تمہارے مردہ دلوں سے کوئی کلمہ باہر نکلے تو تمہارا سر اڑا دیا جائے اور کتوں کی طرح مار ڈالے جاؤ تو کب کسی عاقل کو یہ خیال ہو گا کہ جو منصوبہ تم نے باندھا ہے وہ اس امر کلی پر جس نے آفاق کو گھیر لیا ہے غالب آوے گا۔ پس مجھے تو تم سے زیادہ کوئی احمق نہیں معلوم ہوا۔ بالجملہ میں پہلے اس سے ایسے کلمات کہتا یہاں تک کہ براہین عقیلہ سے مناظرہ کی نوبت آوے۔

مصنف نے کہا کہ پچھلے باطنیہ کے فساد کی چنگاری ۴۹۴ھ میں بھڑکی تو سلطان برکیا رق نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا جن میں باطنیہ کا مذہب ثابت ہوتا تھا پس مقتولوں کی تعداد تین سو سے اوپر تک پہنچی۔ اور ان کے اموال لوٹ لیے گئے تو ان میں بعض کے قبضہ سے بے سندھ ہی موتیوں کے ستر گھر برآمد ہوئے۔ اس بارہ میں خلیفہ کو ایک عرضی لکھی گئی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ جن پر اس مذہب کا گمان بھی کیا جائے ان کو فورا" گرفتار کرلیا جائے چنانچہ گرفتاریاں ہونے لگیں۔ اور کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ کسی کے واسطے سفارش کرے اس خوف سے کہ سفارشی پر یہ شبہ نہ ہو کہ ان کے مذہب کی طرف مائل ہے۔ عوام نے جس کو چاہا اور جس سے جس کے دل میں کچھ رنجش تھی اس کی مخبری کردی کہ اسی مذہب میں ہے تو وہ فورا" قتل کیا جاتا اور اس کا گھربار لوٹ لیا جاتا۔

سب سے پہلے سلطان جلال الدولہ ملک شاہ کے زمانے میں باطنیہ کا حال کھلا کہ انہوں نے مجتمع ہو کر ساوہ میں عید کی نماز پڑھی- اور شہر کے کوتوال کو اس سے آگاہی ہوئی- اس نے ان کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالا- پھر اس کے بعد ان کو رہا کر دیا- انہوں نے ساوہ کے ایک موذن کو دھوکا دیا- اور اسے اپنے مذہب میں شامل کرنے کی بے حد کوشش کی- اس نے انکار کیا تو ڈرے کہ شاید وہ ان کی چغلی کھائے لہٰذا ان کو دھوکے سے قتل کر دیا- یہ خبر نظام الملک کو پہنچی تو اس نے ان لوگوں کے قتل کرنے میں پیش قدمی کی جو اس مذہب کے ساتھ متہم تھے- چنانچہ متہم لوگ قتل کیے گئے- ایک بڑھئی متہم تھا وہ مارا گیا- پھر انہوں نے ایک مدت بعد نظام الملک کو دھوکے سے مارا اور کہنے لگے کہ تم نے ہم میں سے بڑھئی مارا ہم نے اس کے عوض میں نظام الملک مارا- جب ملک شاہ نے انتقال کیا تو اصفہان میں اس فرقہ کا زور بڑھ گیا- اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ آدمی کو اغوا کر کے قتل کر ڈالتے اور کھتے میں ڈال دیتے- پھر تو یہ تہلکہ پڑا کہ اگر کسی کے گھر میں کوئی آدمی عصر کے قریب تک نہ آ گیا تو اس سے مایوس ہو جاتے - لوگوں نے وہ مقامات تلاش کیے جہاں اس قسم کی کارروائیاں ہوا کرتی تھیں- تو انہوں نے ایک مکان میں ایک عورت کو پایا جو ہمیشہ ایک بوریے پر بیٹھی رہتی تھی- وہاں سے نہیں ٹلتی تھی لوگوں نے اس کو گھسیٹ کر الگ کیا اور بوریا اٹھایا تو اس نیچے کھتے میں چالیس مقتول پائے- چنانچہ اس عورت کو مار کر گھر اور محلّہ جلا دیا گیا اور اس احاطہ کے کوچہ کے دروازہ پر ایک اندھا بیٹھا بھیک مانگا کرتا- جب ادھر کوئی مسلمان شخص گزرتا تو اس سے درخواست کرتا کہ للہ مجھے چند قدم ہاتھ پکڑ کر اس احاطے تک پہنچا دے وہ مسلمان اس اندھے بے ایمان کو لے چلتا- جیسے ہی احاطہ تک پہنچا کہ احاطہ میں کھینچ لیا گیا- اور احاطہ والے اس پر غالب آ گئے- آخر مسلمانوں نے بڑی کوشش سے ان لوگوں کو تلاش کیا- اور اصفہان میں ایک بڑا ہنگامہ اور قتل عام ہوا- پہلا قلعہ جو باطنیہ کے قبضہ میں آیا وہ قلعہ روز باد تھا- جو نواح دیلم میں ہے- یہ قلعہ ملک شاہ کے مصاحب قماح کے قبضہ میں تھا وہ اس کو اس قوم قماح کے مذہب کی حفاظت و اتمام کے لیے محفوظ رکھتا تھا- آخر اس نے ملک شاہ کے زمانہ میں ایک ہزار دو سو اشرفیاں لے کر ۴۸۳ھ میں یہ قلعہ اس قوم کے سپرد کر دیا- ان کا سردار حسن بن الصباح تھا- جو اصل

میں مرو کا رہنے والا تھا۔ ابتداء میں جب وہ لڑکا تھا تو رئیس بن عبدالرزاق بن بہرام کا منشی تھا پھر مصر گیا اور وہاں داعی اسمعیلیہ سے یہ مذہب سیکھ کر واپس آیا اس قوم کا سردار بن گیا۔ اور آخر یہ قلعہ حاصل کیا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ ہر ایک احمق جاہل کو جس کو دائیں بائیں کا شعور نہیں ہوتا اور امور دنیا سے بالکل بے خبر ہوتا اس کو اپنے دام فریب میں لیتا اور بادام اور شہد اور کلونجی کھلاتا۔ جب اس کا دماغ گرم ہو جاتا تو اس سے بیان کرتا کہ حضرت مصطفیٰ ﷺ کے اہل بیت پر ایسا ایسا ظلم و عدوان ہوا ہے اور روز بروز اس قسم کا جھوٹ و سچ بیان کرتا۔ حتیٰ کہ اس کے ذہن میں جم جاتا پھر کہتا کہ ازارقہ و خوارج نے بنی امیہ کے قتال میں اپنی جانیں فدا کیں تو کیا سبب ہے کہ تم حق پر ہو کر اپنی جان دینے میں بخل کرنے اور امام کی مدد نہیں کرتے ہو۔ غرض کہ اس حیلہ سے اس کو درندوں کا لقمہ بناتا تھا۔ ملک شاہ سلجوقی نے اس شخص حسن بن الصباح کے پاس ایلچی بھیجا تھا کہ اطاعت اختیار کرے اور سرکشی کے بد انجام سے ڈرایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اپنے لوگوں کو امراء و علماء کے قتل کے واسطے ملک میں نہ پھیلائے۔ جب ایلچی پہنچا تو اس نے کہا کہ اس کا جواب یہ ہے جو تم آنکھوں سے دیکھو پھر اس نے اپنے کچھ معتقدوں سے جو اس کے سامنے کھڑے تھے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو تمہارے مولیٰ کے پاس روانہ کروں تم میں سے کون شخص اس کام کے لیے اٹھتا ہے ان لوگوں میں سے ہر ایک جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سلطانی ایلچی سمجھتا تھا کہ وہ ان کے ہاتھ پیغام بھیجنا چاہتا ہے۔ پھر اس نے ان میں سے ایک جوان سے کہا کہ اپنے آپ کو قتل کر۔ اس جوان نے فوراً چھری نکال کر اپنے قلب پر ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا۔ پھر اس نے دوسرے سے کہا کہ اپنے آپ کو قلعہ سے نیچے گرا دے وہ فوراً پہاڑی قلعہ سے نیچے کود پڑا۔ اور پاش پاش ہو گیا۔ پھر اس نے سلطانی ایلچی سے کہا کہ اس قسم کے لوگ میرے پاس بیس ہزار ہیں۔ اور ان کی فرمانبرداری میرے حق میں ایسی ہے۔ اور تیرے پیغام کا بھی یہی جواب ہے ایلچی نے آ کر سلطان سے یہ حال بیان کیا تو بادشاہ متعجب ہوا اور ان لوگوں سے تعرض نہ کیا رفتہ رفتہ اس قوم کے ہاتھ میں بہت سے قلعے آ گئے پھر انہوں نے بہت سے امراء اور وزراء کو قتل کیا۔ مصنف کہتا ہے کہ میں نے تاریخ میں اس قوم کے حالات عجیبہ نقل کیے ہیں یہاں بے فائدہ تطویل سے اجتناب

کیا۔

فصل۔ بہت سے زندیق جن کے دل میں اسلام سے دشمنی تھی وہ نکل کر اس قوم میں شامل ہوئے۔ اور بہت مبالغہ و کوشش سے جس کو پایا ایسے دعوے بتلائے جو محض بے بنیاد تھے اور انتہائے مقصود ان کا یہی تھا کہ دین اسلام کی قید سے گردن چھڑائیں اور ہر طرح کی لذات سے محظوظ ہوں۔ زنا و فجور وغیرہ محرمات کو مباح کریں۔ پس ان زندیقوں میں سے ایک تو بابک خرمی تھا۔ جس نے بہت کچھ لذات حاصل کیں اور اسے اسکا مقصود مل گیا لیکن بعد کو اس نے بہت سی خلق خدا کو قتل کیا اور لوگوں کے ایذا دینے میں حد سے بڑھ گیا۔ زاں بعد قرمطی اور زنجی جس نے زنگی غلاموں کو ابھارا اور وعدہ کیا کہ تم کو بادشاہت حاصل ہو گی۔ پھر اس نے (بصرہ وغیرہ) میں بہت کچھ لوٹ مار اور قتل و تاراج کیا۔ اور ان میں سے بعض فقط اپنے برگشتہ اعتقاد پر قائم رہے۔ اور کہیں جانے کی ہمت نہ ہوئی تو ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہوئیں۔ جیسے ابن الراوندی اور معری گزرے ہیں۔

ابو لقاسم علی بن الحسین التنوخی نے اپنے باپ سے روایت کی کہ ابن الراوندی پہلے رافضیوں اور ملحدوں کا ملازم تھا۔ جب لوگ اس کو ملامت کرتے تو کہتا کہ میرا مقصود یہ ہے کہ اس بہانہ سے ان کے مذہب سے واقف ہو جاوں۔ پھر کھل کر بحث و مناظرہ کرنے لگا۔ مصنف نے کہا کہ جس نے ابن الراوندی کا حال غور سے دیکھا وہ صاف جان جائے گا کہ یہ شخص بڑا ملحد تھا اس نے ایک کتاب دامغ لکھی ہے اس کا زعم یہ تھا کہ میں اس کتاب سے شریعت اسلام کو کوفتہ کرتا ہوں۔ لیکن خدا تعالیٰ پاک ذات ہے جس نے اس کا سر کچل دیا اور عین عالم شباب میں گرفتار ہو گیا۔ اس احمق نے قرآن پر تناقض کا اعتراض کیا اور غیر فصیح ہونے کا دعویٰ کیا حالانکہ قطعاً معلوم ہے کہ بلغاء و فصحائے عرب قرآن کو سن کر متحیر ہو گئے تھے بھلا اس گونگے عجمی کی بات کا کیا اعتبار جو خود فصاحت سے گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ رہا ابو العلاء المعری (جو معزالدولہ رافضی دیلمی کا مداح شاعر تھا) تو اس کے اشعار میں کھلا ہوا الحاد ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ دشمنی میں مبالغہ کرتا تھا۔ اور نہایت ذلیل زندگی بسر کرتا تھا۔ کہ کبھی اپنی غلطی سمجھتا اور کبھی انبیاء علیہم السلام پر طعن کرتا غرضیکہ اسے خبط ہو گیا تھا اور ہر دم خائف رہتا کہ قتل نہ کیا جائے آخر اسی خواری میں مر

گیا کوئی زمانہ ان دونوں فریقوں کی ذریات سے خالی نہیں رہا۔ لیکن بحمد اللہ کہ ان کی چنگاری اڑتی ہوئی بجھ گئی۔ اب کوئی ظاہر نہیں رہا سوائے اس کے کہ یا تو باطنی چھپا ہوا ہے یا فلسفی پوشیدہ ہے۔ اور وہ سب سے زیادہ خوار ہے اور وہ سب سے زیادہ مصیبت کی زندگی بسر کرتا ہے اور ہم نے دونوں فریق باطنیہ و فلسفیہ کی جماعت کا حال تاریخ میں مفصل لکھا ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ اس زمانے میں سوائے علماء واکثر عوام کے امراء وسلاطین و لشکری سب عیش و شراب خوری وغیرہ میں گرفتار تھے تو ملاحدہ و باطنیہ کا زور ہو گیا۔ مسلمان سلاطین ملک گیری کے لیے باہم سخت جدال و قتال کرتے تھے شام میں نصاویٰ نے زور باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تاتاری غارت گروں کو مسلط کیا۔ ہلاکو نے سب قلعات رود بار وغیرہ چھین کر مسمار کر دیے۔ اور سلطنت اسلامی کی بیخ بنیاد منہدم کر دی۔ بلکہ ۶۵۶ ھ میں خلافت عباسیہ کا بھی خاتمہ کر دیا۔ پھر ایک صدی کے بعد تاتاری نہ صرف مسلمان ہوئے۔ بلکہ ان میں بڑے بڑے مجاہد' بڑے عالم' اور فقیہ اور بڑے بڑے باخدا درویش پیدا ہوئے۔ اور انہوں نے بہت سے نازک موقعوں پر اسلام کی پاسبانی کا فرض بھی انجام دیا۔

باب ششم

عالموں پر فنون علم میں تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ابلیس ان لوگوں کے پاس بہت راستوں سے آتا ہے۔ ان میں سے بہت سے ظاہر ہیں۔ لیکن غالب جب ہی ہوتا ہے کہ عالم اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کرے تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ باوجود علم کے قدم قدم پر لغزش کرتا اور ٹھوکریں کھاتا ہے۔ بہت سے باریک فریب ہیں جو اکثر علماء پر مخفی رہتے ہیں اور ہم اس کے اقسام تلبیس کی طرف اشارہ کریں گے۔ جن سے باقی مخفی کا پتہ چل جائے کیونکہ تمام راہوں کو بیان میں لانا دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بچانے والا ہے۔

قاریوں پر تلبیس

ازانجملہ یہ کہ بعض قاری جو قراءات حاصل کرتے ہیں تو ان کی تحصیل میں یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ شاذ قرائتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کی عمر کا بڑا حصہ جمع و تصنیف میں ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر ان شاذ قرائتوں کو پڑھتے ہیں۔ اور اس سے ان کو فرائض و واجبات پہچاننے کی فرصت نہیں ملتی۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ اکثر ایک شخص مسجد کا امام ہے اور لوگ دور دور سے قراءت کے واسطے اس کی طرف سفر کرتے ہیں۔ لیکن وہ ایسے چند احکام بھی نہیں جانتا کہ جن سے نماز فاسد ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب وہ مرجع عام ہو گیا تو اس کی چاٹ اس کو ابھارتی ہے کہ وہ بعض واقعات میں عالم بن کر فتوی دے دیتا ہے۔ اگرچہ (اس طرح فتوی دینا) مذہبا" جائز نہیں ہوتا۔ لیکن اس کو جہالت کی آنکھ سے نہیں سوجھتا کہ یہ کس کا مرتبہ ہے۔ اگر یہ لوگ غور کرتے تو جان لیتے کہ قراءت سے مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید حفظ کرے ٹھیک مخرج سے۔ پھر اس کو سمجھے۔ پھر اس پر عمل کرے۔ پھر ایسی چیز پر متوجہ ہو جو معارف قرآن میں سے اس کے نفس کی اصلاح اور اس کے اخلاق کو پاک کرے۔ پھر شرع کے دیگر اہم امور کی طرف متوجہ ہو۔

اور کھلا خسارہ یہی ہے کہ جس امر کو زیادہ اہم جانے اس کو چھوڑ کر دوسرے کام میں مشغول ہو۔ حسن بصری نے فرمایا کہ قرآن اس لیے اترا تھا کہ اس پر عمل کیا جائے۔ پھر لوگوں نے اب اس کی تلاوت کو کام بنالیا یعنی لوگ فقط تلاوت کے ہو رہے اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔

ازانجملہ یہ کہ قاری محراب میں شاذ قراءت پڑھتا ہے اور مشہور چھوڑ دیتا ہے حالانکہ علماء کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس شاذ قراءت سے نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اس قاری کا مقصود اس سے یہ تھا کہ ایسی عجیب و غریب چیز ظاہر کرے۔ تا کہ لوگ اس کے قاری ہونے کی تعریف کریں اور اس پر متوجہ ہوں۔ اور وہ اپنے زعم میں مغرور ہے کہ میں قرآن میں متشاغل ہوں۔

ازانجملہ بعض قاری قراءت کو جمع کرتے ہیں' کہتے ہیں' **ملك ملك ملك ملاك** - حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے نظم قرآن میں خلل پڑتا ہے۔ اور بعض سجدات و تہلیلات و تکبیرات کو جمع کرتے ہیں اور یہ مکروہ ہے۔

ازانجملہ قاریوں نے یہ دستور کرلیا ہے کہ ختم (قرآن) کی رات کثرت سے روشنی کرتے ہیں گویا مال کی بربادی اور مجوسیوں کی مشابہت کے علاوہ رات میں مردوں و عورتوں کو فتنہ کے لیے جمع کرنے کا سبب نکالتے ہیں۔ ابلیس ان کو سمجھاتا ہے کہ اس سے دین کی رونق و عزت ہے اور یہ مکر عظیم بہت جگہ پھیلاتا ہے۔ حالانکہ دین کی عزت تو ایسے امور کو عمل میں لانے سے ہوتی ہے جو شرع کی رو سے جائز ہیں۔

ازانجملہ بعض قاری ایسے شخص پر قرات کا دعوی کرنے میں دلیری کرتا ہے جس سے اس نے نہیں پڑھا۔ اور کبھی اس کو اجازت ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ اخبرنا حالانکہ یہ تدلیس (ملمع کاری) ہے۔ اور اس کو کار خیر جانتا ہے۔ اور یہ بھول جاتا ہے کہ اگر اس کا یہ قول دروغ ہے تو اس پر جھوٹوں کا گناہ لکھا جائے گا۔

ازانجملہ یہ کہ مقری دو یا تین (شیوخ) سے حاصل کرتا ہے۔ اور جو کوئی آتا ہے اس سے بیان کرتا ہے اور قلب اس کے حفظ کی برداشت نہیں رکھتا تو اپنے خط سے لکھتا ہے کہ مجھ سے فلاں شخص نے فلاں کی قرات سے پڑھایا۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ دو یا تین

کو جمع کرنا چاہیے کہ ایک سے اخذ کریں۔

ازانجملہ یہ کہ قراء میں ایسے لوگ ہیں جو کثرت قرات سے ممتاز ہیں۔ میں نے ان حافظوں کے بعض مشائخ کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو جمع کرتے اور ایک جید شاگرد کو منتخب کرتے' وہ تمام دن گرمی میں تین ختم پڑھتا۔ پھر اگر اس نے پورے کر لیے تو ہر طرف سے واہ واہ ہوئی۔ عوام وہاں جمع ہوتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور اگر تین ختم اس بڑے دن میں نہ ہو سکے تو اس پر عیب لگاتے ہیں۔ ابلیس ان کو دکھلاتا ہے کہ یہ کثرت قراء ت بڑے ثواب کی بات ہے۔ اور یہی اس کی تلبیس ہے۔ اس لیے کہ قرات تو خالص اللہ تعالی کے واسطے چاہیے نہ کہ لوگوں کی تعریف کے لیے اور وہ بھی آہستگی سے ہو۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے' لتقراہ علی الناس علی مکث (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۱۰۶) تاکہ اے محمد ﷺ تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کے پڑھے۔ اور فرمایا رتل القران ترتیلا۔ قرآن کو ترتیل سے تلاوت کرو۔

ازانجملہ قراء کی ایک جماعت نے الحان (راگنی) سے قرات نکالی ہے' جو حدی کے قریب ہے۔ اور اگر حدی کے قریب ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ احمد بن حنبل وغیرہ نے اس کو مکروہ رکھا اور شافعی نے کراہت نہ کی۔ چنانچہ ایک روایت میں جس کی سند امام شافعی تک پہنچتی ہے فرمایا کہ حدی سننا اور اعراب کے ہانک سننا تو مضائقہ نہیں۔ الحان کی قراء ت میں اور خوب آواز بنانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ مصنف نے کہا کہ شافعی نے اس صورت کی طرف اشارہ کیا جو ان کے زمانہ میں تھی۔ اور اس وقت لوگ خفیف لحن کرتے تھے۔ اور اب ہمارے زمانے میں تو اس کو راگنی کے اصول و موسیقی قواعد پر لائے ہیں اور جہاں تک راگنی سے قریب ہو اسی قدر کراہت زیادہ ہو گی۔ اس لیے کہ قرآن کو اپنے حد وضع سے نکالنا حرام ہے۔

ازانجملہ یہ ہے کہ بہت سے قراء (حافظ) گناہوں پر جرات کرتے ہیں جیسے غیبت کرنا اور نظر بد سے دیکھنا یا کہ اکثر اس سے بھی زیادہ گنہگاری میں بڑھ جاتے ہیں۔ اور اس اعتقاد کی بنا پر کہ حفظ قرآن ان سے عذاب دور رکھتا ہے' یہ حجت لاتے ہیں کہ قرآن اگر چمڑے میں ہو تو وہ نہ جلے گا۔ یہ بھی ان جاہلوں پر ابلیس کا فتنہ ہے۔ کیونکہ جاننے والے کا

جس طرح درجہ بڑا ہے اسی طرح اس کا عذاب بھی نہ جاننے والے سے زیادہ ہے کیونکہ علم زیادہ ہونے سے حجت زیادہ قوی ہو گی- اور یہ دعوی کہ قاری سے حفظ قرآن عذاب دور کرے گا تو یہ دوسرا گناہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **افمن یعلم انما انزل الیک الایہ** یعنی جس شخص کو معلوم ہے کہ جو تجھ پر نازل ہوا وہ حق ہے' کیا وہ اندھے کی مثل ہے یعنی جاننے والا افضل ہے-

اور انکار میں عذاب شدید ہے-اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے حق میں فرمایا کہ **من یات منکن بفاحشہ** یعنی تم میں جس عورت نے کوئی گناہ کیا تو اس پر عذاب دو چند کیا جائے گا-

معروف کرخی سے روایت ہے کہ بکر بن جیش نے کہا کہ جہنم میں ایک بیابان ہے جس سے دوزخ ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے اور اس بیابان میں ایک غار ہے جس سے جہنم و بیابان و غار ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتے ہیں اور اس غار میں ایک سانپ ہے جس سے جہنم و بیابان و غار ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتے ہیں- تو حاملان قرآن میں سے جو لوگ فاسق تھے یہ سانپ ان کے واسطے نکلے گا اور انہیں سے ابتدا کرے گا تو یہ لوگ کہیں گے کہ اے رب تو نے بت پرستوں سے پہلے ہمارے واسطے ابتداء کی تو ان سے کہا جائے گا کہ جو جانتا ہے وہ نہ جاننے والے کے مثل نہ ہو گا- مصنف نے کہا کہ ہم قراء ت کے متعلق اسی قدر نمونے پر اکتفاء کرتے ہیں-

محدثین پر تلبیس ابلیس کا بیان

ازاں جملہ یہ کہ بہت سے لوگوں نے اپنی عمریں حدیث کے سننے میں اور سفر کرنے میں اور طرق کثیرہ جمع کرنے میں اور اسانید عالیہ کی خواہش میں اور متون غریبہ جمع کرنے میں صرف کر ڈالیں- یہ لوگ دو قسم کے ہیں-

(قسم اول) وہ لوگ جنہوں نے حفاظت شریعت کا قصد کیا- اس طریقہ سے کہ ضعیف اور باطل روایتوں سے صحیح حدیثیں پہچانی جائیں- تو یہ لوگ اس نیت پر شکر گزاری کا ثواب پائیں گے' لیکن اس زمانہ میں یہ بات ضرور ہے کہ ابلیس نے ان پر مشتبہ کر دیا تو وہ

اس کام میں فرض عین سے غافل ہو گئے۔ یعنی کیا بات ان پر واجب ہے۔ اور اس لازم میں اجتہاد نہ کیا اور نہ حدیث سے فقہ و معرفت حاصل کی۔ اگر کہو کہ اگلوں میں بہت مخلوق ایسی ہو گزری ہے جنہوں نے اسی طرح سفر کیا۔ اور طرق جمع کرنے میں کوشش کی جیسے یحییٰ ابن معین اور امام بخاری و مسلم وغیرہ (جواب) یہ کہ نہیں بلکہ ان لوگوں نے حدیث و طرق اسانید وغیرہ کے ساتھ مہمات امور دین و فقہ کو بھی جمع کیا۔ اور آسانی اس وقت یہ تھی کہ اسانید دو چار راویوں سے پوری ہوتی تھیں۔ اور حدیث تھوڑی تھیں تو ان کی عمر نے دونوں کاموں کے واسطے کفایت کی اور اب ہمارے زمانے میں اسناد طول طویل ہو گئی اور تصانیف وسیع و کثرت کے ساتھ ہو گئیں جو حدیثیں کسی ایک کتاب میں ہیں وہ دوسری میں نہیں ہیں۔ اور اسانید مختلف ہیں تو بہت ہی مشکل ہے کہ کوئی دونوں باتیں جمع کر لے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ محدث پچاس برس تک دور دراز سفر سے لکھتا سنتا اور جمع کرتا رہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ ان میں کیا احکام ہیں۔ اگر اس کی نماز میں کوئی حادثہ پیش آیا تو اپنے بعض نوجوان شاگردوں سے جو فقہ پڑھ کر اس کے پاس حدیث سننے جاتے تھے ان سے پوچھتا ہے کہ کیا حکم ہے۔ اور اسی قسم کے محدثوں سے لوگوں کو یہ گنجائش ملی کہ محدثین پر طعن کرتے ہیں کہ وہ محض کتابوں کے ڈھیر ہیں نہیں جانتے کہ ان کے پاس کیا ہے اور اگر ان میں سے کسی نے زیادہ جرات کر کے عمل کرنے کا قصد کیا تو بسا اوقات حدیث منسوخ پر عمل کرنے لگتا ہے جو عامی اور جاہل سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ معنی ہرگز حدیث میں مراد نہیں ہیں مثلاً ہم کو روایت پہنچی کہ اس زمانے کے بعض محدثین نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے منع کیا کہ آدمی اپنا پانی دوسرے کی کھیتی میں سینچے تو اس کے شاگرد حاضرین و سامعین نے کہا کہ ہم لوگ تو اپنے باغات سے بچے ہوئے پانی کو اپنے پڑوسیوں کے باغات و کھیت میں رواں کر دیتے تھے۔ اور اب ہم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں کہ ایسا نہ کریں گے۔ گویا نہ محدث صاحب سمجھے اور نہ شاگرد سننے والے سمجھے۔ صحیح معنی یہ ہیں کہ جہاد میں قیدی عورتوں سے جو حاملہ ہوں ان سے وطی نہ کی جائے یہ معنی کسی کو سمجھ میں نہ آئے۔

خطابی نے کہا کہ ہمارے بعض مشائخ نے حضرت ﷺ کی یہ حدیث روایت کی تھی

عن الحلق قبل الصلوہ یوم الجمعتہ۔ شیخ نے اس کو حلق بسکون لام پڑھا یعنی سر منڈانا اور مجھے خبر دی کہ میں نے تو چالیس سال سے کبھی جمعہ کی نماز سے پہلے سر نہیں منڈایا ہے تب میں نے عرض کیا کہ یہ تو حلق بالکسر و فتح لام جمع حلقہ ہے۔ اور مطلب یہ کہ جمعہ کی نماز سے پہلے مذاکرہ و علم کے واسطے مسجد میں حلقے نہ بنائیں۔ بلکہ خطبہ و نماز کے واسطے خاموش رہیں۔ شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تو نے اس مشکل سے مجھے آسانی دی۔ اور یہ شیخ مرد صالح تھے۔

ابن صاعد محدثین میں کبیر القدر تھے۔ چونکہ فقہا سے ان کا اختلاط کم رہا تھا اس لیے فتوی کا جواب نہیں سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ ابو بکر الابہری الفقیہ نے نقل کیا کہ میں یحییٰ بن محمد بن صاعد کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک عورت نے آکر عرض کیا کہ ایہا الشیخ آپ کیا فرماتے ہیں کہ کنوئیں میں ایک مرغی گر کر مر گئی ہے کیا پانی پاک ہے یا نجس؟ ابن سعد نے کہا کہ کنویں میں کیسے مرغی گری؟ اس نے کہا کہ کنواں ڈھکا ہوا نہ تھا۔ ابن صاعد نے فرمایا کہ تو نے کیوں ڈھکا نہ رکھا کہ مرغی نہ گرتی۔ تب ابہری نے اس عورت سے کہا کہ اے نیک بخت اگر کنوئیں کا پانی دو قلوں کی مقدار تھا اور اس میں مرغی گرنے سے کچھ تغیر نہیں ہوا تو پاک ہے ورنہ ناپاک۔

مصنف نے کہا کہ ابن شاہین نے حدیث میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں چھوٹی سے چھوٹی ایک جزء کی اور بڑی سے بڑی ایک تفسیر ہے جو ایک ہزار جزء پر مشتمل ہے لیکن وہ علم فقہ سے ناواقف تھے۔ بعض محدثین کی یہ کیفیت ہوئی کہ انہوں نے جرات کر کے جھوٹ سچ فتوی دے دیا تا کہ ایسا نہ ہو لوگ اس کو فقہ سے نادان سمجھنے لگیں۔ تو ان میں سے بعض کا انجام یہ ہوا کہ ان کا غلط فتوی لوگوں کا مضحکہ ہو گیا چنانچہ بعض کے پاس میراث کا ایک فتوی پیش کیا گیا یعنی مثلاً فلاں میت کے اس قدر وارث ہیں (کس طرح تقسیم کی جائے) تو محدث صاحب نے اس کے جواب میں یہ عبارت لکھی کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کے موافق تقسیم کرلیں۔

ابراہیم الحربی نے کہا کہ مجھے خبر پہنچی کہ علی بن داود ظاہری کے پاس ایک عورت آئی۔ وہ اس وقت حدیث روایت کرتے تھے۔ اور مجلس میں قریب ہزار آدمیوں کے جمع

تھے۔ اس عورت نے پوچھا کہ میں نے اپنی ازار کو صدقہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ تو نے کتنے کو خریدی ہے اس نے کہا کہ بائیس درہم کو۔ تو فرمایا کہ بائیس روزے رکھ لے۔ جب وہ واپس ہو گئی تو کہنے لگے آہ قسم خدا کی اس کو جواب دینے میں ہم سے غلطی ہوئی۔ ہم نے اس کو کفارۂ ظہار کا حکم دے دیا۔ مصنف نے کہا کہ ان فضیحتوں کو دیکھو ایک تو فضیحت جہالت ہے اور دوسری فتوی دینے کی جرات وہ بھی اس خلط ملط کے ساتھ۔ واضح ہو کہ عموماً محدثین نے ان الفاظ کو جو صفات باری تعالیٰ کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ اپنی حس کے مطابق محمول کر لیا تو مشبہ بن گئے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے فقہاء سے میل نہیں رکھا۔ تاکہ ان کو معلوم ہوتا کہ کیونکر محکم پر متشابہ کو محمول کرنا چاہیئے ہم نے اپنے زمانے میں بہت سے محدثین دیکھے جو بکثرت کتب جمع کرتے اور بہت سنتے ہیں (ان کو کثرت سماع حاصل ہے) لیکن ماحصل کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ قرآن یاد نہیں رکھتے اور نماز کے ارکان تک نہیں جانتے۔ پس ان کے حق میں تلبیس ابلیس یہ ہے کہ فرض کو چھوڑ کر اپنے زعم کے موافق فرض کفایہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور جو امر مہم تھا اس کو چھوڑ کر غیر مہم (غیر اہم) کو اختیار کرتے ہیں۔

(قسم دوم) ایسے محدث ہیں جو بہت کثرت سے مشائخ سے حدیث سماعت کرتے ہیں لیکن ان کا قصد ٹھیک نہ تھا۔ اور نہ ان کی یہ غرض تھی کہ طرق جمع کر کے صحیح کو غیر صحیح سے اختیار کر سکیں۔ بلکہ یہ مقصود تھا کہ عالی اسانید حاصل کر سکیں اور غرائب روایات جمع کریں اور ملک در ملک پھریں تاکہ ان کو یہ کہنے کا فخر موقع ملے کہ میں فلاں شیخ سے ملا تھا اور جو میری اسانید ہیں وہ کسی کی نہیں ہیں اور جو عجیب و غریب حدیثیں میرے پاس ہیں وہ کسی کے پاس نہیں ہیں بغداد میں ایک طالب حدیث داخل ہوا۔ وہ شیخ کو لے جا کر رقہ میں بٹھلاتا تھا یعنی اس باغ میں جو دجلہ کے دونوں کنارے چلا گیا اور شیخ کو حدیث سناتا تھا۔ پھر اپنے مجموعہ میں یوں لکھتا کہ مجھ سے رقہ میں فلاں فلاں شیخ نے حدیث بیان فرمائی۔ اس سے وہ لوگوں کو وہم میں ڈالتا کہ رقہ سے وہ شہر مراد ہے جو ملک شام کی طرف ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس محدث نے طلب حدیث میں دور دراز سفر کیے ہیں۔ اسی طرح اپنے شیخ کو لے جا کر نہر عیسیٰ و فرات کے درمیان بٹھلا کر حدیث سناتا اور مجموعہ میں لکھتا

کہ مجھ سے فلاں شیخ نے وراء النہر میں یہ حدیث بیان کی تاکہ لوگ وہم میں پڑیں کہ اس نے طلب حدیث میں خراسان کے پار ہو کر ماوراء لنہر میں یہ حدیث سنی- اور یوں لکھتا کہ مجھ سے فلاں نے میرے سفر دوم میں اور فلاں نے میرے سفر سوم میں حدیث بیان فرمائی- تاکہ لوگ جانیں کہ طلب علم میں اس نے کس قدر تعب اٹھایا ہے- لیکن اس طالب علم کو برکت حاصل نہ ہوئی- بلکہ طالب علمی ہی کے زمانے میں مرگیا-

مصنف نے کہا کہ یہ سب باتیں خالص نیت سے بہت دور ہیں- بلکہ ان لوگوں کی غرض فقط سرداری (ٹھیکیداری) اور فخر عالمانہ ہے- اسی وجہ سے شاذ اور غریب حدیثوں کی جستجو کرتے رہتے ہیں- اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی جزء ان کے ہاتھ لگ گیا جس میں ان کے مسلمان بھائی نے اپنا سماع درج کیا ہے تو اس کو چھپا ڈالتا ہے- تاکہ میں ہی اس کی روایت میں متفرد ہو جاوں- حالانکہ وہ مرجاتا ہے اور کچھ بھی روایت نہیں کرنے پاتا- تو دونوں کے ہاتھ سے جاتا ہے- اور کبھی ان میں سے بعض فقط اس لیے دور دراز سفر کر کے کسی ایسے شیخ کے پاس جاتا ہے جس کے نام کے اول میں واو یا کاف ہے- تاکہ اپنے مشائخ کے ذکر میں اس حرف کے نام کو بھی ذکر کرے- اور سوائے اس کے کچھ غرض نہ تھی-

منجملہ تلبیس ابلیس کے جو اصحاب الحدیث پر ہے یہ کہ اپنے جی کو تشفی دینے کے لیے ایک دوسرے پر قدح وطعن کرتے ہیں- اور اس کو بجائے اس جرح و تعدیل کے قرار دیتے ہیں جو اس امت کے قدماء نے استعمال کیا تھا- تاکہ شریعت سے جھوٹوں کی تخلیط کو دور کریں- لیکن اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی نیت کا حال خوب معلوم ہے- ان کی بدنیتی اسی سے ظاہر ہے' کہ جس سے ان کو خوش پسندی ہے اس سے سکوت کرتے ہیں- قدماء کا یہ حال نہیں تھا- چنانچہ علی بن المدینی اپنے باپ سے حدیث روایت کرتے- پھر کہہ دیتے کہ شیخ کی حدیث کی جو حالت ہے وہ (ظاہر) ہے- (بلکہ صاف کہہ دیتے کہ وہ ضعیف ہیں) یوسف بن الحسین کہتے ہیں کہ میں نے حارث محاسبی سے غیبت کو پوچھا تو فرمایا کہ خبردار اس سے بہت بچنا- یہ نہایت بری کمائی ہے- تو ایسی چیز سے کیا امید رکھتا ہے جس کی شامت سے تیری نیکیاں چھین کر تیرے مدعی دشمن اس سے راضی کیے جائیں کیونکہ وہاں نہ درہم ہیں

نہ دینار ہیں- تو اس سے پرہیز رکھ- اور اس کا منبع پہچان لے اس طرح کہ غیبت کا منبع جو مغرور و جاہل لوگ ہیں وہ تو اپنے غیظ کو اور جاہلانہ حمیت کو تسکین دیتے ہیں- اور حسد و بدگمانی سے غیبت کرتے ہیں اور اس کی برائی کچھ چھپی نہیں ہے- رہے علماء تو ان میں غیبت کا منبع ان کے نفس کا دھوکا ہے- کہ تم جو فلاں کی برائی کرتے ہو تو اظہار نصیحت ہے- اور ایک روایت پر اعتماد کرتے ہیں- اگر اس کے معنی جو یہ لوگ سمجھتے ہیں یہ ہوتے تو کبھی ان کے لیے غیبت پر مدد گار نہ ہوتے- اور وہ روایت یہ ہے کہ تم ایسے شخص کے ذکر سے کیوں منہ موڑتے ہو جس میں فساد ہے اس سے اور اس کی برائی بیان کرنے سے باز نہ رہو تاکہ لوگ اس سے احتراز کریں- یہ روایت اگر صحیح محفوظ ہوتی تو کبھی اس کے ذریعے سے بے پوچھے کسی مسلمان بھائی پر تشنیع عائد نہ ہوتی- اور اگر تاویل ہو تو یہی کہ جب تجھ سے مثلاً کوئی نیک صلاح پوچھنے آیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی لڑکی فلاں شخص سے بیاہ دوں' اور مجھے معلوم ہے کہ وہ شخص بدعتی ہے یا بدکار فاجر ہے- جس پر مسلمانوں کی حرمت پر بے خوفی نہیں ہے- تو تجھے چاہیے کہ کسی حسن تدبیر سے اس کو اس ارادے سے روک دے یا کسی حیلہ سے اس معاملہ کو ملتوی کر دے- اسی طرح دوسرا آیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں سفر کر جاؤں اور اپنا مال فلاں شخص کے پاس امانت رکھ دوں اور تجھے معلوم ہے کہ یہ شخص امانت رکھنے کے قابل نہیں ہے تو چاہیے کہ اس کو اچھی تدبیر سے اس ارادے سے روک دے- اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ فلاں شخص کو اپنا امام بناؤں یا کسی علم میں اپنا استاد بناؤں اور وہ امامت یا استادی کے قابل نہیں ہے تو اچھی تدبیر و حیلہ سے اس کو اس خیال سے پھیر دے- یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کی غیبت کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر دے- رہا حافظوں و عابدوں میں غیبت کا منبع تو از راہ خود پسندی ہوا کرتا ہے کہ پہلے اپنے مسلمان بھائی کے عیب کھولتا ہے پھر پیٹھ پیچھے اس کے واسطے دعا کرتا ہے تاکہ اس بناوٹ سے غیبت معلوم نہ ہو تو گویا پہلے اس کا گوشت نوچ کھایا پھر اس کی جگہ ظاہری دعا سے پیوند لگایا- رہا رؤساء و استاد و زہاد میں غیبت کا منبع تو وہ براہ اظہار شفقت و ترحم ہوا کرتا ہے- چنانچہ کہتا ہے کہ فلاں مسکین فلاں امر میں مبتلا ہوا- اور فلاں امتحان میں ڈالا گیا- اللہ تعالیٰ ہم کو خواری سے بچائے- پس پہلے تو بناوٹ سے

اس پر ترحم و شفقت ظاہر کرتا ہے۔ پھر بھائیوں کے سامنے اس کے لیے بناوٹ سے دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس کو تمہارے سامنے اس لیے ظاہر کیا کہ تم اس کے واسطے بہت دعا کیا کرو۔ ہم پناہ مانگتے ہیں کہ غیبت کسی حیلہ سے ہو یا صریح ہو پس غیبت سے پرہیز کریں کیونکہ نص قرآن سے حرام ہے لقولہ تعالیٰ۔ ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ - (الحجرات پ ۲۶ آیت ۱۲) حضرت ﷺ سے اس کی حرمت میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں۔

منجملہ تلبیس ابلیس کے علماء محدثین پر یہ ہے کہ موضوع حدیث روایت کرتے ہیں بدون اس کے کہ اس کو موضوع ظاہر کریں۔ اور یہ ان کی طرف سے شرع کا جرم ہے۔ اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ ان کی حدیثیں رائج ہوں' اور یہ مشہور ہو کہ یہ محدث کثیر الروایۃ ہیں حالانکہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھ سے ایسی بات روایت کی کہ جس کو جھوٹ جانتا ہے تو وہ دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے یا جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا۔ اسی قسم سے روایت میں ان کی تدلیس ہے۔ چنانچہ ان میں ایک یہ کہتا ہے کہ حدثنی فلان عن فلان یعنی مجھے فلاں شخص نے فلاں بزرگ سے اور اس نے فلاں بزرگ سے روایت کی یعنی اس نے فلاں بزرگ کو تو پایا نہیں لیکن اس طرح بیان کیا جس سے شبہ ہوتا ہے کہ میں نے فلاں بزرگ کو پایا۔ یا یوں کہا کہ فلاں سے نقل کیا۔ اس سے وہم دلایا کہ مجھ سے فلاں نے روایت کی ہے۔ حالانکہ اس سے سنا نہیں ہے اور یہ حرکت قبیح ہے اس لیے کہ اس نے منقطع کو متصل بنا دیا بعض محدث کو دیکھو کہ ضعیف و کذاب سے روایت کرتا ہے تو چھپانے کے لیے اس کا نام نہیں لیتا۔ بلکہ کبھی تو اس کا دوسرا نام بدل دیتا ہے اور کبھی اس کی وہ کنیت بیان کرتا ہے جو معروف نہیں ہے۔ اور کبھی خود اس کی کنیت (مثلاً ابو زید) گھڑ لیتا ہے۔ اور کبھی اس کے باپ کا نام چھوڑ کر اس کے دادا کا نام بجائے باپ کے بیان کرتا ہے۔ اس سے غرض یہ کہ وہ کذاب پہچانا نہ جائے یہ بھی شرع مطہرہ کا جرم ہے اس لئے کہ ایسے ذریعہ سے حکم ثابت کیا جس سے ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر یہ شخص ثقہ ہو اور اس کو دادا کی طرف منسوب کر دیا (جیسے محمد بن یحییٰ بن فارس کو محمد ابن فارس کہا یا فقط ابو یحییٰ کنیت بیان کی) تاکہ بظاہر یہ معلوم ہو کہ اس نے اس سے مل

کر روایت کی ہے- یا جس سے روایت کرتا ہے وہ راوی کے مرتبہ میں ہو تو اس کے نام سے روایت میں شرم کر کے ایسا کر لے تو یہ بھی طریقہ ثواب سے دور ہے- لیکن فقط مکروہ ہے بشرطیکہ جس سے روایت کی وہ ثقہ ہو (یعنی یہ نہ ہو کہ جس سے روایت کی وہ ضعیف ہو اور اس تلبیس سے دوسرے ثقہ راوی کے نام سے مشتبہ کر دیا کیونکہ یہ حرام ہے-

فقہاء پر تلبیس ابلیس کا بیان

قدیم زمانہ اسلام میں فقہاء ان لوگوں کو کہتے تھے جو قرآن و حدیث کے عالم ہوتے (یعنی اس میں ان کو طریقہ اجتہاد کی سمجھ ہوتی تھی) پھر برابر گھٹتے گھٹتے متاخرین تک پہنچ کر یہ رہ گیا کہ متاخرین نے کہا کہ ہم کو قرآن میں سے خالی وہ آیتیں کافی ہیں- جن سے کوئی حکم نکلتا ہے- اور حدیث میں سے فقط مشہور کتابیں مانند سنن ابو داؤد وغیرہ کے کافی ہیں- پھر اس میں بھی زیادہ سستی کر دی- حتیٰ کہ بعض شخص فقیہ بن کر ایسی آیت سے استدلال کرتا ہے جس کے معنی خود بھی نہیں جانتا- اور ایسی حدیث سے استدلال لاتا ہے جس کو آپ نہیں جانتا کہ صحیح ہے یا نہیں اور اکثر یہ کرتا ہے کہ حدیث صحیح کے معارضہ میں قیاس لاتا ہے- اور اس کو یہ بھی نہیں معلوم کہ میں نص حدیث سے معارضہ کرتا ہوں- کیونکہ وہ علم نقل کو کم تر پہچانتا ہے- فقہ کا مدار تو یہ تھا کہ قرآن و حدیث سے استنباط کرے- پھر یہ کیونکر فقیہ ہو گا- جس کو علم قرآن و حدیث میں تمیز ہی نہیں ہے-

منجملہ قبائح کے یہ ہے کہ ایک حکم کو ایک حدیث کے حوالے پر ثابت کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ حدیث صحیح ہے کہ نہیں- اور بے شک اس امر کے پہچاننے میں آدمی کو مشقت شدید و سفر طویل کی ضرورت تھی لہٰذا اس بارہ میں کتابیں تصنیف ہو گئیں اور حدیثیں سب انتخاب کر دی گئیں اور صحیح و سقیم کو علیحدہ کر دیا گیا- پھر بھی متاخرین کو یہاں تک کسل سوار ہوا کہ علم حدیث کے بعض الفاظ کی نسبت جو صحاح میں وارد ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمائے ہوں اور دیکھا کہ وہ کسی مسئلہ میں حجت لاتے وقت کہتے ہیں کہ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہمارے بعض فقیہ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کہا اور خصم کی دلیل حدیث صحیح کے

جواب میں کہتا ہے کہ ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ یہ حدیث پہچانی نہیں جاتی ہے- یہ سب اسلام پر ظلم اور شریعت کی خیانت ہے-

منجملہ تلبیس ابلیس کے جو فقہاء پر ہے ایک یہ کہ ان کا پورا اعتماد علم جدال (مناظرہ) کے حاصل کرنے پر ہے اپنے زعم میں وہ اس فن سے حکم پر دلیل کی تصحیح نکالتے اور شرع کے دقائق ڈھونڈھتے اور مذاہب کی علتیں تلاش کرتے ہیں اور اگر ان کا یہ دعوی صحیح ہوتا تو سب مسائل میں اسی طرح مشغول ہوتے- لیکن وہ تو فقط بڑے مسائل میں مشغول ہوتے ہیں تاکہ ان میں کلام کرنے کی گنجائش وسیع حاصل ہو اور ان میں مناظرہ کرنے والا لوگوں کے نزدیک نظری خصومت میں پیشوا گنا جائے- پس ان میں سے ہر ایک کی کوشش یہ ہے کہ جدال و جھگڑے اور تفتیش کو مرتب کرے اور نفس کو آمادہ کرتا رہے کہ وہ خصم کی ہر بات میں نقیض نکالے اور اس سے غرض فقط دنیاوی فخر و ناموری ہے- حالانکہ ان میں بہت ایسے ہیں جو ایک خفیف اور چھوٹے سے مسئلہ میں وہ حکم نہیں جانتے جس کی عام لوگوں میں ضرورت ہے- منجملہ تلبیس ابلیس کے فقہاء پر یہ ہے کہ جدل کے فن میں فلاسفہ کے قواعد داخل کرتے اور ان پر اعتماد کرتے ہیں- یعنی جس وضع پر لزوم و عکس و تناقض وغیرہ انہوں نے قطعی بتائے ہیں ان کو یہاں جزئیات شرع میں لاتے ہیں-

ازاں جملہ یہ کہ حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں- حالانکہ اس مسئلے میں حدیث صریح دلیل موجود ہے اور یہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کو باہم جدال و گفتگو کرنے میں خیالی گھوڑے دوڑانے کی وسیع مجال حاصل ہو اور اگر ان کے مقابلہ میں کسی نے حدیث سے استدلال کیا تو حقیر و قابل عیب خیال کیا جاتا ہے- حالانکہ ادب یہ تھا کہ حدیث کو بالکلیہ مقدم کر کے اس سے دلیل لاتے ان فقہاء کی ایک کمزوری یہ ہے کہ ان کا سارا انہماک اسی غور و فکر میں ہے انہوں نے اپنے فن میں ان چیزوں کو شامل نہیں کیا ہے، جن سے قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے مثلاً قرآن مجید کی تلاوت، حدیث و سیرت کی سماعت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا مطالعہ و بیان- سب جانتے ہیں کہ محض ازالۂ نجاست اور ماء متغیر کے مسائل کے بار بار دہرانے سے قلوب میں نرمی اور خشیت پیدا نہیں ہو سکتی، قلوب کو تذکیر اور مواعظ کی ضرورت ہے- تاکہ آخرت طلبی کی ہمت اور

شوق پیدا ہو۔ اختلافی مسائل اگرچہ علوم شرعیہ سے خارج نہیں مگر حصول مقصد کے لیے کافی نہیں ہیں۔ جو سلف کے حالات اور ان کے حقائق و اسرار سے واقف نہیں۔ اور جن کے مذہب کو اس نے اختیار کیا ہے' ان کے حالات سے باخبر نہیں وہ ان کے راستہ پر کیسے چل سکتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ طبیعت چور ہے۔ اگر اس کو اسی زمانے کے لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا تو وہ اہل زمانہ کے طبائع سے اخذ کر لے گی اور ان ہی کی طرح ہو جائے گی اور اگر متقدمین کے حالات اور طریقوں کا مطالعہ کیا جائے گا تو ان کے ساتھ چلنے کی کوشش کی جائیگی اور ان کا رنگ اور ان کے سے اخلاق پیدا ہوں گے۔ سلف میں سے ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ ایک حدیث جس سے میرے دل میں رقت پیدا ہو' قاضی شریح کے سو فیصلوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے یہ اس لیے فرمایا کہ دل کی نرمی مقصود ہے اور اس کے اسباب ہوا کرتے ہیں۔

ازاں جملہ یہ کہ ان فقہاء نے فقط علم مناظرہ پر اقتصار کیا۔ مذہبی مسائل یاد رکھنے سے منہ پھیر لیا اور باقی علوم شرعی نہیں جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تم فقیہ مفتی کو دیکھتے ہو اگر اس سے کسی آیت یا حدیث کی بابت دریافت کیا جاتا ہے تو وہ کچھ نہیں جانتا اور یہ عین تقصیر ہے پھر اس تقصیر سے اسے شرم کیوں نہیں آئی۔

ازاں جملہ یہ کہ مباحثہ فقط اس لیے موضوع ہوا کہ جو بات ٹھیک ہے وہ ظاہر ہو جائے اور سلف کی نیت یہ ہوتی تھی کہ حق ظاہر ہو جس سے اسلام میں خیر خواہی ہے۔ اور وہ لوگ ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کی طرف چلے جاتے تھے۔ اور اگر کسی سے کوئی بات رہ گئی تو دوسرا اس کو بتلا دیتا کیونکہ ان کی نیت خالص یہ تھی کہ حق ظاہر ہو۔ پس ان بزرگوں کی کیفیت یہ تھی کہ اگر کسی فقیہ نے کسی واقعہ کو کسی اصل شرعی پر قیاس کیا' اور اس کی علت سمجھ گیا' جیسا کہ اس کے خیال میں ہے۔ پھر دوسرے نے اس سے کہا کہ بھلا یہ کیونکر معلوم ہوا کہ اصل میں حکم بوجہ اسی علت کے ہوا ہے تو وہ جواب دیتا کہ مجھے ایسا ظاہر ہوا ہے۔ اور اگر تم اس سے کوئی بہتر بات لاؤ تو اس کو پیش کر دو۔ یہاں معترض کہتا ہے کہ مجھ پر اس کا بیان کرنا لازم نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں یہ تو سچ ہے کہ تجھ پر واجب نہیں ہے۔ لیکن بہ نظر خیر خواہی شرع و اظہار حق کے تجھ پر واجب ہے جیسے تو نے

جدل کو نکالا۔

ازاں جملہ ان فقہاء کی یہ کیفیت ہے کہ فریق مخالف سے مناظرہ کرنے میں بعض پر حق ظاہر ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ حق کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ دل تنگ ہوتا ہے کہ کیوں اس کے ساتھ ظاہر ہوا۔ اور بسا اوقات اس کے ساتھ حکم حق جان لینے کے بعد بھی بحث کرتا ہے کہ کسی طرح اس کو رد کر دے۔ اور یہ سب سے بدتر قبیح حالت ہے۔ اس لیے کہ مناظرہ اسی لیے نکالا گیا تھا کہ حق ظاہر ہو جائے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے جس سے مناظرہ کیا پھر اس نے حجت حق سے انکار کیا تو وہ میری نظر سے گر گیا اور اگر اس نے حجت حق کو قبول کر لیا تو مجھے اس کی طرف سے ہیبت معلوم ہوتی ہے اور جس کسی سے میں نے مناظرہ کیا تو دلیل حق کو غالب رکھا۔ اگر میں نے مقابل کے پاس دلیل حق پائی تو میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔

ازاں جملہ یہ کہ وہ مناظرہ سے سرداری چاہتے ہیں اور جب ایسا ہوتا ہے تو نفس میں جو سرداری کی خواہش مخفی رہتی ہے وہ ابھر آتی ہے اور جب ان میں سے کسی نے دیکھا کہ اس کے کلام میں ایسا ضعف ہے کہ اس کا مقابل غالب ہوا چاہتا ہے تو مکابرہ و جھگڑا کرنے لگتا ہے تو جب اس کے مقابل نے دیکھا کہ اس نے مجھ پر بد زبانی کی تو اس کی حمیت بھی جوش میں آجاتی ہے۔ وہ جواب ترکی بترکی دیتا ہے' تو مناظرہ بدل کر گالی گلوچ و جھگڑا ہو جاتا ہے (ہمارے زمانے میں یہ باتیں صاف ظاہر ہیں (انا للہ انا الیہ راجعون)

ازاں جملہ مناظرہ نقل کرنے کے حیلہ سے غیبت کا جواز نکالتے ہیں چنانچہ بعض کہتا ہے کہ میں نے اس کو یہ جواب دیا تو وہ بند ہو گیا' اور کچھ جواب نہ دے سکا اور ایسی بات کہتا ہے کہ جس سے اپنے مقابل سے اپنے دل کی تشفی اس حجت سے حاصل کر لے۔

ازاں جملہ یہ کہ ابلیس نے ان پر یہ تلبیس ڈالی ہے کہ جس کو اپنی اصطلاح میں علم فقہ کہتے ہیں پس یہی علم شرع ہے اور یہاں کوئی علم سوائے اس کے نہیں ہے۔ پھر اگر ان سے کسی محدث کا ذکر کیا گیا تو کہتے ہیں کہ وہ ہیچ ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتا ہے۔ اور بھول جاتے ہیں کہ حدیث ہی تو اصل ہے۔ پھر اگر ان سے وہ کلام ذکر کیا گیا جس سے دل نرم ہوتے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ واعظوں کے کلام ہیں۔

ازاں جملہ یہ لوگ اس مرتبہ پر پہنچنے سے پیشتر فتوی دینے پر جرات کرتے ہیں اور اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ واقعۂ استفتاء میں منصوص کے خلاف فتوی دے دیتے ہیں- اور اگر مشکلات میں ذرا توقف کرتے تو ان کے لیے اولیٰ و انسب ہوتا- عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایک سو بیس صحابہ کو پایا کہ جب ان میں سے کسی سے کوئی حدیث دریافت کی جاتی تو وہ یہ آرزو کرتے کہ کاش میرا کوئی بھائی اس حدیث کا متکفل ہو جاتا- اور جب کسی سے فتوی پوچھا جاتا تو یہ دوسرے پر ٹالتا اور دوسرا تیسرے پر ٹالتا یہاں تک نوبت آ جاتی کہ آخیر والا پھر اس کو اول پر ٹالتا- عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ انصاری سے یہ بھی روایت ہے کہ میں نے اس مسجد میں اصحاب انصار میں سے ایک سو بیس صحابہ کو پایا کہ جب ان میں سے کسی سے حدیث کی درخواست کی جاتی تو وہ یہی آرزو کرتا کہ کاش میرا کوئی بھائی متکفل ہو جاتا اور جب کوئی فتوی پوچھا جاتا تو یہی آرزو کرتا کہ کاش میرا کوئی بھائی اس امر میں کفایت کرتا-

مصنف نے کہا کہ ہم کو ابرہیم نخعی سے روایت پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے ان سے مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ اے عزیز کیا میرے سوائے تجھے کوئی دوسرا نہیں ملا تھا- امام مالک ابن انس ؒ نے فرمایا کہ میں نے فتویٰ دینا شروع نہیں کیا جب تک کہ میں نے ستر مشائخ سے دریافت نہ کیا تھا کہ کیا آپ کے نزدیک مجھ میں فتوی دینے کی لیاقت ہے' تو سب نے فرمایا کہ ہاں' تب میں نے فتوی دیا- لوگوں نے عرض کیا کہ اے جناب اگر وہ بزرگوار مشائخ آپ کو اس امر سے منع کر دیتے' تو مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر منع کرتے تو میں باز رہتا- امام احمد ابن حنبل سے ایک شخص نے کہا' میں نے قسم کھائی ہے اور یہ یاد نہیں کہ کیسی قسم کھائی ہے تو فرمایا کہ کاش جب تو یہ جانتا کہ تو نے کیسی قسم کھائی ہے تو یہ بھی جانتا کہ میں تجھے کیونکر فتوی دوں گا-

مصنف نے کہا کہ سلف صالحین کی یہ خصلت فقط اس وجہ سے تھی کہ ان کو اللہ عزوجل سے خوف و دہشت تھی- اور جو کوئی ان کے حالات پڑھے وہ ادب سیکھ جائے-

منجملہ تلبیس ابلیس کے جو فقہاء پر ڈالی یہ ہے کہ یہ لوگ امیروں و بادشاہوں سے ملتے اور ان کے پاس گھسے رہتے ہیں- ان کے ساتھ مداہنت کرتے اور ان کی بد افعالی پر باوجود

قدرت کے بھی ان کی خوشامد کے لیے انکار نہیں کرتے۔ بلکہ بعض اوقات ان کے واسطے ایسے امور کی اجازت دیتے ہیں جو ان کو جائز نہیں ہو سکتے ہیں' تاکہ ان کے مال دنیوی سے کچھ یہ بھی حاصل کرلیں۔ اس قبیح حرکت سے تین شخصوں کے لیے فساد کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ (اول) راہ تو خود اس امیر کے حق میں ہے کہ وہ زعم کرتا ہے کہ اگر میں راہ صواب پر نہ ہوتا تو فقیہ میرے طریقہ پر ضرور انکار کرتا اور میں کیونکر مصیب نہ ہوتا' حالانکہ فقیہ میرا مال کھاتا ہے (دوم) عوام پر فساد کی راہ یہ ہے کہ اس رئیس کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ بہت اچھا امیر ہے' اس کا مال بھی پاکیزہ ہے۔ اور خود بھی بزرگ ہے' اس کے افعال بھی اچھے ہیں۔ دیکھو فلاں فقیہ اس کے پاس ہمیشہ گھسا رہتا ہے (سوم) اس فقیہ پر فتنۂ عظیم یہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دین کو دنیا کے واسطے بگاڑ دیا۔ (مترجم کہتا ہے کہ سب سے بڑا فتنہ تو اول یہی ہوا کہ علم ذلیل ہوا - اور دنیاوی دولت کی عزت سب عوام کی نگاہوں میں پھر گئی اس دلیل سے کہ آخرت وہم ہے ورنہ فقیہ کیوں دنیا کا طالب ہوتا اللھم غفرانک)

ابلیس نے ان فقہاء پر یہ تلبیس بھی ڈالی کہ تم لوگ سلطان کے یہاں جایا کرو اور ان کو حیلہ بتا دیا (کہ دریافت کرنے پر فقیہ یہ کہتا ہے) کہ میں تو اس لیے سلطان کے یہاں جاتا ہوں کہ کسی مسلمان کی سفارش کروں۔ یہ تلبیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر بجائے اس کے کوئی دوسرا جا کر سلطان سے کسی مسلمان کی سفارش کرے تو اس فقیہ کو گوارا نہیں ہوتا (بلکہ ناگوار ہوتا ہے) بلکہ اس کے حق میں کوئی بھانجی مار دیتا اور عیب لگا دیتا ہے' تاکہ سلطان اس کو ہانک دے۔

اسی طرح فقیہ پر ابلیس تلبیس ڈالتا ہے کہ وہ ان امراء وسلاطین کے مال سے بذریعہ انعام و نذر وغیرہ کے لے لیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ان اموال میں تیرا حق ثابت ہے۔ حالانکہ یہ بات خوب معلوم ہے کہ اگر یہ اموال بطریقۂ حرام جمع ہوئے ہیں۔ تو اس میں سے کچھ بھی لینا حلال نہیں ہے اور اگر ان میں شبہ ہے تو بھی ترک کرنا اولی ہے۔ اور اگر یہ اموال بطریق مباح جمع ہوئے ہیں تو اس میں سے فقیہ کو فقط اسی قدر لے لینا جائز تھا جس قدر دین میں اس کا مرتبہ ہے۔ تو بیت المال سے اس کو بطور خدمت کار دینی کے بقدر

ضرورت ملے گا۔ اکثر اوقات اس ... دیکھ کر عوام الناس ان اموال سے بے تکلف اس طرح لینا مباح کر لیتے ہیں جو کسی طرح مباح نہیں ہے۔

ابلیس نے علماء کی ایک جماعت پر یہ تلبیس ڈالی کہ وہ علیحدہ ہو کر عبادت میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور سلطان سے الگ ہو جاتے ہیں تو ان کو شیطان رچاتا ہے کہ جو علماء سلطان کے یہاں آتے جاتے ہیں ان کی غیبت کریں۔ تو ان کے حق میں دو آفتیں جمع ہو جاتی ہیں' ایک تو لوگوں کی غیبت کرنا اور دوم اپنے نفس کی مدح کرنا۔ بالجملہ سلطان کے یہاں آنے جانے میں دینی خطرہ عظیم ہے۔ اس لیے کہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ ابتداء میں نیت درست ہوتی ہے پھر ان کے انعام و اکرام اور طمع سے وہ نیت بدل جاتی ہے اور پہلے جو قصد تھا کہ مداہنت نہ کریگا اور بری باتوں سے منع کرے گا' اس پر ثابت قدم نہیں رہتا۔ حضرت سفیان الثوری کہا کرتے تھے کہ مجھے اس امر کا کچھ ڈر نہیں ہے کہ سلاطین میری اہانت کریں گے بلکہ خوف اس امر سے ہے کہ وہ میری تکریم کریں۔ تو میرا دل ان کی طرف مائل ہو جائے - زمانہ سلف کے علماء اپنے زمانے کے امراء سے بوجہ ان کے ظلم کے دور رہتے تھے - یعنی وہ لوگ خلاف شریعت کام کرتے تو یہ صالحین ان سے دور رہتے تھے۔ تو امراء ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ کیونکہ ان کو علماء کے فتوے و ولایت و قضاء وغیرہ کی ضرورت تھی۔ ان کے بعد ایک قوم پیدا ہوئی جن کی دنیاوی رغبت غالب ہوگئی' تو انہوں نے ایسے علوم سیکھے جن کی ضرورت امراء کو رہتی ہے (جیسے حساب کتاب وغیرہ) اور ان علوم کو امراء کے پاس خود لے گئے' تاکہ ان کی دنیا سے حصہ حاصل کریں۔ اور یہ بات آپ کو اس دلیل سے معلوم ہو گی کہ پہلے زمانہ میں امراء کو اصولی دلائل سننے کا شوق تھا تو لوگوں نے علم کلام ظاہر کیا۔ پھر بعض امراء کو مواعظ کا شوق ہوا تو بکثرت طلبہ نے مواعظ کا طریقہ حاصل کیا۔ پھر چونکہ اکثر عوام کو وعظ و قصص سننے کا شوق زیادہ ہے اسی وجہ سے واعظ دنیا میں بہت ہو گئے اور فقیہ عالم بہت کم رہ گئے۔

منجملہ تلبیس ابلیس کے فقہاء پر یہ ہے کہ بعض فقیہ مدرسہ کے وقف میں سے جو فقط وہاں کے پڑھنے پڑھانے اور کام کرنے والوں کے واسطے مشروط ہے کھایا کرتا ہے اور اسی میں مدت تک رہتا ہے حالانکہ وہ کچھ شغل نہیں کرتا۔ اور جو پڑھ چکا ہے اسی پر قناعت

کرتا ہے- یا پڑھ کر منتہی ہو جاتا ہے کہ وقف میں سے اس کا حصہ نہیں رہتا- کیونکہ وہ تو فقط طلبہ کے واسطے مشروط ہے- جو علم حاصل کرتا ہو ہاں اگر وہ مدرس یا کار پرداز ہوتا تو اس کو روا تھا- کیونکہ وہ ہمیشہ اس کے کام میں مشغول رہتا ہے-

ازاں جملہ وہ تلبیس ہے جو بعضے نوجوان فقہ پڑھنے والوں اور فقیہ بن جانے والوں سے سنا جاتا ہے کہ اس نے بعض منہیات کی طرف پاؤں پھیلادیئے- چنانچہ بعض نے لباس ریشمی پہننا شروع کیۓ اور سونے کی انگوٹھی پہنی- اور بعض نے چنگی وصول کی اور اسی قسم کے دیگر معاصی میں قدم بڑھایا- پھران لوگوں کی اس بے باکی کے اسباب مختلف ہیں چنانچہ بعض کو اصل دین ہی میں عقیدہ نہیں تھا- لیکن اس نے اپنے الحاد کو چھپانے کے لیے فقہ میں کچھ شغل کرلیا- یا یہ غرض رکھی کہ اس بہانے سے اس کو وقف سے حصہ ملے گا یا وہ سرداری کا تمغہ پائے گا' یا مناظرہ کے نام سے دوسروں کو بہکائے گا- (شائد یہ دیا لمہ روافض ملاحدہ کا خفیہ ساختہ پرداختہ ہو)ان میں سے بعض کا عقیدہ تو دین اسلام میں صحیح ہے لیکن اس پر خواہش نفس نے غلبہ کیا اور اس کے پاس ایسا علم نہ تھا جو اس کو اس حرکت سے روکے کیونکہ جدل و مناظرہ نفس میں، تکبر و غرور بڑھاتا ہے اور جوش میں لاتا ہے- انسانیت جب ہی ٹھیک ہوتی ہے جب آدمی بزرگان سلف کی خصلت و خوبی مطالعہ کرے اور ریاضت سے نفس کو مغلوب کرے- اور اکثر زمانہ والوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اس سے دور جا پڑے ہیں- اور ان کے نزدیک جو علم جدل و مناظرہ ہے وہ اور بھی نفس کو کج روی پر مدد دیتا ہے- تو لامحالہ خواہش بے روک ٹوک کے اس کے دل میں رواں ہوتی ہے-

بعض کے خیال میں ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ تم عالم و فقیہ و مفتی ہو- اور علم ضرور عالموں سے عذاب الٰہی دور کرے گا- حالانکہ یہ خیال باطل ہے اور یہ منصوبہ بعید ہے- بلکہ ایسا نہ ہو کہ علم کے ساتھ بدکاری کرنے میں عذاب دوگنا ہو جائے- چنانچہ ہم نے قاری لوگوں کے حق میں اس کو بیان کر دیا ہے- حسن بصری نے فرمایا کہ فقیہ وہی شخص ہے جو اللہ عزوجل سے خوف رکھتا ہے-

شیخ ابن عقیل نے کہا کہ میں نے ایک خراسانی فقیہ کو دیکھا' جس پر ریشمی لباس تھا-

اور سونے کی انگوٹھیاں پہنے تھا۔ تو میں نے کہا کہ یہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ سلطان کی خلعت اور دشمنوں کی جلن ہے میں نے کہا کہ نہیں اگر تو مسلمان ہے تو تیرے دشمنوں کی خوشی ہے اس لیے کہ ابلیس تیرا حقیقی دشمن ہے اور جب اس نے تجھ پر قابو پالیا تو تجھے ایسی چیز پہنائی جس کو شرع مبارک ناخوش رکھتی ہے۔ پس تو نے اپنے دشمن کو اپنے اوپر خوش ہونے کا موقع دیا۔ اور تجھ غریب کے حال پر افسوس ہے کہ تو کچھ نہ سمجھا۔ کیا سلطان نے تجھے وہ خلعت پہنایا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ تجھے سلطان نے خلعت کیا پہنایا کہ تو نے ایمانی خلعت اتار دیا اور لائق یہ تھا کہ تیرے ذریعہ سے سلطان فسق کا خلعت اتارتا اور تو اس کو تقوی کا لباس پہناتا۔ لیکن خدا نے تم پر پھٹکار ڈالی کہ اس طرح کام تمام کیا۔ کاش تو یہ کہتا کہ میرا یہ لباس فقط میری طبیعت کی حماقت سے ہے اور اب تو تیرا امتحان پورا ہوا۔ اس لیے کہ اس حالت سے تیرا عدول کرنا تیرے فساد باطن کی دلیل ہے۔

منجملہ تلبیس ابلیس کے فقہاء پر یہ ہے کہ جو لوگ وعظ کہتے ہیں ان کو یہ لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ابلیس ان کو روکتا ہے کہ ان کے وعظ میں حاظر نہ ہوں' کہ یہ لوگ کیا چیز ہیں یہ لوگ تو قصہ گوئی کرنے والے ہیں۔ شیطان کا مقصود یہ ہے کہ وہ ایسے موقع پر حاضر نہ ہوں جہاں دل نرم ہوتے ہیں اور خشوع و خضوع کے ساتھ جناب باری تعالیٰ میں جھکتے ہیں۔ واعظین جو انبیاء واولیاء کے قصص بیان کریں اس نام سے مذموم نہیں ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **نحن نقص علیک احسن القصص الایہ** یعنی اے محمد ﷺ ہم تجھے بہترین قصہ سناتے ہیں (یعنی قصۂ یوسف علیہ السلام) اور فرمایا **فاقصص القصص الایہ** (الاعراف پ ۹ آیت ۱۷۶) یعنی اے محمد ﷺ تو قصص انبیاء اور ان کی نافرمان امتوں کا انجام ہلاکت بیان کردے۔ شاید یہ لوگ رجوع کریں۔ قصص بیان کرنے والوں کی مذمت فقط اس جہت سے ہوتی ہے کہ اکثر وہ لوگ فقط قصے بیان کرتے ہیں' مفید علمی باتیں بیان نہیں کرتے پھر قصص میں بھی اکثر جھوٹے قصے خلط ملط کرتے ہیں اور بارہا محال باتوں پر اعتماد کرتے ہیں (یعنی جیسے شداد نے بہشت ارم وغیرہ بنائی) اور اگر قصص سچے ہوں جن سے نصیحت حاصل ہو تو وہ تعریف کے

قابل ہیں- امام احمد بن حنبل کہا کرتے تھے کہ لوگوں کو سچے قصے بیان کرنے والے کی بہت ضرورت ہے-

واعظوں اور قصے بیان کرنے والوں پر ابلیس کی تلبیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ قدیم زمانے میں وعظ کہنے والے علماء فقہاء ہوتے تھے- عبید بن عمیر تابعی کی مجلس وعظ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابی حاضر ہوئے- عمر بن عبدالعزیز واعظوں کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے- پھر یہ پیشہ ایسا ذلیل ہو گیا کہ جاہلوں نے اختیار کر لیا تو تمیزدار لوگ ان کی مجلس سے الگ ہو گئے اور عوام مرد اور عورتوں نے ان پر ہجوم کیا تو ایسے لوگوں نے علم کا شغل چھوڑ کر قصہ گوئی وغیرہ جن چیزوں کو جاہل عوام پسند کرتے ہیں سیکھنا شروع کیا- اور اس پیشہ میں طرح طرح کی بدعتیں پھیل گئیں- (مترجم کہتا ہے کہ اس دیار میں پورا فتنہ اسی جاہل فرقہ کی ذات سے پھیلا ہوا ہے) ہم نے ان کی آفات کو کتاب قصاص و مذکرین میں مفصل بیان کیا ہے- لیکن یہاں بھی ان میں سے کچھ بیان کریں گے-

منجملہ آفات کے یہ ہے کہ ان میں ایک قوم (ہندوستان میں سوائے شاذ و نادر کے عموماً سب) دلچسپی اور رغبت دلانے کے لیے خوف و دہشت دلانے کی غرض سے حدیثیں بناتی ہے ابلیس نے ان پر یہ رچا دیا ہے کہ تم تو حدیثیں اس لیے بناتے ہو کہ لوگوں کو نیکی پر آمادہ کرو اور بدی سے روکو اور شیطان نے ان جاہلوں پر یہ شبہ ڈالا کہ شریعت ناقص ہے تمہاری اس جھوٹی کار ستانی کی محتاج ہے- پھر یہ بھول گئے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالے-

ازاں جملہ یہ لوگ اپنے سریلے کلام میں وہ چیزیں ملاتے ہیں جو نفس کا جوش ابھاریں اور دلوں میں سرور لائیں تو اپنی باتوں کو رنگین کرتے ہیں- چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ اس میں عشقیہ اشعار اور غزلیں پڑھتے ہیں- ابلیس نے ان پر یہ تلبیس رچائی کہ تم اللہ تعالیٰ کی محبت کا اشارہ کرتے ہو- اور یہاں یہ خوب معلوم ہے کہ عوام جو ان کی مجلس میں بھرے پڑے ہیں ان کے دلوں میں جوش شہوت بھرا ہوا ہے- جو اس تازیانہ سے ابل پڑتا ہے تو

یہ واعظ خود گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔

ازاں جملہ بعضے واعظ بناوٹ سے وجد اور خشوع ظاہر کرتے ہیں۔ اگر کچھ دل میں بھی ہو تو اس سے بہت زیادہ بتاتے ہیں۔ اور جس قدر جماعت کی کثرت ہو اسی قدر بناوٹ زیادہ ہوتی ہے تو نفس میں جو بڑھتی خشوع و رونا موجود ہوتا ہے وہ اس کو رائیگاں کر دینے میں بخل نہیں کرتا پس ان میں سے جس نے یہ جھوٹ بناوٹ کی وہ آخرت میں خوار اور خراب ہوا اور جو سچا ہے وہ ریا کاری کی میل سے نہ بچا۔

بعض واعظیں عجیب و غریب حرکات کرتے ہیں۔ جن کا نتیجہ یہ کہ قرآن کو ایک نئی راگنی کے لہجہ میں پڑھنے لگے ہیں۔ یہ نئی راگنی انہوں نے آج کل گانے کے مشابہ نکالی ہے، تو یہ مکروہ ہی نہیں بلکہ صریح حرام سے زیادہ قریب ہے پس اس راگنی کہ قراءت سے قاری کو سرور ہوتا ہے اور واعظ اس کے ساتھ ہاتھوں کی دستک اور پاؤں کی ٹھوکر لگا کر غزلیں پڑھتا جاتا ہے۔ جیسے مستانہ لوگ کرتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام کی طبیعت امنگ پر آجاتی ہے۔ اور ان کے شہوانی نفوس جوش کھاتے ہیں۔ عورتیں اور مرد آوازیں لگاتے ہیں اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ کیونکہ جملہ نفوس میں جو خواہش نفسانی و قوت شہوانی حیوانی دبی ہوئی ہیں وہ اس جلسہ میں ابھر آتی ہیں۔ پھر جب یہاں سے یہ عورتیں اور مرد باہر نکلتے ہیں تو کہتے جاتے ہیں کہ جلسہ تو بہت خوب ہوا۔ اور خوبی سے اشارہ انہیں حرکات و امور ناشائستہ کی طرف ہے جو شرعاً جائز نہ تھے۔

بعض واعظین کی یہ کیفیت ہے کہ وہ بھی اس چال پر چلتا ہے جو ہم نے بیان کی لیکن وہ مرثیہ کے اشعار اور نوحے پڑھتا ہے (مثلاً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے واسطے مرثیہ پڑھتا ہے) اور ان اشعار میں ان کی حالت تنہائی و بے کسی و غریب الوطنی و دشمنوں کا نرغہ اور مصائب جھوٹ سچ ملا کر اسی طرح بیان کرتا ہے کہ عورتیں دھاڑیں مار مار کر رونے لگتی ہیں۔ اور مجلس وعظ ماتم خانہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اہل آخرت کے واسطے صرف اسی قدر لائق ہے کہ پیارے بزرگوں کی شہادت و وفات پر صبر و ثبات کی تلقین کریں۔ اور یہ لائق نہیں ہے کہ ایسی باتیں کریں جن سے جزع و فزع پیدا ہو (مترجم کہتا ہے کہ یہ منافقین دنیا کے سوائے آخرت کو اپنا گھر نہیں جانتے ہیں تو لامحالہ یہاں سے مرنا ان کے لیے نامراد اور

بے کس اور بے ارمان مرجانا ٹھہرا- اور شہادت اور مصیبت کا ثواب جو یہاں سے کما کر آخرت میں بلند درجات کا حصول ہے اس کا خیال بھی نہیں آتا تو بھلا یقین کا کیا ذکر ہے- اور یہ بلاء جزع و فزع اور خیالات عام طور پر ان ملکوں میں پھیل گئے ہیں- انا للہ وانا الیہ راجعون) بعض واعظین مغرور ممبر پر بیٹھ کر زہد کے دقائق اور محبت حق سبحانہ و تعالیٰ کے رموز و اسرار بیان کرنے پر زبانی جمع خرچ کرتے ہیں تو ابلیس ان پر تلبیس ڈالتا ہے کہ آپ بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں کیونکہ آپ اگر ایسے عارف کامل نہ ہوتے تو بھلا کیسے ان مقامات کو کھول کر بیان کرتے اور سلوک کی راہ چلتے- اس مکر عظیم کو میں صاف کیئے دیتا ہوں کہ کسی مقام کو زبانی بیان کر سکتے ہیں لیکن اس کا بنانا بنانے والے دستکار ہی جانتے ہیں) بعض واعظوں کا یہ حال ہے کہ شرع سے خارج شطحیات بیان کرتے ہیں اور اس پر شاعروں کے عاشقانہ اشعار سند لاتے ہیں اور ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مجلس میں شور ہو- چاہے بے ہودہ گوئی سے یہ مقصد حاصل ہو-

بعض واعظوں کا یہ حال ہے کہ بڑی آراستہ اور بڑی پر تکلف عبارت بولتے ہیں- جو اکثر بے معنی ہوتی ہے- اس زمانہ میں مواعظ کا بڑا حصہ' حضرت موسیٰ' کوہ طور' یوسف و زلیخا کے قصوں سے متعلق ہوتا ہے- فرائض کا بہت کم تذکرہ آنے پاتا ہے- اسی طرح گناہ سے بچنے کا ذکر کبھی نہیں ہوتا- ایسے مواعظ سے ایک زانی' ایک سود خور اور ایک ریاکار کو توبہ کرنے کی ترغیب اور توفیق کیسے ہو سکتی ہے- اور کب عورت کو شوہر کے حقوق ادا کرنے اور اپنے تعلقات درست کرنے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے- اس لیے کہ یہ مواعظ ان مضامین سے خالی ہوتے ہیں' ان واعظوں نے شریعت کو پس پشت ڈال دیا ہے- اسی لیے ان کا بازار خوب گرم ہے- اس لیے کہ حق ہمیشہ طبیعتوں پر بھاری ہوتا ہے اور باطل ہلکا اور خوشگوار-

بعض واعظ صوفی بن کر لوگوں کو زہد و عبادت سکھاتے ہیں- اور عوام کو اصلی مقصود نہیں بتلاتے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ بیچارے ان کے کہنے میں آکر کسی جنگل یا پہاڑ کے گوشہ میں بیٹھ رہتے ہیں- اور اس کی آل و اولاد بھیک مانگنے کے قابل رہ جاتی ہے- (مترجم کہتا ہے کہ ان ہی لوگوں کے شیطانی خیالات نے عوام کے ذہن میں بٹھا دیا کہ پرہیز

گاری و دین تو جب ہو سکتا ہے کہ جنگل میں بیٹھ رہے اور خدا پر توکل کرے۔ اور جب یہ ہم سے نہیں ہو سکتا تو ہم دنیا داری میں رہیں گے" یہ نہایت سخت فتنہ ہے)۔

بعض واعظ ہیں کہ لوگوں کو عظمت و شان الٰہی سے بھلا کر امید و طمع کے کلمات سے دلیر کرتے ہیں' بدون اس کے کہ اللہ تعالیٰ سے خوف دلائیں۔ وہ لوگ گناہوں پر دلیرانہ جرات کرتے ہیں۔ اور دنیا کی چیزیں' عمدہ غذا و پوشاک و سواری کی جانب واعظ کے مائل کرنے سے اس کی تقویت ہو جاتی ہے' تو ایسے واعظ کے قول و فعل سے عوام کے دلوں میں بڑی خرابی پیدا ہو گئی۔

فصل۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ واعظ سچا اور خیر خواہ ہوتا ہے لیکن جاہ طلبی اسکے دل میں سرایت کر چکی ہوتی ہے' وہ چاہتا ہے کہ اس کی عزت و تعظیم کی جائے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر دوسرا واعظ اس کی قائم مقامی کرے یا اصلاح کے کام میں اس کی مدد کرنا چاہے تو اس کو ناگوار ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر یہ مخلص ہوتا تو اس کو اس سے کبھی ناگواری نہ ہوتی۔ بعض واعظوں کی مجلس میں مرد اور عورتیں یک جا جمع ہوتی ہیں' اور ان لوگوں کے زعم میں عورتیں وجد میں آکر زور سے چلاتی ہیں۔ اور واعظ مذکور اس سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرتا ہے۔ تاکہ سب کے دل اس کی طرف ملے رہیں۔ ہمارے زمانہ میں بہت سے واعظ ایسے ظاہر ہوئے ہیں جن کو تلبیس کی قسم میں لینے کی ضرورت نہیں ہے یعنی ان پر کچھ شبہ ابلیس نے نہیں ڈالا۔ بلکہ وہ صریح ایسی حالت میں ہیں کہ انہوں نے وعظ گوئی اپنی معاش بنائی ہے۔ اور امراء و ظالموں کے یہاں جا کر وعظ میں ان کی دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔ چنگی وصول کرنے والوں سے نذرانہ لیتے اور شہروں شہروں جا کر وعظ سے کمائی کرلاتے ہیں۔ اور بعض مقابر میں جا کر مصیبت و فراق احباب و اعزہ کا بیان کرتے ہیں جس سے عورتیں خوب پھوٹ پھوٹ کر روتی ہیں۔ اور یہ شخص ان کو صبر کی تاکید نہیں کرتا۔

فصل۔ بعض علماء محققین کے حق میں ابلیس یہ تلبیس و خطرہ دل میں ڈالتا ہے کہ تجھ ایسا آدمی وعظ کہنے کے لائق نہیں ہے' بلکہ وعظ کہنا ایسے عالم کا کام ہے جو تیار بند ہو تو اس کو ابلیس آمادہ کرتا ہے کہ الگ ہو کر خاموش ہو جائے۔ اور یہ ابلیس کا وسوسہ ہے۔

کیونکہ وہ اسے نیکی سے روکتا ہے۔ اور کبھی اس سے کہتا ہے کہ تو جو کچھ بیان کرتا ہے اس سے لذت پاتا ہے اور اس سے بسا اوقات ریا پیدا ہونے کا گمان غالب ہے۔ اور الگ رہنا سب سے بہتر سلامتی ہے۔ اس سے بھی ابلیس کا مقصود یہی ہے کہ نیکی کا دروازہ بند ہو جائے۔ ثابت البنانی سے روایت ہے کہ ایک مجلس میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے تو علاء سے کہا گیا کہ تم نصیحت کے واسطے کلام کرو تو کہا کہ میں بھی اس مرتبہ میں ہوں۔ پھر کلام اور اس کی حالت اور اس کا انجام بیان کیا تو ثابت کہتے ہیں کہ مجھے بہت پسند آیا۔ پھر حسن بصری نے کلام کیا تو کہا کہ ابلیس جانتا ہے کہ تم لوگوں نے علاء سے نصیحت لی ہوگی کہ نہ اس نے کسی شخص کو نیکی بتلائی اور نہ کسی برائی سے منع کیا۔

اہل لغت و ادب کے عالم و متعلم پر تلبیس ابلیس کا بیان

ابلیس نے سب نحوی اور لغوی لوگوں پر اپنی یہ تلبیس ڈالی کہ ان کو نحو و لغت میں یہاں تک پھنسایا کہ جو علوم ان پر فرض عین تھے جیسے عبادات و معارف و توحید' ان سے باز رکھا۔ اور اصلاح نفس و صلاحیت قلب کے علوم سے اور افضل علوم تفسیر و حدیث و فقہ سے روک دیا۔ پس اس مکر میں ان لوگوں نے اپنی تمام عمر ایسے فنون میں کھوئی جو بذات خود مقصود نہیں ہیں۔ بلکہ اس لیے سیکھے جاتے ہیں کہ علم دین حاصل ہو۔ پس جب انسان نے کوئی کلمہ سمجھ لیا تو اس کے ذریعہ سے عمل کی جانب ترقی کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہی بذات خود مقصود ہے۔ اور اسی کے واسطے زبان عربی حاصل کی جاتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ان نحوی لغوی لوگوں نے عمر کھوئی اور بعض کو دیکھو کہ وہ آداب شریعت سے کچھ بھی نہیں جانتا سوائے قدر قلیل کے۔ اور نہ وہ فقہ سے واقف ہے اور نہ اپنی ذات کی پاکیزگی و اصلاح قلب کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور باوجود اس جہالت کے ان میں بڑا تکبر بھرا ہوا ہے اور شیطان نے ان کے خیال میں بھر دیا ہے کہ تم لوگ اسلام کے علماء ہو اس لیے کہ یہ نحو و لغت اسلامی علوم ہیں اور انہیں سے قرآن مجید کے معانی معلوم ہو سکتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس سے کب انکار کیا جاتا ہے کہ اس زبان کا حاصل کرنا اسلام میں ضرور ہے لیکن جس قدر صرف و نحو و لغت واسطے تفسیر و قرآن و فقہ کے لازم ہے وہ

قریب الحصول ہے اور ماسوائے اس کے جس قدر حاصل کرتے ہیں وہ زائد فاضل ہے۔ اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے اور ایسی زائد کے لیے عمر کا بڑا حصہ صرف کر ڈالنا اور جو امر مہم ضروری ہے اس کو غلطی سے چھوڑنا اور اس کے پیچھے تفسیر و فقہ و حدیث جو اصلی و اعلی مرتبہ ہیں ان سے غافل رہنا سخت خسارہ و غبن ہے۔ ہاں اگر عمر دراز ہوا کرتی کہ سب علوم حاصل ہو جاتے تو خیر تھا۔ لیکن عمر تھوڑی ہے تو سب سے زیادہ ضروری کو ضروریات پر مقدم کرنا درجہ بدرجہ لازم ہے۔

منجملہ ان امور کے جن کو یہ نحوی ٹھیک سمجھے حالانکہ غلط ہے۔ یہ ہے کہ ابوالحسین ابن فارس نے کہا کہ فقیہ العرب سے پوچھا گیا کہ **ھل یجب علی الرجل اذا اشھد الوضوء قال نعم** یعنی کیا جب مرد اشہاد کرے تو اس پر وضو واجب ہو گا فرمایا کہ ہاں واجب ہو گا۔ اور بیان کیا کہ اشہاد یہ ہے کہ مزی نکل آوے (اشہاد کے معروف معنی ہیں گواہ کر لینا) مصنف نے کہا کہ اسی قسم کے بہت سے مسائل ذکر کیے۔ حالانکہ یہ انتہا درجہ کی غلطی ہے۔ اس لیے کہ جب ایک نام دو چیزوں کا مشترک ہو تو فتوی میں ایک معنی پر رکھ کر جواب دے دینا بڑی غلطی ہے مثلاً کسی نے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں کہ مرد اپنی زوجہ سے حالت قرء میں وطی کرے یا نہ کرے تو واضح ہو کہ قرء کا لفظ اہل لغت کے نزدیک حیض پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور پاکیزگی طہر پر بھی بولا جاتا ہے۔ تو فقیہ مفتی کا حیض کے معنی لے کر یہ کہنا کہ نہیں جائز ہے یا فقط طہر کے معنی لے کر یہ کہنا کہ ہاں جائز ہے یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اسی طرح اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا روزہ رکھنے والا طلوع فجر کے بعد کھا سکتا ہے تو بھی مطلقاً ہاں یا نہیں کہنا جائز نہیں ہے پس جو کچھ فقیہ العرب کا جواب نقل کیا گیا اس میں دو طرح سے غلطی ہے۔ (ایک) یہ کہ اشہاد کا لفظ دو معنی کو محتمل ہے تو اس نے ہر ایک معنی کی راہ سے جواب میں کچھ تفصیل نہ کی (دوم) یہ کہ اس نے حکم کو اس احتمال کی طرف پھیرا جو سب سے بعید تر ہے۔ اور جو معنی زیادہ ظاہر تھے (یعنی گواہ کر لینا) وہ چھوڑ کر دوسرے معنی قلیل الاستعمال غریب کے لیے۔ اور عجب یہ کہ ان نحویوں نے فقیہ العرب کا جواب بہت مناسب ٹھہرایا۔ لیکن فقہ نہ جاننے سے یہ سب غلطی اٹھائی۔

فصل

چونکہ عموماً ان لوگوں کا یہی شغل رہتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے شاعروں کے اشعار یاد کرتے اور سیکھتے ہیں۔ یعنی طبیعت اسی قسم کی اجڈ ہو گئی۔ اور طبیعت کو اس جہالت طبعی سے روکنے والی کوئی چیز نہ ملی۔ یعنی نہ تو احادیث شریف کا مطالعہ کیا اور نہ سلف صالحین کی عادت و خصلت سیکھی' تو ان کی خود رو طبیعت ایسی ہی ہوائے نفسانی کی طرف آ گئی اور ناکارہ خیالات کی شرح سے بطالت ابھر آئی۔ لہٰذا بہت کمتر بلکہ شاذ و نادر ان لوگوں میں کوئی پرہیز گاری کے شغل میں نظر آئے گا۔ اور نہ اپنی خوراک کا حلال و حرام دیکھنے والا ملے گا۔ اس لیے کہ فن نحو کے طالب سلاطین ہوتے ہیں تو نحوی انہیں کے حرام مال کھاتے ہیں۔ جیسے ابو علی الفارسی زیر سایہ عضد الدولہ وغیرہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اکثر یہ لوگ بہت سے امور کو جائز جانتے ہیں۔ حالانکہ وہ حرام ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کو علم شرع وفقہ بہت کم ہوتا ہے۔ چنانچہ ابراہیم بن السری ابو السحاق الزجاج نے خود لکھا ہے کہ میں قاسم بن عبداللہ کو علم ادب سکھلایا کرتا تھا اور اس سے کہا کرتا تھا کہ امیر زادے اگر تم اپنے باپ کے مرتبہ وزارت کو پہنچے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے تو وہ کہتا کہ جو تم چاہو گے تو میں کہتا کہ مجھے بیس ہزار دینار۔ اور یہ مقدار میری ہمت کے نزدیک گویا انتہاء درجہ تھی۔ پھر چند ہی روز گزرے تھے کہ قاسم مذکور مرتبہ وزارت سے سرفراز ہوا۔ اور میں ہنوز اس کی ملازمت میں تھا' اور اب اس کا ندیم ہو گیا۔ پھر میرے جی میں آیا کہ اس کو وعدہ یاد دلاؤں۔ لیکن مجھے اس سے ہیبت معلوم ہوئی مگر وزارت کے تیسرے روز اس نے خود مجھ سے کہا کہ اے ابو اسحاق تم نے مجھے نذر یاد نہیں دلائی۔ میں نے کہا کہ میں نے جانب وزارت کا ادب کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ و حمایت میں رکھے۔ اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو اپنے خادم کے حق واجب کے بارہ میں نذر یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو مجھ سے فرمایا کہ خلیفہ اس وقت معتضد ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مجھے یک مشت تجھے بیس ہزار دینار دینا کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کو خفیہ خبر پہنچے اور اس کا ایک قصہ ہو جائے۔ اب تم کو مناسب ہے کہ یہ مال مجھ سے متفرق لینے

پر راضی ہو جاؤ۔ میں نے کہا کہ بہت خوب یہی کروں گا تو مجھ سے کہا کہ میری کچہری کے دروازے پر بیٹھ جانا۔ اور لوگوں کی درخواستیں و رقعہ لینا' ہر ایک سے کار براری کی اجرت ٹھہرا لینا اور ہر قسم کی درخواست خواہ ممکن ہو یا محال ہو جو تجھ سے کہی جائے اس کو میرے سامنے پیش کرنے سے نہ رکنا۔ یہاں تک کہ تجھے اس قدر مال حاصل ہو جائے۔ میں نے اسی پر عمل کیا۔ ہر روز میں درخواستوں کے رقعے ان کے حضور میں پیش کرتا اور وہ ہر رقعہ پر توقیع لکھا کرتے اور بارہا مجھ سے پوچھتے کہ اس رقعہ پر تیرے لیے سائل نے کیا ضمانت کر لی ہے۔ یعنی تجھے کس قدر دینے کو کہا ہے۔ میں بیان کرتا کہ اس قدر وعدہ کیا ہے۔ تو مجھ سے فرماتے کہ تو نے خسارہ اٹھایا یہ رقعہ تو اس قدر کے لائق تھا تو جا کر ان لوگوں سے اپنا حق بڑھوا لے۔ پس میں لوٹ کر متعلقہ لوگوں سے کہتا کہ مجھے زیادہ دینے کا وعدہ کرو تو میں پیش کر کے اجازت لکھوا دوں۔ پس وہ لوگ تھوڑا تھوڑا کر کے بڑھاتے اور میں برابر انکار کرتا رہتا۔ یہاں تک کہ اس حد تک پہنچ جاتے جو وزیر نے مجھ سے کہی تھی۔ زجاج نے کہا کہ پھر ایک مرتبہ میں نے وزیر موصوف کے سامنے مال عظیم کا رقعہ پیش کیا یعنی کسی چیز کے ٹھیکہ وغیرہ کی درخواست تھی۔ جس کی مقدار بہت زیادہ تھی۔ تو اسی ایک درخواست میں مجھے بیس ہزار دینار مل گئے۔ اور اس سے زیادہ دولت چند ہی روز میں مجھ کو حاصل ہو گئی۔ پھر چند ماہ کے بعد مجھ سے پوچھا کہ اے ابو اسحاق مال نذر پورا ہو گیا۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ پس وہ خاموش رہا اور میں برابر اس کے سامنے رقعات پیش کیا کرتا۔ پھر ہر مہینہ میں بیس دن کے بعد مجھ سے پوچھتا کہ وہ مال نذر پورا ہو چکا اور میں کہتا کہ نہیں' اس خوف سے کہ میری کمائی جاتی رہے گی۔ یہاں تک کہ میرے پاس دو چند مال چالیس ہزار دینار سے زائد حاصل ہو گیا۔ پھر جو اس نے ایک روز پوچھا تو مجھے برابر جھوٹ بولنے سے شرم آئی۔ میں نے کہہ دیا جی ہاں حضرت وزیر کی برکت سے یہ مال حاصل ہو گیا وزیر موصوف نے کہا واللہ تم نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا۔ کیونکہ جب تک تم کو یہ مال حاصل نہ ہوتا تب تک میرا دل لگا رہتا۔ پھر وزیر نے دوات اٹھا کر میرے لیے تین ہزار دینار کی ایک چٹھی اپنے خزانچی کو بطور صلہ کے لکھ دی۔ وہ بھی میں نے لے لی۔ اور آئندہ میں ان کے سامنے رقعات پیش کرنے سے باز رہا اور یہ نہ جانا کہ اب کیونکر

مجھے ان سے کچھ وصول ہو گا پھر جب دوسرے روز میں حسب معمول وزیر کی خدمت میں حاضر ہو کر بیٹھا تو مجھے اشارہ کیا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ۔ یعنی مجھ سے رقعات و درخواستیں طلب کیں، جیسے پہلے دستور تھا تو میں نے عرض کیا کہ میں نے کسی سے رقعہ نہیں لیا کیونکہ نذر پوری ہو چکی تھی اور میں نہیں جانتا تھا کہ اب میں کیونکر جناب وزارت سے توقیع لکھواؤں گا تو فرمایا کہ سبحان اللہ کیا تم سمجھے تھے کہ جو تمہاری عادت پڑ گئی ہے اور لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو چکا، اور جس سے ان کے نزدیک تمہارا مرتبہ کھل گیا وہ ہر صبح و شام تمہارے دروازے پر حاضر ہوتے رہتے ہیں وہ میں تم سے منقطع کر دوں گا۔ لوگوں میں منقطع کرنے کی وجہ بھی ظاہر نہیں ہے تو وہ لوگ یہی گمان کریں گے کہ میرے نزدیک تمہاری وجاہت نہیں رہی یا تمہارا رتبہ گھٹ گیا ہے۔ لہٰذا تم بدستور درخواستیں لیتے رہا کرو اور پیش کیا کرو۔ اور اب کسی حساب تک (محدود) نہیں ہے۔ میں نے اٹھ کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور دوسرے روز صبح ہی لوگوں کی درخواستیں لیے ہوئے ان کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور ہر روز ان کے حضور میں پیش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وزیر موصوف نے انتقال فرمایا اور میں اس دولت سے آسودہ ہو چکا تھا۔ مصنفؒ نے کہا کہ دیکھو فقہ سے نادانی کا انجام کہاں تک ہوتا ہے۔ اور دیکھو یہ شخص زجاج جو نحو و لغت میں بڑے درجہ کا آدمی تھا، اگر یہ جانتا ہوتا کہ یہ معاملہ جو وزیر اور اس کے درمیان جاری ہوا اور کیونکر اس نے لوگوں سے ہر قسم کی درخواستوں پر مال ٹھہرا لیا تھا یہ سب کسی طرح شرع میں حلال نہ تھا تو وہ اس سب قصہ کو بیان نہ کرتا بلکہ سب کو مخفی کر دیتا۔ اور وجہ یہ کہ ہر قسم کے حقوق کو صاحبان حق تک پہنچا دینا شرعاً حکام پر واجب ہے اور اس پر رشوت لینا جائز نہیں ہے۔ اور نہ کوئی امر جو وزیر نے اس کے لیے خلافت کے امور سے مقرر کیا تھا جائز ہے اس سے ظاہر ہوا کہ علم فقہ کا مرتبہ عظیم ہے۔

شعراء پر تلبیس ابلیس کا بیان

شاعروں پر یہ ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ اپنے جی میں مغرور ہوئے کہ تم لوگ اہل ادب ہو اور خدا نے تم کو ایسی دانائی عطا کی جس سے دیگر لوگ محروم ہیں تو تم کو ایک

خاص امتیاز عطا ہوا ہے اور جس نے تم کو یہ دانائی دی ہے وہی تمہاری خطاؤ لغزش بھی عفو فرمائے گا۔ اگر شائد تم سے (کوئی خطا) سرزد ہو۔ للذا تم دیکھتے ہو کہ شاعر لوگ کیونکر ہر جنگل میں سرگرداں پھرتے ہیں' جھوٹ بولتے' بہتان لگاتے' ہجو کرتے' آبرو ریزی کرتے اور اپنے اوپر فحش و بدکاری کا اقرار کرتے رہتے ہیں ان کے حالات میں سے کمتر یہ ہے کہ شاعر کسی آدمی کی مدح کرتا ہے تو اس آدمی کو یہ خوف ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو یہ ناخوش ہو کر میری ہجو کرے تو چارو ناچار اس کو دے کر راضی کرتا ہے۔ تاکہ اس کی شرارت سے بچا رہے یا شاعر بے حیاء مجمع عام میں ایک شخص کی تعریف کرتا ہے تو وہ لامحالہ دوسروں سے شرم کر کے اس کو کچھ دیتا ہے اور یہ سب زبردستی تنگ کرنے کے معنی ہیں۔ بکثرت شعرا کو دیکھو کہ اپنے آپ کو ادیب سمجھتے اور ریشم کا لباس پہن کر حد سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اور نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ جلسہ شراب میں ساقی گل اندام کے ہاتھوں سے مے نوشی کرتے رہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اس مجمع اور فجور میں بہت سے اہل ادب جمع تھے۔ معاذ اللہ یہ بے ادبی اور یہ دعویٰ ادب۔ حالانکہ ادب تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں تقویٰ و طہارت کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور جو کوئی امور دنیا میں بڑا ہوشیار ہو' وہ محض بے قدر ہے کیونکہ یہ سب دنیا اور اس کی چیزیں فناء ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں خالی عبارت آرائی کچھ کام نہیں دے سکتی جب کہ تقویٰ نہ کیا ہو شاعروں کی عموماً یہی خصلت ہے کہ بھیک مانگتے ہیں۔ گردش چرخ اور تقدیر کی مذمت کرتے اور کفر کے کلمات بکتے ہیں۔ چنانچہ بعض کا قول ہے۔

لئن سمت ہمتی فی الفضل عالیہ فان حظی ببطن الارض ملتصق

اگرچہ فضیلت میں میری ہمت درجہ عالیہ پر پہنچی لیکن میری قسمت زیر زمین چمٹی ہوئی ہے۔

کم یفعل الدھربی مالا اسربہ وکم یسئی زمان جائر حنق

زمانہ کب تک میرے ساتھ میری مرضی کے خلاف برتاؤ کرے گا اور زمانہ ظالم بے رحم کب تک برائی کرے گا۔

شاعر لوگ یہ بھول گئے کہ ایسے ہی گناہوں نے ان کا رزق تنگ کر دیا ہے اور اپنے آپ کو مستحق نعمت و لائق عیش و سلامت جانتے اور بلا و محنت کو دور سمجھتے ہیں اور کبھی ان کو نہ سوجھا کہ ان پر شرع کے احکام کی فرمانبرداری واجب ہے۔ تو کہاں وہ دعویٰ دانائی اور کہاں یہ غفلت و بے حیائی۔

علماء کاملین پر ابلیس کی تلبیس کا ذکر

مصنف ؒ نے کہا کہ کچھ لوگوں کی ہمت بلند ہوئی تو انہوں نے شرعی علوم قرآن و حدیث و فقہ و ادب وغیرہ حاصل کیے۔ پھر ابلیس نے خفیہ ان میں خطرات ڈالے۔ اور خود بینی میں پھنسایا کہ اپنے آپ کو عظمت کی آنکھ سے دیکھنے لگے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم القدر ہیں کہ اس مرتبہ علمی کو پہنچے اور دوسروں کو فیض پہنچایا۔ پھر بعض کو یہ جنبش دی کہ کہاں تک یہ تکلیف اٹھاؤ گے اب تم راحت حاصل کرو۔ اور یہ لذات لطیفہ ہیں' ان سے نفس کو حصہ دو۔ پھر اگر تم کسی لغزش میں پڑ گئے تو علم تم سے عذاب دور رکھے گا اور ابلیس نے ان کے سامنے علماء کی فضیلت پیش کی' اگر اس نے بدبختی سے قبول کر کے اپنے آپ کو ان میں تصور کر لیا تو برباد ہوا۔ اور اگر توفیق الٰہی پائی تو اس کو تین طرح سے جواب دینا چاہیے۔ (اول) یہ کہ علماء کی فضیلت اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے علم کے موافق عمل کیا۔ اور اگر عمل نہ ہوتا تو بے معنی تھا۔ جیسے کسی نے علم زبانی رٹ لیا اور مقصود نہ سمجھا تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے طعام بہت جمع کیا اور بھوکوں کو کھلایا اور خود کچھ نہ کھایا تو اس سے اس کی بھوک کو کچھ نفع نہ ہوگا (دوم) یہ کہ وہ احادیث لائے جن میں ایسے عالموں کی مذمت آئی ہے جو مقتضائے علم کے موافق عمل نہ کریں جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب لوگوں سے بڑھ کر عذاب قیامت کے روز ایسے عالم کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے نفع نہیں دیا۔ اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقل کیا کہ ایک شخص آگ میں ڈالا جائے گا تو اس کی آنتیں نکل پڑیں گی تو وہ کہے گا کہ میں لوگوں کو نیکی کا حکم دیا کرتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا لوگوں کو ممنوعات سے منع کرتا اور خود عمل نہ کیا کرتا تھا۔ اور جیسے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس

نے نہ جانا اس کو ایک مرتبہ تف ہے اور جس نے جانا اور عمل نہ کیا اس پر سات مرتبہ تف ہے (سوم) ایسے عالموں کو یاد دلائے جو عمل نہ کرنے سے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ جیسے ابلیس اور بلعام باعور وغیرہ اور عالم بے عمل کی مذمت میں قولہ تعالیٰ کمثل الحمار یحمل اسفارا کافی ہے یعنی جیسے وہ گدھا جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں۔

فصل

جو علماء کہ علم و عمل میں پورے تھے ان پر دوسری راہ سے تلبیس ڈالی کہ ان کو علم کا تکبر دکھلایا اور جو ان کے برابر تھے ان سے حسد پر ابھارا اور سرداری کے لیے ریاکاری پر آمادہ کیا۔

پس کبھی تو ان کو یہ دکھلایا کہ سرداری گویا تمہارے لیے حق واجب ہے اور کبھی ان میں سرداری کی محبت ایسی جمائی کہ اس کو خطائے بے ہودہ جان کر اس سے باز نہیں آتے ہیں۔ اس کا علاج ایسے شخص کے واسطے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہو یہ ہے کہ ہمیشہ تکبر و حسد و ریاکاری کی مذمت پیش نظر رکھے۔ اور نفس کو آگاہ کرتا رہے کہ ان بدکاریوں کا عذاب دور نہ ہو گا۔ بلکہ علم کے ساتھ دوگنا ہو جائے گا۔ جس نے سلف صالحین اور علمائے کاملین کے حالات پر نظر رکھی تو ہر حالت میں وہ اپنے نفس کو حقیر دیکھے گا تو تکبر نہ کرے گا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو پہنچانا وہ ریاکاری نہ کرے گا اور جس نے جان لیا کہ مقدرات الٰہی حسب ارادہ ازلی جاری ہوتے ہیں تو وہ حسد نہیں کرے گا۔

کبھی ابلیس ان لوگوں پر عجیب شبہات ڈالتا ہے کہتا ہے کہ تمہارا سرداری چاہنا کچھ تکبر نہیں ہے کیونکہ تم لوگ شرع کے نائب ہو۔ کیونکہ تم شرع کے اعزاز کے طلب گار ہو۔ اور تم ہی سے بدعت کی بنیاد ست ہوتی ہے۔ اور حاسدوں پر تمہاری زبان درازی حقیقت میں شرع کے واسطے غصہ ہوتا ہے۔ کیونکہ شرع نے حاسدوں کی مذمت فرمائی ہے اور جس کو تم ریا سمجھتے ہو وہ ریا نہیں ہے کیونکہ اگر تم نے خشوع کیا اور بناوٹ سے روئے تو لوگ اصل میں تمہاری اقتداء کریں گے۔ جیسے طبیب جب خود پرہیز خوب کرتا ہے تو اس کی بات کا اثر ہوتا ہے۔ یہ تلبیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر ان ہی میں سے

ایک نے دوسروں پر تکبر کیا اور بلند مجلس میں بیٹھا یا کسی حاسد نے اس کی طرف سے کچھ کہا تو اس عالم کو وہ غصہ نہیں ہوتا جیسے اپنے واسطے اس کو غصہ آگیا تھا۔ اگرچہ وہ عالم بھی شرع کا نواب تھا' تو معلوم ہوا کہ اس کا غصہ اپنے واسطے تھا۔ شرع کے واسطے نہیں تھا۔ رہا ریاکاری کرنا تو اس میں کسی کے واسطے کچھ عذر نہیں ہے۔ اور لوگوں کے واسطے کسی کو ریا کاری کرنا حلال نہیں رکھا گیا ہے۔ ایوب السختیانیؒ پر جب کسی حدیث کی روایت میں رقت طاری ہوتی تو چہرہ پونچھنے لگتے اور کہتے کہ زکام بہت سخت ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ذکر کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اعمال کا مدار تو نیت پر ہے اور پرکھنے والا خود دیکھتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ خود مسلمانوں کی غیبت نہیں کرتے۔ لیکن جب ان کے پاس کسی کی غیبت کی جائے تو خوش ہو جاتے ہیں۔ اور یہ تین وجہ سے گناہ ہے۔ (اول) خوشی کیونکہ اس کی وجہ سے غیبت کرنے والے سے معصیت صادر ہوئی ہے۔ (دوم) وہ ایک مسلمان کی آبرو ریزی سے خوش ہوا۔ (سوم) اس نے غیبت کرنے والے پر انکار نہیں کیا۔

فصل

ابلیس نے علوم میں کامل لوگوں پر تلبیس ڈالی کہ راتوں کو جاگتے ہیں اور دن میں جان گھلاتے ہیں۔ یعنی تصنیفات کی مشقت اٹھاتے ہیں۔ ابلیس ان کے ذہن میں ڈالتا ہے کہ تم لوگ دین کو پھیلاتے ہو اور دل میں ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ نام مشہور ہو۔ آوازہ بلند ہو' مسلمانوں میں نامور ہوں۔ اور لوگ دور دور سے سفر کر کے ان کی خدمت میں آئیں۔ یہ تلبیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر اس کی تصانیف سے لوگ نفع اٹھائیں تو بدون اس کے کہ اس کے پاس آئیں یا جو علماء اس کے مثل ہوں ان کے حضور میں طلبہ یہ تصانیف پڑھیں تو وہ خوش ہو جائے۔ تو ایسی صورت میں بے شک وہ علم پھیلانا چاہتا تھا (اور اگر وہ ناخوش ہوا اور یہی چاہے کہ طلبہ اس کی خدمت میں حاضر ہوں تو وہ ناموری چاہتا تھا) بعض سلف نے یہ فرمایا ہے کہ جس علم میں میں نے کوئی تصنیف کی تو یہی چاہا کہ لوگ اس سے نفع اٹھائیں بدون اس کے کہ یہ کتاب میرے نام سے منسوب ہو۔

ان علماء میں سے بعضے ایسے ہیں کہ اگر اس کے پاس آنے والے طلبہ بہت ہوں تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اور ابلیس اس پر تلبیس ڈالتا ہے کہ ہماری خوشی اسی وجہ سے ہے کہ علم سیکھنے والے بہت ہیں۔ حالانکہ نفس میں یہ خوشی ہے کہ اس کے شاگرد بہت ہیں اور نام بلند ہے۔ اور اسی قبیل سے یہ کہ ان کی باتوں اور علم سے دل میں مغرور ہوتا ہے۔ اور یہ تلبیس اس وقت کھل جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کچھ طلبہ کسی اور عالم یا مدرس کے پاس چلے جائیں جو علم میں اس سے فائق ہے تو اس عالم کو اس سے بڑی گرانی ہوتی ہے۔ یہ مخلص کی شان نہیں ہے' اس لیے کہ مخلص علماء اور مدرسین کی مثال اطبا کی سی ہے جو لوجہ اللہ مخلوق کا علاج کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر کسی مریض کو کسی طبیب کے ہاتھ سے شفا ہو جائے تو دوسرا خوش ہوتا ہے۔

ہم سابق میں ابن ابی لیلیٰ کی حدیث لکھ چکے ہیں اور اب دوسری اسناد سے اعادہ کرتے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ" نے کہا کہ میں نے ایک سو بیس انصاری اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا۔ ان میں سے ہر ایک کی یہی کیفیت دیکھی کہ جب کسی سے کوئی بات پوچھی گئی تو وہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا بھائی اس کام کی کفایت کرتا اور جب کسی سے کوئی حدیث پوچھی جاتی تو وہ یہی چاہتا کہ اس کا بھائی یہ حدیث روایت کر دیتا۔

فصل

بہت سے علماء کاملین ابلیس کے ظاہری مکرو فریب سے بچ جاتے ہیں تو ان پر وہ مخفی تلبیس لاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تیرے برابر کوئی عالم نہیں پایا۔ اور ابلیس کے داؤ پیچ و آمدورفت کا خوب پہچاننے والا تجھ سے بڑھ کر نہیں ہے پس اگر وہ اس جانب ٹھہرا تو خود بینی میں تباہ ہوا اگر اس نے خیال کیا کہ یہ کسی بشر کا کام نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے شیطان کے مکر سے بچاتا ہے اور اس کے خفیہ مکر دکھاتا ہے تو البتہ فضل الٰہی سے بچ گیا۔

سری سقطی" نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک باغ میں داخل ہوا جس میں ہر قسم کے درخت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا کیے ہیں اور وہاں ہر قسم کے پرندے ہیں جو اللہ

تعالیٰ نے دنیا میں پیدا کئے ہیں پس ہر پرند نے اپنی اپنی زبان میں اس شخص سے کلام کیا۔ کہ السلام علیک یا ولی اللہ' یعنی اللہ تعالیٰ کے ولی تجھ پر سلامتی ہو' پس یہ سن کر اس کا دل ٹھہرا تو یہ شخص اسی کے پنجہ میں گرفتار ہے۔

باب ہفتم

والیان ملک و سلاطین پر تلبیس ابلیس کا بیان

ابلیس نے اس فرقہ پر بکثرت وجوہ سے تلبیس کر دی۔ ان میں سے اصلی تلبیسوں کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

(وجہ اول) ان لوگوں کے دل میں ڈال دیا کہ اللہ تعالیٰ تم کو محبوب رکھتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو کیوں تم کو سلطان بناتا۔ اور کیوں بندوں پر اپنا نائب کرتا۔ یہ تلبیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر یہ لوگ حقیقت میں اس کے نائب ہیں' تو اسی کے قانون شریعت پر حکم کریں اور اسی کی مرضی تلاش کریں' تو البتہ وہ ان کو پسند فرمائے گا۔ رہا ظاہری سلطان ہونا' تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلطنت بکثرت ایسے لوگوں کو دی جن کو وہ قطعاً مبغوض و دشمن رکھتا تھا اور بکثرت ایسے لوگوں کو دنیا میں سلطنت و وسعت دی جن کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا (جیسے نمرود اور فرعون وغیرہ) اور ان میں سے بہتوں کو انبیاء و صالحین پر مسلط کر دیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام و صالحین کو قتل کر ڈالا' اور مغلوب کر کے پریشان کیا تو یہ سلطنت جو ان کو عطا کی تھی ان پر وبال تھی۔ کچھ ان کے واسطے بہتری نہ تھی۔ دولت بھی اس حکم میں ہے۔ ایسے ہی بدکاروں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما نملی لھم لیزدادو اثما الایہ یعنی ہم نے ان کو اسی لیے ڈھیل دے دی تاکہ گناہ بڑھائیں۔ الخ

(وجہ دوم) یہ کہ ابلیس ان لوگوں سے کہتا ہے کہ سلطان اور والی ملک ہونے کے واسطے ہیبت درکار ہے تو اس کا یہ طریقہ نکالتے ہیں کہ علم حاصل کرنے میں حقارت سمجھ کر تکبر کرتے ہیں عالموں کی صحبت کو اپنی شان کے خلاف دیکھتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اپنی جہالت کی رائے پر عمل کرتے ہیں تو دین برباد ہوتا ہے۔ یہ تو ظاہر بات ہے کہ جن لوگوں کی صحبت ہو ان ہی کی خصلت طبیعت میں آ جاتی ہے۔ پس جب دنیا چاہنے والے جاہلوں کی صحبت ہر دم رہی تو طبیعت نے ان ہی کی خصلت حاصل کی۔

باوجودیکہ طبیعت میں خود دنیا چاہنے کی خصلت موجود تھی۔ اور ایسی کوئی چیز آڑے نہ آئی جو اس بد خصلت کو روکتی یا طبیعت کو اس بد خصلت سے جھڑکتی۔ بس یہی بربادی کا سبب ہے۔

(وجہ سوم) یہ کہ ابلیس ان کو (جانی) دشمنوں سے خوف دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر طرف بہت مضبوط پہرے رکھو' تو بے چارے مظلوم لوگ ان تک پہنچ نہیں سکتے۔ اور جو لوگ ان کی طرف سے مظالم دور کرنے پر مقرر ہیں وہ اپنے کام میں سست ہوتے ہیں۔ عمرو بن مرۃ الجہنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور میں سے کسی امر کا متولی مقرر کیا' پھر اس نے مسلمانوں کی حاجت و ضرورت و محتاجی میں حجاب کر دیا۔ (یعنی پہرہ چوکی مقرر کی کہ حاجت والے اس تک نہیں پہنچ سکتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت و ضرورت و محتاجی میں حجاب فرمائے گا (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں جب وہ بے انتہاء سخت محتاج ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کی فریاد نہیں سنے گا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

(وجہ چہارم) یہ کہ سلاطین و امراء ایسے لوگوں کو کارپرداز مقرر کرتے ہیں جو اس کام کے لائق نہیں ہوتے کہ نہ ان کو علم ہے اور نہ دیانت و تقویٰ ہے۔ پس یہ کار پرداز لوگ سخت بدی و معصیت کے انبار ان کے پاس بھیجتے رہے ہیں۔ اس طرح کہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں تو ان کی آہ و بد دعاء کے ذخیرے ان سلاطین پر بھی جمع ہوتے ہیں۔ اور یہ جاہل کار پرداز سب لوگوں کو بیوع فاسدہ سے حرام کھلاتے ہیں۔ اور جس شخص پر شرعی سزا معین نہیں لازم آتی اس کو حد مارتے ہیں تو یہ سخت گناہ ان والیان صوبہ کے ساتھ ساتھ ان کے ذریعہ سے سلطان پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ حالانکہ سلطان جاہل یہ سمجھتا تھا کہ ہم تو والی صوبہ کے ذمہ شرط کر چکے تھے۔ اب ہم عذاب الہی سے چھوٹے ہوئے ہیں۔ افسوس یہ خیال باطل ہے۔ کیا یہ مسئلہ بھی نہیں جانتے کہ اگر والی زکوۃ نے لوگوں سے زکوۃ لے کر ایک فاسق کو مقرر کیا کہ اس قوم کے فقراء میں تقسیم کرے' اس فاسق نے خیانت کی تو والی خود ضامن ہو گا۔

(وجہ پنجم) یہ کہ شیطان ان سلاطین کو دکھلاتا ہے کہ امور سیاست میں دخل ہے کہ تم

اپنی رائے پر عمل کرنے میں اچھی تدبیر کرو گے۔ لہٰذا یہ شریعت کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں۔ کبھی اس شخص کا ہاتھ کاٹتے ہیں جس کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں۔ اور کبھی اس کو قتل کرتے ہیں کہ جس کا قتل حلال نہیں ان کو یہ دھوکا ہے کہ یہ سیاست ہے۔ جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ شریعت ناقص ہے۔ اس کو تکملہ اور ضمیمہ کی ضرورت ہے اور اہم اپنی آراء سے اس کی تکمیل کر رہے ہیں۔ یہ شیطان کا بہت بڑا فریب ہے۔ اس لیے کہ شریعت سیاست الٰہی ہے اور محال ہے کہ خدائی سیاست میں کوئی خلل یا کمی ہو۔ جس کی وجہ سے اس کو مخلوق کی سیاست کی ضرورت ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **مافرطنا فی الکتاب من شئی** (ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) اور ارشاد ہے **لامعقب لحکمه** (اس کے حکم کو کوئی مٹانے والا نہیں) تو جو اس سیاست کا مدعی ہے وہ دراصل شریعت میں خلل اور کمی کا دعویٰ کرتا ہے' اور یہ کفر کی بات ہے۔

ہم کو خبر ملی ہے کہ عضدالدولہ دیلمی ایک لونڈی سے میلان رکھتا تھا' جس کی طرف اس کا دل لگا رہتا تھا۔ تو اس رافضی نے حکم دیا کہ اس لونڈی کو دریائے دجلہ میں غرق کر دیا جائے تاکہ دل کا تعلق جاتا رہے۔ اور تدبیر ملکی میں اس کی وجہ سے خلل واقع نہ ہو۔ مصنف ؒ کہتا ہے کہ یہ محض جنون و جہالت ہے۔ کیونکہ بے جرم اس مسلمہ کا قتل کرنا کسی طرح حلال نہ تھا اور اس کو جائز سمجھنا کفر ہے۔ اور اگر جائز نہ جانے لیکن مصلحت سے سیاست قرار دے' تو بھی شرع کے مقابلہ میں مصلحت کوئی چیز نہیں ہے (بلکہ مترجم کہتا ہے کہ بحکم قولہ تعالیٰ **لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها الایه** کے اس کو مصلحت سمجھنا بھی کفر کے قریب ہے۔ کیونکہ اگر اصلاح شریعت ہے تو اس کے خلاف فساد کو اصلاح ٹھہرانا مخالف ہے)

(وجہ ششم) ابلیس ان لوگوں کو لبھاتا ہے کہ اموال سلطنت میں جس طرح چاہو اپنے حکم سے خرچ کرو کیونکہ یہ تمہارے حکم میں داخل ہے۔ یہ تلبیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ جو شخص اپنے مال میں مسرف ہو اس پر شرع کے حکم میں حجر ہے۔ یعنی قاضی حکم دے کہ اس کے سب تصرفات مالی نافذ نہ ہوں گے۔ تو جب ذاتی مال میں یہ حکم ہے تو

خیال کر لو کہ سلطان تو جمیع مسلمانوں کے اموال خزانہ کا محافظ ہے تو وہ غیروں کے مال میں کس طرح خود مختاری سے بے جا خرچ کر سکتا ہے۔ ان اموال خزانہ سلطنت میں سے سلطان کا حق فقط اس کے کام کی اجرت کے اندازہ پر ہے۔

ابن عقیلؒ نے فرمایا کہ ہم کو خبر پہنچی کہ حماد نے ولید بن یزید الاموی خلیفہ کی مدح میں کچھ اشعار سنائے تو اس نے خوش ہو کر بیت المال میں سے پچاس ہزار روپیہ اور دو لونڈیاں انعام کے طور پر دیں۔ اور فرمایا کہ عجیب بات یہ ہے کہ عوام الناس یہ بات اس کی تعریف میں بیان کیا کرتے ہیں حالانکہ یہ اس کے حق میں انتہاء کی ملامت ہے کیونکہ اس نے مسلمانوں کے بیت المال میں اس طرح بے جا تصرف سے اسراف کیا گویا اخوان الشیاطین سے بھی بڑھ گیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ بعضوں کو یہ رچاتا ہے کہ فلاں قسم کے لوگوں کو نہ دینا چاہیے۔ حالانکہ یہ لوگ حقیقت میں پانے کے مستحق تھے۔ تو یہ اسراف کے ساتھ میں دوسرا گناہ کبیرہ ہے۔ (مترجم کہتا ہے کہ شیخؒ نے شاعروں کی مذمت میں یہ وجہ درج نہ فرمائی کہ اس بے حیا فرقہ نے اسلام میں شیطان کی اصلی قباحت پھیلانے کا بیڑا اٹھایا۔ اور بادشاہوں کا دماغ تکبر سے بھر دیا۔ مثلاً اس نے بادشاد کی تعریف کی کہ حق تعالیٰ فارغ ہے کہ اس نے اپنی ذات کا سایہ ظل اللہ اپنی خلق پر ڈال دیا۔ تو سایہ میں راحت سے بسر کرتے ہیں۔ جب تک ذات پاک باقی ہے یہ سایہ بھی باقی رہے گا۔ لہٰذا ہم پاؤں پھیلائے سوتے ہیں' اور اگر ایسے سایہ میں ہم کو راحت نہ ہو تو ہم ناشکرے ہوں گے۔ کیونکہ سایہ درخت سے نیند آتی ہے تو ہم عذاب آخرت اور نکال دنیا سب سے بے خوف ہوئے۔ ایسی مدح سے شاہ کا دماغ تکبر سے بھر گیا جس تکبر سے شیطان ملعون ہوا وہ بلائے تکبر سب امراء میں عام ہو گئی۔ علماء ذلیل کیے گئے۔ اور شریعت کا لباس و خوراک وغیرہ سب حقارت سے دیکھا گیا۔ اور دنیاوی آرائش اصل مقصود ہو گئی۔ حتیٰ کہ سلطنت ایک نعمت عظمیٰ سمجھی گئی۔ اور بادشاہ کی اولاد ہی اس کی جان کی خواہاں ہو گئی۔ بادشاہ نے اپنی زبان کو حکم قرار دیا اور جمہوری سلطنت کا طریقہ جاتا رہا۔ کہاں تک اس کی خرابیاں بیان ہوں۔ ذرا غور سے سب ظاہر ہو جاتی ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون!)

(وجہ ہفتم) ابلیس نے امراء و سلاطین پر رچایا کہ فی الجملہ معاصی و حظ نفس تمہارے واسطے چنداں مضر نہیں جب کہ تمہاری قوت سے ملک میں امن و امان ہے۔ اور راہوں کی حفاظت ہے۔ یہی تم سے عذاب دفع کرے گا۔ (جواب) یہ ہے کہ جاہل سلطان سے کہا جائے کہ تم تو اسی واسطہ مقرر ہوئے تھے اور تمہاری اطاعت سب پر لازم کی گئی تھی کہ ممالک اسلام کی حفاظت رکھو اور راہوں کی حفاظت رکھو تو تم پر حق واجب تھا پھر تم نے کیا ایسا کام زائد کیا ہے جس سے عذاب دور ہونے کے امیدوار ہو۔ گناہوں سے تم کو منع کر دیا گیا تھا تو جو کچھ تم پر واجب تھا وہ تو تم سے پورا ادا نہ ہوا۔ اور جس سے منع کیا گیا تھا اس میں بڑھ کر نافرمان ہوئے تو عذاب کیوں دفع ہو گا۔

(وجہ ہشتم) ابلیس ان میں سے اکثر امراء و سلاطین پر یہ تلبیس ڈالتا ہے کہ تم نے خوب ٹھیک انتظام کیا ہے۔ دیکھو سب حالات کیسے مستقیم ہیں۔ حالانکہ جب ذرا غور سے دیکھو تو معلوم ہو جائے کہ بکثرت خلل و خرابی موجود ہے۔

قاسم بن طلحہ بن محمد الشاہد سے روایت ہے کہ میں نے علی بن عیسٰی وزیر کو دیکھا کہ ایک شخص کو انگور فروخت کرنے کے واسطے مقرر کیا تھا۔ وہ انگور فروشوں کے یہاں بیچتا پھرتا تھا جب کوئی شخص ایک ٹوکرا انگور خریدتا تو دے دیتا۔ اور جب دو یا زیادہ خریدتا، تو اس پر نمک چھڑک دیتا تاکہ اس سے شراب نہ بن سکے۔ قاسمؒ نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے سلاطین کو پایا کہ منجموں کو راہوں پر بیٹھنے سے روکتے تاکہ نجوم پر عمل کرنا لوگوں میں نہ پھیل جائے اور ہم نے لشکر کو اس صفت کے ساتھ پایا کہ کسی کے ساتھ بے داڑھی مونچھ کا لونڈا نہ تھا۔ جو کاکل بنائے اور بال سنوارے ہو یہاں تک کہ عجمیوں کا میل جول بڑھا تو انہوں نے یہ فحش ایجاد کیا۔

(وجہ نہم) ابلیس نے ان کی نظر میں رچایا کہ سخت مارپیٹ سے لوگوں کے مال کھینچ لیں۔ یعنی مال گزاری و خراج وغیرہ بہت سختی سے وصول کرتے ہیں اور اگر کسی عامل وغیرہ نے خیانت کی تو اس کا مال ضبط کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اختیار فقط اسی قدر ہے کہ خائن پر گواہ قائم کریں یا اس سے قسم لیں۔ ہم کو روایت پہنچی کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کو ان کے ایک عامل نے لکھا کہ ایک قوم نے خداوندی مال میں خیانت کی ہے اور بدون عذاب

و سزا کے ان سے وصول کرنا ممکن نہیں معلوم ہوتا تو جواب میں لکھا کہ اگر وہ لوگ اپنی اس خیانت کے ساتھ خدا سے ملیں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے، کہ میں ان کے خون کا مظلمہ لادے ہوئے خدا سے ملوں۔

(وجہ دہم) ابلیس نے ان کو رچایا کہ اول تو کم زور رعایا سے مال چھین لیتے ہیں۔ پھر اس مال کو خیرات کرتے ہیں اس زعم پر کہ اس سے گناہ مٹ جائے گا۔ بلکہ کہتے ہیں کہ صدقہ کا ایک درہم ہمارے دس درہم غصب کا جرم مٹائے گا۔ اور یہ باطل و محال ہے۔ کیونکہ زبردستی چھین لینے کا گناہ باقی ہے اور رہا صدقہ کا درہم تو وہ اگر اس غصب کے مال سے تھا تو قبول نہ ہو گا اور اگر مال حلال سے تھا تو بھی وہ غصب کا جرم معاف نہیں کرا سکتا اس لیے کہ فقیر کو دینا کچھ دوسرے مظلوم کا حق باقی رہنے کو نہیں روکتا (مترجم کہتا ہے کہ فقہاء کی جماعت کثیر نے کہا کہ غصب وغیرہ حرام مال سے صدقہ دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر میں داخل ہے)

(وجہ یازدہم) ابلیس نے ان کو رچایا کہ وہ معاصی پر اصرار کے ساتھ ساتھ صلحاء کی ملاقات کا بھی بڑا شوق رکھتے ہیں اور ان سے اپنے حق میں دعائیں کراتے ہیں۔ شیطان ان کو سمجھاتا ہے کہ اس سے گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔ حالانکہ اس خیر سے اس شر کا دفعیہ نہیں ہو سکتا ایک مرتبہ ایک تاجر ایک محصول وصول کرنے والے کے پاس سے گزرا۔ اس چنگی والے نے اس کی کشتی روک لی۔ وہ تاجر اپنے زمانہ کے مشہور مرد صالح مالک بن دینارؒ کے پاس آیا اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ مالک بن دینارؒ اس چنگی والے کے پاس گئے۔ اور اس تاجر کی سفارش کی اس نے ان کی بڑی تعظیم کی اور کہا کہ آپ نے کیوں زحمت فرمائی وہیں سے کہلوا دیا ہوتا ہم تعمیل کرتے۔ پھر اس نے ان سے دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے اس برتن کی طرف اشارہ کر کے (جس میں وہ چنگی کا ناجائز روپیہ وصول کر کے رکھتا تھا) فرمایا کہ اس برتن سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے۔ پھر فرمایا کہ میں تمہارے حق میں کیا دعا کروں جب کہ ہزار آدمی تمہارے لیے بددعا کرتے ہیں۔ کیا ایک آدمی کی سن لی جائے گی اور ہزار کی نہ سنی جائے گی۔

(وجہ دوازدہم) بعضے عمال اپنے بالادست حاکموں کے واسطے کام کرتے ہیں اور وہ عمال

کو ظلم کا حکم کرتا ہے تو یہ منحوس ظلم کرنے لگتا ہے۔ ابلیس اس کو بہکاتا ہے کہ اس کا گناہ اس سردار پر ہے جس نے یہ حکم دیا ہے۔ تجھ پر نہیں ہے۔ کیونکہ تو اس کے حکم و قانون کے موافق عمل کرتا ہے۔ حالانکہ یہ محض باطل ہے اس لیے کہ یہ شخص اس کے ظلم میں اور ظالمانہ قانون کے عملدر آمد میں اس کا مددگار ہے اور جو کوئی ظلم و گناہ میں دوسرے کا مددگار ہو وہ عاصی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر کے بارہ میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی اور سود کے کھانے والے اور کھلانے والے اور لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور اسی قسم میں سے یہ ہے کہ مال مملکت بالادست کے پاس غصب و ظلم وغیرہ سے جمع کر کے لے جاتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ وہ شخص اسراف و بے جا حرکات میں خرچ کرتا ہے تو یہ بھی ظلم کی اعانت ہے۔ جعفر بن سلیمانؒ نے کہا کہ میں نے مالک بن دینارؒ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ آدمی کی خیانت کے واسطے یہ کافی ہے کہ بیت المال میں خیانت کرنے والوں کا معین ہو۔

باب ہشتم

عابدوں پر عبادت میں تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا واضح ہو کہ سب سے بڑا دروازہ جس سے ابلیس لوگوں کے پاس آتا ہے وہ جہالت کا دروازہ ہے۔ پس ابلیس جاہلوں کے یہاں بے کھٹکے داخل ہوتا ہے اور رہا عالم تو اس کے یہاں سوائے چوری کے کسی طرح نہیں آ سکتا ہے ابلیس نے بہت سے عابدوں پر یہ تلبیس اس لیے پھیلائی کہ ان کو علم شریعت بہت کم تھا۔ کیونکہ عابدوں میں اکثر یہی حالت ہوتی ہے کہ بدون علم پڑھے عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جاتے ہیں۔ ربیع بن خیثم ؒ نے فرمایا کہ پہلے علم حاصل کر پھر گوشہ نشین ہو۔

ابلیس نے عابدوں پر اول یہ تلبیس ڈالی کہ انہوں نے علم پر عبادت کو ترجیح دی۔ حالانکہ نوافل سے علم افضل ہے۔ پس ابلیس نے ان کی رائے میں یہ جمایا کہ علم سے عمل مقصود ہے۔ اور عمل سے یہی عمل سمجھے کہ جو جوارح سے حاصل ہوتا ہے اور یہ نہ جانا کہ علم بھی قلبی عمل ہے اور قلبی عمل بہ نسبت ظاہری اعضاء کے اعمال کے افضل ہوتا ہے (بلکہ جوارح کا کوئی عمل بدون قلبی عمل نیت کے درست ہی نہیں ہوتا) مطرف بن عبداللہ ؒ نے کہا کہ زائد علم زائد عبادت سے بہتر ہے۔ یوسف بن اسباط ؒ نے کہا کہ علم کا ایک باب حاصل کرنا ستر غزوات سے افضل ہے معافی بن عمران ؒ نے کہا کہ ایک حدیث لکھنا مجھے تمام رات کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ جب ابلیس کی یہ تلبیس ان لوگوں پر چل گئی اور علم چھوڑ کر انہوں نے عبادت کو اختیار کیا تو ابلیس نے عبادت کی ہر شاخ میں ان پر تلبیس ڈالی' چنانچہ ذیل میں بیان ہوتا ہے۔

قضائے حاجت اور حدث میں تلبیس ابلیس کا ذکر

ابلیس نے بعض پر رچایا تو بہت دیر تک پائخانہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اس سے جگر

ضعیف ہو جاتا ہے چاہیے کہ انداز سے بیٹھے۔ بعض کو دیکھو کہ (پیشاب کرنے کے بعد) کھڑا ہو کر ٹہلتا اور بناوٹ سے کھانستا (بلکہ ہنہناتا ہے) اور ایک قدم اوپر اٹھاتا اور دوسرا دے مارتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ اس طریقہ سے وہ خوب قطرات پیشاب سے صفائی کرتا ہے حالانکہ وہ جس قدر ایسی حرکات میں زیادتی کرے گا اسی قدر قطرات نیچے اترنے شروع ہوں گے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانی جو غذا وغیرہ کے ساتھ پیا جاتا ہے وہ انہضام اور ترقیق غذا کے بعد بطور فضلہ مثانہ کی طرف بہا دیا جاتا ہے اور وہاں جمع ہوتا ہے اور جب انسان خود پیشاب کے قصد سے بیٹھتا ہے تو جس قدر پیشاب جمع ہوتا ہے اسے قوت دافعہ بہا دیتی ہے اور جب وہ کھڑا ہو کر کھنکھارنے لگا اور توجہ لگائی کہ کچھ نکلے تو طبیعت جو باقتضاء حکمت الہیہ جاری ہے وہ پیشاب کا پانی مثانہ کی طرف لائے گی۔ اور (چونکہ بہانے کی مقدار کا قصد نہیں ہے تو) قطرات ٹپکائے گی اور یہ ترشح کبھی منقطع نہ ہو گا۔ بلکہ اس کو یہ کافی تھا کہ دو انگلیوں سے نائزہ کو نچوڑ کر پانی سے دھو ڈالتا۔

بعض کی یہ حالت ہے کہ ابلیس نے اس کو بہت سا پانی بہانا اچھا بتلا دیا حالانکہ سب سے سخت مذہب کے موافق بھی عین نجاست دور کرنے کے بعد سات مرتبہ دھونا کافی وافی تھا اور اگر اس نے ڈھیلوں اور پتھروں کا استعمال کیا تو مخرج سے ادھر ادھر اگر کچھ نہ لگا ہو' تو تین پتھروں سے صاف کرنا اس کو کافی تھا جب کہ صاف ہو جائے اور جس کسی نے اس پر قناعت نہ کی جو شرع نے طریقہ بتلایا ہے تو وہ بدعتی ہے شرع کا متبع نہیں ہے۔

وضو میں تلبیس ابلیس کا ذکر

ابلیس ان جاہل عابدوں میں سے بعض پر نیت میں تلبیس کرتا ہے۔ چنانچہ تم دیکھو کہ وہ پے در پے زبان سے بکتا ہے۔ اول کہتا ہے کہ میں رفع حدث کی نیت کرتا ہوں پھر کہتا ہے کہ نماز مباح ہونے کی نیت کرتا ہوں پھر کہتا ہے کہ رفع حدث کی نیت کرتا ہوں اس سب تلبیس کا سبب یہ کہ وہ شرع سے جاہل ہے' تو شیطان اس پر وسوسہ پر وسوسہ ڈالنے میں غالب ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ نیت تو دلی قصدو ارادہ کا نام ہے اور زبانی لفظ کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر فرض کرو زبان ہی سے کہا تھا تو ایک مرتبہ کہنا کافی تھا اس میں دو دو اور

تین تین مرتبہ زبان سے بکنے کے کچھ معنے نہیں ہیں۔ (مترجم کہتا ہے کہ شائد کچھ لوگوں نے بچوں کو تعلیم کے طور پر زبان سے سکھلایا ہو کہ اس کے معنی دل میں لاؤ۔ پھر ان جاہلوں نے اسی لفظ کو نیت قرار دیا) بعض عابد جاہل کی یہ حالت ہے کہ اس کو وسوسہ دلایا کہ تم اس پانی میں غور کرو جس سے وضو کرو گے۔ یہ بھلا تم کو پاک کہاں سے میسر ہوا۔ تو تمہارا وضو مشکوک ہو گا۔ غرض ہر طرح کے بعید احتمال اس کے ذہن میں ڈالتا ہے۔ حالانکہ اس شخص کے واسطے شرع کا فتویٰ یہ کافی تھا کہ پانی اصل میں پاک ہے تو کسی احتمال کی وجہ سے وہ پاکیزگی سے خارج نہ ہو گا (مترجم کہتا ہے کہ بعض کو دیکھو کہ کھلے منہ کنوئیں سے وضو کا پانی نہیں لیتا کہ شائد اڑتی چڑیا نے اس میں بیٹ کر دی ہو' اور شائد کوئی کیڑا اس میں گر کر مر گیا اور ایسے اوہام سے وہ تالاب و دریا تلاش کرتا ہے' اعوذ باللہ من وساوس الشیاطین)

بعض پر تلبیس ڈالتا ہے کہ بہت سا پانی بہاؤ اس میں چار باتیں مکروہ جمع ہو جاتی ہیں۔ (اول) پانی میں اسراف (دوم) وقت برباد کرنا جس کی قیمت کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ وسواس نہ واجب ہے نہ مستحب (بلکہ مذموم قبیح ہے تو عمر برباد ہے) (سوم) شریعت پر تعلی کرنا' کیونکہ شرع نے تھوڑے پانی کے استعمال کی تاکید فرمائی اور اس نے اس حکم پر قناعت نہ کی اور کافی نہ جانا۔ (چہارم) شرع نے تین بار دھونے سے زائد کو ظلم و تعدی ٹھہرایا تو یہ ممنوع میں اول ہی سے داخل ہوا۔ اکثر یہ دیکھا گیا کہ وضو میں اس نے یہاں تک طول دیا کہ نماز کا وقت ہی نکل گیا۔ یا اس کا اول وقت فضیلت کا جاتا رہا یا جماعت جاتی رہی۔ ابلیس اس کو تلبیس میں اس طرح پھنساتا ہے کہ تو اس وضو میں احتیاط کر' کیونکہ تو ایسی عبادت کو شروع کرتا ہے کہ اگر یہ درست نہ ہو تو نماز ہی درست نہ ہو گی۔ اس عابد کو ذرا غور کرنا چاہیے تھا کہ وہ احتیاط میں نہیں ہے بلکہ بے جا مخالفت و اسراف و بے ہودگی میں گرفتار ہے۔ ہم نے تو بہت ایسے دیکھے ہیں جو اس قسم کے وساوس میں گرفتار ہیں اور ان کو یہ خیال بھی نہیں کہ ہمارا کھانا پینا حرام ہے یا حلال' اور نہ اپنی زبان کو غیبت سے روکتے ہیں۔ کاش ایسا جاہل برعکس کر لیتا۔ یعنی زبان کو غیبت سے روکتا اور کھانے پینے میں احتیاط رکھتا اور وضو اور اس کے پانی میں شرعی حکم سے کچھ

بھی تجاوز نہ کرتا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر سعد رضی اللہ عنہ کی طرف اس حال میں ہوا کہ وہ وضو کر رہے تھے فرمایا کہ اے سعد رضی اللہ عنہ یہ کیا اسراف ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا وضو میں بھی پانی کا اسراف کا معتبر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اگرچہ تو بہتے دریا سے وضو کرے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً" روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو میں وسواس کے واسطے ایک شیطان مقرر ہے اس کا نام ولہان ہے تم اس سے بچو۔ حسن بصری" نے کہا کہ وضو کے شیطان کا نام ولہان ہے وہ وضو میں لوگوں پر مضحکہ کرتا ہے۔

ابونعامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عبداللہ بن مغفل" نے اپنے بیٹے کو نماز کے بعد طول طویل دعا کرتے سنا کہ الٰہی مجھے فردوس دیجیو۔ اور الٰہی میں یہ مانگتا ہوں اور وہ مانگتا ہوں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے فرزند تو جنت کی درخواست کر اور جہنم سے پناہ مانگ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اس امت میں ایک قوم ہو گی جو دعا کرنے میں اور وضو کرنے میں حد سے بڑھ جاویں گے۔ ابو شوذب" نے کہا کہ حسن بصری" ابن سیرین" پر یہ تعریض کیا کرتے تھے کہ یہ کیا ہے کہ تم سے آدمی ایک مشک سے وضو کرتا ہے' اور ایک پکھال سے نہاتا ہے اور کثرت سے پانی لنڈھاتا ہے اور ملتا جاتا ہے۔ مفت اپنی جان کو تکلیف دیتا ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے مخالف کرتا ہے۔ ابو الوفاء ابن عقیل" نے کہا کہ علماء عاقلین کے نزدیک خوبی وقت کی حفاظت اور عبادت میں پانی کے ساتھ تکلف نہ کرنا ہے اور بے شک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا' اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو۔ اور منی کے حق میں فرمایا کہ اگر تیرے لگ جاوے تو چاہے اذخر گھاس ہی سے اس کو پونچھ کے دور کر دے۔ اور جوتے و موزے کے حق میں فرمایا کہ اس کو زمین سے رگڑ دے۔ یہی اس کی پاکی ہے اور جس عورت کا دامن دراز لٹکتا جاتا تھا (اور اس نے پوچھا کہ وہ زمین کی نجاست پر لٹک جاتا ہے) فرمایا کہ جو زمین اس کے بعد آتی ہے جب اس سے رگڑا گیا تو پاک ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ لڑکی اگر پیشاب کر دے تو دھویا جاوے اور لڑکا ہو

تو اس پر چھینٹا دینا کافی ہے۔ (یعنی جب تک یہ دونوں دودھ پیتے ہیں) اور خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی ابو العاص ابن الربیع کی بیٹی کو نماز میں اپنے کندھے پر اٹھائے رہتے تھے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جس نے سفر میں چرواہے سے پوچھا کہ تیرے اس تالاب پر درندے بھی پانی پینے آتے ہیں تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہے سے فرمایا کہ تو اس متکلف پوچھنے والے کو کچھ آگاہ مت کر اور فرمایا جو ان جانوروں نے چھوڑ دیا وہ ہمارے واسطے پاک ہے اور ایک مرتبہ مقراۃ والا تھا یعنی تھوڑے پانی کا گڑھا تھا اس سے بھی ایک نے اسی طرح پوچھا تھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقراۃ والے کو فرمایا کہ اس کو مت آگاہ کر اور دیکھو کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراب سے مصافحہ کیا اور بعض اوقات حمار پر سوار ہوا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی عادت شریف سے یہ معلوم نہ ہوا کہ پانی بہت چھینکتے تھے۔ اور مسجد کے سقاوہ سے وضو کیا۔ اعراب کا حال سب جانتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے تو ایک وہ تھا کہ جس نے مسجد میں بیٹھ کر پیشاب کر دیا تھا (یعنی یہ لوگ پیشاب سے چنداں احتیاط نہ کرتے تھے اور نہ ان کے ہاتھوں کا احتیاط سے رکھنا قطعی معلوم ہوا۔ لیکن نجاست ظاہر نہ تھی) اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب ہم لوگوں کو تعلیم فرمانے کے لیے کیا تھا اور یہ آگاہ فرمایا کہ پانی اصل طہارت ہے اور خود ایسے غدیر (چھوٹی تلیا) سے وضو کیا جس کا پانی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بھگوئی ہوئی مہندی کا پانی ہے۔ رہا یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ پیشاب سے پرہیز کرو تو اس کے معنے سمجھنے چاہئیں۔ یعنی پرہیز کرنے کی حد معلوم ہے۔ مطلب یہ کہ جہاں کہیں پیشاب لگ جاوے اس سے غفلت نہ کرو بلکہ اس کو پانی سے دھو ڈالو وسواس یہ ہے کہ وہ پانی کے پیچھے لگ گیا' اور یہاں تک بہاتا رہا کہ وقت نکل گیا۔ اور ایسی بے ہودگی میں وقت گزار دیا کہ شرع نے اس کا حکم نہیں دیا ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ اسود بن سالم ؒ جو کبار صالحین میں سے تھے پہلے پانی بہت بہایا کرتے تھے پھر اس کو ترک کر کے بہت کم پانی سے وضو کیا۔ تو ایک شخص نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو اسود ؒ نے فرمایا کہ میں ایک رات سو رہا تھا کہ ایک ہاتف نے مجھے

آواز دی کہ اے اسود یہ کیا اسراف ہے؟

یحییٰ بن سعید الانصاری نے سعید بن المسیب سے ہم تک یہ حدیث پہنچائی کہ جب وضو تین مرتبہ سے بڑھا تو وہ (برائے ثواب) آسمان پر بلند نہیں کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا اب میں ایسا نہ کروں گا۔ چنانچہ اب مجھے ایک چلو پانی کفایت کرتا ہے۔

اذان میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

منجملہ تلبیسات کے تلحین ہے۔ یعنی لحن و راگنی سے اذان دیتے ہیں۔ حالانکہ امام مالک ؒ وغیرہ علماء نے اس کو سخت مکروہ جانا ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کو مقام تعظیم سے نکال کر راگ و گانے کے مشابہ کرتی ہے۔

ازاں جملہ یہ کہ یہ لوگ اذان فجر سے پہلے ذکر و تسبیح و وعظ شروع کرتے ہیں اور ان چیزوں کے بیچ بیچ میں اذان دیتے ہیں تو وہ گڈ مڈ ہو جاتی ہے۔ علماء نے ہر ایسی چیز کو جو اذان میں ملائی جائے مکروہ رکھا ہے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ رات میں شب بیداری کرنے والا اکثر منارہ پر چڑھا ہوا قرآن کی سورتیں بلند آواز سے پڑھتا رہا اور ذکر باآواز بلند کرتا رہا اور وعظ کہتا رہا۔ گویا اس نے آوازہ بلند کیا اور لوگوں کی نیند حرام کر دی اور جو لوگ اپنے حجرہ میں شب بیداری و تہجد میں تھے ان پر قرات گڈمڈ کر دی یہ سب منکرات میں سے ہے۔

نماز میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

ازاں جملہ یہ کہ جو لباس نماز میں پہنا جاتا ہے اس کو باوجود پاک ہونے کے بار بار دھویا' اور کبھی کسی مسلمان نے اس کو چھوا' تو بھی دھو ڈالا۔ بعضے ان میں ایسے تھے کہ دجلہ میں اپنے کپڑے دھوتے تھے' ان کے نزدیک گھر میں دھونا کافی نہ تھا۔ ان میں سے بعض کی یہ کیفیت تھی کہ کپڑے کنوئیں میں لٹکاتے' جیسے یہودی کرتے ہیں' صحابہ رضی اللہ عنہم ان میں سے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جب انہوں نے فارس فتح کیا تو یہاں جو کپڑے ہاتھ آئے اور وہ شرعاً پہنے کے لائق تھے یعنی ریشمی وغیرہ نہ تھے ان ہی میں نماز

پڑھی۔ اور ان کی چادریں و فرش کام میں لائے۔

بعضے وسوسے والے دیکھے گئے کہ اگر اس کے کپڑے پر ایک چھینٹ پڑی تو وہ سب کپڑا دھو ڈالا۔ اور بارہا ایسا کرنے کے واسطے اس نے جماعت چھوڑ دی اور بہتوں نے خفیف بارش میں اس خوف سے جماعت چھوڑی کہ ایسا نہ ہو اس کے کپڑے پر چھینٹ پڑ جاوے۔ واضح ہو کہ کوئی بد گمان یہ زعم نہ کرے کہ میں پاکیزگی و طہارت و پرہیز گاری سے مانع ہوں۔ نہیں بلکہ میں اس تکلف اور مبالغہ سے منع کرتا ہوں جو حد شرع سے خارج اور اوقات ضائع کرنے والا ہے۔

ازاں جملہ ابلیس نے ان پر نماز کی نیت میں وسوسہ و تلبیس ڈالی۔ چنانچہ بعض کو دیکھو کہ کہتا ہے میں فلاں نماز پڑھتا ہوں۔ پھر دوبارہ اسی کو دہراتا ہے اور پے در پے ایسا کرتا ہے۔ اس گمان پر کہ اس نے نیت توڑ ڈالی۔ حالانکہ نیت تو نہیں ٹوٹ سکتی اگرچہ الفاظ میں نقص بھی ہو۔

بعض کا یہ حال ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کہتا ہے پھر توڑ کر تکبیر کہتا ہے پھر اسی طرح وسوسہ میں توڑتا اور کہتا ہے یہاں تک کہ امام رکوع میں جاتا ہے تو ناچار یہ وسوسہ والا تکبیر کہہ کر رکوع میں شامل ہو جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس رکوع میں جاتے وقت اس کی نیت کیسے حاضر ہو گئی اور پہلے اس کو حاضری سے کیا چیز مانع تھی۔ میرے خیال میں تو بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ابلیس نے چاہا کہ اس کو فضیلت قرات و سماعت وغیرہ حاصل نہ ہو۔

وسوسہ والوں میں بعضے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی قسم کھاتے ہیں کہ اکثار کروں گا اور بعضے طلاق زوجہ و اعتاق غلام و صدقہ مال کی قسم کھاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب ابلیس کی تلبیسات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے شریعت سہل' آسان اور ایسی آفتوں سے پاک و صاف رکھی ہے۔ اور کبھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے واسطے ان امور میں سے کچھ جاری نہ ہوا۔ ہم کو روایت پہنچی ہے کہ ابو حازمؒ مسجد میں داخل ہوئے تو ابلیس نے ان کو وسوسہ دلایا کہ تم بے وضو ہی نماز پڑھنے کا قصد کرو' تو فرمایا کہ اے دشمن تیری نصیحت میرے حق میں کبھی اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔

اس تلبیس کا کشف یہ ہے کہ وسوسہ والے سے کہا جائے کہ اگر تو حضور نیت کا قصد کرتا ہے تو وہ حاضر ہے۔ اس لیے کہ تو کھڑا ہے۔ تاکہ فریضہ ادا کرے۔ اور یہی نیت ہے۔ اور نیت کا محل دل ہے زبان نہیں ہے۔ نیز الفاظ کہنے واجب نہیں ہیں پھر بھی تو نے الفاظ صحیح ادا کر لیے تو اب دہرانے کی کیا وجہ ہے کیا ترا گمان ہے کہ تو نے یہ نہیں کہا حالانکہ کہہ چکا ہے۔ تو یہ مرض ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ مجھ سے بعض مشائخ نے ابن عقیل کی ایک عجیب حکایت نقل کی کہ ایک شخص نے ابن عقیل ؒ سے پوچھا کہ یا حضرت میں عضو دھوتا ہوں پھر کہتا ہوں کہ میں نے نہیں دھویا اور تکبیر کہتا ہوں پھر کہتا ہوں کہ میں نے تکبیر نہیں کہی تو ابن عقیل ؒ نے کہا کہ تو نماز چھوڑ دے۔ تجھ پر نماز واجب نہیں ہے تو ایک قوم نے عرض کیا کہ یا حضرت آپ نے اس شخص کو یہ کیا فتویٰ دیا ہے۔ تو ابن عقیل ؒ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ رفع القلم عن المجنون حتی یفیق۔ یعنی مجنون سے قلم اٹھا لیا گیا ہے جب تک وہ تندرست نہ ہو تم دیکھتے ہو کہ جو کہتا ہے میں نے تکبیر کہی۔ پھر کہتا ہے کہ نہیں کہی تو وہ عاقل نہیں ہے اور مجنون پر نماز واجب نہیں ہے (مترجم کہتا ہے کہ شیخ نے بھی ایک اسی قسم کا لطیفہ لکھا ہے کہ وسوسہ والے سے کہا جائے کہ جیسے تو نے ہم سے کہنا کہ میں نے تکبیر کہی اسی طرح ابلیس سے کہا کہ میں کہہ چکا ہوں)

مصنف ؒ نے کہا واضح ہو کہ نماز کی نیت میں وسوسہ کا سبب عقل کی خبطگی اور شرع سے جہالت ہے۔ یہ معلوم رہے کہ جس کے پاس کوئی عالم آیا وہ عالم کے واسطے تکریماً کھڑا ہوا پس اگر کہے کہ نیت کرتا ہوں کہ میں اس عالم کے واسطے اس کے علم کی وجہ سے سیدھا اس کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو جاؤں تو یہ اس کی عقل کی سفاہت ہو گی۔ بلکہ کم از کم یہ بات تو اس کی نیت میں ہے تو اسی طرح آدمی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تاکہ فریضہ ادا کرے تو یہ بات اس کی نیت میں متصور ہوتی ہے اس کے واسطے کسی قدر زمانہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ زمانہ و دیر تو اس کے واسطے الفاظ ادا کرنے میں لگتا ہے۔ حالانکہ یہ الفاظ کی ادائیگی کچھ بھی لازم نہیں ہے۔ اور وسواس محض جہالت ہے۔ وسواسی

یہ چاہتا ہے کہ ایک آن میں اس کے دل میں ظہر کی نماز ہونا اور ادا کرنا اور فرض ہونا اور منہ کعبہ کی طرف ہونا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا۔ بتفصیل الفاظی سامنے ظاہر ہو جائے اور یہ محال ہے اسی طرح اگر عالم کے لیے تکریما کھڑے ہونے میں یہی الفاظ کہنے چاہئیں تو وہاں بھی محال ہو جائے۔ پس جس نے یہ بات پہچان لی اس نے نیت پہچان لی' پھر واضح ہو کہ نیت کا مقدم ہونا تکبیر پر چاہیے۔ جب تک اس کو فسخ نہ کر لے نیت موجود ہے پس نیت کو تکبیر کے ساتھ ملانے میں یہ تعب کیوں اٹھاتا ہے۔ علاوہ بریں جب نیت اس نے حاضر کر لی تو چاہے جتنی دیر بعد تکبیر کہے وہ تکبیر سے مل جائے گی۔

مسعرؒ نے بیان کیا معن بن عبدالرحمان نے ایک رسالہ مجھے دکھلایا اور قسم کھا کر کہا کہ یہ میرے والد کا لکھا ہوا ہے۔ میں نے اس میں دیکھا تو یہ لکھا تھا کہ (ترجمہ) قسم اس اللہ پاک کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو ان تکلف کرنے والوں پر سخت نہیں دیکھا۔ اور نہ آپ ﷺ کے بعد میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو ان پر سخت نہ دیکھا۔ اور میرا گمان ہے کہ صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سب اہل زمین سے زیادہ ان متکلفین پر سخت تھے۔

فصل

بعضے وسواسیوں کا یہ حال ہے کہ جب اس نے نیت صحیح کر کے تکبیر کہہ لی تو پھر باقی نماز سے بالکل غافل ہو جاتا ہے گویا نماز سے فقط یہی تکبیر مقصود تھی۔ اس تلبیس کا کشف یہ ہے کہ وسواسی سے کہا جائے کہ تکبیر تو اس عبادت میں داخل ہونے کے واسطے کہی جاتی ہے پھر تو باقی عبادت سے کیوں غافل ہوتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عبادت جو بمنزلہ گھر کے ہے اس کی حفاظت سے غافل ہو اور تکبیر جو بمنزلہ دروازہ کے ہے فقط اس کی حفاظت کرے۔

فصل

بعضے وسواسی کو دیکھا جاتا ہے کہ امام کے پیچھے اس کی تکبیر اس وقت جا کر ٹھیک ہوتی

ہے جب رکعت میں سے بہت خفیف حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ پھر وہ سبحانک اللّٰھم اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتا ہے اور امام رکوع میں جاتا ہے تو اس کے ساتھ رکوع میں چلا جاتا ہے۔ یہ بھی ابلیس کی تلبیس ہے۔ اس لیے کہ وہ جو کچھ پڑھتا رہا۔ یعنی سبحانک اللّٰھم اور اعوذ باللہ وہ تو سنت تھا۔ اور اس نے قرات فاتحہ چھوڑی جو واجب ہے تو کیونکر واجب چھوڑ کر مسنون پڑھتا رہ گیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ میں بچپن میں اپنے شیخ ابوبکر الدینوری فقیہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتا اور یہی کیا کرتا۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ اے فرزند فقہاء نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ واجب ہونے میں اختلاف کیا ہے' اور سبحانک اللّٰھم وغیرہ دعائے استفتاح کے سنت ہونے میں کچھ اختلاف نہیں کیا۔ تو تو ایسے موقع پر سنت چھوڑ کر واجب میں مشغول ہو جایا کر۔

فصل

ابلیس نے ایک قوم پر اپنی تلبیس ڈالی تو انہوں نے بہت سی سنتوں کو چھوڑ دیا' بوجہ خاص خاص واقعات کے جو ان کو پیش آئے۔ چنانچہ بعض نے صف اول کی حاضری چھوڑ دی' اور کہا کہ اس سے مراد قرب دلی ہے۔ بعض نے نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چھوڑا اور کہا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ ایسا خشوع ظاہر کروں جو میرے دل میں نہیں ہے کہ ہم کو یہ دو فعل دو صالحین بزرگوں سے پہنچے کہ وہ دونوں ایسا کیا کرتے تھے۔ حالانکہ اس کا باعث قلت علم ہے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگ جانتے کہ اذان کہنے اور صف اول میں کیا فضیلت ہے۔ پھر سوائے قرعہ ڈالنے کے کوئی راہ نہ پاتے تو اس کے حاصل کرنے پر قرعہ ڈالتے۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً" آیا ہے کہ مردوں کی بہتر صف اول ہے اور بدتر پچھلی صف ہے۔ اور عورتوں کی بدتر صف اول ہے اور بہتر پچھلی ہے۔ (رواہ مسلم) اور رہا ہاتھ پر ہاتھ رکھنا تو یہ سنت ہے۔ ابو داؤدؒ نے روایت کی کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے۔ اور دائیں پر بایاں ہاتھ رکھتے تھے تو حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے چھڑا کر بائیں پر دایاں رکھ دیا۔

منصف ؒ نے کہا کہ تم پر ہمارا اس شخص پر انکار جو یہ کہے کہ صف اول کی حاضری سے مراد قرب دلی ہے اور یہ کہ میں نماز میں ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھوں گا۔ اگرچہ وہ شخص اکابر اولیاء میں سے کیوں نہ ہو گراں نہ گزرے۔ کیونکہ شرع میں منکرات پر خاموشی حلال نہیں بلکہ خیانت ہے۔ احمد بن حنبل ؒ سے کہا گیا کہ ابن المبارک ؒ تو اس طرح کہتے ہیں، فرمایا ابن المبارک کچھ آسمان سے نہیں اترے ہیں۔ امام احمد ؒ سے کہا گیا کہ ابراہیم بن ادہم ؒ نے اس طرح فرمایا ہے امام احمد ؒ نے کہا کہ تم میرے پاس طریق سنت کا بیان روشن اور دلیل واضح لائے ہو تم پر لازم ہے اصل کو لازم پکڑو لہٰذا دل میں جس کسی کی بزرگی سمائی ہو اس کی وجہ سے شرع کا حکم نہیں چھوڑا جائے گا کیونکہ شرع سب سے زیادہ بزرگ ہے۔ اور اصول کی تاویل میں لوگوں سے خطا ہو جانی ہمیشہ سے چلی آئی ہے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوں کو یہ حدیثیں نہ پہنچی ہوں۔ (مترجم کہتا ہے کہ اسی شرع سے یہ لوگ بزرگ ہوئے تو شرع اصل ٹھہری)

فصل

ابلیس نے بہت سے نمازیوں پر حروف کے مخارج میں تلبیس ڈال دی چنانچہ تم بعض کو دیکھو گے کہ وہ الحمد الحمد مکرر سہ کرر کہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کلمہ کے بار بار اور مکرر سہ کرر کہنے کی وجہ سے نماز کے ادب سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور کبھی نمازی پر تشدید کے ٹھیک نکالنے میں تلبیس ڈالتا ہے۔ اور کبھی غیر المغضوب کے ضاد نکالنے میں تلبیس کرتا ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ المغضوب کہتا تھا تو غایت تشدد کی وجہ سے ضاد نکالنے کے ساتھ تھوک نکل پڑتا تھا۔ حالانکہ مراد تو حرف کو صحیح نکالنا ہوتا ہے۔ لیکن ابلیس ان لوگوں کو ایسے فضولیات زائد کی طرف اسی لیے لے جاتا ہے کہ تلاوت میں معانی کی فکر سے خارج ہو کر ایسے مبالغات میں پڑ جائیں۔

سعید بن عبدالرحمان بن ابی العمیاء نے کہا کہ سہل بن ابی امامہ نے بیان کیا کہ میں اور میرے والد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں داخل ہوئے وہ اس وقت

خفیف نماز پڑھ رہے تھے گویا مسافر کی نماز جب سلام پھیرا تو میرے باپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے۔ یہ آپ نے فرض پڑھی ہے یا نفل۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے میں نے اس میں کوتاہی نہیں کی۔ سوائے اس کے کہ میں کچھ بھول گیا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنے نفوس پر سختی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر سختی کر دے۔ کیونکہ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تو ان پر سختی کر دی گئی انہیں کے باقی یہ لوگ دیر و صومعہ میں دکھلائی دیتے ہیں **رهبانیة ن ابتدعوها الآیہ** یعنی رہبانیت کو انہوں نے خود نکالا ہے۔ ہم نے ان پر فرض نہیں فرمائی تھی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری نماز و قرات کے درمیان اور میرے درمیان شیطان نے حائل ہو کر تلبیس ڈالنی شروع کی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شیطان کا نام خنزب ہے جب تجھے ایسا معلوم ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لینا۔ اور تین مرتبہ بائیں طرف تھتکار دینا۔ پس میں نے یہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔

فصل

بہت سے جاہل عابدوں پر ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ انہوں نے اسی اٹھک بیٹھک کو عبادت سمجھ لیا۔ پس کثرت سے اس میں جان گھلاتے ہیں حالانکہ نماز کے بہتیرے واجبات چھوڑ جاتے اور نہیں جانتے ہیں میں نے غور کر کے بعض لوگوں کو دیکھا کہ امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیر دیتے ہیں۔ حالانکہ ابھی ان پر تشہد میں سے کچھ پڑھنا باقی رہ گیا تھا وہ تمام نہیں کرتے ہیں حالانکہ اس میں امام کا پڑھنا ان کی طرف سے کافی نہیں ہے۔

ایک گروہ پر ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ نماز لمبی پڑھتے اور بہت قرات کرتے ہیں اور نماز کے مسنون امور ترک کرتے بلکہ اس میں مکروہات کے مرتکب ہوتے ہیں' میں ایک عابد کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ دن میں وہ نفل کو زور سے قرات کے ساتھ پڑھ رہا ہے میں نے کہا کہ دن میں جہر سے قرات مکروہ ہے اس نے جواب دیا کہ جہر کی قرات سے میں

نیند کو دور کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ تمہاری بے داری کے واسطے سنت طریقہ متروک نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر ایسی ہی نیند غالب ہے تو سو رہو۔ اس لیے کہ نفس کا بھی حق ہے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی دن میں جہر سے پڑھے اس پر اونٹ کی مینگنیاں مارو۔

فصل

بہت سے عابدوں پر ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ رات میں بہت دیر تک بلکہ تمام رات عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ اور رات کے قیام سے اور چاشت کی نماز سے وہ فرائض ادا کرنے سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اور رات میں جاگتے جاگتے صبح کے قریب سو جاتے ہیں اور نماز فجر بھی جاتی رہتی ہے۔ یا وہ بے وقت اٹھا تو ضروریات سے فارغ ہونے میں جماعت جاتی رہتی ہے۔ یا صبح کو بہت ست اٹھتا ہے تو اپنی آل و اولاد کے واسطے معاش حاصل کرنے کے قابل نہیں رہتا ہے۔

میں نے عبادت گزاروں میں سے ایک شخص حسین قزوینی نامی کو دیکھا کہ وہ جامع منصور میں دن کو بہت ٹہلا کرتا تھا میں نے سبب پوچھا تو بیان کیا کہ اس حیلہ سے نیند کو دفع کرتا ہوں۔ مَیں نے کہا کہ یہ تو شرع سے نادانی ہے' اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ شرع میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے تو (نماز کے وقت) نماز میں قیام کر اور سونے کے وقت سو بھی جا۔ اور فرماتے تھے کہ تم پر اوسط طریقہ لازم ہے۔ کیونکہ جو کوئی اس دین پر غلبہ چاہتا ہے دین اس پر غالب آ جاتا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک رسی بندھی ہوئی لٹکتی ہے۔ فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے؟ عرض کیا گیا کہ یہ زینب رضی اللہ عنہا کی رسی ہے کہ جب نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتی یا اونگھ آتی ہے تو یہ رسی تھام لیتی ہیں تو فرمایا کہ اس کو کھول دو' پھر فرمایا کہ جب تک تم میں سے آدمی چاق (ہوشیار و چوکنا) رہے تب تک نماز پڑھے۔ جب اس کو تھکان یا سستی آئے تو باز رہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث روایت کی کہ جب تم میں سے کوئی اونگھے تو سو رہے یہاں تک کہ اس کی نیند جاتی رہے کیونکہ جب وہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھے گا تو شائد قصد تو کرے استغفار کرنے کا اور

لگے اپنے نفس کو برا کہنے۔ یہ حدیث صحیح ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے اور اس سے قبل کی حدیث کے ساتھ صرف بخاری منفرد ہیں۔ رہا عقل کا بیان تو آدمی نیند (آرام) لینے سے قوی چاق ہو جاتے ہیں جو تھکان سے ماندے ہو گئے تھے اور جب نیند کو ضرورت کے وقت ٹال جاوے گا تو اس کے بدن و عقل میں ضرر پیدا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جہالت سے ہم کو محفوظ رکھے۔

اگر کوئی کہے کہ ہم کو روایات پہنچی ہیں کہ اگلے زمانہ کے بہت سے بزرگ رات بھر عبادت کیا کرتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ ہاں ان لوگوں نے رفتہ رفتہ تمام رات شب بیداری کی عادت ڈالی تھی اور انہیں نماز صبح کی محافظت اور جماعت سے ادا کرنے پر بھروسہ اور کافی اعتماد تھا اور وہ کچھ قیلولہ سے مدد لیتے تھے اور باوجود اس کے کھانا بھی کم کھایا کرتے تھے۔ ان ترکیبوں سے ان کو یہ بات حاصل ہو گئی پھر ہم کو یہ کسی روایت سے معلوم نہ ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تمام رات نہیں سوئے آپ ہی کے طریقہ مسنون کی پیروی ہم پر لازم ہے۔

فصل

ایک جماعت شب بیداروں پر ابلیس نے تلبیس ڈالی کہ وہ دن میں شب بیداری کے حالات بیان کرتے ہیں مثلاً ایک کہتا ہے کہ فلاں موذن نے فجر کی اذان البتہ ٹھیک وقت پر کہی تھی اس سے غرض یہ کہ اس وقت آپ کی شب بیداری معلوم ہو پھر اگر یہ شخص ریا کاری سے بچ بھی گیا تو کمتر درجہ یہ ہے کہ یہ شخص خفیہ دفتر سے ہٹا کر علانیہ دفتر میں لکھا جائے گا۔ تو ثواب کم ہو جائے گا۔

فصل

ایک اور جماعت پر ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ وہ نماز و عبادت اور تہجد وغیرہ کے لیے علیحدہ ایک ایک مسجد میں بیٹھ گئے تو یہ لوگ اسی مسجد کے نام سے مشہور ہوئے اور ہر ایک نماز کے ساتھ ایک جماعت نے شرکت کی۔ اور لوگوں میں ان کی خبر مشہور ہو گئی یہ

بھی ابلیس کے وساوس میں سے ہے اور نفس خوش ہوتا ہے اور عبادت پر زیادہ قیام کرتا ہے کیونکہ اس کو اعتماد ہے کہ اس طرح وہ نیک نام مشہور ہو گا۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کی کہ مرد کی سب سے بہتر نماز اس کے گھر میں ہے، سوائے فرض نماز کے یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ عامر بن عبد قیس کو ناگوار ہوتا تھا کہ کوئی ان کو نماز پڑھتے دیکھے اور وہ کبھی مسجد میں نوافل نہ پڑھتے۔ حالانکہ ہر روز ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے ابن ابی لیلیٰ جب نماز پڑھتے اور کوئی آنے والا آتا تو لیٹ جاتے۔

فصل

عابدوں کی ایک جماعت پر ابلیس نے تلبیس ڈالی کہ وہ لوگوں کے مجمع میں رونا شروع کرتے ہیں یہ بات اگرچہ ایسی ہے کہ کبھی دل نرم ہو کر گریہ طاری ہوتا ہے لیکن جو شخص اس کو روک سکتا ہو پھر نہ روکے تو اس نے اپنے نفس کو ریاکاری کے واسطے پیش کیا عاصمؒ نے کہا کہ ابو وائلؒ جب اپنے گھر میں نماز پڑھتے تو ان کے رونے سے نرم درد ناک آواز نکلتی تھی اور اگر کسی کے سامنے ایسا کرنے کو ان سے کہا جاتا تو کبھی نہ کرتے اگرچہ ان کو سب دنیا دے دی جاتی۔ ابو ایوب السختیانیؒ کا یہ حال تھا کہ جب مجلس میں ان پر رونا غالب ہوتا تو اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

فصل

عابدوں کی ایک قوم پر ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ نماز پڑھتے ہیں تو رات و دن ایک کرتے ہیں ولیکن باطنی عیوب کی اصلاح پر نظر بھی نہیں کرتے۔ اور نہ اپنے کھانے پینے کے حلال و حرام کو دیکھتے ہیں۔ حالانکہ نفل نمازوں کی اس کثرت سے ضروری امر یہ تھا کہ واجبی خصائل باطنی اور فریضہ اکل حلال وغیرہ کی طرف پہلے دھیان کرتے۔

قرات قرآن میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

ان میں سے ایک گروہ پر ابلیس نے تلبیس کی کہ بہت مقدار سے تلاوت کرتے ہیں

اور تیزی سے رواں چلے جاتے ہیں' کہ صحیح حروف بھی ادا نہیں کرتے نہ اس میں ترتیل ہے نہ تثبیت ہے۔ اور یہ کچھ پسندیدہ حالت نہیں ہے بعض سلف سے جو روایت ہے کہ ایک روز میں ختم قرآن کیا یا ایک رکعت میں کیا تو یہ شاذو نادر ہے۔ اور اگر کسی نے مداومت بھی کی ہو اور یہ جواز بھی ہو تو بھی ترتیل اور تثبیت سے پڑھنا علماء کے نزدیک مستحسن ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قرآن تین روز سے کم میں پڑھا' تو اس نے سمجھ حاصل نہ کی۔ مصنف" نے کہا کہ ابلیس نے قراء کی ایک جماعت پر یہ تلبیس کی کہ رات میں مسجد کے منارہ پر چڑھ کر بلند آواز سے ایک یا دو پارہ کے قریب پڑھتے ہیں۔ تو یہ لوگ ریا کاری کے روبرو ہوتے ہیں اور لوگوں کو بے جا تکلیف و ایذا دیتے ہیں یعنی قرآن سننا فرض ہے تو وہ خواہ مخواہ ہر کام سے مجبور ہو جاتے ہیں اور سونے نہیں پاتے بعض کا یہ دستور ہے کہ اذان کے وقت محلّہ کی مسجد میں پڑھنا شروع کرتے ہیں کیونکہ وہ وقت لوگوں کے جمع ہونے کا ہوتا ہے۔ مصنف" نے کہا کہ سب سے زیادہ عجیب بات جو میں نے دیکھی یہ کہ ایک قاری ہر جمعہ کے روز صبح کی نماز لوگوں کو پڑھا کر جب سلام پھیرتا ہے تو سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر ختم قرآن کی دعا پڑھنے لگتا ہے۔ تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ حضرت نے آج قرآن ختم فرمایا ہے۔ یہ سلف کا طریقہ نہ تھا۔ وہ لوگ اپنی عبادت کو حتیٰ الامکان مخفی کرتے تھے۔ چنانچہ ربیع بن خیثم" کے کل اعمال مخفی تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ انہوں نے تلاوت کے لیے مصحف کھولا تھا کہ اچانک کوئی آگیا تو اس کو اپنے کپڑے کے نیچے چھپا لیتے تھے۔ امام احمد بن حنبل" قرآن بہت پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ پتہ نہیں لگتا تھا کہ کب ختم کرتے ہیں مصنف" نے کہا کہ قاریوں پر ابلیس کی تلبیس کا بہت سا بیان اوپر ہو چکا ہے۔

روزہ میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف" نے کہا کہ کچھ لوگوں کی نظروں میں ابلیس نے ہمیشہ روزے رکھنے اچھے معلوم کرائے اور یہ بات اگرچہ ناجائز نہیں ہے بشرطیکہ سال میں پانچ ایام منہیہ کے روزے نہ رکھے جس میں روزہ حرام ہے لیکن عموماً یہ طریقہ اختیار کرنے میں بہ حسب حالت زمانہ

کے دو آفتیں کھلی ظاہر ہیں۔

(اول) اکثر اس سے اعضاء اور قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں۔ تو آدمی اپنے اہل و عیال کی معاش پیدا کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے اور اپنی زوجہ کی عفت بھی نہیں بچا سکتا (یعنی وہ عفیفہ جب مقتضائے طبیعت سے آسودہ نہیں ہوتی تو مغلوب ہو کر فتنہ میں پھنس جاتی ہے صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری زوجہ کا تجھ پر حق ہے' نیز اس نفل عبادت کے پیچھے بہت سے فرائض ترک ہو جاتے ہیں۔

(دوم) فضیلت جاتی رہتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت ملی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے افضل روزہ داؤد پیغمبر کا روزہ تھا کہ ایک روز روزہ رکھتے اور ایک روز افطار کرتے اور جب جہاد میں کافروں سے مقابلہ ہوتا تو نہیں بھاگتے تھے (یعنی قوت باقی رہتی تھی)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے تو فرمایا کہ کیا یہ تیرا ہی حال مجھ سے بیان ہوا کہ تو رات بھر نماز پڑھتا ہے' یا فرمایا کہ کیا یہ تیرا ہی قول مجھ سے بیان کیا گیا کہ تو کہتا ہے کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا اور دن بھر روزہ رکھا کروں گا' انہوں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ ﷺ میں نے کہا تو ضرور تھا' آپ نے فرمایا کہ نہیں ایسا مت کرنا بلکہ رات میں نماز بھی پڑھ اور خواب بھی کر اور روزہ بھی رکھ اور چھوڑ بھی دے اور ہر مہینہ میں فقط تین روز روزے رکھا کر کہ یہ ہمیشہ کے روزہ کے مانند ہے (یعنی ہر روز دس گناہ ہو کر مہینہ ہو گیا) میں نے کہا' یا رسول اللہ میں اس سے زیادہ روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں تو فرمایا کہ پھر ایک روز روزہ رکھ اور دو روز چھوڑ دے' میں نے کہا کہ میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں' فرمایا کہ پھر ایک روز روزہ رکھ اور ایک روز افطار کر اور یہ سب سے زیادہ عدل کا روزہ ہے یہ داؤد نبی اللہ کا روزہ ہے' میں نے کہا کہ میں تو اس سے افضل کی قوت رکھتا ہوں' تو حضرت صلعم نے فرمایا کہ اس سے افضل کچھ نہیں ہے یہ حدیث صحیحین میں ہے' اگر کوئی کہے کہ ہم کو خبر پہنچ گئی ہے کہ ایک جماعت سلف صالحین ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ (جواب) ہاں' لیکن ان کے پاس ایسی قوت و سامان تھا کہ وہ اس کو اور بال بچوں کی عیالداری کو جمع کر

سکتے تھے اور شائد ان میں سے اکثر کے عیال ہی نہیں تھے اور نہ ان کو کمائی کی ضرورت ہوتی تھی۔ پھر ان میں سے بعض نے آخر عمر میں ایسا کیا ہے' علاوہ بریں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس سے افضل کچھ نہیں ہے تمہاری یہ سب گفتگو ختم کر دیتا ہے۔

مصنف ؒ نے کہا قدماء مشائخ کی ایک جماعت نے ہمیشہ روزہ رکھنا ایسی حالت میں اختیار کیا کہ کھانا بھی موٹا جھوٹا تھا وہ بھی بہت کم ملتا تھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے بعض کی بینائی جاتی رہی اور بعض کا دماغ خشک ہو گیا اور یہ نفس پر ظلم ہے کہ اس کا حق واجب ادا نہ کیا گیا اور اس پر ایسی سختی کی گئی جس کو وہ برداشت نہ کر سکا۔

فصل

کبھی عابد کے نام پر یہ امر مشہور ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور اس کو یہ شہرت بھی معلوم ہو جاتی ہے تو بھی وہ افطار نہیں کرتا بلکہ اگر افطار کیا تو بھی افطار چھپاتا ہے تاکہ اس کی شہرت میں فرق نہ آئے' یہ باریک ریاکاری میں سے ہے' اگر وہ اخلاص اور چھپانا چاہتا تو خاص کر ایسے لوگوں کے سامنے افطار کرتا جن کو اس کا دائمی روزہ دار ہونا معلوم ہوا ہے' پھر لوگوں سے چھپا کر بدستور روزہ رکھنے لگتا' ان میں سے بہت ایسے ہیں جو لوگوں سے کہتے ہیں آج بیس سال ہوئے کہ میں نے کبھی روزہ نہیں چھوڑا ہے' ابلیس اس کو یہ وسوسہ دلاتا ہے۔ کہ تم تو اس لیے آگاہ کرتے ہو تاکہ لوگ تمہاری اقتدا کریں' حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی نیت خوب جانتا ہے' سفیان الثوری ؒ نے کہا کہ بندہ مدت تک ایک عمل خفیہ کیا کرتا ہے پھر برابر اس کو شیطان ابھارتا رہتا ہے آخر وہ لوگوں سے بیان کرنے لگتا ہے تو خفیہ دفتر سے نکال کر علانیہ والوں میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

بعض عابدوں کی یہ عادت ہے کہ دو شنبہ و جمعرات کو روزہ معمول بنا لیتے ہیں تو وہ جب اس روز کھانے کے لیے بلائے گئے تو کہتے ہیں کہ بھائی آج تو دو شنبہ ہے یا جمعرات ہے اور یہ کہنا کہ میں روزہ سے ہوں اس لیے گراں ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو

جائے کہ حضرت کی معمولی عادت یہ ہے کہ دو شنبہ و جمعرات کو روزہ رکھتے ہیں' ان میں بہت ایسے ہیں جو لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ وہ بے روزہ ہیں اور حضرت روزہ دار ہیں' ان میں بہت سے ایسے ہیں کہ روزہ تو ہمیشہ رکھیں گے لیکن کھانا جیسا پایا (حرام و حلال) اس پر افطار کر لیا اور دن میں غیبت کرنے سے پیٹ بھرا کرتے ہیں اور اجنبی عورتوں کو دیکھنے سے آنکھ بند نہیں کرتے وہ کسی طرح کا کچھ باک نہیں کرتے نہ غیبت سے نہ بد نظری سے نہ فضول کلام سے ابلیس اس کو وسوسہ دلاتا ہے کہ آپ تو روزہ دار ہیں' روزہ ایسے امور کے گناہ آپ سے روکتا ہے اور یہ سب تلبیس ہے۔

حج کرنے میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

کبھی انسان ایک حج فرض ادا کر چکتا ہے پھر بغیر رضائے والدین کے دوبارہ حج کو نکل جاتا ہے یہ غلطی ہے اور بارہا ایسی حالت میں جاتا ہے کہ اس پر قرضے و مظالم جمع ہیں اور کبھی اس کی نیت سیرو سیاحت ہوتی ہے اور کبھی ایسے مال سے حج کرتا ہے جس میں حرام کا شبہ ہے اور بعض کو دل چسپی ہوتی ہے کہ لوگ لینے آئیں اور حاجی صاحب کے لقب سے پکاریں جس قدر حاجی ہوتے ہیں عموماً ان کی یہ کیفیت ہے کہ راہ میں فرائض و طہارت ترک کرتے ہوئے جا کر کعبہ کے گرد ناپاک دلوں سے جن میں تقویٰ و طہارت کا اثر نہیں ہے جمع ہوتے ہیں اور ابلیس ان کو حج کی ظاہری صورت دکھلا کر مغرور کرتا ہے' حالانکہ حج سے مقصود یہ تھا کہ دلوں سے تقرب ہو نہ کہ بدن سے قرب ہو اور یہ بات جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ تقویٰ و طہارت اختیار کرے بہت سے لوگ مکہ کو فقط اسی غرض سے بار بار جاتے ہیں کہ ان کے حج شمار کیے جائیں چنانچہ وہ خود کہتا ہے کہ فضل خدا سے بیس حج مجھے میسر ہوئے اور بعضے وہاں کی دربانی سے ناموری چاہتے ہیں۔ چنانچہ کہتا ہے کہ بیسواں مرتبہ توقف کا ہے۔ اور بہت سے مجاور مدت تک رہتے ہیں حالانکہ باطنی پاکیزگی کی طرف توجہ کبھی نہ ہوئی اور اکثر تو ایسے لوگوں کا قصد یہ ہوتا ہے کہ کسی آنے جانے والے سے کچھ مال حاصل ہو جائے یا اس کی کوئی سبیل نکل آئے اور کبھی خود بیان کرتا ہے کہ یہاں بیس سال سے مجاور ہوں۔ میں نے بہت سے حج کے جانے والے راہ

مکہ میں ایسے دیکھے کہ ساتھیوں کو پانی سے روکتے اور پانی پر لڑتے مرتے ہیں اور راہ میں ان سے بری طرح پیش آتے ہیں۔ اور غلاموں سے سختی اور تنگی کرتے ہیں۔

ابلیس نے بہت سے حج کو جانے والوں پر تلبیس ڈالی کہ نمازیں چھوڑتے جاتے ہیں اور فروخت کریں تو کم تولتے ہیں۔ ان کا گمان یہ کہ حج تمہارے سب گناہ دور کرے گا۔

ابلیس نے ایک جماعت پر یہ تلبیس کی کہ مناسک حج میں ایسی باتیں نکالتے ہیں جو پہلے شرع میں نہ تھیں' اب نئی بدعت ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ احرام میں ایک مونڈھا کھولتے ہیں اور دیر تک دھوپ میں کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی کھال اتر جاتی ہے اور سر کی بری حالت ہو جاتی ہے تو اس سے لوگوں میں اپنی فضیلت و بزرگی ثابت کرتے ہیں حالانکہ صحیح بخاری میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو دیکھا کہ نکیل کے ساتھ طواف کعبہ کرتا ہے تو اس کی رسی کاٹ دی۔ دوسری روایت میں اس طرح آیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو دیکھا کہ وہ دوسرے کو جس کی ناک میں رسی پڑی ہے کھینچتا ہوا طواف کراتا ہے۔ تو اپنے ہاتھ سے اس کو قطع کر دیا۔ پھر حکم کیا کہ ہاتھ تھام کر طواف کرا دے۔ مصنف ؒ نے کہا کہ یہ حدیث دین میں بدعت نکالنے سے مانع ہے۔ اگرچہ بدعتی نے اس سے بندگی کا قصد کیا ہو۔

فصل

ابلیس نے ایک قوم پر تلبیس ڈالی تو وہ توکل کے مدعی بن کر بغیر زاد راہ چل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور جہالت سے سمجھتے ہیں کہ یہ توکل ہے حالانکہ یہ تو بہت بڑی غلطی ہے۔

امام احمدؒ سے ایک نے کہا کہ میں حج مکہ کو بغیر زاد راہ کے توکل پر جانا چاہتا ہوں تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ پھر بغیر قافلہ کے اکیلا بیابان میں چل نکل۔ قافلہ کے ساتھ نہ ہو۔ کہنے لگا کہ جی نہیں' یہ تو نہیں کر سکتا میں تو قافلہ ہی کے ساتھ رہوں گا۔ تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ پھر تو تم نے آدمیوں کے قافلہ پر توکل باندھا ہے۔

مجاہدین پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے فرمایا کہ ابلیس نے بہت لوگوں پر تلبیس کی کہ وہ جہاد کو نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اس سے ان کی صرف یہ مراد و نیت ہوتی ہے کہ اس ریاو نمود سے لوگوں میں فخر و عزت حاصل ہو اور لوگ کہیں کہ فلاں مرد غازی ہے۔ اور اکثر یہ مقصود ہوتا ہے کہ شجاع و بہادر کہا جائے۔ یا غنیمت حاصل کرنا مقصود ہوتی ہے اور اعمال کا مدار تو نیتوں پر ہی ہوتا ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ آپ مجھے آگاہ فرمائیں کہ آدمی کبھی تو شجاعت کے واسطے قتال کرتا ہے اور کبھی حمیت سے لڑتا ہے اور کبھی ریاکاری سے جنگ کرتا ہے' تو ان میں راہ الٰہی میں کس کا قتال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہونے کے واسطے لڑے وہ راہ الٰہی میں ہے۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جو شخص مارا جائے تو تم یہ کبھی نہ کہا کرو کہ فلاں شہید مرا یا فلاں شہید مارا گیا۔ کیونکہ آدمی کبھی اس لیے لڑتا ہے کہ غنیمت حاصل کرے اور کبھی اس لیے کہ اس کا نام باقی رہے اور کبھی اس لیے کہ شجاعت میں اس کا مرتبہ ظاہر ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ قیامت کے روز سب سے پہلے تین قسم کے لوگوں میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک جو شہید ہوا وہ لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتیں ظاہر فرمائے گا وہ پہچان جائے گا۔ پھر اس سے فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا وہ عرض کرے گا کہ تیری راہ میں جہاد کیا' یہاں تک کہ مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا' لیکن تو نے اس لیے قتال کیا کہ تو شجاع کہلائے' یہ کلمہ تیرے حق میں کہہ دیا گیا۔ پھر حکم دے گا تو وہ شخص منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں ڈالا جائے گا۔ دوسرے وہ شخص جس نے علم سیکھا اور سکھلایا اور قرآن پڑھا۔ پس وہ لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں پہنچوائے گا وہ پہچانے گا۔ پھر فرمائے گا کہ تو نے ان سے کیا کام کیا وہ عرض کرے گا۔ میں نے تیرے واسطے علم پڑھا اور قرآن پڑھا اور پڑھایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا۔ لیکن تو نے اس لیے علم پڑھا تھا کہ عالم کہلائے گا وہ تیرے حق میں کہا گیا اور قرآن

پڑھا تاکہ قاری کہلائے پس وہ کہا گیا' پھر حکم فرمائے گا تو منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تیسرے وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی۔ پس ہر قسم کا سب مال اس کو عطا کیا ہے وہ لایا جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں پہنچوائے گا وہ پہنچانے گا۔ پھر فرمائے گا کہ تو نے ان میں کیا عمل کیا وہ عرض کرے گا کہ ہر ایک راہ جس میں خرچ کرنے کی تیری مرضی ہے سب میں تیرے واسطے میں نے خرچ کیا۔ کوئی نہیں چھوڑی فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا وہ تو نے اس لیے خرچ کیا کہ تو سخی کہلائے لہٰذا وہ کہلایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا' تو یہ شخص منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔ گا۔ (رواہ مسلم) ابو حاتم الرازیؒ نے کہا کہ میں نے عبدہ بن سلمان المروزی سے سنا کے ہم لوگ ایک لشکر میں عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ بلا دروم میں نصاریٰ پر جہاد کرنے گئے تھے۔ وہاں دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا۔ جب دونوں طرف سے صفیں برابر ہوئیں تو دشمنوں کی طرف سے ایک شخص نکل کر میدان میں آیا اور مقابل طلب کیا۔ ادھر مسلمانوں سے بھی ایک شخص نکل کر میدان میں گیا اور کچھ دیر نصرانی کے ساتھ کاوادے کر اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر دوسرا بھی نکلا اس کو بھی مارا۔ پھر تیسرا نکلا اس کو بھی مارا۔ پھر انتظار کے بعد آواز دی' کہ میدان میں آوے۔ پھر چوتھا نصرانی نکلا اور اس کو بھی تھوڑی دیر گرداوا دینے کے بعد نیزہ مار کر قتل کر ڈالا۔ تب تو اہل اسلام اپنے شہسوار کی طرف دوڑ پڑے تاکہ ایسے بہادر کو پہچان لیں اور کسی طرح میدان سے پھیر لائیں۔ کیونکہ بہت تھک گیا ہو گا۔ عبدہ بن سلمان نے کہا کہ میں بھی ہجوم کرنے والوں میں تھا۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بڑے عمامہ سے ڈھانٹا باندھے ہوئے ہے میں نے اس کا ڈھانٹا کھینچ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ امام عالم مشہور عبداللہ بن المبارک ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو عمرو کیا تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو ہم پر تشنیع و ملامت کرتے ہیں۔ (یعنی تو نے کیوں مجھ کو ظاہر کر دیا) مصنفؒ نے کہا کہ اے بھائیو تم پر اللہ تعالیٰ رحم کرے دیکھو اس اخلاص والے سردار کو کہ کیونکر اس کو اخلاص کے بارہ میں خوف پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے دیکھنے اور مدح کرنے سے اس میں کسی قسم کی شائبہ اثر کرے تو اس کا جی خوش ہو۔ ابراہیم بن ادھمؒ جہاد میں قتال کرتے۔ جب کچھ مال

غنیمت حاصل ہوتا تو اس میں سے کچھ نہ لیتے تاکہ ان کا ثواب مزید ہو۔

فصل

مصنف ؒ نے کہا کہ ابلیس کبھی مجاہد پر غنیمت ملنے کے وقت تلبیس کرتا ہے چنانچہ اکثر وہ غنیمت میں سے ایسی چیز لے لیتا ہے جس کے لینے کا اس کو حق نہ تھا۔ پھر یا تو کم علم تھا اس نے اپنی رائے سے یہ زعم کیا کہ کفار کے اموال مباح ہیں جس نے لیا اس کو حلال ہے۔ اور یہ نہ جانا کہ غنیمت کے مال میں خیانت کرنا معصیت اور گناہ ہے کیونکہ وہ تمام مجاہدین کا حق ہے صحیحین میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آیا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح دی۔ وہاں ہم نے غنیمت میں کچھ سونا چاندی نہ پایا۔ بلکہ اسباب و اناج و کپڑے پائے۔ پھر ہم لوگ وادی کی طرف روانہ ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا ایک غلام تھا۔ جب ہم منزل پر اترے تو وہ غلام کھڑا ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ کھولنے لگا۔ اتنے میں کہیں سے اس کو ایک تیر لگا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی تو ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو شہادت مبارک ہو تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ قسم اس پاک ذات پروردگار کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کے سر پر ایک بوٹے دار کمبل (چادر) جس کو اس نے فتح خیبر کے روز تقسیم سے پہلے لے لیا تھا' آگ بھڑکا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی لوگ خوف زدہ ہوئے۔ اور ایک شخص ایک تسمہ یا دو تسمہ لایا۔ اور عرض کیا کہ اس کو میں نے خیبر کے روز پایا تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آگ کا تسمہ یا آگ کے تسمے ہیں۔

فصل

کبھی غازی کو معلوم ہوتا ہے کہ بغیر تقسیم کے کوئی چیز لے لینا حرام ہے۔ لیکن اس نے جو چیز پائی وہ ایسی بیش قیمت ہوتی ہے کہ اس سے صبر نہیں کر سکتا اور اکثر یہ گمان کرتا ہے کہ میرے جہاد سے یہ خیانت دفع ہو جائے گی۔ حالانکہ ایمان و علم ظاہر ہونے کا یہی

وقت ہے۔ ابو عبید عنبریؒ نے بیان کیا کہ اہل اسلام صحابہ و تابعینؒ نے جب مدائن فتح کیا اور وہاں اترے تو مال غنیمت جہاں جہاں مقبوض تھا سب کو جمع کیا۔ اس وقت ایک شخص جواہرات کے ڈبے لایا۔ اور جو شخص اموال غنیمت قبض کرتا تھا اس کے حوالے کیا۔ تو جو لوگ وہاں موجود تھے کہنے لگے کہ واللہ ہم نے ایسی دولت کبھی نہیں دیکھی۔ اور جو کچھ یہ تمام غنیمت موجود ہے اس کے برابر نہیں ہے اور نہ اس کے قریب پہنچتی ہے۔ پھر اس شخص سے کہا کہ کیا تم نے اس میں سے کچھ لیا ہے۔ اس نے کہا تم جان رکھو کہ واللہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے واسطے نہ ہوتا تو میں اس کو تمہارے پاس بھی نہ لاتا لوگوں نے جانا کہ اس شخص کے خلوص ایمان و تقویٰ کی شان عظیم ہے' انہوں نے پوچھا کہ آپ کون شخص ہیں۔ فرمایا کہ واللہ میں تم کو نہ بتاؤں گا کہ تم میری تعریف کرو اور نہ تم کو دھوکا دوں گا کہ میرے حق میں افراط کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا اور اسی کے ثواب سے راضی ہوں۔ لوگوں نے خفیہ کچھ لوگ اس کے پیچھے لگائے کہ دیکھو یہ شخص کہاں جاتا ہے۔ جب وہ شخص اپنی قوم میں گیا تو جو لوگ پیچھے لگے تھے انہوں نے وہاں اس کی قوم والوں سے پوچھا کہ اس شخص کا کیا نام ہے؟ معلوم ہوا کہ وہ عامر بن عبد قیس رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایسے لوگوں پر تلبیس ابلیس جو نیک باتوں کا حکم کرتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں

ایسے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں' عالم و جاہل' عالم کے پاس ابلیس دو طریق سے آتا ہے (اول) اس کو اس کام میں تزئین و ناموری و خود پسندی دکھلاتا ہے احمد بن ابی الحواری نے کہا کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے یہ کہتے سنا کہ میں نے دیکھا کہ ابو جعفر منصور خلیفہ جمعہ کا خطبہ پڑھنے میں روتے ہیں تو مجھے غصہ آگیا۔ اور یہ نیت کی کہ جب یہ منبر سے اترے تو میں اٹھ کر اس کے اس فعل پر اس کو نصیحت کروں۔ پھر میں نے ناپسند جانا کہ اٹھ کر خلیفہ کو نصیحت کروں اور لوگ بیٹھے بیٹھے نگائیں جمائیں مجھے دیکھتے رہیں۔ تو میرے نفس میں آرائش و تزئین سمائے۔ اور نفس نے مجھے حکم دیا کہ اب اٹھو یعنی جب

نیت خالص و صحیح نہ رہی تو میں بیٹھ گیا اور خاموش ہو گیا۔

(دوم) اپنے نفس کے لیے غضب و غصہ ہے اور یہ کبھی تو ابتداء سے ہوتا ہے اور کبھی امر معروف اور نہی منکر کے درمیان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ جس کو نصیحت کی اور وہ انکار کرتا ہے۔ تو یہ اپنی اہانت سمجھ کر غصہ ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں جھگڑا کرنا اپنی ذات کے واسطے ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عمر بن عبدالعزیز خلیفہ نے ایک سے فرمایا کہ اگر میں غصہ میں نہ ہوتا تو تجھے سزا دیتا۔ مطلب یہ تھا کہ تو نے مجھے غصہ میں کر دیا اب میں ڈرتا ہوں کہ جو خدا کے واسطے کرنا چاہیے تھا اس میں میرا ذاتی غصہ شریک نہ ہو جائے۔

فصل

جب امر بالمعروف کرنے والا کوئی جاہل ہوتا ہے تو شیطان اس سے کھیلتا ہے۔ اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کار سے زیادہ بربادی کر دیتا ہے۔ اور اکثر وہ ایسی چیز سے مانع ہوتا ہے جو بالا جماع جائز ہے اور کبھی ایسی چیز پر انکار کرتا ہے جس کا بعضے علماء کی پیروی میں تاویل کرنے والا ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات جاہل اس مکان کا دروازہ توڑ ڈالتا ہے جس میں ناجائز کام پوشیدہ تھے۔ یا دیوار پھاند کر ان لوگوں کو مارتا ہے اور گالیاں دیتا ہے۔ اگر انہوں نے جواب میں ایک کلمہ کہا تو اس پر گراں گزرتا ہے اور یہ سارا غصہ اپنی ذات کے واسطے ہو جاتا ہے اور جاہل بسا اوقات ایسے امر منکر کو برملا فاش کر دیتا ہے جس کی پردہ پوشی کے واسطے شرع نے تاکید فرمائی ہے۔

احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ ایک قوم کے ساتھ کوئی ناجائز چیز مانند طنبورو تاڑی وغیرہ کے پوشیدہ موجود ہے تو فرمایا کہ اگر ڈھکی ہوئی ہو تو اس کو نہ توڑو۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ توڑو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ توڑنے کا حکم ایسی حالت میں دیا کہ لوگوں نے یہ چیز کچھ خفیف چیز سے چھپائی' کچھ چھپائی اور کچھ نہ چھپائی کہ اس کے موجود ہونے کا تیقن ہوا۔ اور نہ توڑنے کا حکم اس وقت دیا کہ اس کے موجود ہونے کا تیقن نہیں ہو سکتا۔ یعنی بالکل پوشیدہ ہے۔ احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے طبلہ و مزمار کی آواز سنی

اور اس کی جگہ نہیں معلوم ہے۔ تو فرمایا کہ تجھ پر اس کا مواخذہ نہیں ہے جو تیری نظر سے پوشیدہ ہو اس کی تفتیش نہ کر۔ مصنفؒ نے کہا کہ بسا اوقات محتسب ان بدکاروں کو ایسے شخص کے پاس لے جاتا ہے جو ان پر ظلم کرتا ہے۔ احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ جب معلوم ہو کہ سلطان حدود شرعی قائم کرتا ہے تو بدکاروں کو اس کے پاس لے جانا چاہیے۔

فصل

محتسب پر ابلیس کی تلبیسوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس نے کسی قوم کی بدکاری کو مٹایا ہو تو اپنے مجمع میں بیٹھ کر اپنے مجمع کی تعریف کرتا اور فخریہ بیان کرتا ہے اور بدکاروں پر غصہ ہو کر ان کو گالیاں دیتا اور لعنت کرتا ہے۔ حالانکہ شائد قوم نے توبہ کر لی ہو۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ بوجہ ندامت کے اس مغرور سے بہتر ہوتے ہیں اور اس محتسب کی برملا گفتگو کے ضمن میں مسلمانوں کے عیوب فاش کرنا لازم آتا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگوں کو بتلاتا ہے جو نہ جانتے تھے۔ حالانکہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی پردہ پوشی واجب ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ میں نے ایک جاہل کا حال سنا کہ اس نے بدگمانی پر ایک قوم پر ہجوم کیا حالانکہ یہ تیقن نہیں کہ ان کے یہاں کیا برائی ہے اور ان کو سخت کوڑے جن سے زخم پڑ جائے مارنے لگا اور برتن توڑ ڈالے۔ یہ سب جہالت کا باعث ہے۔ رہا عالم جب کسی امر پر انکار کرے تو اس کی طرف سے تجھے امان ہے۔ سلف رضی اللہ عنہم بری باتوں کے انکار کرنے میں نرمی کرتے تھے چنانچہ صلہ بن اشیم نے ایک مرد کو ایک عورت سے باتیں کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری تمہاری پردہ پوشی فرمائے صلہ کا گزر ایک قوم کی طرف ہوا جو کھیلتے تھے۔ ان سے فرمایا کہ اے میرے بھائیو تم لوگ ایسے مسافر کے حق میں کیا کہتے جو رات بھر سوتا رہا اور دن بھر کھیل میں پڑا رہا تو سفر کس وقت میں پورا کرے۔ ان میں سے ایک جوان چونکا اور کہا کہ اے قوم یہ بزرگ ہم لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں۔ پھر توبہ کر کے ان کے ساتھ ہو گیا۔

فصل

سب سے زیادہ نرمی سے انکار کے لائق بادشاہ و امراء ہیں تو ان سے یوں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا رتبہ بلند کیا تم کو چاہیے کہ اس کی نعمت کی قدر جانو کیونکہ شکر ہی سے نعمت کو دوام ہوتا ہے اور یہ مناسب نہیں کہ ان کی نعمتوں کے مقابلہ میں نافرمانیاں کی جائیں۔

فصل

ابلیس نے بعضے عابدوں پر تلبیس کی کہ وہ منکرات کو دیکھتا ہے اور اس سے انکار نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ امرو نہی وہ کرے جو اس لائق ہو گیا ہو۔ اور میں اس لائق نہیں ہوں اور یہ غلط ہے اس لیے کہ اس پر امرو نہی واجب ہے اگرچہ خود کسی بدکاری میں مبتلا ہو تو بھی دوسرے کو اس سے منع کرے لیکن بات یہ ہوتی ہے کہ جو خود پرہیزگاری کا شیوہ اختیار کرتا ہے اور اس کے بعد لوگوں کو برے کاموں سے منع کرتا ہے تو اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور جب خود مبتلا ہوتا ہے تو امید نہیں کہ اس کا انکار کچھ اثر کرے۔ لہٰذا محتسب کو چاہیے کہ خود بری باتوں سے پرہیز کرے' تاکہ اس کا انکار مفید ہو۔ ابن عقیلؒ نے کہا کہ ہم نے خلیفہ قائم کے عہد میں ابوبکر اقفالی کو دیکھا کہ جب وہ امر منکر کے مٹانے کو اٹھتے تو ان کے پیچھے مشائخ کی ایک جماعت ہوتی جن کی یہ صفت ہے کہ اپنے ہاتھ کی مزدوری سے کھاتے ہیں جیسے ابوبکر خباز اور شیخ صالح ہیں۔ کہ تنور کے کام میں اپنا پہلو گرم رکھتے ہیں۔ اور اسی قسم کی ایک جماعت ہیں ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے صدقہ لینے کی گدڑی اوڑھی ہو یا قبول عطیہ کی نجاست سے ملوث ہوا ہو۔ یہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور راہ حق میں گریہ و زاری کرنے والے ہیں۔ اور جب کوئی مخلط جو ان کی صفت پر نہیں ہے ان کے ساتھ ہونا چاہے تو اس کو پھیر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے لشکر میں کوئی مخلط شامل ہوا تو لشکر شکست کھائے گا۔

باب نہم

زاہدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا کہ اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ جاہل آدمی قرآن یا حدیث میں دنیا کی مذمت سنتا ہے تو جانتا ہے کہ نجات یہ کہ دنیا ترک کرے اور یہ نہیں جانتا کہ دنیا کیا چیز ہے تو ابلیس اس پر یہ تلبیس ڈالتا ہے کہ تو دنیا ترک کر دے تو آخرت میں نجات پائے گا۔ پس منہ اٹھا کر پہاڑوں کی طرف نکل جاتا ہے اور جمعہ و جماعت و علم سے دور ہو کر وحشی کی مانند ہو جاتا ہے۔ شیطان اس کے ذہن میں جماتا ہے کہ حقیقی زہد یہی ہے اور کیوں نہ سمجھے جبکہ وہ سن چکا کہ فلاں شیخ منہ اٹھائے جنگل کو چلا گیا۔ اور فلاں شیخ پہاڑ میں عبادت کرتا رہا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس جاہل کی آل و اولاد ہوتی ہے وہ پریشان و برباد ہوتی ہے اور اس کی والدہ ہوئی تو فراق میں روتی ہے اور کبھی یہ جاہل نماز کے ارکان بھی ٹھیک نہیں جانتا اور کبھی اس کے ذمہ لوگوں کے قرضے وغیرہ حقوق و مظلمہ ہوتے ہیں جن کو اس نے ادا نہ کیا اور ان سے ذمہ پاک نہ کیا۔ ابلیس کو اس جاہل شخص کی تلبیس کا قابو اسی وجہ سے ملا کہ اس کو علم کمتر ہے۔ یہ بھی اس کی جہالت تھی کہ جو کچھ اس کے نفس نے سمجھایا اسی پر راضی ہوا۔ اور اگر اس نے کسی فقیہ کی صحبت اٹھائی ہوتی جو حقائق سے آگاہ ہوتا تو وہ اس کو بتلا دیتا کہ دنیا کچھ بذات خود مذموم نہیں ہے اور ایسی چیز کیونکر مذموم ہو سکتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے احسان رکھا ہے اور جو آدمی کے باقی رہنے کے واسطے ضروری چیز ہے اور جس کے ذریعہ سے آدمی علم و عبادت حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے کھانا پینا و پہننا وغیرہ اور اسی میں مسجد ہے۔ جس میں نماز پڑھتا ہے۔ بلکہ مذموم فقط یہ ہے کہ کوئی چیز بغیر حلت کے لے لے یا اسراف کے طور پر تصرف کرے جو مقدار حاجت سے زائد ہو اور نفس اس میں اپنی رعونت کے موافق بدون شرعی ادب کے تصرف کرے اور یہ بھی بتلا دیتا کہ پہاڑوں میں تنہا نکل جانا منع ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی تنہا رات بسر کرے اور خفیہ سمجھا دیتا کہ ایسی حرکت اختیار کرنا جس سے

جمعہ و جماعت فوت ہو جائے محض خسارہ ہے نفع نہیں ہے۔ علم و عالموں سے دور ہونے میں جہالت غالب ہو جاتی ہے اور ایسے معاملے سے ماں باپ کو فراق کا صدمہ دینا ان کی نافرمانی و عقوق میں داخل ہے جو کبیرہ گناہ ہے۔ رہا یہ کہ اس نے سنا کہ فلاں شیخ پہاڑوں میں نکل گئے تو احتمال ہے کہ ان کے عیال و والدہ و والد وغیرہ نہ تھے۔ اور کوئی باعث تھا کہ وہ ایسے مقام پر نکل گئے کہ وہاں ان لوگوں نے مجتمع ہو کر عبادت کی (مثلاً پہاڑ قریب آبادی کے تھا جیسے مکہ میں غار حراء ہے یا ملک میں فتنہ تھا) اور جس شخص کی حالت میں کوئی وجہ صحیح اس کی نہ ہو تو وہ خطا پر تھا خواہ کوئی ہو اور بے شک بعض سلف نے بیان کیا کہ ہم لوگ عبادت کے لیے پہاڑ میں چلے گئے' تو سفیان الثوری ؒ ہمارے پاس آئے اور ہم کو واپس شہر لے گئے۔

فصل

زاہدوں پر ابلیس کی تلبیس میں سے یہ ہے کہ زہدو عبادت کے پیچھے علم چھوڑ دیتے ہیں تو گویا انہوں نے بہتر و افضل چھوڑ کر حقیر و کمتر کو اختیار کر لیا اس کا بیان یہ ہے کہ زاہد کا نفع اس کے دروازے سے آگے نہیں بڑھتا۔ اور عالم کا نفع دوسروں کو پہنچتا ہے اور بہتیرے حد سے تجاوز کرنے والوں کو عالم راہ راست پھیر لاتا ہے۔

فصل

زاہدوں پر تلبیس ابلیس میں سے یہ ہے کہ اس نے ان کے گمان میں جما دیا کہ مباحات کو ترک کرنا زہد ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعضے فقط جو کی روٹی پر ہی گزارہ کرتے ہیں (باوجودیکہ صاحب مال ہوتے ہیں) اور بعضے کسی پھل و میوہ جات میں سے کچھ نہیں چکھتے اور بعضے غذا یہاں تک کم کرتے ہیں کہ ان کا بدن خشک ہو جاتا ہے اور صوف (موٹا اونی کپڑا) پہننے سے اپنے بدن کو ایذا دیتے ہیں اور ٹھنڈا پانی استعمال نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے اور نہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین ؒ و اتباع کا طریقہ ہے۔ وہ بزرگوار لوگ تو جبھی بھوک پر صابر رہتے جب کچھ نہ

پاتے اور جب پاتے تو کھاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کھاتے اور اس کو پسند فرماتے۔ اور مرغ کا گوشت کھاتے اور حلوہ پسند فرماتے تھے آپ ﷺ کے لیے میٹھا پانی سرد کیا جاتا اور باسی پانی کو ترجیح دیتے۔ کیونکہ گرم پانی معدہ کو تکلیف دیتا اور پیاس نہیں بجھاتا ہے۔ زاہدوں میں سے ایک کہتا تھا کہ میں حلوہ نہیں کھاتا' کیونکہ میں اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ تو حسن بصریؒ نے فرمایا کہ یہ شخص احمق ہے کیا یہ سرد پانی کا شکر ادا کر لیتا ہے۔ سفیان الثوریؒ جب سفر کو جاتے تو ان کے دستر خوان سفر میں حلوان کا بھنا ہوا گوشت اور مرغ کا گوشت اور فالودہ ہوتا تھا۔ آدمی کو جان لینا چاہیے کہ یہ نفس اس کی سواری ہے اور اس کے ساتھ نرمی کرنا ضروری ہے تاکہ مقصود کو پہنچ جائے تو جو چیزیں اس کی اصلاح کرنے والی ہیں ان کو حاصل کرے اور جن سے اس کو مضرت ہو وہ ترک کرے جیسے پیٹ تان کر کھانا اور خواہش کی چیزوں میں کثرت کرنا کیونکہ اس سے بدن کو اذیت ہوتی ہے اور دین کے لیے بھی مضر ہے۔ پھر آدمیوں کی طبائع مختلف ہیں۔ چنانچہ عرب کے جنگلی اگر بالوں کے کپڑے پہنیں اور فقط اونٹ کے دودھ پر رہیں تو ان کو ضرر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے بدن اس کو برداشت کرتے ہیں اور ملک کے بھی مناسب اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور اگر سواد عراق کے لوگ صوف پہنیں یا محض چٹنی کھائیں تو ان کو بھی مضر نہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو اس قدر قلیل چیز پر آمادہ کرے کیونکہ ان میں بعض ایسے ہو گزرے ہیں اس لیے کہ اس قوم کی یہ عادت بچپن سے پڑی ہے اور اگر بدن نازک ہو جو عیش میں پرورش ہوا ہے تو ہم اس کو منع کرتے ہیں کہ وہ اپنے بدن کو یکایک ایسی غذا پر آمادہ کرے جو اس کو ضرر پہنچائے' پھر اگر کسی نے زہد اختیار کیا۔ اور خواہش کی چیزوں کا ترک کرنا اختیار کیا خواہ اس وجہ سے کہ حلال مال میں ایسے زیادہ خرچ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یا جب طعام لذیذ ہو تو کثرت سے کھایا جاتا ہے جس سے نیند بہت آتی ہے اور سستی پیدا ہوتی ہے ایسے شخص کو یہ جاننا ضروری ہے کہ کس چیز کا چھوڑنا مضر ہے اور کس کا چھوڑنا مضر نہیں۔ تاکہ مقدار معتدل ایسی چیزوں سے اختیار کرے کہ جن سے بدن کا قوام بخوبی باقی رہے بدون اس کے کہ نفس کو خواہ مخواہ ایذا دینا لازم آئے۔ بہت سے لوگوں نے زعم کیا کہ روکھی پھیکی روٹی

قوام بدن کے واسطے کافی ہے۔ اگر فرض کر لو کہ اچھا کافی ہے۔ تاہم وہ دوسری جہت سے بدن کے اختلاط کو مضر ہے' جس کو کھٹے و میٹھے و سرد و گرم اور روکنے والی اور اسہال لانے والی چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طبیعت میں مناسب چیز کا میلان رکھا ہے تو کبھی اس کو ترشی کی طرف میلان ہوتا ہے اور کبھی میٹھے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ مثلاً بدن میں وہ بلغم کم ہو گیا جس کی ضرورت بدن کو قوام باقی رکھنے میں لازم ہے تو طبیعت دودھ کی خواہش کرے گی۔ اور جب بدن میں صفرا زیادہ ہوا تو طبیعت کھٹائی کی خواہش کرتی ہے تو جس نے طبعیت کو اس کے مقتضائے جبلت کے موافق مفید چیز میں تصرف سے روکا تو اس کو ایذاء پہنچائی سوائے اس کے کہ اس کو پیٹ بھر کر کھانے اور حرص وغیرہ ایسی چیز سے روکے جس کا انجام خوفناک ہے تو ایذا نہیں اس لیے کہ ایسی چیزیں اس کو مضر ہیں۔ رہا یہ کہ طبیعت کو مطلقاً" سب چیز سے روک دے تو یہ غلطی ہے یہ بیان سمجھ لینا چاہیے اور خالی اسی طرف نہ ڈھل جانا جو حارث محاسبی اور ابو طالب مکی نے لکھا ہے کہ نفس کو بہت ہی کم غذا دینے میں اس پر جہاد کرے اور مباحات و مستلذات سے اس کو بالکلیہ روک دے۔ اس لیے کہ یہاں بہتر طریقہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی اتباع کرے۔

ابن عقیل فرماتے تھے کہ اے صوفیہ دین داری میں تمہارے طریقے بہت ہی تعجب خیز ہیں تم دو باتوں کے بیچ میں پڑے ہو۔ یا تو اپنی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو یا نصرانی راہبوں کی طرح رہبانیت نکالتے ہو۔ اول کا اثر یہ ہے کہ تکبر اور غرور کی اور بچوں کی طرح کھیل و وجد و رقص کی رسی دراز کرتے ہو یا حقوق برباد کرتے اور بال بچوں کو چھوڑتے اور مسجد میں جا کر بیٹھ رہتے ہو۔ بھلا یہ لوگ عقل و شرع کے موافق کیوں عبادت نہیں کرتے۔

فصل

زاہدوں پر ابلیس یہ تلبیس ڈالتا ہے کہ ان کے وہم میں جما دیا کہ زہد فقط اس امر کا نام ہے کہ سب سے کم تر کھائے اور لباس پر قناعت کرے۔ لہٰذا یہ لوگ اسی مقدار پر کفایت

کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں ریاست و جاہ و مرتبہ کی خواہش بھری رہتی ہے۔ اسی وجہ سے تم ان کو دیکھتے ہو کہ امیروں اور دولت مندوں کی ملاقات کے منتظر رہتے ہیں۔ اور دولت مندوں کی تعظیم و تکریم اور فقیروں کی تحقیر کرتے ہیں اور لوگوں کی ملاقات کے وقت ایسا عجزو انکسار ظاہر کرتے ہیں گویا ابھی مشاہدہ سے نکلے ہیں۔ بارہا ان میں سے بعضے مال پھیر دیتے ہیں تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ اس نے زہد کا طریقہ بدل ڈالا ہے یہ لوگ دنیا کی خواہش کے وسیع دروازے میں اس ذریعہ سے گھسے ہیں کہ لوگ برابر ان کی خدمت میں آئیں اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیں اس واسطے کہ دین کی انتہا یہی ہے کہ ریاست حاصل ہو۔

فصل

مصنفؒ نے کہا کہ عابدوں و زاہدوں پر بکثرت جو امر ابلیس نے مکر سے ڈال رکھا ہے وہ یہ کہ ریاکاری چھپی ہوئی رکھتے ہیں اور ظاہری ریاکاری تو وہ خود علانیہ جانتے ہیں وہ کچھ تلبیس میں شمار نہیں ہو سکتی۔ جیسے جسم کی نحافت ظاہر کرنا اور چہرے کی زردی و بالوں کی پریشانی تا کہ اس کی ظاہری حالت سے ہر شخص جان لے کہ یہ صاحب بڑے زاہد ہیں۔ اسی طرح آواز پست رکھنا' تا کہ خشوع ظاہر ہو اور اسی طرح نماز و روزہ سے ریاکاری کرنا اور مال لٹانا تو ایسی کھلی ہوئی باتیں کچھ مخفی ریا میں نہیں ہو سکتی ہیں بلکہ توجہ تو مخفی ریا پر ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال کا دارو مدار تو نیتوں پر ہے اور جب کسی عمل سے خالص رضائے الٰہی مقصود نہ ہو تو وہ قبول نہ ہو گا۔ مالک بن دینارؒ نے فرمایا کہ جو شخص صدق دلی سے عامل نہ ہو اس سے کہہ دو کہ کیوں بے فائدہ تکلیف اٹھاتا ہے۔ واضح ہو کہ مومن اپنے اعمال سے خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتا ہے۔ شیطان اس پر مخفی ریاکاری لے کر آتا ہے اور اس کو تلبیس میں ڈالتا ہے اور اس سے بچنا بہت سخت مشکل ہے' یوسف بن اسباط فرماتے تھے کہ تم لوگ عمل کی صحت و سقم کو پہچاننا سیکھو کیونکہ میں نے اس کو بائیس برس میں سیکھا ہے۔ ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ میں نے معرفت ایک راہب سے سیکھی جس کو سمعان کہتے تھے۔ چنانچہ میں اس کے صومعہ

میں گیا اور اس سے کہا کہ اے سمعان تم کتنی مدت سے صومعہ میں رہتے ہو۔ اس نے کہا کہ ستر برس ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ تم کیا کھاتے ہو؟ اس نے کہا کہ اے حنیفی تم کیوں اس دریافت میں لگے ہو میں نے کہا کہ مجھے فقط دریافت کرنے کی خواہش ہے۔ اس نے کہا کہ ہر رات ایک چنا کھاتا ہوں میں نے کہا کہ تمہارے دل میں کیا چیز جوش کرتی ہے کہ یہ چنا تم کو کافی ہو جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ تم وہ دیر (عبادت کی جگہ) جو سامنے نظر آتا ہے دیکھتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ سمعان نے کہا کہ وہ لوگ سال میں ایک روز میرے صومعہ میں آتے ہیں اور اس کی آرائش کرتے ہیں اور اس کے گرد گھومتے ہیں اور اس سے میری تعظیم کرتے ہیں تو جب کبھی میرا نفس عبادت سے کسل کرتا ہے تو میں اس دن اور اس گھڑی کو یاد کر لیتا ہوں تو اس ایک گھڑی کی یاد کے لیے تمام سال میں اس سخت جہد و مشقت کو برداشت کرتا ہوں۔ اے حنیفی تجھے لازم ہے کہ دائمی عزت کے لیے جہد و کوشش کر اس کی گفتگو سے میرے دل میں معرفت نے گھر کیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے کچھ زیادہ دکھا دوں۔ میں نے کہا کہ وہ کیا چیز ہے؟ بولا کہ تم صومعہ سے نیچے اتر کھڑے ہو میں جب وہاں کھڑا ہوا تو اس نے رسی باندھ کر ایک آبخورہ لٹکایا میں نے کھول لیا تو اس میں بیس چنے تھے۔ پھر مجھ سے کہا کہ تم ان کو لیے ہوئے اس دیر میں جاؤ کیونکہ انہوں نے مجھے لٹکاتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ میں اس دیر میں آیا تو نصاریٰ نے میرے گرد جمع ہو کر پوچھنا شروع کیا کہ اے حنیفی تم کو بابا نے کیا عطا کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اپنی غذا میں سے یہ چنے دیئے ہیں نصاریٰ نے کہا کہ اے حنیفی یہ چنے آپ کے کچھ کام کے نہیں ہیں اور ہم اس کے حقدار ہیں، آپ ہم سے اس کی قیمت لے لیجئے' میں نے کہا کہ بیس دینار دو۔ انہوں نے فوراً بیس اشرفیاں دے دیں۔ پھر میں راہ بدل کر سمعان کے پاس آیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ تو نے غلطی کی اگر تو ان سے بیس ہزار مانگتا تو وہ تجھے دیتے۔ اے حنیفی یہ اس کی عزت ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں پوجتا۔ اب تو قیاس کر لے کہ جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے اس کی کیا عزت ہو گی۔ اے حنیفی اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جا۔ مصنف ؒ نے کہا کہ اسی ریا کے خوف سے صالحین نے اپنے اعمال چھپائے تاکہ ان کو بچالیں اور ان کو بچانے کے لیے اس کے برعکس ناقص اعمال ظاہر کیے۔ ابن

سیرینؒ کا قاعدہ تھا کہ دن میں لوگوں کے سامنے ہنسا کرتے اور رات کو رویا کرتے تھے ایوب السختیانیؒ اپنے دامن کو کچھ دراز رکھتے تھے۔ ابراہیم بن ادہمؒ جب بیمار ہوتے تو ان کے پاس وہ چیزیں رکھی ہوئی دکھائی دیتیں جن کو تندرست لوگ کھایا کرتے ہیں۔

وہب بن منبہؒ کہا کرتے کہ ایک شخص اپنے زمانہ میں افضل لوگوں میں سے تھا۔ لوگ دور سے اس کی زیارت کو آتے اور اس کی تعظیم کرتے ایک روز اس کے پاس جمع ہوئے تو اس نے فرمایا کہ ہم طغیان و غرور کے خوف سے دنیا و اہل و اموال سے خارج ہوئے ان کو چھوڑا اور اب مجھے یہ خوف ہے کہ جس قدر حد سے تجاوز مال والوں پر ان کے مال سے نہیں آتا اس قدر طغیان ہم لوگوں میں ہماری ہی اس حالت موجودہ سے سماتا ہے تم دیکھتے ہو کہ ہم میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی دیانت داری کی وجہ سے اس کی ضرورت پوری کی جائے اور اگر کچھ خریدے تو اس کے دام کم رکھے جائیں اور اگر کسی سے ملاقات کرے تو لوگ اس کی دیانت داری کے واسطے عزت و توقیر کا برتاؤ کریں۔ اس کی یہ گفتگو شائع ہو گئی۔ یہاں تک کہ بادشاہ تک خبر پہنچی تو اس کو بہت پسند آیا اور اس کے دیدار و سلام کے واسطے سوار ہوا۔ جب قریب آیا تو اس سے کہا گیا کہ یہ بادشاہ آپ کے سلام کے واسطے آیا ہے اس نے کہا یہ کس لیے؟ کہا گیا کہ اسی گفتگو کی وجہ سے جو آپ نے بطور وعظ بیان فرمائی تھی۔ کہا اسے واپس کر دو۔ پھر غلام سے پوچھا کہ بھلا تیرے پاس کچھ کھانا موجود ہے اس نے کہا کہ کچھ چھوہارے وغیرہ پھل ہیں جن سے آپ افطار کیا کرتے تھے۔ شیخ نے ان کو مانگا تو ٹاٹ کے دستر خوان پر لا کر رکھے گئے اور شیخ نے کھانا شروع کیا حالانکہ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے اتنے میں بادشاہ آ کر کھڑا ہوا۔ اور سلام کیا تو شیخ نے کچھ خفیف جواب دیا۔ پھر اپنے کھانے میں متوجہ ہو گئے بادشاہ نے کہا کہ وہ شیخ کہاں ہیں۔ کہا گیا کہ وہ یہی ہیں۔ کہا کہ جو کھانے میں مشغول ہیں۔ کہا گیا کہ جی ہاں۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کے پاس تو کچھ خوبی نہیں ہے۔ اور واپس چلا گیا۔ شیخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے اس ذریعہ سے تجھے میرے پاس سے پھیر دیا۔ مصنفؒ نے کہا کہ دوسری روایت میں وہبؒ سے آیا ہے کہ جب بادشاہ آیا تو شیخ کے آگے اس کا طعام پیش کیا گیا تو شیخ نے ہر قسم کے ساگ کا بڑا لقمہ جمع کر کے روغن زیتون میں ڈبو کر کھانا

شروع کیا اور بہت تیزی کے ساتھ کھانے لگے بادشاہ نے اس سے کہا کہ اے فلاں تیرا کیا حال ہے تو کیسا آدمی ہے۔ شیخ نے کہا جیسے لوگ ہوتے ہیں۔ پس بادشاہ نے اپنے گھوڑے کی باگ پھیر لی اور کہا کہ اس شخص میں کوئی بہتری نہیں ہے شیخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اس کو میرے پاس سے اس طرح پھیرا کہ مجھے ملامت کرتا ہوا چلا گیا۔ ابن عطاء نے کہا کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ارادہ کیا کہ یزید بن مرثد کو (کسی مقام کا) والی مقرر کرے یہ خبر یزید کو پہنچی' تو الٹی پوستین پہنی اور اپنے ہاتھ میں ایک روٹی اور گوشت دار ہڈی لے کر بغیر چادر اور ٹوپی و موزہ و جوتا کے باہر نکل کر بازاروں میں پھرنا اور کھانا شروع کیا۔ لوگوں نے ولید کو خبر پہنچائی کہ یزید بن مرثد کی عقل جاتی رہی ہے۔ اور یہ سب حال بیان کیا گیا تو خلیفہ نے ارادہ ترک کیا۔ غرض ایسی روایات بکثرت ہیں۔

فصل

مصنف ؒ نے کہا کہ زاہدوں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو ظاہر و باطن زہد کو عمل میں لاتے ہیں۔ لیکن شیطان ایسے زاہد کو بتلاتا ہے کہ یہ ضرور ہے کہ تو اپنے دوستوں سے اور زوجہ سے اپنا ترک دنیا کرنا ظاہر کر دے۔ پس اس حیلہ سے اس پر صبر کرنا آسان ہوتا ہے۔ جیسے اس راہب پر آسان ہوا ہے جس کا قصہ ہم نے ابراہیم بن ادہم ؒ کے ساتھ بیان کیا اگر ایسا زاہد خالص اخلاص چاہتا تو اپنی زوجہ وغیرہ کے ساتھ اس قدر کھا لیا کرتا جس سے اس نفس کو بچاتا اور اپنے حق میں ایسی گفتگو نہ کرتا۔ داؤد بن ابی ہند ؒ نے بیس سال تک روزہ رکھا۔ اور ان کے گھر والوں کو معلوم تک نہ ہوا وہ اپنا کھانا گھر سے لے کر بازار جاتے اور اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتے اور بازار والے یہ سمجھتے کہ اپنے گھر سے کھا کر آئے ہوں گے۔ اور گھر والے جانتے کہ انہوں نے بازار لے جا کر کھایا ہو گا۔ مردان خدا کا یہی طریقہ تھا۔

فصل

زاہدوں میں بعضے وہ ہیں جو الگ ہو کر مسجد میں یا رباط میں یا پہاڑ میں بیٹھ رہتے ہیں

اور ان کو یہ لذت ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ فلاں زاہد اکیلا ہو رہا ہے اور بسا اوقات یہ حجت لاتا ہے کہ اگر میں بازار میں نکلوں گا تو منکرات جو شرع میں ناجائز ہیں وہ دیکھوں گا اس انقطاع میں اس کے اور مقاصد بھی ہیں ازانجملہ تکبر اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔ اور ازانجملہ وہ خوف کرتا ہے کہ لوگ اس کی خدمت میں کوتاہی کریں گے۔ اور ازانجملہ اپنی ناموس و ریاست کی حفاظت ہے۔ کیونکہ لوگوں کے میل جول سے یہ بات جاتی رہے گی۔ حالانکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے ذکر کی تازگی قائم رہے۔ بسا اوقات اس کا مقصود یہ بھی ہوتا ہے کہ اس جاہل زاہد کے عیوب و قبیح باتیں اور علم سے جاہل ہونا سب چھپا رہے۔ پس تو دیکھتا ہے کہ یہ زاہد چاہتا ہے کہ لوگ اس کے دیدار کو آئیں اور وہ کسی کو دیکھنے نہ جائے اور جب امراء اس کے پاس آتے ہیں تو بہت خوش ہوتا ہے اور جب عوام اس کے دروازے پر جمع ہوتے ہیں اور اس کے ہاتھ چومتے ہیں تو پھول جاتا ہے پس وہ نہ مریضوں کی عیادت کو جاتا ہے اور نہ جنازے کی نمازوں میں شریک ہوتا ہے۔ اس کے مریدین کہتے ہیں کہ شیخ کو معذور سمجھئے کہ ان کی عادت یہی ہے بھلا اس عادت میں کیا عذر ہو جو شرع کے خلاف ہے۔ اگر یہ زاہد اپنی ضروری غذا وغیرہ کا کسی وقت حاجت مند ہوتا ہے اور اتفاق سے کوئی شخص موجود نہ ہو جو اس کے واسطے خرید لائے تو بھوکا رہنے پر صبر کرتا ہے تاکہ خود نکل کر خرید کرنے میں عوام کے درمیان چلنے پھرنے سے اس کا مرتبہ کم نہ ہو۔ اگر وہ خود نکل کر اپنی ضرورت کی چیز خریدے۔ تو اس کی شہرت جاتی رہے۔ لیکن اس کے دل میں حفظ ناموس کی بہت خواہش ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں جا کر اپنی ضرورت کی چیز خریدتے اور خود اٹھا لاتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے کندھے پر کپڑے لادے جاتے اور ان کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھا لادے ہوئے گزرے تو کچھ لوگوں نے آپ سے کہا کہ کیا سبب ہے کہ آپ ایسا کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بے پرواہ کر دیا ہے۔ کہا میں چاہتا ہوں کہ اس ذریعہ سے نفس کا تکبر دور کروں اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جنت میں وہ بندہ داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو۔

فصل

یہ جو ہم نے ضرورت خرید و فروخت وغیرہ کے واسطے نکلنے کا ذکر کیا جس میں تبذل ہے۔ یہ قدمائے سلف کی عادت تھی۔ اور یہ عادت بدل گئی۔ جیسے لباس و حالات بدل گئے۔ آج کل میں کسی عالم کو نہیں دیکھتا کہ کسی ضروری چیز کی خرید کے واسطے نکلے۔ اس لیے کہ جاہلوں کے نزدیک اس سے نور علم میں دھندلاہٹ آ جاتی ہے۔ اور نور علم کی تعظیم ان کے نزدیک مشروع ہے اور ایسی باتوں میں عوام کے دلوں کی رعایت کرنا ریا کاری کی طرف نہیں لے جاتا اور ایسے طریقہ کا استعمال کرنا جس سے عوام کے دلوں میں ہیبت باقی رہے۔ ان کے نزدیک ممنوع نہیں ہے اور ہر چیز جس سے اب لوگوں کے قلوب متغیر ہوں اگرچہ وہ سلف میں ہو تو اس کا عمل میں لانا ضروری نہیں ہے۔ اوزاعیؒ نے کہا کہ ہم پہلے ہنستے اور مزاح کرتے تھے اور جب ہماری یہ حالت پہنچی کہ ہمارے قول و فعل کی پیروی کی جائے گی تو ہم نے دیکھا کہ یہ باتیں ہم کو روا نہیں ہیں۔ مصنف نے کہا کہ ہم کو ابراہیم بن ادہمؒ سے روایت پہنچی کہ ایک روز ان کے اصحاب باہم خوش طبعی کرتے تھے کہ اتفاق سے کسی نے دروازہ کھٹکایا تو اس کو خاموشی کا حکم کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے آج ریا سیکھی تو فرمایا کہ میں یہ ناگوار سمجھتا ہوں کہ تمہاری پیروی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے۔ مصنفؒ نے کہا کہ ابراہیمؒ نے جاہلوں کے قول سے خوف کیا' تم لوگ ان زاہدوں کی طرف نظر کرو کہ کیونکر عمل کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ عوام لوگ عابدوں کے حق میں خوش طبعی وغیرہ کا گمان نہیں رکھتے۔

فصل

زاہدوں میں بعضے ایسے ہیں کہ اگر اس سے درخواست کی جائے کہ نرم کپڑا پہنو تو منظور نہ کرے گا۔ تا کہ اس کے مرتبۂ زہد میں نقصان نہ آئے اور اگر باہر ہو تو لوگوں کے سامنے نہ کھائے اور اپنے آپ کو مسکرانے سے روکتا ہے۔ ہنسنے کا کیا ذکر ہے۔ ابلیس اس کو وہم دلاتا ہے کہ یہ خلق کی اصلاح ہے حالانکہ یہ ریاکاری ہے جس سے وہ اپنی ناموس کا.

قاعدہ محفوظ رکھتا ہے۔ چنانچہ تو اس کو دیکھے گا کہ لوگوں کے سامنے سر جھکائے بیٹھا رہتا ہے اور اس کے چہرے پر حزن و غم کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اگر کبھی اس کو خلوت میں تنہا دیکھے تو شریٰ (سلمی پہاڑ کی گھاٹی جہاں بکثرت شیر ہوتے ہیں) کا شیر نظر آئے گا۔

فصل

سلف صالحین کا قاعدہ تھا کہ ہر خصلت جس سے وہ انگشت نما ہوتے اس کو دور رکھتے اور جہاں وہ مشار الیہ بنائے جاتے وہاں سے ہٹ جاتے۔ عبداللہ بن خفیف نے کہا کہ یوسف بن اسباط نے بیان فرمایا کہ میں سبج سے پیدل نکل کر مصیصہ کو روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو میری جراب میرے گلے میں تھی۔ پس ادھر سے ایک دوکاندار نے مجھے اٹھ کر سلام کیا اور ادھر سے دوسرے نے اٹھ کر سلام کیا۔ میں اپنی جرابیں ڈال کر مسجد میں گھس گیا۔ وہاں دو رکعتیں پڑھنے لگا تو مجھے سب طرف سے لوگوں نے گھیر لیا۔ اور ایک شخص نے میرے چہرے کے سامنے دیکھنا شروع کیا تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ میرا جی کب تک اس حالت پر سلامت رہے گا۔ پس میں اپنی جراب لے کر باوجود پسینے میں غرق ہونے اور تھکے ماندے ہونے کے الٹے پاؤں سبج کی طرف واپس آیا۔ پھر دو سال تک میرا قلب بحال خود نہ آیا۔

فصل

بعضے زاہد کا یہ طریقہ ہے کہ وہ پھٹا ہوا کپڑا پہنتا ہے اور اس کو نہیں سیتا اور اپنے عمامہ و داڑھی کی درستی چھوڑ دیتا ہے تاکہ لوگ یہ جانیں کہ اس کے پاس دنیا سے سوائے اس لباس کے کچھ نہیں ہے۔ یہ ریاکاری کے دروازوں میں سے ہے پھر اگر وہ اصلاح و درستی کرنے میں سچا بھی ہو جیسے داؤد انطاکی سے کہا گیا تھا کہ آپ اپنی داڑھی کیوں درست نہیں کرتے تو فرمایا تھا کہ میں اس کے فکر سے دوسری طرف مشغول ہوں تاہم اسے یہ جان لینا چاہیے کہ زاہد موصوف ٹھیک راہ نہیں چلا۔ اس لیے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا طریقہ نہ تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے

بالوں میں کنگھی کرتے اور آئینہ دیکھتے اور خوشبو لگاتے اور تیل ملتے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ آخرت میں مشغول تھے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما داڑھی میں حنا و کتم کا خضاب لگاتے حالانکہ سب صحابہ سے بڑھ کر خوف رکھنے والے اور سب سے زیادہ زاہد تھے اور جو کوئی ان اکابر سے بڑھ کر رتبہ کا مدعی ہو تو اس کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے گا۔

فصل

بعضے زاہد ہمیشہ چپ رہنے کو لازم کر لیتے ہیں اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ملنے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ گویا اس طرح اپنے قبیح اخلاق سے ان کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھول جاتے ہیں کہ تجھ پر تیرے اہل کا حق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش طبعی فرماتے اور بچوں کو باتوں سے بہلاتے۔ اور ازواج مطہرات سے دل بہلانے کی باتیں کرتے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑتے تھے۔ اور اسی طرح دیگر اخلاق لطیفہ مروی ہیں۔ پھر اس زاہد جاہل کو دیکھو جس نے اپنی زوجہ کو بیوہ کے مانند بنا دیا اور بچوں کو یتیم سا بنا دیا۔ اور برے اخلاق کا برتاؤ کیا۔ اور الگ ہو بیٹھا۔ کیونکہ یہ تاویل نکالی کہ ایسے امور اس کو شغل آخرت سے روکنے والے ہیں۔ اور کم علمی سے یہ نہ جانا کہ اہل و عیال کے ساتھ کشادہ روی سے بسر کرنا آخرت کے واسطے معین ہے۔ صحیحین میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو نے کنواری لڑکی سے کیوں بیاہ نہ کیا جس سے تو کھیلتا اور وہ تجھ سے کھیلتی۔ اکثر اوقات اس جعلی زاہد پر خشکی غالب ہو جاتی ہے تو وہ زوجہ سے ملنا بالکل ترک کر دیتا ہے جس کا حق فرض تھا۔ گویا نفل کے پیچھے فرض کھو دیتا ہے یہ ثواب کی بات نہیں ہے۔

فصل

بعضے زاہد کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے اعمال پر نظر کرتا ہے اس سے اگر کہا جائے کہ آپ بڑے لوگوں میں سے ہیں تو اس کو حق سمجھتا ہے۔ بعض زاہد اپنے واسطے کرامت

ظاہر ہونے کا منتظر رہتا ہے اور اس کے خیال میں جم جاتا ہے کہ اگر وہ دریا کے پاس جا پہنچے تو اس کو قدرت ہے کہ پانی پر رواں ہو جائے۔ پھر جب اس نے کسی معاملہ میں دعا کی اور وہ قبول نہ ہوئی تو وہ دل میں ناخوش ہوتا ہے گویا وہ مزدور تھا کہ اپنی مزدوری مانگتا ہے اگر اس کو سمجھ ہوتی تو جانتا کہ وہ تو ایک بندۂ مملوک ہے اور مملوک اپنی خدمت سے کچھ احسان نہیں رکھ سکتا ہے۔ اور اگر یہ دیکھتا کہ اس کو نیک عمل کی توفیق ملی ہے تو جانتا کہ اس پر شکر ادا کرنا بھی واجب ہے اور اپنے قصور سے خوف کھاتا اس پر لازم یہ تھا کہ اپنے عمل کو دیکھنے سے اس کو یہ امرباز رکھتا کہ میرے اعمال میں مجھ سے سخت قصور سرزد ہوا ہے۔ جیسے رابعہ عدویہؒ کہا کرتی تھیں کہ میں استغفراللہ کہنے میں اپنی کم سچائی سے توبہ کرتی ہوں اور مغفرت مانگتی ہوں۔ رابعہؒ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے کس عمل کو سمجھتی ہیں کہ وہ مقبول ہوا ہو تو فرمایا کہ اگر کچھ ہے تو یہ کہ مجھے یہ خوف ہے کہ وہ مجھ پر الٹا نہ مار دیا جائے۔

فصل

بعضے زاہد جن کی کم علمی سے شیطان نے ان پر قابو پایا ہے یہ تلبیس ڈالی کہ وہ لوگ اپنے واقعات پر عمل کرتے ہیں اور کسی فقیہ کے قول پر التفات نہیں کرتے ابن عقیل نے کہا ابو اسحاق الخزاز مرد صالح تھے اور انہیں نے سب سے اول مجھے قرآن تلقین کیا۔ ان کی یہ عادت تھی کہ رمضان میں بولنا چھوڑ دیتے تھے۔ اور جو ضرورتیں ان کو لاحق ہوتیں ان میں آیات قرآنی سے خطاب کرتے۔ چنانچہ جس سے کہنا ہوتا کہ پاس آؤ۔ یعنی اجازت دیتے تو بجائے اس کے یہ آیت پڑھتے **ادخلوا علیھم الباب** (المائدہ پ ۶ آیت ۲۳) یعنی اے بنی اسرائیل اس قوم کفار پر دروازے داخل ہو۔ الخ۔ اور تیسرے پہر کو اپنے بیٹے کو کہتے۔ **من بقلھا وقثائھا** (البقرہ پ ۱ آیت ۶۱) یعنی زمین کی ساگ اور ککڑی سے۔ یعنی بیٹے کو حکم دیا کہ بازار سے ساگ خریدو۔ میں نے شیخ سے عرض کیا کہ آپ اس کو عبادت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ گناہ ہے یہ کلمہ ان پر دشوار گزرا تو میں نے کہا کہ یہ قرآن مجید احکام شرعیہ بیان کرنے کے اترا ہے تو اس کو دنیاوی

اغراض میں استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ تو ایسا ہے جیسے اوراق مصحف میں گھاس پات رکھے یا اس کا تکیہ بنا دے۔ تو شیخ نے مجھے سخت سست کہا اور اس دلیل کی جانب کوئی توجہ نہیں کی۔

مصنف ؒ نے کہا کہ زاہد کم علم کبھی عوام سے کوئی بات سن کر اسی کے موافق فتویٰ دیتا ہے۔ چنانچہ مجھ سے ابو حکیم ابراہیم بن دینار الفقیہ نے بیان کیا کہ مجھ سے ایک مرد نے فتویٰ پوچھا کہ ایک عورت کو تین طلاق دی گئیں۔ اس کے لڑکا ہوا تو کیا وہ عورت اپنے شوہر کو حلال ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ میرے پاس شریف الدحالی بیٹھے تھے یہ مشہور زاہد تھے اور عوام میں ان کی بڑی قدر تھی کہنے لگے نہیں بلکہ وہ حلال ہے میں نے کہا کہ یہ حکم کسی عالم نے نہیں دیا تو کہا کہ واللہ میں نے یہاں سے بصرہ تک یہی فتویٰ دیا ہے۔ مصنف ؒ نے کہا کہ بھائیوں دیکھو جاہلوں کے ساتھ جہالت کیا کرتی ہے۔ زاہد میں جہالت کے ساتھ اپنے مرتبہ کی حفاظت مل جاتی ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کو جہالت کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ زاہد کو باوجود معرفت کے بہت سے علوم میں فتویٰ دینے سے روکتے اور انکار کرتے تھے۔ کیونکہ اس میں فتویٰ دینے کے شروط جمع نہیں ہیں۔ پھر بھلا اگر ہمارے زمانہ کے زاہدوں کی خبطگی دیکھتے کہ واقعات میں کیسے فتویٰ دیتے ہیں تو کس طرح سخت تنبیہ کرتے۔ اسماعیل بن شبہ نے کہا کہ میں احمد بن حنبل ؒ کے پاس گیا۔ ان دنوں احمد بن حنبل مکہ سے آئے تھے تو امام نے مجھ سے پوچھا کہ یہ خراسانی کون شخص ہے جو آج کل وارد ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ زہد میں ایسا ایسا ہے اور تقویٰ میں ایسا ایسا ہے۔ تو فرمایا کہ اس کو فتویٰ دینے میں داخل نہ ہونا چاہیے باوجود ان صفات کے جن کا اپنے نفس کے واسطے مدعی ہو۔

فصل

ابلیس کی تلبیس ان جاہل زاہدوں پر یہ بھی ہے کہ عالموں کی حقارت و مذمت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علم کا مقصود یہی تھا کہ عمل کریں اور یہ نہیں سمجھتے کہ علم تو قلب کا نور ہے۔ اگر یہ جہال زاہد عالموں کا مرتبہ جانتے کہ کیونکر اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات سے

شریعت کی حفاظت فرمائی ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ ہے تو یہ زہاد ان کے سامنے اپنے آپ کو ایسا سمجھتے جیسے فصحاء کے سامنے گونگا اور آنکھوں والوں کے سامنے اندھا ہوتا ہے علماء (صحیح) راستہ کے دلیل ہیں۔ اور سب خلق ان کے پیچھے ہے۔ دانا آدمی وہی ہے جو کسی ایک کے ساتھ چلتا ہے۔ صحیحین میں سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ واللہ اگر تیری ذات سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہدایت دے دے تو تیرے واسطے سرخ اونٹوں کے گلہ سے بہتر ہے۔

فصل

جن امور سے یہ لوگ علماء کو عیب لگاتے ہیں ایک یہ ہے کہ علماء بعض مباحات کو استعمال کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے قوت حاصل کریں تاکہ درس کا کام پورا کریں اور اسی طرح بعض علماء پر مال جمع کرنے کا عیب لگاتے ہیں اگر یہ لوگ مباح کے معنے سمجھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ایسے شخص کی مذمت نہیں ہو سکتی۔ انتہا درجہ یہ ہے کہ جمع نہ کرنے والا جامع مال سے بہتر ہو۔ پھر کیا جس نے نماز فرض ادا کی اور سو رہا تو اس کو وہ شخص عیب لگائے جو نماز پڑھتا رہا یہ تو بہتر نہیں ہے۔ ابو عبداللہ الخواص نے کہا کہ ہمارے یہاں حاتم الاصم گزرے۔ ہم ان کے ہمراہ ان کے تین سو بیس مریدوں کے ساتھ ری میں داخل ہوئے سب حج کا قصد کرتے تھے۔ وہ صوف کے جبے پہنے تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس تھیلا یا طعام کچھ نہ تھا۔ ہم لوگ ایک سوداگر کے پاس آترے اس نے رات کو ہماری مہمانی کی۔ دوسرے روز اس نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمان آپ کو کچھ ضرورت تو نہیں میں چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں ہمارا فقیہ بیمار ہے اس کی عیادت کروں حاتم نے کہا کہ اگر تیرا فقیہ بیمار ہے تو فقیہ کی عیادت کی بڑی فضیلت ہے اور اس کا دیکھنا عبادت ہے اور میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ وہ بیمار محمد بن مقاتل رے کے قاضی تھے۔ یہ سب لوگ قاضی کے دروازے پر آئے تو دیکھا دربان موجود ہے حاتم اصم متفکر ہو گئے کہ عالم کے دروازے پر یہ حال ہے۔ پھر قاضی نے ان کو اجازت دی تو داخل ہو کر کیا دیکھتے ہیں کہ مکان چمکتا ہوا اور اسباب خوب موجود ہے اور عمدہ عمدہ فرش و پردے

ہیں۔ حاتم اصمؒ متفکر ہو کر دیکھنے لگے۔ جب اس مجلس میں داخل ہوئے جہاں محمد بن مقاتل تھے تو دیکھا کہ عمدہ بچھونا ہے اس پر لیٹے ہیں۔ اور سرہانے مور چھل ہے۔ لوگ کھڑے ہیں' پھر سوداگر بیٹھ گئے اور حاتم کھڑے رہے تو محمد بن مقاتل نے ان کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ حاتم نے کہا کہ میں نہیں بیٹھوں گا مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ قاضی نے کہا کہ پوچھو۔ حاتم نے کہا کہ اٹھ کر سیدھے بیٹھو تو پوچھوں۔ ابن مقاتل نے اپنے غلاموں کو حکم دیا انہوں نے تکیہ لگا کر ان کو بٹھایا حاتم اصمؒ نے کہا کہ اپنا یہ علم تم کس سے لائے ہو۔ کہا کہ ہم کو ثقہ مشائخ نے ثقہ اماموں سے پہنچایا ہے کہا کہ انہوں نے کس سے لیا ہے کہا کہ تابعین سے پوچھا کہ تابعین نے کس سے لیا ہے کہا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اصحاب نے کس سے لیا ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کہاں سے لائے ہیں۔ کہا کہ جبرئیل علیہ السلام سے لیا ہے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے۔ حاتم اصم نے کہا کہ پھر تم نے جس علم میں جو اللہ تعالیٰ سے جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا اور حضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور صحابہ نے تابعین کو اور تابعین نے ائمہ کو اور ائمہ نے ثقات کو اور ثقات نے تم کو پہنچایا ہے یہ پایا کہ دنیا میں جس کا گھر سب سے بہتر اور بچھونا نرم اور زینت زیادہ ہو تو اس کی منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی ہے۔ قاضی نے کہا کہ نہیں۔ پوچھا کہ پھر تم نے کیونکر سنا ہے کہا کہ میں نے سنا کہ جو دنیا میں زاہد ہوا اور آخرت میں راغب ہوا۔ اور مساکین کو پسند کیا اور اپنی آخرت کا سامان بھیجا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی منزلت زیادہ اور قرب زیادہ ہو گا۔ حاتم نے کہا کہ پھر تم نے کس کی اقتداء کی۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب و تابعین و مابعد الحین کی اقتداء کی یا فرعون و نمرود کی اقتداء کی جس نے سب سے پہلے گچ اور اینٹ سے عمارت بنائی ہے۔ اے برے عالمو! تمہارے سبب سے جاہل جو دنیا پر ہزار جان سے گرا پڑتا ہے یہ کہے گا کہ جب یہ عالم اس طرح پر ہے تو میں کیوں نہ ہو جاؤں۔ حاتم وہاں سے نکل آئے۔ محمد بن مقاتل کا مرض بڑھتا گیا۔ رے کے لوگوں نے یہ ماجرا جو حاتم و ابن مقاتل کے درمیان ہوا تھا سب سنا تو حاتم سے کہا کہ قزوین میں محمد بن عبید الطنافسی کا محل و

دولت و سامان اس سے بھی زیادہ ہے۔ حاتم روانہ ہو کر محمد بن عبید کے پاس پہنچے ان کے پاس ایک جماعت کثیر موجود تھی جن کو حدیث سناتے تھے ان سے کہا کہ خدا تم پر رحم کرے میں ایک شخص عجمی ہوں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے میری نماز کی کنجی اور مبداء دین سکھلا دیجئے کہ وضو کیونکر کرتے ہیں۔ محمد بن عبید نے کہا کہ بہت تکریم و خوشی کے ساتھ سکھلاؤں گا۔ اے غلام برتن میں پانی لاؤ۔ پس وہ لایا تو محمد بن عبید نے تین بار وضو کر کے فرمایا کہ اسی طرح وضو کیا کرو۔ حاتم نے کہا کہ ذرا ٹھہر جائیے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے تاکہ میں آپ کے سامنے وضو کر لوں تاکہ خود مستحکم ہو جائے۔ محمد بن عبید کھڑے ہو گئے اور حاتم نے وضو کرنا شروع کیا۔ تین بار منہ دھویا جب ہاتھوں کی باری آئی تو چار مرتبہ ہاتھ دھوئے۔ طنافسی نے کہا کہ تم نے اسراف کیا حاتم نے کہا کس چیز میں اسراف کیا کہا کہ تم نے ہاتھ چار مرتبہ دھوئے تو حاتم نے کہا۔ سبحان اللہ میں فقط ایک ہاتھ میں اسراف کا ملزم ہوا اور آپ اس تمام سامان میں جو دیکھ رہا ہوں کچھ مسرف نہ ہوئے طنافسیؒ نے جانا کہ اس شخص نے اسی کے واسطے میرا قصد کیا تھا۔ پس وہ گھر چلے گئے اور چالیس روز تک لوگوں کے سامنے نہ آئے۔ حاتم وہاں سے حجاز کو گئے۔ جب مدینہ پہنچے تو چاہا کہ وہاں کے علماء کو بھی قائل کریں۔ پس جب مدینہ میں داخل ہوئے تو پوچھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محل کہاں ہے تاکہ میں وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھوں لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محل نہ تھا۔ بلکہ آپ کے واسطے ایک کچی کوٹھڑی تھی۔ حاتم نے کہا کہ پھر آپ کے خاندان اور اصحاب و ازواج کے محل کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ان کے محل نہ تھے بلکہ ان کے مکانات کچے تھے۔ حاتم نے کہا کہ اے لوگو پھر یہ شہر فرعون ہے۔ یہ کلمہ سن کر لوگوں نے حاتم کو گالیاں دیں اور پکڑ کر حاکم کے پاس لے گئے اور بیان کیا کہ یہ عجمی یہ کہتا ہے کہ یہ شہر فرعون ہے حاکم نے کہا کہ تو نے ایسا کلمہ کیوں کہا حاتم نے کہا کہ اے امیر جلدی نہ فرمایئے میں ایک پردیسی ہوں۔ جب اس شہر میں داخل ہوا تو میں نے پوچھا کہ یہ کون شہر ہے جواب ملا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہے۔ میں نے کہا کہ محل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہے آپ کے اصحاب کے محلات کہاں ہیں تو لوگوں نے کہا کہ ان بزرگوں کے محلات نہ تھے بلکہ

کچے گھر تھے اور میں نے قرآن میں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لقد کان لکم الخ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں تمھاری بہتری ہے۔ اب تم لوگ مجھے بتلا دو کہ تم نے کس کی پیروی کی ہے آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی پیروی کی یا فرعون کی پیروی کی۔

مصنفؒ نے کہا کہ جاہل زاہد سے علماء کے حق میں افسوس ہے کہ جاہل مذکور اپنے علم پر بھروسہ کر کے فضیلت کو بھی فرض سمجھتا ہے کیونکہ حاتم نے جن امور کا اول سے آخر تک انکار کیا وہ مباح ہیں اور مباح میں شرع نے اجازت دی ہے اور جس چیز کی اجازت دی اس میں عتاب و عذاب نہیں فرمایا جائے گا۔ اب غور کرو کہ جہالت کیسی قبیح چیز ہے ہاں اگر حاتم ان علماء سے اسی قدر کہتے کہ یارو جس حالت میں تم لوگ پڑے ہو اگر اس میں کمی کرتے تاکہ عوام الناس تمہاری اقتداء کرتے تو یہ کلام مناسب تھا۔ اور دیکھو اگر یہ زاہد سنتا کہ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ و فلاں فلاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اموال عظیمہ چھوڑے تو بھلا تمہاری رائے میں یہ زاہد کیا کہتا اور تمیم الداری نے ہزار درہم کا ایک حلہ خریدا تھا اس کو پہن کر رات میں نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تھے بالجملہ زاہد پر فرض یہ ہے کہ عالموں سے علم سیکھے اور اگر نہ سیکھے تو خاموش رہے۔

مالک بن دینارؒ فرمایا کرتے تھے کہ قاریوں کے ساتھ شیطان کھیلتا ہے جیسے لڑکے اخروٹ سے کھیلا کرتے ہیں۔ حبیب فارسیؒ کہا کرتے کہ شیطان قاریوں سے واللہ ایسے کھیلتا ہے جیسے لڑکے اخروٹ سے کھیلتے ہیں۔ مصنف نے کہا کہ قاریوں سے زاہد مراد ہیں اور یہ قدیم سے ان کا متواتر و معروف نام ہے۔

باب دھم

صوفیوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ صوفیہ بھی زاہدوں میں سے ایک قوم ہے۔ ہم نے زاہدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان لکھ دیا' لیکن چند صفات و احوال میں صوفیہ ان سے جدا ہیں۔ انہوں نے اپنے واسطے کچھ نشانات و علامات خاص کر لی ہیں۔ لہٰذا ہم ان کا ذکر علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ تصوف ابتدا میں زہد کلیہ کا نام تھا پھر جو لوگ تصوف کی طرف منسوب ہوئے' انہوں نے سماع و رقص کی اجازت دی تو عوام میں سے جو لوگ آخرت کے طالب ہوئے وہ ان کی طرف جھک پڑے۔ اس وجہ سے کہ یہ لوگ زہد ظاہر کرتے تھے اور دنیا کے طالب بھی ان کی طرف جھک پڑے کیونکہ ان کے پاس راحت و کھیل کود نظر آیا۔ تو ضروری ہوا کہ اس قوم کے طریقہ میں جو تلبیس ابلیس نے ان پر ڈالی ہے اس کا حال کھول دینا چاہیے۔ اور یہ جبھی ممکن ہے کہ اس طریقہ کا اصل و فرع بیان ہو اور اس کے امور کی شرح بیان کی جائے۔

فصل

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نسبت اسلام و ایمان کی طرف ہوتی چنانچہ مسلم یا مومن کہا جاتا۔ پھر پیچھے زمانہ میں زاہد و عابد وغیرہ نام پیدا ہوئے۔ پھر کچھ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے زہد و عبادت سے تعلق کر کے دنیا سے انقطاع کر لیا۔ اور عبادت کے واسطے علیحدہ ہو گئے اور اس میں ایک طریقہ بنا کر متفرد نام و طریقہ سے ممتاز ہوئے۔ اور کچھ اخلاق مخصوص کر لیے۔ جو ان کے سوائے دوسروں میں نہ ہوں۔ انہوں نے دیکھا کہ بیت اللہ کے پاس خدمت کے واسطے جو شخص سب سے اول منفرد ہوا تھا اس کا لقب صوفہ اور نام غوث بن مرتھا۔ پس اس کی طرف منسوب ہوئے۔ یہ لوگ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف انقطاع میں اس کی ساتھ مشابہ ہوئے تو اپنا نام صوفیہ رکھا۔

ابو محمد عبد الغنی بن سعید الحافظؒ نے کہا کہ ولید بن القاسم سے پوچھا کہ یہ صوفی کیا

نسبت ہے تو انہوں نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم تھی جن کو صوفہ کہتے تھے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے واسطے الگ ہو گئے تھے۔ اور کعبہ میں وطن کر لیا تھا۔ تو جو کوئی ان سے مشابہ ہوا وہ صوفیہ ہے۔ عبد الغنیؒ نے کہا کہ ایسے لوگ معروف بصوفہ یعنی صوفہ کی طرف منسوب ہیں جو تمیم بن مر کے بھائی غوث بن مر کا فرزند تھا۔ زبیر بن بکار نے کہا کہ عرفہ سے لوگوں کو حج کی اجازت دینا غوث بن مر بن اوبن طابخہ کے حوالے تھی۔ پھر اس کے فرزند میں رہی۔ اس کو لوگ صوفہ کہتے تھے۔ اور جب اجازت کا وقت آتا تو عرب کہتے کہ اے صوفہ آپ نے اجازت دی۔

زبیر نے کہا کہ ابو عبیدہؒ نے بیان کیا کہ صوفہ اور صوفان ہر ایسے شخص کو کہتے ہیں جو بیت اللہ والوں کے سوائے دوسرے لوگوں سے امرالبیت کا متولی ہو جب کہ مناسک حج میں سے کسی چیز کا سرانجام اس کے تعلق میں ہو تو ان کو صوفہ و صوفان کہتے ہیں۔

ابن السائب الکلبی نے کہا کہ غوث بن مر کا نام صوفہ اس لیے ہوا کہ اس کی ماں کا کوئی لڑکا نہیں جیتا تھا۔ اس نے نذر مانی کہ اگر جیتا رہے تو اس کے سر میں صوف باندھے گی اور اس کو کعبہ کی خدمت سے مربوط کر دے گی۔ یعنی ہمیشہ کعبہ کے پاس رہ کر خدمت کرتا رہے گا۔ پھر اس نے اپنی نذر پوری کی تو اس لڑکے کا نام صوفہ پڑ گیا۔ اور جو اس کی اولاد ہوئی وہ بھی صوفہ کہلائی۔ عقال ابن شبہ نے کہا کہ تمیم بن مر کی ماں کی لڑکیاں زیادہ ہوئیں تو اس نے کہا کہ مجھ پر للہ نذر ہے کہ اگر لڑکا ہوا تو میں اس کو بیت اللہ کی خدمت کے واسطے دے دوں گی تو غوث پیدا ہوا۔ اس کی ماں نے عہد کے موافق اس کو خانہ کعبہ کے پاس باندھ دیا۔ جب اس کو سخت دھوپ لگی تو گر پڑا۔ یہ عورت ادھر آئی تو دیکھا کہ وہ گر پڑا ہے اور بالکل ڈھیلا پڑ گیا ہے تو کہنے لگی کہ یہ صوفہ ہو گیا۔ یعنی جیسے صوف کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا نام صوفہ ہوا۔ پھر صوفہ کے متعلق یہ تھا کہ لوگوں کو حج کرادے اور ان کو عرفہ سے منیٰ کی اور منیٰ سے مکہ کی اجازت دینا صوفہ کے متعلق تھا اور برابر یہ اجازت صوفہ کی اولاد میں رہتی آئی۔ یہاں تک کہ عدوان نے لی۔ پھر برابر عدوان میں چلی آئی۔ یہاں تک کہ ان سے قریش نے لی۔

فصل

مصنفؒ نے کہا کہ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ تصوف اہل صفہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے دیکھا کہ اہل صفہ بھی اسی صفت پر تھے جو ہم نے صوفہ کے حال میں بیان کی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منقطع تھے اور ہمیشہ فقیر رہتے۔ کیونکہ اہل صفہ محتاج تھے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ان کے پاس مال تھا نہ اہل و عیال۔ پس ان کے لیے مسجد رسول اللہ ﷺ میں ایک صفہ بنا دیا گیا تھا۔ حسنؒ سے روایت ہے کہ ضعفاء مسلمین کے لیے صفہ بنا دیا گیا تھا تو مسلمانوں میں سے جہاں تک جس سے ہو سکتا وہاں کھانا وغیرہ پہنچایا کرتے اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آیا کرتے اور فرماتے السلام و علیکم یا اہل الصفہ۔ وہ جواب دیتے کہ وعلیک السلام یارسول اللہ۔ پھر فرماتے کہ **کیف اصبحتم** تو وہ جواب دیتے کہ ہم نے خیریت کے ساتھ صبح کی یارسول اللہ۔

ابو ذرؓ نے کہا کہ میں اہل الصفہ میں تھا اور جب شام ہوتی تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر حاضر ہوتے۔ پس آپ ہر شخص کو حکم دیتے کہ وہ ایک شخص کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ پھر جو لوگ اہل الصفہ میں سے دس یا کم و بیش رہ جاتے تو نبی کریم ﷺ کے لیے عشاء کا کھانا لایا جاتا۔ پس ہم لوگ آپ کے ساتھ کھاتے۔ جب فارغ ہوتے تو ہم سے رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ جا کر مسجد میں سو رہو۔

مصنفؒ نے کہا کہ ان صحابہؓ نے بہ ضرورت مسجد میں قیام کیا اور صدقہ بہ ضرورت کھایا پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فتح دے کر ان کو مستغنی کر دیا تو یہ لوگ نکل کر چلے گئے۔

صوفی کی نسبت اہل الصفہ کی طرف وجوہ بالا کے لحاظ سے غلط ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو صفی کہا جاتا۔ اور ایک قوم اس طرف گئی کہ صوفی لیا گیا ہے صوفانہ سے جو ایک خوش نما خود رو ساگ چھوٹا چھوٹا ہوتا ہے تو اسی کی طرف منسوب کیے گئے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی جنگل کے ساگ پات پر کفایت کرنے میں اختیار کرتے ہیں' یہ بھی غلطی ہے۔

کیونکہ اگر اس طرف نسبت ہوتی تو صوفانی کہا جاتا۔ اور ایک اور جماعت نے کہا کہ صوفی منسوب ہے صوفۃ القفا کی طرف وہ چند بال گدی کے آخر میں جمتے ہیں۔ گویا صوفی اس سے حق کی طرف متوجہ اور خلق سے منہ پھیرے ہے۔ دیگر جماعت نے کہا کہ صوفی منسوب ہے صوف کی طرف۔ اور یہ ہو سکتا ہے اور قول اول یعنی صوفہ کی طرف منسوب ہونا اصح ہے۔ یہ نام اس قوم کے واسطے ۲۰۰ھ سے پہلے ظاہر ہوا۔ اور جب صوفیوں کے اول لوگوں نے تصوف ظاہر کیا تو اس کے معنی میں کلام کیا اور اس کی صفت عبارات کثیرہ سے بیان کی۔ اس کا حاصل یہ کہ تصوف ان کے نزدیک اس کا نام ہے کہ نفس کو کوشش و ریاضت سے اخلاق رذیلہ سے پھیرے اور اخلاق جمیلہ مانند زہد و علم و صبر و اخلاص و صدق وغیرہ خصائل حسنہ پر آمادہ کرے جس سے دنیا میں مدح اور آخرت میں ثواب حاصل ہوتا ہے۔

جنید بن محمدؒ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہر برے اخلاق سے نکلنا اور نیک خلق میں داخل ہونا۔ رویمؒ کہتے تھے کہ کل مخلوق تو رسوم پر بیٹھ رہی۔ اور یہ گروہ صوفیہ حقائق پر بیٹھا۔ سب خلق نے اپنے نفس سے ظواہر شرع کی درستی چاہی اور اس گروہ نے اپنے نفس سے حقیقت تقوی و مداومت صدق چاہا۔

مصنفؒ نے کہا کہ اوائل قوم کا یہی حال تھا۔ پھر ابلیس نے ان پر چند چیزوں میں تلبیس کی۔ پھر ان کے بعد والوں پر تلبیس کی۔ اسی طرح جب کوئی زمانہ گزرا تو دوسرے زمانے والوں پر ابلیس کی طمع بڑھی اور اس نے تلبیس زیادہ کی۔ یہاں تک کہ متاخرین میں اس نے پورا قابو حاصل کر لیا۔ اور اصل تلبیس یہ کہ ان کو علم سے روکا اور یہ دکھلایا کہ عمل اصلی مقصود ہے تو جب علم کا چراغ گل ہوا تو اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے۔ بعض صوفیہ وہ ہیں جن کو شیطان نے یہ بات دکھلادی کہ مقصود اصلی دنیا کو بکلی ترک کر دینا ہے۔ لہٰذا انہوں نے بدن کی اصلاح والی چیزیں چھوڑ دیں۔ اور مال کو سانپ بچھو سے تشبیہ دی اور یہ نہ یاد رکھا کہ مال مصلحتوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اپنے نفسوں پر بار ڈالنے اور حملہ کرنے میں مبالغہ کیا حتیٰ کہ بعض ایسے ہیں جو لیٹتے نہیں۔

ان لوگوں کے مقاصد واقعی اچھے تھے۔ مگر افسوس کہ طریق شرع کے خلاف ہیں۔

بعض صوفیہ بوجہ کم علمی کے جو موضوع حدیثیں ان کو ملتی ہیں انہیں پر عمل کرتے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے تو ایک قوم ان کے لیے ایسی نکل آئی جنہوں نے ان کے واسطے فکر و فاقہ وساوس و خطرات کے بارے میں کلام کیا۔ اور کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً حارث محاسبی ۔ پھر کچھ لوگ ایسے آئے کہ انہوں نے مذہب تصوف کو ترتیب دی۔ اور اس مذہب کو خاص خاص صفات کے ساتھ ممتاز کیا۔ مثلاً مرقع اور سماع اور وجد اور رقص اور تالیاں بجانا وغیرہ۔ اور طہارت و نظافت کی زیادتی سے تمیز بخشی۔ بعد ازاں اس امر میں ترقی ہوتی رہی۔ اور شیخ لوگ ان کے لیے نئے طریقے ایجاد کرتے رہے اور اپنے واقعات سے گفتگو کرتے رہے کچھ اس وجہ سے نہیں کہ علماء سے دور رہے بلکہ اپنی حالت کو دیکھ کر سمجھ بیٹھے کہ یہی پورا پورا علم ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام علم باطن رکھا' اور علم شریعت کو علم ظاہر گردانا۔

بعض صوفیہ ایسے ہیں جو بہت بھوکا رہنے کی وجہ سے خیالات فاسدہ میں پڑ گئے اور اس حالت کو سمجھے کہ مشاہدۂ حق میں محو و مستغرق ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ایک اچھی صورت کے شخص کا خیال باندھا۔ اسی میں محو ہو گئے۔ یہ لوگ کفرو بدعت کے درمیان ہیں۔ پھران لوگوں میں چند اقوام نے کچھ طریقے نکالے۔ لہٰذا ان کے عقائد میں فساد آ گیا۔ بعض حلول کے قائل ہوئے۔ بعض الحاد میں پڑ گئے۔ اسی طرح شیطان ان کو انواع انواع بدعتوں سے بہکارتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے لیے نئی سنتیں قرار دیں۔ ابو عبد الرحمن السلمی نے ان کے لیے کتاب السنن تصنیف کی اور تفسیر کے حقائق جمع کیے۔ اور صوفیہ نے جو قرآن کی عجب عجب تفسیربدون اسناد کے بیان کی ہے۔ اس کا تذکرہ کیا کہ جو کچھ وہ اپنے واقعہ میں دیکھتے جس کو علم کے اصول میں سے کسی اصل کی طرف مسند نہیں کرتے۔ اس کو اپنے مذاہب پر محمول کرتے ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ یہ لوگ کھانے پینے میں ورع اختیار کرتے ہیں۔ اور قرآن میں بے تکلف جو چاہتے ہیں کہہ گزرتے ہیں۔ محمد بن یوسفؒ قطان نیشا پوری نے کہا کہ عبد الرحمن السلمی ثقہ نہیں اور اصمؒ سے ان کا سماع کچھ یوں ہی تھوڑا سا ثابت ہے۔ جب حاکم ابو عبد اللہ بن البیع انتقال کر گئے۔ تو ابو عبد الرحمن نے اصمؒ سے تاریخ یحییٰ بن معین اور کچھ دوسری

چیزیں روایت کیں۔ نیز وہ صوفیہ کے لیے حدیثیں بنایا کرتے تھے۔

مصنف ؒ نے کہا صوفیہ کے لیے ابو نصر سراج نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام لمع الصوفیہ رکھا۔ اس میں عجیب برے عقیدے بیان کیے اور مہمل گفتگو کی۔ جس کا کسی قدر بیان ہم آگے چل کر انشاء اللہ کریں گے۔ ابو اطالب مکی نے قوت القلوب تصنیف کی جس میں باطل حدیثیں بغیر کسی اصل کی طرف اسناد کیے لکھی ہیں۔ مثلاً رات اور دن میں نمازیں پڑھنا وغیرہ جو بالکل موضوع ہیں اور فاسد عقائد اس میں بیان کیے اور اس قول کو بار بار لکھا ہے کہ ''قال بعض المکاشفین'' یعنی بعض اہل کشف نے ایسا کہا ہے حالانکہ یہ مقولہ محض خیالی بات ہے۔ اس کتاب میں بعض صوفیہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو دنیا میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ محمد ابن علاف نے کہا کہ ابو طالب مکی بعد وفات ابو الحسن بن سالم کے بصرہ میں گئے۔ میں نے بھی ان کے مقولے سنے۔ بعد ازاں بغداد آئے ان کے وعظ میں لوگ جمع ہوئے انہوں نے اپنے کلام میں تخلیط کی۔ لوگوں نے ان کا یہ قول یاد رکھا کہ مخلوق کے حق میں خالق سے زیادہ کوئی ضرر رساں نہیں۔ یہ مقولہ سن کر سب آدمیوں نے ان کو چھوڑ دیا اور بدعتی بنایا۔ اس کے بعد وہ لوگوں کے سامنے وعظ کہنے سے باز رہے۔ خطیب نے کہا کتاب قوت القلوب صوفیہ کی زبان پر لکھی۔ اور اس میں صفات الٰہی کی نسبت ناگوار اور منکر باتیں بیان کیں۔

مصنف ؒ نے کہا کہ ابو نعیم اصفہانی نے صوفیہ کے لیے کتاب الحلیہ تصنیف کی۔ اور حدود تصوف میں اشیائے قبیحہ کا ذکر کیا اور اس بات سے ذرا شرم نہ آئی کہ صوفیہ میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ اور بڑے بڑے صحابہؓ اور قاضی شریحؒ و حسن بصریؒ و سفیان ثوریؒ اور احمد بن حنبلؒ کا تذکرہ کیا۔ اسی طرح سلمی کے طبقات صوفیہ میں فضیل و ابراہیم بن ادہم و معروف کرخی کا تذکرہ کیا اور ان کو صوفی قرار دیا۔ اگر ان بزرگوں کو صوفی گرداننے سے سلمی کی مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اہل زہد تھے تو تصوف ایک مشہور مذہب ہے جس میں زہد سے زیادتی پائی جاتی ہے۔ اور زہد و تصوف میں فرق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ زہد کی مذمت کسی نے نہیں کی اور تصوف کو سب نے برا کہا ہے۔ چنانچہ آگے ذکر آئے گا۔ عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے صوفیہ کے لیے کتاب الرسالہ

لکھی جس میں عجیب عجیب باتیں بیان کیں۔ فنا و بقا و قبض و بسط وقت و حال و وجد و وجود و جمع و تفرقہ و صحو و سکر و ذوق و شوق و اثبات و تجلی و محاضرہ و مکاشفہ و لوائح و طوالع و لوامع و تکوین و تمکین و شریعت و حقیقت وغیرہ میں کلام کیا۔ جس کی کچھ حقیقت نہیں اور سراسر تخلیط ہے۔ پھر ان کی تفسیر جو اس شخص نے کی وہ زیادہ تعجب خیز ہے۔ محمد بن طاہر مقدسی نے صفوۃ التصوف تصنیف کی۔ اس میں ایسی چیزیں بیان کیں جن کا ذکر کرنے سے اہل عقل کو حیا آتی ہے۔ ہم ان میں سے جو کچھ ذکر کرنے کے قابل ہے موقع پر انشاء اللہ بیان کریں گے۔

ہمارے شیخ ابوالفضل بن ناصر حافظ کہا کرتے تھے کہ ابن طاہر مذہب اباحت رکھتے تھے انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں امرد کی طرف دیکھنا جائز ثابت کیا ہے اور یحییٰ بن معین سے ایک حکایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے مصر میں ایک خوبصورت لڑکی دیکھی خدا اس پر رحمت کرے لوگوں نے کہا کہ آپ اس پر رحمت کیوں بھیجتے ہیں جواب دیا کہ خدا اس پر رحمت کرے اور ہر ایک خوبصورت پر درود بھیجے شیخ ابن ناصر نے کہا کہ ابن طاہر ان لوگوں میں سے نہیں جن کا قول حجت ہوا۔ ابو حامد غزالی نے آکر قوم صوفیہ کے طریقہ پر کتاب احیاء العلوم تصنیف کی اور اس کو باطل حدیثوں سے بھر دیا جن کا بطلان وہ خود نہیں جانتے۔ اور علم مکاشفہ میں گفتگو کی۔ اور قانون فقہ سے باہر ہو گئے۔ اس میں لکھا ہے کہ وہ ستارہ اور سورج اور چاند جن کو حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا ان سے مراد انوار ہیں جو اللہ تعالیٰ عزوجل کے حجاب ہیں۔ یہ مشہور چاند سورج ستارے مراد نہیں غزالی کا یہ کلام باطنیہ کے کلام کی قسم سے ہے اور اپنی کتاب المفصح بالاحوال میں لکھتے ہیں کہ صوفیہ حالت بیداری میں ملائکہ اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے آوازیں سنتے ہیں اور فوائد اخذ کرتے ہیں۔ پھر ان صورتوں کے مشاہدہ سے ترقی کر کے حالت ان درجات پر پہنچتی ہے جو تنگنائے کلام سے باہر ہیں۔

مصنفؒ نے کہا کہ ان لوگوں نے جو یہ چیزیں تصنیف کیں اس کا سبب یہ ہوا کہ سنن اور اسلام کا علم کم رکھتے تھے اور صوفیہ کا طریقہ جو اچھا معلوم ہوا اس پر جھک پڑے ۔ اور وہ طریقہ صرف اس لیے اچھا معلوم ہوا کہ دلوں میں زہد کی خوبی بیٹھی ہوئی ہے اور

اس قوم کی ظاہری حالت اور ان کے کلام سے کوئی کلام رقیق تر نہیں دیکھا۔ اور سلف کے حالات میں ایک قسم کی سختی پائی جاتی ہے۔ پھر لوگوں کی رغبت اس قوم کی طرف شدت سے ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے یہ طریقہ ایسا ہے جس میں بظاہر نظافت اور تعبد ہے۔ اور اس کے ضمن میں راحت اور سماع ہے۔ لہٰذا طبیعتیں اس طریقہ کی جانب مائل ہیں۔ اوائل صوفیہ کا یہ حال تھا کہ بادشاہوں اور امیروں سے نفرت کرتے تھے اب یہ لوگ دوست بن گئے۔

فصل

یہ سب کی سب تصنیفات جو صوفیہ کے لیے تصنیف کی گئیں ان کا استناد کسی علمی اصول کی طرف نہیں' صرف وہ واقعات ہیں جو بعض صوفیہ نے بعض سے اخذ کیے ہیں اور ترتیب دی ہے اور ان کا نام علم باطن رکھا ہے۔ احمد بن حنبلؒ سے کسی نے وساوس اور خطرات کی نسبت سوال کیا۔ جواب دیا کہ اس بارے میں صحابہؓ اور تابعین نے کچھ گفتگو نہیں کی۔ مصنفؒ نے کہا ہم نے اس کتاب کے شروع میں بیان کیا ہے کہ ذوالنون سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اور احمد بن حنبلؒ سے ہم روایت کر چکے کہ انہوں نے حارث محاسبی کا کلام سنا اور اپنے ایک ہم نشین سے کہا کہ میں تمہارے لیے اس قوم میں بیٹھنا اٹھنا جائز نہیں رکھتا۔ سعید بن عمروالبروعی کہتے ہیں کہ میں ابو زرعہ کے پاس تھا۔ ان سے کسی نے حارث محاسبی اور ان کی تصنیفات کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے اس سائل سے کہا کہ خبردار ان کتابوں سے بچتے رہو۔ یہ کتابیں بدعت اور گمراہی ہیں۔ بس حدیث کو لازم پکڑ لو اس میں تم کو وہ چیز ملے گی۔ جس سے ان کتابوں کی پرواہ نہ رہے گی۔ یہ سن کر ایک شخص بولا کہ ان کتابوں میں عبرت ہے۔ ابو زرعہ نے جواب دیا کہ جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں عبرت نہ ہو گی اس کے لیے ان کتابوں میں عبرت نہیں۔ بھلا کیا تم نے سنا ہے کہ مالک بن انس و سفیان ثوریؒ و اوزاعی و دیگر آئمہ متقدمین نے خطرات و وساوس وغیرہ میں ایسی کتابیں تصنیف کی ہیں اس قوم نے اہل علم کی مخالفت کی کبھی حارث محاسبی اور کبھی عبد الرحیم دبیلی اور کبھی حاتم اصم اور کبھی شقیق

سے سند لاتے ہیں یہ بیان کر کے ابو زرعہ بولے کہ لوگ بدعت کی طرف کیا جلدی دوڑ کر جاتے ہیں۔

ابو عبد الرحمٰن سلمی نے کہا کہ پہلے پہل جس شخص نے اپنے شہر میں ترتیب احوال اور مقام ولایت کی نسبت کلام کیا تو وہ ذوالنون مصری ہیں عبد اللہ بن عبد الحکم نے جو مصر کے رئیس اور مالکی مذہب تھے۔ ذوالنون پر انکار کیا۔ اور جب یہ بات شائع ہوئی کہ ذوالنون نے ایسا علم ایجاد کیا ہے جس کے بارے میں سلف نے گفتگو نہیں کی۔ تو علماء مصر نے ان کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ ان کو زندیقیت کا الزام لگایا۔ سلمی نے کہا کہ ابو سلیمان دارانی دمشق سے نکالے گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا خیال تھا میں فرشتوں کو دیکھتا ہوں اور فرشتے مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ احمد بن ابی الحواری کی نسبت لوگوں نے شہادت دی کہ وہ اولیاء کو انبیاء پر فضیلت دیتے تھے۔ لہٰذا وہ دمشق سے مکہ کی طرف بھاگ گئے۔ اور اہل بسطام نے ابو یزید پر ان کی باتوں کا انکار کیا۔ حتیٰ کہ وہ کہتے تھے کہ حسین بن عیسی کہتے ہیں کہ مجھ کو بھی رسول اللہ ﷺ کی مانند معراج ہوئی۔ اس بناء پر ان کو بسطام سے نکالا گیا۔ چند سال مکہ میں رہے پھر جرجان میں آکر قیام کیا۔ یہاں تک کہ حسین ابن عیسی رحلت کر گئے۔ تو پھر بسطام میں واپس آئے۔ سلمی نے کہا ایک شخص نے بیان کیا کہ سہل بن عبد اللہ کہتے تھے کہ فرشتے اور جن اور شیاطین میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کو وعظ سناتا ہوں۔ عوام نے اس بات کو سن کر انکار کیا حتیٰ کہ ان کو قبائح کی طرف منسوب کیا۔ لہٰذا وہ بصرہ کو چلے گئے۔ اور وہیں انتقال کیا۔ سلمی نے کہا کہ حارث محاسبی نے کلام الٰہی و صفات الٰہی کے بارے میں کچھ کلام کیا۔ اس پر احمد بن حنبلؒ نے ان کو چھوڑ دیا لہٰذہ وہ مرتے دم تک غائب و پوشیدہ رہے۔ مصنفؒ نے کہا ابو بکر خلال نے کتاب السنہ میں روایت کیا ہے کہ احمد بن حنبلؒ نے کہا' حارث کنارہ کشی کرو۔ حارث بلاؤں کی جڑ ہے۔ جہم کے حوادث میں مبتلا ہے۔ فلاں فلاں شخص اس کی صحبت میں رہے۔ سب کو جہمیہ بنا دیا۔ اہل کلام کا قول ہمیشہ یہی رہا کہ حارث ایسا ہے جیسے شیر دو زانو بیٹھا ہو۔ دیکھتے رہو کہ کس روز لوگوں پر کود پڑے۔

فصل

مصنف ؒ نے کہا کہ اوائل صوفیہ اقرار کرتے تھے کہ اعتماد کتاب و سنت پر کیا جاتا ہے (بعد میں) ان لوگوں کو صرف کم علمی کے سبب سے شیطان نے فریب دیا۔ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ بعض اوقات میرے دل میں صوفیہ کے نکات سے کوئی نکتہ گزرتا ہے' بہت دنوں تک پڑا رہتا ہے میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ مگر جب کہ دو شاہد عدل یعنی کتاب و سنت شہادت دیں۔ ابو یزید بسطامی نے کہا اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کو کرامتیں ملی ہیں حتیٰ کہ ہوا میں معلق دو زانو بیٹھ جاتا ہے تو دھوکہ نہ کھاؤ جب تک اس امر کو نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور حدود شرعی کی نگہداشت میں اس شخص کی کیا کیفیت ہے۔ ابو یزید کہتے ہیں جو شخص قرآن کی تلاوت شریعت کی حمایت جماعت کا لزوم جنازہ کے ساتھ چلنا اور مریضوں کی عیادت کرنا چھوڑ دے۔ اور شناسان باطنی کا دعوی کرے وہ بدعتی ہے۔ سری کہتے ہیں کہ جو شخص ظاہر میں احکام کی پیروی چھوڑ کر علم باطن کا دعوی کرے وہ غلطی پر ہے۔ جنید ؒ نے کہا کہ ہمارا یہ تصوف کا مذہب کتاب و سنت و اصول سے مقید ہے۔ یہ بھی کہا کہ ہمارا علم کتاب و سنت سے بندھا ہوا ہے۔ جس شخص کو کتاب یاد نہیں اور حدیث نہیں لکھتا اور فقہ نہیں سیکھتا اس کی پیروی نہ کی جائے گی۔ نیز جنید ؒ نے کہا کہ ہم نے قیل و قال سے تصوف نہیں لیا بلکہ بھوک کی سختی جھیل کر اور دنیا کو چھوڑ کر اور محبوب و عمدہ چیزوں کو ترک کر کے حاصل کیا ہے کیونکہ تصوف کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ صاف معاملہ رکھنا۔ اور تصوف کی اصل یہ ہے کہ دنیا سے علیحدہ ہو جائے۔ چنانچہ حارثہ کا قول ہے کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے پہچانا لہٰذا رات کو بیدار اور دن کو پیاسا رہا۔ ابو بکر سقاف کہتے ہیں کہ جو شخص ظاہر میں امر و نہی کی حدود ضائع کر دے وہ باطن میں مشاہدہ قلبی سے محروم رہے گا۔ ابو الحسین نوری اپنے اصحاب سے کہتے تھے کہ جس شخص کو تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت کا دعوی کرتا ہے جو اس کو علم شرعی کی حد سے خارج کر دے تو اس کے پاس نہ جاؤ۔ اور جس شخص کو ایسی حالت کا مدعی دیکھو جس پر اس کا حفظ ظاہری دلالت نہ کرتا ہو نہ شہادت دیتا ہو تو اس کو اس کے

دین کے بارے میں متہم کر دو۔ جریری کہتے ہیں کہ ہمارا یہ امر سب کا سب ایک فصل پر جمع کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے دل کے لیے مراقبہ لازم کرلو اور علم ظاہری پر قائم رہو۔ ابو حفص نے کہا جس شخص نے اپنے افعال و احوال کو کتاب و سنت کے ساتھ نہ تولا اور اپنے خطرات کو تہمت نہ لگائی اس کو آدمیوں کے دفتر میں نہ شمار کرو۔

فصل

مصنف ؒ نے کہا جب شیوخ صوفیہ کے اقوال سے ایسا ثابت ہو گیا تو ان کے بعض شیوخ سے بوجہ کم علمی کے غلطیاں سر زد ہوئیں۔ اگر یہ غلطیاں جو ان حضرات سے روایت کی گئی ہیں واقعی صحیح ہیں تو ہم ان کو رد کریں گے۔ کیونکہ حق بات بولنے میں کچھ روک ٹوک نہیں اور اگر یہ روائتیں ان بزرگوں سے صحیح نہیں تو ہم ایسے قول اور مذہب سے دور رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ خواہ کسی شخص سے صادر ہوں۔ باقی رہے وہ لوگ جو صوفیہ میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں تو ان کی غلطیاں بکثرت ہیں ہم صوفیہ کی بعض غلطیاں جو ہم کو پہنچی ہیں بیان کریں گے اور خدا تعالیٰ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ غلط گو کی غلطی بیان کرنے سے ہمارا مقصود فقط یہ ہے کہ شریعت پاک ہو جائے اور لوگوں کو شرع کی خاطر غیرت دلائی جائے کہ ہم کو اس بیان کی کوئی حاجت نہیں صرف بات اتنی ہے کہ علمی امانت ادا کی جاتی ہے اور تمام علماء کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ ایک دوسرے کی غلطی محض حق کے اظہار کے لیے ظاہر کرتے ہیں۔ یہ مطلب نہ ہوتا تھا کہ غلط گو کے عیب کا اظہار کیا جائے۔ اگر کوئی جاہل کہے کہ بھلا فلاں زاہد متبرک پر کیوں اعتراض کر سکتے ہیں تو اس قول کا کچھ اعتبار نہیں۔ کیونکہ اطاعت صرف احکام شریعت کی کی جاتی ہے لوگوں کی اطاعت نہیں ہوتی۔ بسا اوقات انسان اولیاء اللہ اور اہل جنت سے ہوتا ہے اور غلطیاں کرتا ہے اس کی لغزشوں کا ظاہر کرنا اس کے مرتبہ کا مانع نہیں اور جاننا چاہیئے کہ جو شخص ایک آدمی کی تعظیم کا خیال کرے گا اور اس کے افعال پر دلیل کے ساتھ غور نہ کرے گا وہ ایسا ہے کہ جیسے ایک شخص نے ان کرامات و خوارق کو دیکھا جو حضرت عیسیٰؑ سے صادر ہوئیں اور حضرت عیسیٰؑ پر کچھ غور نہ کیا۔ لہٰذا ان کی

الوہیت کا دعویٰ کر بیٹھا اور اگر اس طرف خیال دوڑاتا کہ وہ بھی فقط کھانے پینے ہی سے زندہ ہیں تو ہرگز ان کو وہ منصب نہ دیتا جس کے وہ مستحق نہیں۔

یحیٰی بن سعید نے کہا کہ میں نے شعبہ اور سفیان بن سعید اور سفیان بن عیینہ اور مالک بن انس سے اس شخص کی نسبت سوال کیا جس کا حافظہ درست نہیں یا حدیث کے بارے میں متہم ہے۔ سب نے یہی جواب دیا کہ اس کی یہ حالت ظاہر کر دینی چاہئے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قاعدہ تھا کہ ایک شخص کی نہایت مبالغہ کے ساتھ تعریف کرتے تھے۔ پھر اکثر اشیاء میں اس کی غلطیاں بیان فرماتے تھے۔ ایک بار آپ نے کہا کہ فلاں شخص میں اگر ایک عادت نہ ہوتی تو بڑا اچھا آدمی تھا۔ سریؒ سقطی کا احمد بن حنبلؒ کے سامنے ذکر آیا اور نقل کیا گیا کہ وہ کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حروف کو پیدا فرمایا تو ب نے سجدہ کیا۔ امام نے کہا کہ لوگوں کو ان سے دور رکھو۔

جماعت صوفیہ سے جو سوء اعتقاد کی روائتیں پہنچی ہیں ان کا بیان

ابو عبد اللہ رملی کہتے ہیں کہ ابو حمزہ نے طرطوس کی جامع مسجد میں وعظ کہا' لوگوں نے دل سے سنا۔ ایک روز وہ وعظ بیان کر رہے تھے کہ یکایک جامع مسجد کی چھت پر ایک کوا بولا ابو حمزہ نے زور سے ایک نعرہ مارا اور کہا لبیک لبیک اس بات پر لوگوں نے ان کو زندیقیت کی طرف منسوب کیا۔ مسجد کے دروازے پر ان کا گھوڑا یوں پکار کر نیلام ہوا کہ یہ زندیق کا گھوڑا ہے۔ ابو بکر فرغانی نے کہا کہ ابو حمزہ جب کوئی آواز سنتے تھے تو لبیک لبیک کہتے تھے۔ لوگوں نے ان کو حلولی ٹھہرایا۔ ابو علی نے کہا کہ ابو حمزہ اس آواز کو خدا کی طرف سے پکارنے والا سمجھتے تھے جو ان کو ذکر الٰہی کے لیے بیدار کرتا تھا۔ ابو علی روز باری نے کہا کہ ابو حمزہ کو حلولی اس لیے قرار دیا گیا کہ جب وہ کوئی آواز مثلاً ہوا کا چلنا پانی کا شور پرندوں کا غل سنتے تھے تو زور سے لبیک لبیک پکارتے تھے۔ لہٰذا حلول کا الزام ان کو لگایا گیا۔ سراج نے کہا میں نے سنا ہے کہ ابو حمزہ ایک بار حارث محاسبی کے گھر گئے اتنے میں ایک بکری بولی ابو حمزہ نے ایک نعرہ مارا اور کہا لبیک یا سیدی۔ حارث یہ سن کر غصہ ہو گئے اور ایک چھری ہاتھ میں لے کر بولے اگر تم اس حالت سے توبہ نہ کرو گے تم کو ذبح کر

ڈالوں گا۔ ابو حمزہ نے کہا کہ جب میری اس حالت کا سننا تمہیں کو پسند نہیں تو پھر تم بھوسہ اور خاک کیوں نہیں کھاتے۔

سراج نے کہا کہ علماء کی ایک جماعت نے ابو سعید احمد بن عیسی خزاز پر انکار کیا ہے اور بوجہ چند الفاظ کے جو ان کی تصنیف کی ہوئی ایک موسوم بکتاب السر میں پائے گئے ہیں ان کو کفر کی جانب منسوب کیا ہے۔ اس کتاب میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ طاعت گزار بندہ جو فرض منصبی کو بجالائے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی تعظیم لازم ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس کے نفس کو پاک کر دیتا ہے۔ سراج نے کہا ابو العباس احمد بن عطا بھی کفرو زندیقیت کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ علی ہذا القیاس اکثر صوفیہ کو ایسا ہی کہا گیا ہے۔ اکثر مرتبہ جنیدؒ پر باوجود علم و فضل کے گرفت کی گئی اور کفرو تزندق کی شہادت دی گئی۔ سراج نے کہا بیان کرتے ہیں کہ ابو بکر محمد بن موسی فرغانی نے کہا ہے کہ جس شخص نے ذکر الٰہی کیااس نے بہتان باندھا۔ اور جس نے صبر کیا اس نے جرات کی یہ بھی کہا ہے کہ خبردار جس حالت میں مشاہدۂ الٰہی کا طریقہ ہاتھ آجائے تو حبیب یا کلیم یا خلیل کا لحاظ نہ کرو۔ یہ قول سن کر کوئی بولا کیا ان پر درود نہ پڑھوں۔ جواب دیا کہ ہاں درود تو پڑھو مگر کچھ وقار نہ سمجھو۔ اور اس درود کی اپنے دل میں کوئی مقدار خیال نہ کرو۔ سراج نے کہا میں نے سنا ہے کہ اہل حلول میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ جسموں کو اختیار فرمایا ہے جن میں ربوبیت کے معنے سے حلول کیا۔ اور بشریت کے معنے ان سے زائل کر دیئے۔ اور بعض اہل حلول اچھی صورتوں کی طرف دیکھنے کے قائل ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اچھی صورتوں میں حلول کیے ہوئے ہے۔ سراج نے کہا میں نے سنا ہے کہ اہل شام کی ایک جماعت کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں قلوب سے روایت الٰہی اس طرح ہوتی ہے جیسے آخرت میں آنکھوں سے ہو گی۔ سراج نے کہا میں نے سنا ہے کہ غلام الخلیل نے ابو الحسن نوری پر شہادت دی کہ ان کو یوں کہتے ہوئے سنا کہ میں خدا کا عاشق ہوں اور خدا مجھ پر عاشق ہے۔ نوری صاحب نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سنا ہے کہ فرماتا ہے **یحبھم ویحبونہ** یعنی اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت رکھتا ہے۔ اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ عشق کچھ محبت سے زیادہ نہیں۔ قاضی ابو

یعلی نے کہا حلولیہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ عشق رکھتا ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ اس عقیدہ میں تین وجہوں سے جہالت ہے۔ اول بحیثیت اسم کے کیونکہ اہل لغت کے نزدیک عشق فقط اس کے لیے ہوتا ہے جس سے نکاح ہو سکے۔ دوسرے صفات الٰہی سب منقولہ ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے یوں نہیں کہہ سکتے کہ عشق رکھتا ہے۔ چنانچہ یوں کہتے ہیں اللہ تعالیٰ عالم ہے یوں نہیں کہتے کہ عارف ہے۔ تیسرے اس مدعی کو کہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے محبت ہے۔ یہ دعوی محض بلادلیل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ میں جنتی ہوں وہ دوزخی ہے۔

ابو عبد الرحمن سلمی نے کہا نقل کرتے ہیں کہ عمرو مکی نے بیان کیا کہ میں حسین بن منصور کے ہمراہ مکہ کی ایک گلی میں جا رہا تھا اور قرآن شریف پڑھتا تھا۔ میری قراءت سن کر حسین بولے کہ ایسا کلام میں بھی کہہ سکتا ہوں۔ یہ بات سنتے ہی میں نے ان کو چھوڑ دیا۔ محمد بن یحییٰ رازی کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن عثمان کو حلاج پر لعنت کرتے ہوئے سنا اور کہتے تھے کہ اگر میں نے حلاج پر قابو پایا تو اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ میں نے پوچھا کہ اے شیخ کس وجہ سے حلاج پر اس قدر ناراض ہو۔ جواب دیا کہ میں نے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی تو کہنے لگا کہ ممکن ہے میں بھی ایسا کہہ لوں یا تالیف کروں اور ایسا ہی کلام میرا ہو۔ ابو بکر بن ممشاد نے کہا کہ دینور میں ہمارے پاس ایک آدمی آیا اس کے ساتھ ایک تھیلی تھی جس کو رات اور دن میں کسی وقت اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ لوگوں نے اس تھیلی کو ٹٹولا تو اس میں حلاج کا ایک خط نکلا جس کا عنوان یہ تھا کہ رحمان و رحیم کی طرف سے فلاں بن فلاں کو واضح ہو ...... وہ خط بغداد بھیج دیا گیا۔ حلاج کو بلوا کر وہ خط پیش کیا گیا کہا کہ یہ خط میرا ہے اور میں نے لکھا ہے۔ لوگوں نے کہا ابھی تک تو تم کو نبوت کا دعوی تھا اب ربوبیت کا دعوی کرنے لگے۔ جواب دیا کہ میں ربوبیت کا مدعی نہیں۔ لیکن ہم لوگوں کا یہ عین الجمع مذہب ہے۔ بھلا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی کوئی لکھنے والا ہے۔ ہاتھ تو فقط ایک اوزار (ذریعہ) ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ اور بھی کسی کا یہ مذہب ہے جواب دیا کہ ہاں ابن عطاء اور ابو محمد جریری اور ابو بکر

شبلی ہیں لیکن جریری اور شبلی چھپاتے ہیں' اگر کچھ ہیں تو ابن عطاء ہیں۔ جریری کو بلوا کر پوچھا گیا۔ جواب دیا کہ یہ شخص کافر ہے اور جس کا یہ قول ہو وہ قابل قتل ہے شبلی سے پوچھا تو کہا جو ایسا کہے وہ نظربند کیا جائے۔ ابن عطا سے سوال کیا گیا تو انہوں نے حلاج کی سی بات کہی۔ یہی ان کے قتل کا سبب ہوا۔

ابو عبد اللہ بن خفیف سے ان چند اشعار کا مطلب پوچھا گیا :

سبحان من اظهرنا سوته
سر سنا لاهوته الثاقب
ثم بدا في خلقه ظاهرا
في صوره الاكل و الشارب
حتى لقد عاينه خلقه
كلحظه الحاجب بالحاجب

ترجمہ "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے ناسوت کو لاہوت درخشاں کی روشنی کے راز کا مظہر بنایا۔ پھر اپنی مخلوق میں کھلم کھلا کھانے پینے والے کی صورت میں ظاہر ہوا حتیٰ کہ اس مخلوق نے اس کو اس طرح دیکھا جیسے دونوں بھویں مقابلہ میں نظر آتی ہیں"۔

یہ اشعار سن کر شیخ نے کہا اس کے قائل پر خدا کی لعنت ہو۔ عیسیٰ بن فورک نے کہا یہ اشعار حسین ابن منصور کے ہیں۔ شیخ نے کہا اگر حسین کا یہ اعتقاد تھا تو وہ کافر ہے ورنہ یہ دوسری بات ہے کہ لوگوں نے اس سے نقل کیا ہو۔ ابو القاسم اسمٰعیل بن محمد بن زنجی نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ بنت سمری حامد وزیر کے پاس بھیجی گئی۔ حامد نے اس سے حلاج کی نسبت پوچھا کہنے لگی کہ میرے باپ مجھ کو ان کے پاس لے گئے۔ حلاج نے کہا کہ میں نے تیری شادی اپنے بیٹے سلیمان سے کر دی جو نیشا پور میں مقیم ہے۔ جب میری تمہاری مرضی کی خلاف کوئی بات صادر ہو تو تم دن کو روزہ رکھنا اور شام کو کوٹھے پر چڑھنا اور خاکستر پر کھڑی ہونا اور وہیں بغیر پسے ہوئے نمک سے روزہ کھولنا اور اپنا منہ میری طرف کرنا اور جو بات تم کو ناگوار معلوم ہوئی تھی مجھے یاد دلانا۔ میں ہر بات سنتا اور دیکھتا ہوں۔ بنت سمری نے کہا میں ایک رات کوٹھے پر سو رہی تھی۔ میں نے حلاج کو محسوس کیا وہ مجھ کو آلپٹے تھے۔ میں ان کی اس حرکت سے خوفزدہ ہو کر جاگ اٹھی۔ مجھ سے کہا کہ

میں تم کو صرف نماز کے واسطے بیدار کرنے آیا ہوں۔ جب ہم کوٹھے سے نیچے اترے تو حلاج کی بیٹی مجھ سے بولی کہ ان کو سجدہ کرو میں نے کہا کہیں کوئی غیر خدا کو بھی سجدہ کرتا ہے۔ حلاج نے میرا کلام سن کر کہا کہ ہاں ایک خدا آسمان پر ہے اور ایک خدا زمین پر۔

مصنف ؒ نے کہا علمائے عصر نے حلاج کا خون مباح ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ پہلے جس نے اس کا خون حلال بتایا وہ ابو عمرو قاضی ہیں۔ پھر تمام علماء نے ان سے موافقت کی فقط ابو العباس سریج نے سکوت کیا اور کہا کہ میں نہیں جانتا حلاج کیا کہتا ہے۔ اور علماء کا اجماع ایسی دلیل ہے جو خطا سے محفوظ ہے۔ ابو ہریرہ ؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ تم سب کے سب ضلالت پر اجماع و اتفاق کرو۔ ابو بکر محمد ابن داؤد فقیہ اصفہانی نے کہا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا ہے اگر وہ حق ہے تو جو کچھ حلاج کہتا ہے وہ باطل ہے۔ ابو بکر شدت سے حلاج کی مخالفت کرتے تھے۔

مصنف ؒ نے کہا صوفیہ میں سے ایک گروہ نے حلاج کی طرف داری کی ہے جس کا سبب جہالت اور اجماع فقہا سے لاپرواہی ہے۔ ابراہیم بن محمد نصر آبادی نے تو یہاں تک کہا کہ نبیوں اور صدیقوں کے بعد اگر کوئی ہے تو ایک حلاج ہے۔ مصنف ؒ نے کہا کہ یہی مذہب ہمارے زمانے کے واعظوں اور ہمارے وقت کے صوفیوں کا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سب کے سب شریعت سے ناواقف اور علم نقل کی شناخت سے بے بہرہ ہیں۔ میں نے ایک کتاب حلاج کی حکایات میں تالیف کی ہے جس میں اس کے حیلے اور خوارق بیان کیے ہیں۔ اور جو کچھ علماء نے اس کے حق میں فرمایا ہے وہ بھی لکھا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جاہلوں کی بیخ کنی کرنے پر اعانت فرمائے۔

عمر البناء بغدادی نے مکہ میں بیان کیا کہ کہتے ہیں جب غلام الخلیل کامیاب ہوئے اور صوفیہ کو زندیقیت کی طرف نسبت کیا تو خلیفہ نے صوفیہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ نوری بھی ایک جماعت میں پکڑے ہوئے آئے خلیفہ کے سامنے لائے گئے۔ سب کی گردن مارنے کا حکم فرمایا۔ نوری سب سے پہلے آگے بڑھ کر جلاد کے پاس گئے تاکہ ان کا سر تن سے جدا کرے۔ جلاد نے پوچھا کہ تم نے سبقت کیوں کی۔ جواب دیا کہ اس وقت لحظہ بھر کے

لیے میں نے اپنے اصحاب کی زندگی اپنی زندگی پر اختیار کرلی ہے۔ یہ سن کر جلاد ٹھہر گیا۔ اور اس کی اطلاع خلیفہ کو دی گئی۔ خلیفہ نے ان کا معاملہ قاضی القضاۃ اسمٰعیل بن اسحٰق کے سپرد کیا۔ انہوں نے سب کو رہا کر دیا۔ ابو العباس احمد بن عطاء نے کہا کہ بغداد میں غلام الخلیل نے خلیفہ سے صوفیہ کی شکایت کی۔ اور بیان کیا کہ یہاں پر قوم زنادقہ ہے۔ لہٰذا ابو الحسن نوری و ابو حمزہ صوفی ابوبکر دقاق اور ان کے ہم عصروں میں سے ایک جماعت گرفتار ہو کر آئی۔ جنید بن محمد نے فقہ میں ابو ثور کا مذہب اختیار کر کے اپنے آپ کو بچا لیا۔ وہ لوگ خلیفہ کے سامنے پیش ہوئے۔ خلیفہ نے سب کے قتل کا حکم دیا۔ سب سے پہلے ابو الحسین نوری نے پیش قدمی کی۔ جلاد نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنے ساتھیوں میں سب سے سبقت کیوں کی۔ حالانکہ تم بلائے نہیں گئے۔ جواب دیا میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی جان پہلے دے کر محض اتنی دیر کے لیے اپنے یاروں کو بچالوں۔ اس بات پر خلیفہ نے ان سب کو قاضی کے حوالے کر دیا۔ لہٰذا چھوڑ دیئے گئے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ اس قصہ کے اسباب میں سے نوری کا یہ قول ہے کہ مجھ کو خدا سے عشق ہے اور خدا میرا عاشق ہے۔ اس قول کی شہادت لوگوں نے ان پر دی ہے۔ پھر اس کا قتل کے لیے آگے بڑھنا اپنے نفس کی ہلاکت پر اعانت کرتا ہے لہٰذا یہ بھی خطا ہے۔

رقی کہتے ہیں ہمارے یہاں ایک لنگر خانہ تھا۔ ایک روز ایک فقیر آیا جو دو خرقے پہنے ہوئے تھا۔ اس کی کنیت ابو سلیمان تھی۔ آکر کہنے لگا کہ میں مہمان داری چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اس کو مہمان خانہ میں لے جاؤ۔ وہ فقیر نو روز تک ہمارے پاس رہا۔ اور ہر تیسرے روز اپنا ایک دن کا کھانا کھاتا تھا۔ چلتے وقت بولا کہ مہمانی تین دن تک ہوا کرتی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اپنے حالات سے ہم کو آگاہ کرتے رہنا۔ وہ ہمارے پاس سے چلا گیا۔ بارہ برس کے بعد پھر آیا۔ میں نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ جواب دیا کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جن کا نام ابو شعیب مقفع تھا۔ اور وہ (کسی بلا میں) مبتلا تھے۔ میں ایک سال ان کی خدمت میں مصروف رہا۔ میرے جی میں آیا کہ ان سے پوچھوں کہ اس بلا میں پڑنے کا اصل سبب کیا ہے؟ جب میں ان کے قریب گیا تو میرے پوچھنے سے پہلے ہی بول اٹھے کہ جو بات تمہارے لیے مفید نہیں اس کے سوال

کرنے سے کیا حاصل ہے میں یہ سن کر باز رہا۔ یہاں تک کہ تین سال ہو گئے۔ تیسرے سال مجھ سے بولے کہ کیا تم ضرور ہی میرا حال سننا چاہتے ہو۔ میں نے کہا اگر آپ کی رائے ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ جواب دیا کہ ایک بار رات کو میں نماز پڑھ رہا تھا۔ یکا یک محراب سے ایک روشنی نمودار ہوئی میں نے کہا اے ملعون دور ہو کہ میرے پروردگار کی یہ شان نہیں کہ مخلوق پر ظاہر ہو۔ تین بار میں نے یوں ہی کہا۔ پھر محراب سے مجھ کو ایک آواز سنائی دی کہ اے ابو شعیب میں نے کہا لبیک۔ آواز آئی کہ تو پسند کرتا ہے کہ میں اسی وقت تیری جان قبض کر لوں یا تیرے گذشتہ اعمال کی تجھ کو جزا دوں یا تجھ کو بلا میں مبتلا کر کے اس کی بدولت علیین میں تیرا رتبہ بلند کر دوں میں نے بلا کو پسند کیا۔ پس میری دونوں آنکھیں دونوں ہاتھ پاؤں گر پڑے۔ یہ قصہ سن کر میں نے ان بزرگ کی خدمت پورے بارہ سال تک کی ۔ ایک روز مجھ سے کہنے لگے کہ میرے قریب آؤ میں ان کے قریب آیا ان کے اعضاء کو میں نے سنا کہ ایک عضو دوسرے عضو سے مخاطب ہو کر کہتا تھا۔ اس شخص سے جدا ہو جاؤ۔ ان کے تمام اعضاء علیحدہ ہو کر سامنے آگئے اور وہ تسبیح و تقدیس میں مصروف رہے۔ پھر انتقال کر گئے۔

مصنفؒ نے کہا اس حکایت سے شبہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ مگر جب منکر ہوا تو عذاب کیا گیا۔ اور ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ ایک قوم کا قول (عقیدہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ہوتا ہے۔ ابو القاسم عبد اللہ بن احمد بلخی نے کتاب المقالات میں نقل کیا ہے کہ تشبیہ کے قائلین میں سے ایک قوم نے جائز رکھا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار آنکھوں سے ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ اس کا بھی انکار کرتے کہ گلی کوچے کے ملنے والوں ہی میں کوئی خدا ہو۔ اور ایک قوم نے اسی کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مصافحہ اور میل جول بھی جائز رکھا ہے۔ اور دعوی کرتے ہیں کہ خدا ان کے پاس آتا ہے اور وہ خدا کے پاس جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو عراق میں اصحاب الناظر (الباطن) اور اصحاب الوساوس اور اصحاب الخطرات کہتے ہیں۔ مصنفؒ نے کہا یہ عقیدہ نہایت ہی بدتر ہے۔ خدا ایسی رسوائی سے پناہ میں رکھے۔

طہارت کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا کہ طہارت کی نسبت جو شیطان نے عابدوں کو فریب دیا ہے ہم بیان کر چکے مگر صوفیہ کے حق میں اس کا فریب حد سے زیادہ ہے۔ لہٰذا زیادہ پانی استعمال کرنے میں ان کے وسوسے مضبوط ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے سنا ہے ابن عقیل ایک بار رباط میں داخل ہوئے۔ صوفیہ ان کو کم پانی استعمال کرتے ہوئے دیکھ کر ہنسنے لگے اور یہ نہ جانا کہ جو شخص ایک رطل پانی میں وضو کامل طور کر لے گا تو اس کو کافی ہے۔ ابو احمد شیرازی کی نسبت ہم نے سنا ہے کہ انہوں نے کسی فقیہ سے پوچھا کہاں سے آ رہے ہو۔ جواب دیا کہ نہر پر سے آتا ہوں۔ مجھ کو طہارت کے بارے میں وسوسہ ہے۔ ابو احمد بولے کہ میں نے ایک زمانے میں صوفیہ کی یہ حالت دیکھی تھی کہ شیطان سے تمسخر کیا کرتے تھے۔ اور اب یہ حال ہے کہ شیطان ان سے مسخرا پن کرتا ہے۔ بعض صوفیہ ایسے ہیں کہ چٹائیوں پر بھی جوتی پہن کر چلتے ہیں۔ گو اس میں کچھ ڈر نہیں۔ لیکن بسا اوقات مقتدی اس شخص کو دیکھتا ہے جو اس کا التزام رکھتا ہے تو اس کو امر شرعی خیال کر بیٹھتا ہے۔ سلف کا یہ طریقہ نہ تھا اور تعجب تو اس شخص پر ہے جو ظاہری پاکیزگی کے لیے احتیاط رکھنے میں اس قدر مبالغہ کرتا ہے اور اس کا باطن گندگی اور کدورت سے بھرا ہوا ہے۔

نماز میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا کہ نماز کی نسبت اہل عبادت کو شیطان کا فریب دینا مذکور ہو چکا۔ اس بارے میں وہ صوفیہ کو اور بھی زیادہ دھوکہ دیتا ہے۔ محمد بن طاہر مقدسی نے بیان کیا ہے کہ ان سنتوں میں سے جو صرف صوفیہ کے لیے خاص ہیں اور صوفیہ ہی ان سے نسبت رکھتے ہیں ایک یہ کہ مرقعہ (پیوند والا لباس) پہننے کے بعد دو رکعتیں پڑھے اور توبہ کرے۔ اس عقیدہ کے لیے ثمامہ بن اثال کی حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ کہ جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غسل کرنے کا حکم دیا۔

مصنف ؒ نے کہا کہ جاہل آدمی جب ایسے امر میں دست اندازی کرتا ہے۔ جو اس کا

کام نہیں تو کیسا برا معلوم ہوتا ہے۔ ثمامہ کفر کی حالت میں تھے وہ اسلام لائے اور کافر جب اسلام لاتا ہے تو اس پر غسل واجب ہے۔ یہ فقہا کی ایک جماعت کا مذہب ہے جن میں احمد بن حنبلؒ بھی ہیں۔ باقی رہا دو رکعت نماز پڑھنا اس کا حکم کسی عالم نے اسلام لانے والے کو نہیں دیا۔ ثمامہ کی حدیث میں کہیں نماز کا ذکر نہیں کہ اس پر قیاس کر لیا جائے۔ اب یہ دو رکعتیں بجز اس کے کیا کہا جائے کہ یہ بدعت ہے جس کا نام سنت رکھ دیا ہے۔ پھر سب سے قبیح تر ابن طاہر کا یہ قول ہے کہ بہت سی سنتیں ایسی ہیں جو صرف صوفیہ ہی کے لیے خاص ہیں کیونکہ وہ سنتیں اگر شریعت سے مسنون ہیں تو تمام مسلمان ان میں مساوی ہیں۔ اور فقہاء ان کو خوب جانتے ہیں۔ صوفیہ کے لیے خاص ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اور اگر صوفیہ کی رائے سے ہیں تو صرف انہیں کے لیے اس وجہ سے مخصوص ہیں کہ انہوں نے ان کو ایجاد کیا ہے۔

مساکن کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ رباطیں بنانے کی نسبت اصل بات یہ ہے کہ اگلے صوفیہ نے رباطوں کو اس لیے اختیار کیا تھا کہ تنہائی میں عبادت کریں۔ اور آج کل کے صوفی اگر اپنے ارادے میں ٹھیک بھی ہیں تو چند وجوہ سے خطا پر ہیں۔ ایک تو انہوں نے یہ بدعت کی بنیاد نکالی ہے۔ اسلام کی بنیاد فقط مسجدیں ہیں۔ دوسرے انہوں نے مسجدوں کی ایک نظیر بنائی۔ جس کی وجہ سے مسجدوں میں جمعیت کم کرنی چاہی۔ تیسرے انہوں نے مسجدوں کی طرف قدم اٹھانے کی فضیلت سے اپنے آپ کو محروم رکھا۔ چوتھے انہوں نے نصاری سے مشابہت کی کہ وہ بھی ڈیروں میں تنہا رہتے ہیں۔ پانچویں باوجود جوان ہونے کی بن بیاہے رہے۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کو نکاح کی حاجت ہوتی ہے۔ چھٹے انہوں نے اپنے لیے مشہور نام مقرر کیا ہے۔ کہ لوگ زاہد کہہ کر یاد کریں۔ جس کی وجہ سے لوگ ان کی زیارت کو آتے ہیں اور ان کو بابرکت سمجھتے ہیں اور اگر اس قوم کا ارادہ ٹھیک نہیں، تو انہوں نے جھوٹ کی دکانیں بنائی ہیں۔ بطالت کا گھر تیار کیا ہے اور زہد کے اظہار کو شہرت دی ہے۔ ہم نے متاخرین میں سے اکثر کو دیکھا ہے کہ معاش کی محنت سے فارغ ہو کر

آرام سے رباطوں میں پڑے ہیں۔ کھانے پینے ناچ گانے میں مشغول ہیں۔ ہر ایک ظالم سے دنیا کے طالب ہیں اور خراج لینے والوں کے ہدیئے قبول کرنے میں تقوی نہیں بجا لاتے ان کی اکثر رباطیں وہ ہیں جن کو اہل ظلم نے بنوایا ہے۔ اور حرام کے مال ان پر وقف کیے ہیں۔ ابلیس نے ان کو فریب دے رکھا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس آئے وہ تمہارا رزق ہے۔ لہٰذا ورع و تقوی کی قید اپنے سے ساقط کر دی۔ اب ان کی ساری ہمت باورچی خانہ اور حمام اور ٹھنڈے پانی پر مبذول ہے۔ کہاں ہے بشر(الحافیؒ) کی بھوک اور کہاں ہے سری (سقطی) کا ورع اور کہاں ہے جنیدؒ کا زہد؟ اس قوم کی تو یہ حالت ہے کہ اکثر وقت ہنسی مذاق کی باتوں میں کٹتا ہے۔ یا اہل دنیا کی زیارت میں بسر ہوتا ہے۔ جب کسی کو کچھ فراغت ملی تو ذرا صوف کے جبہ میں اپنا سر ڈال دیا کچھ سودا کا غلبہ ہوا تو بول اٹھا کہ حدثنی قلبی عن ربی۔ یعنی میرا دل میرے پروردگار سے بات کرتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے رباط میں قرآن شریف پڑھا۔ صوفیہ نے اس کو روک دیا۔ اور کچھ لوگ رباط میں حدیث پڑھنے لگے۔ ان سے کہا گیا کہ یہ جگہ حدیث پڑھنے کی نہیں ہے۔

مال کو چھوڑ دینے اور اس سے علیحدہ رہنے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

اوائل صوفیہ کو زہد و تقویٰ میں صداقت حاصل کرنے کے لیے شیطان فریب دیتا تھا اور مال کے عیوب ان پر ظاہر کرتا تھا اور اس کے شر سے ان کو ڈراتا تھا۔ لہٰذا وہ لوگ مال سے علیحدہ ہو جایا کرتے تھے اور بساط فقر پر بیٹھ جاتے تھے۔ ان حضرات کے مقاصد تو نیک تھے۔ مگر افعال میں اس بارے میں بوجہ کم علمی کے خطا پر تھے۔ اور اس زمانے میں تو شیطان کو اس محنت سے فراغت ہے۔ کیونکہ صوفیہ کے ہاتھ کسب اموال سے خالی ہیں۔

ابو نصر طوسی نے کہا کہ میں نے مشائخ رے کی ایک جماعت سے سنا کہتے تھے کہ ابو عبد اللہ مقری کو اپنے باپ کے ترکہ سے علاوہ اسباب و زمین کے پچاس ہزار دینار ورثہ میں ملے وہ تمام جائداد سے علیحدہ ہو گئے اور فقراء کو خیرات کر ڈالی۔ ایسی ہی روائتیں

ایک جماعت کثیر سے منقول ہیں۔ ہم اس فعل کے مرتکب کو ملامت نہیں کرتے جب کہ کفایت پر عمل ہو اور اپنے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑا ہو یا اس کو کوئی ایسا پیشہ آتا ہو جس کی وجہ سے لوگوں کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ یا مال میں شبہ تھا۔ لہٰذا خیرات کر دیا۔ لیکن جب کہ مال حلال سب کا سب نکال ڈالے پھر لوگوں کا محتاج ہو یا اس کے اہل و عیال مفلس ہو جاویں تو ایسا شخص یا تو اپنے بھائیوں کے احسان اور خیرات کا خواہاں ہو گا یا ظالموں اور مشتبہ مال والوں سے کچھ حاصل کرے گا۔ یہ فعل بے شک مذموم و ممنوع ہے۔ مجھ کو ان زاہدوں پر کوئی تعجب نہیں جنھوں نے بوجہ کم علمی کے ایسا کیا بلکہ تعجب تو صرف ان لوگوں پر ہے جو علم و عقل رکھتے ہیں۔ انہوں نے کیونکر اس فعل کی ترغیب دی اور شرع و عقل کے خلاف ہونے کے باوجود کس طرح اس کا حکم کیا۔ حارث محاسبی نے اس بارے میں بہت کچھ ذکر کیا ہے۔ اور ابو حامد غزالی نے اس کی تائید کی ہے۔ میرے نزدیک ابو حامد کی نسبت اس امر میں حارث معذور ہے۔ کیونکہ ابو حامد ان سے زیادہ فقیہ تھے۔ مگر افسوس کہ تصوف میں پڑ جانے کی وجہ سے ان پر تصوف کی حمایت و امداد لازم آ گئی۔

حارث محاسبی نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے منجملہ اس کے ایک مقام پر یوں لکھتے ہیں اے مفتون جب کہ تیرا یہ خیال ہے کہ مال حلال کا جمع کرنا اس کے چھوڑ دینے سے اعلیٰ و افضل ہے۔ تو گویا تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء علیہم السلام کو عیب لگایا اور یہ سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال جمع کرنے سے امت کو منع فرمایا تو ان کی خیر خواہی نہ کی۔ حالانکہ آپ خوب جانتے تھے کہ مال جمع کرنا امت کے حق میں بہتر ہے۔ اور سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کو مال جمع کرنے سے ممانعت فرمائی تو ان کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ بندوں کے حق میں مال جمع کرنا بہتر ہے۔ یاد رکھ کہ صحابہ ؓ کے مال سے حجت پکڑنا تیرے لیے کچھ مفید نہیں۔ قیامت کے دن ابن عوف ؓ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں بقدر کفاف ہی ملا ہوتا۔ مجھ کو حدیث پہنچی ہے کہ جب عبد الرحمن بن عوف ؓ نے وفات پائی تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کچھ لوگ باہم کہنے لگے کہ ہم کو اس قدر ترکہ چھوڑ جانے سے عبد الرحمن کے حق میں خوف ہے۔ کعب بولے کہ سبحان اللہ عبد الرحمن کے حق میں کس بات کا خوف ہے

انہوں نے پاک طریقہ سے مال کمایا اور پاک جگہ خیرات کیا۔ کعب کا یہ قول ابو ذرؓ کو معلوم ہوا۔ غضبناک ہو کر کعب کی تلاش میں نکلے۔ راستے میں اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پڑی پائی۔ اس کو اٹھالیا' اور کعب کو ڈھونڈنے لگے۔ کسی نے کعب سے جاکر کہا کہ ابو ذرؓ تمہاری تلاش میں پھر رہے ہیں۔ کعبؓ بھاگ کر حضرت عثمانؓ کے پاس فریادی آئے اور تمام قصہ بیان کیا۔ ابو ذرؓ بھی تلاش کرتے کرتے کعبؓ کے نشان قدم پر حضرت عثمانؓ کے مکان تک پہنچے۔ جب اندر داخل ہوئے تو کعبؓ ڈر کے مارے اٹھ کر حضرت عثمانؓ کے پیچھے جابیٹھے اور ابو ذرؓ ان سے بولے اے یہودیہ کے بیٹے ذرا کھڑا تو رہ' کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ عبد الرحمن بن عوف نے جو اس قدر ترکہ چھوڑا ہے اس کا کچھ حرج نہیں ؟ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ قیامت کے دن جو زیادہ مالدار ہوں گے وہ زیادہ محتاج ہوں گے مگر ایک وہ شخص جس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا مال لٹایا ہو گا۔ پھر فرمایا اے ابو ذر تو تو نگری چاہتا ہے اور میں افلاس کا خواہاں ہوں' غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محتاجی چاہتے ہیں۔ اور اے یہودیہ کے بیٹے تو یوں کہتا ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوف نے جو کچھ چھوڑا اس کا کوئی ڈر نہیں۔ تو جھوٹا ہے اور جو ایسا کہے وہ جھوٹا ہے۔ کعب نے ان باتوں کا کچھ جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ ابو ذر چلے گئے۔ حارث نے کہا کہ یہ عبدالرحمن بن عوف باوجود فضل و کمال کے میدان قیامت میں ٹھہرے رہیں گے۔ اس وجہ سے کہ عفت کے لیے طریق حلال سے مال حاصل کیا۔ اور نیک راہ میں لگایا۔ لہذا فقراء و مہاجرین کے ساتھ جنت کی طرف نہ جانے پائیں گے بلکہ ان کے پیچھے پیچھے گھٹنوں کے بل چلیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تھا تو خوش ہوتے تھے۔ اور تیرا یہ حال ہے کہ ذخیرہ رکھتا ہے اور افلاس کے ڈر سے مال جمع کرتا ہے۔ حالانکہ یہ حرکت گویا خدا کے ساتھ سوء ظن اور اس کے رزق کا ضامن ہونے پر یقین نہ لانا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو گا اور ممکن ہے کہ تو دنیا کی زیب و زینت اور لذت و فراغت کے لیے مال جمع کرے ہم کو حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دنیا کی فوت شدہ چیز پر افسوس کرے گا وہ ایک سال بھر کی راہ دوزخ سے قریب ہو جائے گا۔ تیری کیفیت یہ ہے

کہ ذرا سی چیز کے فوت ہو جانے پر افسوس کرتا ہے' اور عذاب الٰہی سے نزدیک ہونے کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ وائے ہو تجھ پر بھلا کیا تو اپنے زمانے میں حلال کو پاتا ہے جس طرح صحابہ نے پایا۔ اور دنیا میں حلال کہاں رہا ہے جس کو تو جمع کرے۔ دیکھ میں تجھ کو سمجھاتا ہوں جس قدر بہم پہنچ جائے اتنے ہی پر قناعت کر اور اعمال نیک کے لیے مال جمع نہ کر۔ بعض اہل علم سے کسی نے اس شخص کی نسبت سوال کیا جو اچھے کاموں کے لیے مال جمع کرتا ہے۔ جواب دیا کہ ترک کر دینا سب سے اچھا کام ہے اور ہم نے سنا ہے کہ کسی بزرگ تابعی سے دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا گیا ایک نے حلال طریقہ سے دنیا طلب کی اس کو حاصل ہوئی۔ اس نے صلہ رحم کیا اور اپنے لیے آخرت کا سامان کیا اور دوسرے نے دنیا سے علیحدگی اختیار کی نہ اس کو طلب کیا نہ صرف کیا ان دونوں میں کون افضل ہے جواب دیا کہ واللہ ان دونوں میں فرق ہے جو شخص دنیا سے علیحدہ رہا وہ دوسرے سے اس قدر افضل ہے جتنا مشرق و مغرب میں فاصلہ ہے۔

مصنف ؒ نے کہا یہاں تک سب کا سب حارث کا کلام ہے۔ ابو حامد نے اس کا ذکر کیا ہے اور تائید کی ہے۔ اور ثعلبہ کی حدیث سے اس کلام کو قوت دی ہے کہ ثعلبہ کو مال ملا۔ تو اس نے زکوٰۃ نہیں دی۔ ابو حامد نے کہا کہ جو کوئی انبیاء و اولیاء کے افعال و اقوال پر غور کرے گا اس کو اس بارے میں کچھ شک نہ رہے گا۔ کہ مال کے ہونے سے اس کا نہ ہونا افضل ہے اگرچہ اچھے کاموں میں کیوں نہ لگایا جائے۔ کیونکہ کم از کم اتنا ضرور ہو گا کہ مال کی اصلاح کے تردد میں پڑ کر ذکر الٰہی سے اس کا دل بر طرف ہو جائے گا لہٰذا مرید کو چاہئے کہ مال سے علیحدہ ہو جائے حتیٰ کہ بقدر ضرورت اپنے پاس رکھے جب تک اس کے پاس ایک درہم بھی باقی رہے گا جس کی طرف اس کا دھیان بٹے گا وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب رہے گا۔ مصنف ؒ نے کہا کہ یہ سب باتیں عقل و شرع کے خلاف ہیں اور سمجھ کا قصور ہے کہ مال سے کیا مراد ہے۔

فصل کلام مذکورہ کے رد میں

مال کا شرف تو یئیں سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مرتبہ عظیم فرمایا۔ اور اس

کی محافظت کا حکم دیا۔ کیوں کہ اس کو آدمی کے لیے باعث قیام بنایا ہے اور آدمی شریف ہے۔ جو چیز شریف کے لیے باعث قیام و حیات ہے وہ بھی ضرور شریف ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : ولا تؤتوا السفهاء اموالكم التي جعل الله لكم قياما (النساء پ ۴ آیت ۵) یعنی تم اپنے مال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے باعث قیام قرار دیا ہے بے وقوفوں کو مت دے ڈالو۔ اور نیز اللہ عزوجل نے ناسمجھ آدمی کو مال سپرد کرنے سے منع فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا۔ فان انستم منهم رشدا فادفعوا اليهم اموالهم (النساء پ ۴ آیت ٦) یعنی جب تم یتیموں کو دیکھو کہ اچھی طرح سمجھ آگئی تو ان کے مال ان کو دے دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا اور سعد کو ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ مرنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤ کہ محتاج ہو کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو ابو بکرؓ کے مال سے بڑھ کر کسی کے مال نے نفع نہیں پہنچایا۔ عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلوا بھیجا اور فرمایا کہ کپڑے پہن کر اور ہتھیار سجا کر میرے پاس آؤ۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ارشاد فرمایا کہ میں تم کو ایک لشکر پر حاکم کر کے بھیجتا ہوں خدا تعالیٰ تم کو سلامت رکھے گا۔ اور غنیمت عطا فرمائے گا۔ نیک نیتی کے ساتھ جس قدر جی چاہے مال لے لینا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ مال کی خواہش سے اسلام نہیں لایا۔ بلکہ اسلام کی محبت سے مسلمان ہوا ہوں۔ فرمایا اے عمرو اچھا مال اچھے آدمی کے لیے ہوتا ہے۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر و برکت کی دعا کی اور دعا کے آخری الفاظ یہ تھے کہ اللهم اكثر ماله و ولده وبارك له (خداوندا! انسؓ کو مال اور اولاد زیادہ عطا فرما اور اس میں برکت دے) عبد اللہ ابن کعب بن مالک نے کہا کہ میں نے کعب بن مالکؓ سے سنا اپنا توبہ کرنے کا قصہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری توبہ یہ ہے کہ اپنا مال خدا و رسول کے لیے خیرات کر دوں۔ ارشاد فرمایا کہ کچھ مال

اپنے پاس رہنے دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

مصنف ؒ نے کہا یہ مذکور شدہ حدیثیں صحاح میں موجود ہیں اور صوفیہ کے عقیدہ کے خلاف ہیں کہ وہ کہتے ہیں مال کا زیادہ ہونا حجاب اور عذاب ہے۔ اور مال کا رکھ چھوڑنا توکل کے منافی ہے۔ اس امر کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مال جمع کرنے میں فتنہ کا خوف ہے اور اسی لیے جماعت کثیر نے مال سے پرہیز کیا ہے۔ اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ حلال طریقہ سے مال کا جمع کرنا بہت کم ہوتا ہے اور اس کے فتنہ سے دل کا سلامت رہنا بعید ہے اور باوجود مال کے آخرت کی یاد میں دل کا مشغول ہونا شاذ ونادر ہے اور اسی وجہ سے مال کے فتنہ کا خوف ہوا کرتا ہے باقی رہا مال کا حاصل کرنا تو بات یہ ہے کہ جس شخص کو ذریعہ حلال سے بقدر کفاف حاصل کرنے کی احتیاج ہے تو یہ ایسا امر ہے جو ضروری ہے اور جس شخص کا مقصود طریق حلال سے مال جمع کرنا اور بڑھانا ہو تو ہم اس کے مقصود پر غور کریں گے مگر صرف فخر اور بڑائی چاہتا ہے تو بہت برا مقصود ہے اور اگر اپنی اور اہل و عیال کی عفت چاہتا ہے اور آئندہ زمانے کی آفتوں کے لیے ذخیرہ رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ بھائیوں کی امداد کرے، فقیروں کو خوش رکھے۔ نیک کاموں کو سرانجام دے تو اس کے قصد پر اس کو ثواب ملے گا اور اس نیت سے اس کو جمع کرنا بہت سی عبادتوں سے افضل ہو گا صحابہ رضی اللہ عنہم کی نیتیں مال جمع کرنے میں خلل سے پاک تھیں۔ کیونکہ ان کے مقاصد نیک تھے۔ للذا اس کی حرص کی اور زیادتی چاہی۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کے لیے ان کے گھوڑے کا حصہ ایک زمین مقرر فرمائی جس کو ثرثر کہتے ہیں حضرت زبیرؓ نے اپنا گھوڑا دوڑایا۔ حتیٰ کہ دوڑتے دوڑتے کھڑا ہو گیا۔ تو حضرت زبیرؓ نے اپنا کوڑا آگے تک پھینک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں تک زبیرؓ کا کوڑا پہنچا ہے وہیں تک ان کو زمین دے دو۔ سعد بن عبادہ دعا مانگا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ خداوندا مجھ کو فراخ دستی عطا فرما۔

مصنف ؒ نے فرمایا اس سے بڑھ کر وہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب ان کے بیٹوں نے آکر کہا ونزداد کیل بعیر یعنی ایک اونٹ اناج کا اور زیادہ ملے گا تو

حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ادھر مائل ہو گئے۔ اپنے بیٹے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے نفع لینے میں زیادتی کی طمع کی۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ سے کہا فان اتممت عشرا فمن عندک یعنی اگر تم دس برس پورے بکریاں چراؤ گے تو تمہاری عنایت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام جب شفا پاچکے تو سونے کی ٹڈیاں ان کے پاس سے گزریں۔ وہ اپنی چادر ان کے پکڑنے کو پھیلانے لگے تاکہ زیادہ مالدار ہو جائیں۔ ارشاد ہوا کہ اے ایوب کیا تیرا پیٹ نہیں بھرا۔ عرض کیا اے پروردگار تیرے فضل سے کس کا پیٹ بھرتا ہے۔ غرضیکہ مال جمع کرنا ایک ایسا امر ہے جو طبیعتوں میں رکھا گیا ہے جب اس سے مقصود خیر ہو تو وہ بھی خیر محض ہو گا۔ محاسبی کا جو کچھ اس بارے میں کلام ہے وہ سراسر خطا ہے جو شریعت سے واقف نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ محاسبی کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مال جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دروغ محض ہے بلکہ اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مال جمع کرنے سے برا مقصود ہو یا ناجائز طریقے سے جمع کیا جائے اور کعبؓ و ابوذرؓ کی جو حدیث نقل کی ہے بالکل جھوٹ اور جاہلوں کی بنائی ہوئی ہے۔ چونکہ محاسبی سے اس حدیث کی صحت مخفی رہی لہٰذا اس کو مان بیٹھے۔ اس کے بعض الفاظ روایت بھی کیے گئے ہیں۔ گو کہ اس کا طریقہ کوئی ثابت نہیں ہوتا۔

مالک بن عبد اللہ زیادی نے ابوذرؓ سے روایت کی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے مکان پر آئے اور اندر آنے کی اجازت لی۔ حضرت عثمانؓ نے اجازت دے دی۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ اتنے میں حضرت عثمانؓ نے کعبؓ سے پوچھا کہ اے کعبؓ عبدالرحمن انتقال کر گئے اور مال چھوڑ گئے۔ تمہاری اس میں کیا رائے ہے۔ کعب بولے اگر اس مال میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے رہے تو کچھ ڈر نہیں۔ یہ سن کر ابوذر نے اپنی لاٹھی اٹھائی۔ اور کعبؓ کے ماری۔ اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ یہ احد کا پہاڑ اگر میرے لیے سونا بن جائے میں اس کو خدا کی راہ میں صرف کروں اور وہ میری خیرات مقبول ہو جائے تو جب بھی میں پسند نہیں کرتا کہ اس میں سے چھ اوقیہ کے برابر چھوڑ کر وفات پاؤں۔ یہ کہہ کر ابوذر نے تین بار کہا کہ

اے عثمان میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم نے یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ ہاں۔ مصنفؒ نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں اس کے راویوں میں ابن لہیعہ مطعون ہے۔ یحیٰی کہتے ہیں کہ ابن لہیعہ کی حدیث قابل حجت نہیں اور تاریخ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ ابوذرؓ نے سن پچیس ہجری میں انتقال کیا۔ اور عبدالرحمن نے سن بتیس ہجری میں رحلت کی۔ لہٰذا عبدالرحمن بعد ابوذر کے سات برس زندہ رہے علاوہ ازیں اس حدیث کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ موضوع ہے۔ پھر کیونکر صحابہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو عبدالرحمن پر خوف ہے کیا بالاجماع ثابت نہیں کہ حلال طریقہ سے مال جمع کرنا مباح ہے۔ باوجود مباح ہونے کے خوف کی کیا وجہ ہے۔ کیا شریعت ایسا بھی کرتی ہے کہ کسی چیز کی اجازت دے اور پھر اس پر عذاب کرے۔ یہ سب ناسمجھی اور کم علمی کی باتیں ہیں۔ پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ عبدالرحمن پر ابوذرؓ انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ ابوذر سے عبدالرحمن افضل ہیں اس لیے وہ ایسے معروف نہیں۔ پھر ان کا ایک اکیلے عبدالرحمن کے پیچھے پڑ جانا دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے صحابہ کا رویہ اختیار نہیں کیا۔

طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے بعد تین سو بہار چھوڑ گئے۔ ہر بہار میں تین تین قنطار تھے۔ بہار بوجھ کو کہتے ہیں (جو تین سو رطل کا ہوتا ہے۔ اور ایک قنطار ایک ہزار دو سو اوقیہ کا ہوتا ہے) زبیرؓ کا مال پانچ کروڑ دو لاکھ کا تھا۔ ابن مسعودؓ نے نوے ہزار چھوڑ کر انتقال کیا۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مال حاصل کیا اور چھوڑ گئے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ محاسبی کا یہ قول کہ عبدالرحمن قیامت کے دن گھٹنوں کے بل چلیں گے اس امر کی دلیل ہے کہ وہ حدیث نہیں جانتے کیونکہ یہ واقعہ خواب کا تھا۔ بیداری میں ایسا نہیں فرمایا۔ اور خدا کی پناہ جب عبدالرحمن ایسے صحابی قیامت میں گھٹنوں کے بل چلیں گے تو پھر دوڑ کر کون جائے گا حالانکہ عبدالرحمن ان دس صحابہ میں سے ہیں جن کے لیے زندگی میں جنت کی شہادت دے دی گئی اور اہل بدر اور اہل شوریٰ میں سے ہیں۔ پھر حدیث جو محاسبی نے روایت کی وہ بروایت عمارہ بن زاذان ہے۔ اور بخاری کہتے ہیں کہ اکثر اوقات زاذان کی حدیث مضطرب ہوتی ہے۔ احمد نے کہا زاذان حضرت انسؓ سے منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ ابوحاتم رازی نے کہا کہ زاذان قابل حجت نہیں۔ دار قطنی نے کہا کہ

زاذان ضعیف ہیں۔

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں بیٹھی تھیں۔ یکایک کچھ آواز سنی۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ عبدالرحمن بن عوف کا قافلہ ہے شام سے آیا ہے جو ہر قسم کا اسباب تجارت لایا ہے۔ انس کہتے ہیں کہ سات سو اونٹ تھے۔ تمام مدینہ آواز سے گونج اٹھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ میں نے عبدالرحمن بن عوف کو خواب میں دیکھا ہے کہ جنت میں گھٹنوں کے بل چل کر داخل ہوتے ہیں۔ یہ خبر عبدالرحمن کو ملی کہنے لگے کہ اگر مجھ سے ہو سکا تو بہشت میں کھڑا ہو کر داخل ہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ تمام اونٹ مع ان کے پالانوں کے اور اسباب کے خدا کی راہ میں دے دیئے۔

محاسبی کا یہ قول کہ مال حلال کا چھوڑ دینا اس کے جمع کرنے سے افضل ہے غلط ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ جب قصد صحیح ہو تو علماء کے نزدیک بلا خلاف جمع کرنا افضل ہے اور یہ حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جو شخص دنیا کی فوت شدہ چیز پر افسوس کرے گا، محض دروغ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا نہیں فرمایا اور محاسبی کا یہ مقولہ کہ دنیا میں حلال کہاں رہا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آخر پھر ٹھیک طور پر حلال کیا چیز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے کہا حلال سے آپ کی مراد یہ ہے کہ معدن سے کوئی دفینہ مل جائے جس میں کچھ شک و شبہ نہ ہو۔ حالانکہ یہ امر بہت دور کی بات ہے اور ہم سے اس کی باز پرس ہو گی۔ بلکہ اگر مسلمان کوئی چیز یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالے تو قیمت بلاشبہ حلال ہو گی۔ یہی فتوی فقہاء کا ہے مجھ کو تعجب اس امر کا ہے کہ ابو حامد نے سکوت کیا۔ بلکہ محاسبی کے قول کی تائید کی۔ وہ کیونکر کہتے ہیں کہ گو مال نیک کاموں میں صرف کیا جائے پھر بھی اس کا نہ ہونا ہونے سے افضل ہے اگر ابو حامد اس کے برخلاف اجماع ہونے کا دعوی کریں درست ہے۔ لیکن صواب ان کے فتوے کے خلاف ہے۔

محاسبی کا یہ قول ہے کہ مرید کو چاہئے کہ اپنے مال سے جدا ہو جائے اس بارے میں ہم بیان کر چکے کہ اگر مال حرام یا مشتبہ ہو یا انسان تھوڑے مال پر یا اپنے کسب پر قناعت

کر سکے تو اس کو جائز ہے کہ اپنے مال سے علیحدہ ہو جائے۔ ورنہ کوئی اس کی وجہ نہیں باقی رہا ثعلبہ کا قصہ' تو اس کو مال نے ضرر نہیں پہنچایا بلکہ مال پر بخل کرنا اس کے لیے مضر ہوا۔ اور رہے انبیاء علیہم السلام ان کا یہ حال تھا کہ حضرت ابراہیمؑ و شعیبؑ وغیرہ کے پاس مال اور کھیتیاں تھیں۔ سعید بن مسیب کہا کرتے تھے کہ جو شخص مال نہیں پیدا کرتا وہ خیر پر نہیں۔ مال سے قرض ادا کرے' اپنی آبرو بچائے۔ اگر مر جائے تو اپنے بعد والوں کے لیے میراث چھوڑ جائے۔ ابن مسیب چار سو دینار ترکہ چھوڑ کر گئے تھے۔ اور صحابہؓ نے جو ترکہ چھوڑا ہے وہ ہم ذکر کر چکے۔ سفیانؒ ثوری نے دو سو ترکہ میں چھوڑے اور کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں مال ایک ہتھیار ہے۔ سلف ہمیشہ مال کی تعریف کرتے رہے اور زمانے کی آفتوں اور محتاجوں کی اعانت کے لیے مال جمع کرتے رہے۔ ہاں البتہ ان میں سے بعض نے اس لیے مال سے علیحدگی اختیار کی کہ عبادات میں مشغول رہیں اور دلجمعی حاصل رہے۔ لہٰذا تھوڑے پر قناعت کی۔ اگر حارث محاسبی یوں کہتے کہ تھوڑا مال رکھنا بہتر ہے تو ایک بات تھی' مگر وہ تو اس کو گناہ کا مرتبہ قرار دیتے تھے۔

فصل : جاننا چاہیے کہ محتاجی ایک مرض ہے جو اس میں مبتلا ہوا اور صبر کیا اس کو اس صبر کا ثواب ملے گا۔ اسی لیے محتاج لوگ امیروں سے پانچ سو برس پیشتر جنت میں داخل ہوں گے۔ کیونکہ وہ بلا پر صابر رہے۔ اور مال ایک نعمت ہے اور نعمت کے لیے شکر ضروری ہے مالدار جب کہ محنت اٹھاتا ہے اور اپنے آپ کو نیک کام میں ڈالتا ہے بمنزلہ مفتی اور مجاہد کے ہے اور محتاج ایسا ہے جیسے کوئی شخص ایک گوشے میں الگ بیٹھتا ہے۔

ابو عبدالرحمن سلمی نے کتاب سنن الصوفیہ میں ایک باب باندھا ہے۔ جس میں ذکر کیا ہے کہ فقیر کے لیے کچھ چھوڑ مرنا مکروہ ہے۔ اور وہ حدیث لکھی ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک صحابی نے دو دینار چھوڑ کر انتقال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کے دو داغ ہیں۔ مصنف نے کہا کہ اس حدیث سے حجت لانا اس شخص کا کام ہے جو حقیقت حال نہیں سمجھتا کیونکہ یہ صحابی جو انتقال کر گئے تھے۔ ان کا یہ کام تھا کہ صدقہ لینے میں فقیروں سے مزاحمت کیا کرتے تھے اور جو اپنے پاس تھا اسے رکھ چھوڑا۔ لہٰذا یہ فرمایا کہ دو داغ ہیں۔ اور اگر نفس مال ہی چھوڑ مرنا مکروہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم سعد سے نہ فرماتے کہ تمہارے لیے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤ کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اور نیز صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی اپنے بعد کچھ نہ چھوڑ جاتا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی ترغیب دی۔ میں اپنا آدھا مال لے آیا۔ آپ نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ بال بچوں کے لیے کس قدر باقی رکھا۔ میں نے عرض کیا جس قدر لایا ہوں اتنا چھوڑ آیا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے انکار نہیں فرمایا۔ ابن جریر طبریؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے اس قول کے باطل ہونے پر جو جاہل صوفیہ کہتے ہیں کہ انسان کو نہ چاہئے کہ کل کے لیے آج کچھ شئے ذخیرہ رکھے۔ اور کہتے ہیں کہ ایسا کرنے والا اپنے پروردگار کے ساتھ سوء ظن رکھتا ہے اور اس پر کما حقہ توکل نہیں کرتا۔ ابن جریر نے کہا کہ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ تم بکریاں پالو کیونکہ ان میں برکت ہے۔ دلالت کرتا ہے اس قول کے فاسد ہونے پر جو بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ جو بندہ اپنے رب پر توکل رکھتا ہے اس کے لیے یہی بات شایان ہے کہ صبح و شام میں کسی وقت کچھ مال اور روپیہ اس کے پاس نہ ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اپنی ازواج مطہرات کے لیے سال بھر کا رزق ذخیرہ رکھتے تھے۔

فصل : کچھ لوگ ہیں جو اپنے پاک مالوں سے علیحدہ ہو گئے۔ اور پھر صدقات جو لوگوں کا میل کچیل ہے طلب کرنے لگے اور ان میں پڑ گئے۔ کیوں کہ انسان کی حاجت منقطع نہیں ہوتی۔ اور عاقل آدمی آئندہ کے لیے سامان کیا کرتا ہے۔ اور ابتدائے زہد میں اپنا مال علیحدہ کر ڈالتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مکے کے راستے میں پانی سے سیراب ہو گیا لہٰذا جو پانی اپنے ہمراہ لایا تھا اس کو پھینک دیا۔

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ابو حصین سلمی اپنی معدن میں سے کچھ سونا نکال لائے۔ اس سے اپنا قرضہ ادا کیا۔ جس میں سے کبوتر کے انڈے کے برابر بچ رہا۔ اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جہاں مصلحت خیال فرمائیے کام میں لائیے۔ راوی نے کہا کہ ابو

حصین داہنی جانب سے آئے آپ نے منہ موڑ لیا پھر بائیں طرف سے آئے آپ نے منہ موڑ لیا۔ پھر سامنے سے حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک جھکا لیا۔ جب انہوں نے آپ کو بہت تنگ کیا تو آپ نے وہ سونا ان کے ہاتھ سے چھین کر ان کے کھینچ مارا کہ اگر لگ جاتا تو ان کی آنکھ پھوٹ جاتی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ تم میں سے بعض کی یہ حالت ہے کہ اپنا سارا مال خیرات کر ڈالتے ہیں پھر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ دیکھو صدقہ تو بعد فارغ البالی کے ہوا کرتا ہے۔ اور پہلے اپنے اہل و عیال کو دینا چاہئے ابو داؤد نے اس حدیث کو بروایت محمود بن لبید اپنے سنن میں ذکر کیا ہے کہ جابر بن عبد اللہ نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے اتنے میں ایک آدمی انڈے کے برابر سونا لے کر آیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو یہ سونا اپنے قبیلہ کی معدن سے ملا ہے۔ اس کو صدقہ کرتا ہوں اور میرے پاس اس کے سوا کوئی مال نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر منہ پھیر لیا۔ پھر وہ شخص داہنی جانب سے آیا۔ آپ نے اعراض فرمایا۔ پھر بائیں طرف سے سامنے آیا تو آپ سے آکر اسی طرح کہنے لگا۔ آپ نے روگردانی فرمائی۔ پھر پشت مبارک کی طرف سے سامنے آیا آپ نے اس سے وہ سونے کا ٹکڑا لے کر اس کو پھینک مارا۔ اگر اس کے لگ جاتا تو آزار پہنچاتا۔ یا کوئی عضو بے کار ہو جاتا پھر فرمایا تم لوگوں میں سے بعض کا قاعدہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے سب کا سب لے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صدقہ ہے۔ پھر محتاج ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے سامنے بھیک مانگنے کو ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ دیکھو بہتر صدقہ وہ ہے جو اپنی فارغ البالی کے بعد ہو۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ نے اس شخص سے فرمایا اپنا مال ہمارے سامنے سے لے جاؤ۔ ہم کو اس کی کوئی حاجت نہیں' ابوداؤد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ کچھ کپڑے خیرات کریں لوگوں نے کچھ کپڑے خیرات کر دیئے۔ ان کپڑوں میں سے آپ نے دو اس آدمی کو عنایت فرمائے' پھر سب کو صدقہ کی ترغیب دی۔ اس آدمی نے بھی دونوں سے ایک کپڑا اتار کر صدقے میں ڈالا۔

آپ نے بہ آواز بلند فرمایا کہ تو اپنا کپڑا لے لے۔

مصنف ؒ نے کہا میں نے خود ابوالوفاء عقیل کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ ابن شاذان کہتے تھے۔ صوفیہ کی ایک جماعت شبلی کے پاس گئی۔ شبلی نے ایک تونگر آدمی کے پاس کسی کو بھیجا کہ ان کے کھانے کے لیے کچھ ان سے مانگ لائے۔ اس تونگر نے قاصد کو واپس کیا اور کہلا بھیجا کہ اے ابوبکر تم تو خدا کے عارف ہو اسی سے کیوں نہیں مانگ لیتے۔ شبلی نے قاصد سے کہا کہ اس سے جاکر کہو کہ دنیا ایک سفلہ (بری) چیز ہے۔ اس کو تجھ ایسے سفلہ سے طلب کرتا ہوں اور حق سے تو حق ہی کا طالب ہوں۔ یہ سن کر اس نے سو دینار بھیج دیئے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ اگر شروع ہی میں اس کلام قبیح سے پیشتر وہ تونگر سو دینار دے ڈالتا تو کچھ نہ تھا۔ لیکن اب تو شبلی نے ناپاک رزق کھایا اور اپنے مہمانوں کو کھلایا۔

فصل : بعض صوفیہ کے پاس کچھ سرمایہ نہ تھا انہوں نے سب خیرات کر ڈالا۔ اور کہنے لگے ہم اپنے آپ کو صرف خدا کے حوالے کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کم فہمی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اسباب سے قطع تعلق کرنا اور مال کو علیحدہ کرنا عین توکل ہے قزار نے ہم سے کہا کہ مجھ سے خطیب نے بیان کیا کہ مجھ کو ابو نعیم حافظ نے خبر دی کہ مجھ سے جعفر خلدی نے اپنی کتاب سے روایت کی ہے کہ میں نے جنید سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں ایک بار ابو یعقوب زیات کے دروازے پر ان کے اصحاب کی جماعت میں جا کھڑا ہوا وہ بولے کہ تم لوگوں کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا شغل کیوں نہیں جو تم کو میرے پاس آنے سے باز رکھے۔ میں نے جواب دیا کہ جب ہمارا آپ کے پاس آنا گویا خدا کے ساتھ شغل ہے تو خدا سے ہم نے قطع تعلق کہاں کیا۔ اس کے بعد میں نے ان سے توکل کے بارے میں ایک مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے پہلے ایک درہم نکالا۔ جو ان کے پاس تھا پھر مجھ کو جواب دیا اور کما حقہ' توکل کا بیان کیا۔ پھر بولے کہ مجھ کو حیا آئی اس بارے میں کہ تم کو جواب دوں اور میرے پاس کچھ مال ہو۔

مصنف ؒ نے کہا کہ اگر یہ لوگ توکل کے معنی سمجھتے کہ توکل کہتے ہیں خدا تعالیٰ پر دل کے وثوق رکھنے کو' نہ اس کو کہ مال علیحدہ کر دیا جائے تو ایسا نہ کہتے مگر کیا کریں ان کی

سمجھ ہی کم ہے بڑے بڑے صحابہؓ و تابعین ذخیرہ رکھا کرتے تھے۔ اور مال جمع کیا کرتے تھے۔ ان میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت ہم روایت کر چکے کہ جب خلیفہ ہوئے۔ اور خلافت کے کاروبار کی وجہ سے اپنا کسب چھوڑ دیا تو فرمانے لگے کہ پھر میں اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں۔ حالانکہ یہ قول صوفیہ کے نزدیک منکر ہے اور اس طرح کہنے والے کو توکل سے خارج کر دیتے ہیں اور اسی طرح اس شخص پر بھی انکار کرتے ہیں جو یوں کہے کہ فلاں کھانا مجھ کو نقصان پہنچائے گا۔ اس بارے میں ابو طالب رازی سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ ایک مقام پر ٹھہرا۔ وہاں کے لوگ دودھ لے کر آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ یہ دودھ پی لو۔ میں نے کہا کہ میں دودھ نہیں پیوں گا۔ کیونکہ دودھ مجھ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس واقعہ کو چالیس برس کا زمانہ گزر گیا۔ ایک روز میں نے مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اور عرض کیا کہ خداوندا تو جانتا ہے کہ میں نے کسی لمحہ میں تیرے ساتھ شریک نہیں کیا۔ یکایک میں نے سنا کہ ایک ہاتف مجھ کو آواز دیتا ہے کہ بھلا دودھ والے روز بھی شرک نہیں کیا۔ مصنفؒ نے کہا خدا جانے یہ حکایت کہاں تک صحیح ہے۔ جاننا چاہئے کہ جو شخص یوں کہتا ہے کہ فلاں چیز مجھ کو ضرر پہنچاتی ہے تو اس کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ خود وہ چیز ضرر کی فاعل ہے بلکہ صرف یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ چیز ضرر کا سبب ہے جیسا کہ حضرت خلیلؑ نے کہا انھن اضللن کثیرا من الناس یعنی ان بتوں نے بہت آدمیوں کو گمراہ کر دیا۔ اور صحیح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا مجھ کو کسی مال نے ابو بکرؓ کے مال کے مانند نفع نہیں دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ نفع نہیں دیا اسی قول کا مقابل ہے کہ نقصان نہیں پہنچایا۔ اور صحیح طور پر وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو خیبر کے زہر آلود لقمہ کا اثر ہمیشہ مدت معینہ کے بعد اثر دکھاتا رہا حتیٰ کہ اب میرے دل کی رگیں کاٹ ڈالیں یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ نبوت کے رتبہ سے بڑھ کر کوئی رتبہ کامل اور پورا نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفع کو مال کی طرف اور ضرر کو کھانے کی جانب منسوب فرمایا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے کنارہ

کشی کرنا شریعت پر دست درازی ہے۔ لہٰذا جو شخص اس قسم سے بے ہودہ بکے اس کے ہذیان کی طرف توجہ نہ کی جائے گی۔

فصل : مصنفؒ نے کہا کہ ہم ذکر کر چکے کہ اوائل صوفیہ اپنے مال سے بوجہ زہد و ورع کے علیحدہ ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی بیان کر چکے کہ ان بزرگوں کا مقصود خیر تھا۔ لیکن اپنی اس حرکت میں غلطی پر ضرور تھے۔ چنانچہ ان کی مخالفت میں ہم شرع و عقل کا تذکرہ لا چکے۔ باقی رہے متاخرین صوفیہ وہ دنیا اور مال جمع کرنے کی طرف مائل ہیں۔ خواہ کسی صورت سے ہو وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ راحت کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور شہوت سے محبت رکھتے ہیں۔ ان میں بعض ایسے ہیں جو کسب پر قادر ہیں۔ اور عمل میں نہیں لاتے۔ رباط یا مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کی خیرات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور ان کا دل ہر وقت اس بات پر لگا رہتا ہے کہ کوئی آدمی آ کر دروازہ کھٹکھٹائے خوب معلوم ہے کہ مرد غنی اور پوری قوت والے کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں۔ اور یہ لوگ کچھ پرواہ نہیں کرتے خواہ کوئی صدقہ بھیجے۔ اکثر اوقات ظلم کرنے والے چونگی لینے والے صدقہ بھیجتے ہیں تو اس کو رد نہیں کرتے اور اس بارے میں باہم کچھ کلمات مقرر کیے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس کا نام فتوح رکھا ہے دوسرے یہ کہ خدا کی طرف سے ہے۔ لہٰذا خدا کا عطیہ رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کے سوا کسی کا شکر نہ کرنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ سب باتیں خلاف شریعت اور جہالت کی ہیں۔ اور حلال بھی ظاہر ہے۔ اور حرام بھی ظاہر ہے۔ ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں۔ جس نے ان کو چھوڑا اس نے اپنا دین پاک کیا۔ ابو بکر صدیقؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتبہ چیز کے کھانے سے منع فرمایا۔ صالحین کا قاعدہ تھا کہ ظلم اور مشتبہ مال والے کا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے اکثر سلف کا یہ حال تھا کہ عفت اور طہارت کے خیال سے اپنے بھائیوں کا صلہ نہ قبول فرماتے تھے۔ ابو بکر مروزی نے کہا میں نے ابو عبد اللہ سے ایک محدث کا تذکرہ کیا۔ سن کر بولے کہ خدا ان پر رحم کرے اگر ایک عادت ان میں نہ ہوتی تو کیا خوب آدمی تھے۔ یہ کہہ کر خاموش ہو رہے۔ پھر کہنے لگے کہ تمام خصلتوں کو انسان کامل طور پر حاصل نہیں کر سکتا۔ میں نے ان سے کہا کیا وہ محدث صاحب سنت پر نہیں۔ جواب دیا کہ اپنی جان کی قسم میں نے خود ان سے

حدیث لکھی ہے۔ لیکن ایک عادت ان میں یہ تھی کہ کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ جس سے چاہتے تھے لے لیتے تھے۔

مصنفؒ نے کہا ہم نے سنا ہے کہ کوئی صوفی کسی امیر کے پاس گیا جو ظالم تھا۔ اس کو نصیحت کی۔ اس نے کچھ دیا۔ صوفی نے لے لیا۔ امیر کہنے لگا کہ ہم سب لوگ شکاری ہیں۔ مگر جال مختلف ہیں۔ علاوہ اس بیان مذکورہ کے ہم کہتے ہیں کہ دنیا کے واسطے ذلت اٹھانے سے ان لوگوں کی غیرت کہاں جاتی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر کے ہاتھ سے مراد دینے والا ہاتھ ہے۔ علماء نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ اور یہی تفسیر حقیقی ہے۔ بعض صوفیہ نے اس کی تاویل کی ہے کہ اوپر کا ہاتھ لینے والا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا یہ تاویل میرے نزدیک فقط ان لوگوں کی ہے جو بھیک مانگنے کو عمدہ جانتے ہیں لہٰذا وہ دون ہمتی کے محتاج ہیں۔

فصل : مصنفؒ نے کہا اوائل صوفیہ مال کے حاصل ہونے پر غور کیا کرتے تھے کہ کس صورت سے آتا ہے اور اپنے کھانے کی تفتیش کیا کرتے تھے۔ احمد بن حنبلؒ سے کسی نے سری سقطی کی نسبت سوال کیا جواب دیا کہ وہ بزرگ طیب المطعم یعنی پاک حلال کھانے والے مشہور ہیں۔ سری کہتے ہیں ایک مرتبہ جہاد میں میرا اور ایک جماعت کا ساتھ ہوا ہم نے کرایہ پر ایک مکان لیا اس میں میں نے ایک تنور لگایا۔ وہ لوگ ورع کے خیال سے اس تنور کی روٹی نہ کھاتے تھے۔ صوفیہ حال کے زمانے والے جو نظر آتے ہیں انہوں نے نیا شیوہ اختیار کر رکھا ہے۔ کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ کہاں سے مال حاصل کیا ہے۔ یہ امر تعجب خیز ہے۔ میں خود ایک بار ایک رباط میں داخل ہوا۔ وہاں کے شیخ کو دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ فلاں امیر کو خلعت ملنے کی مبارک باد دینے کے لیے اس کے پاس گئے ہیں۔ یہ امیر اہل کفر و ظلم سے تھا۔ میں نے سن کر کہا وائے ہو تم پر یہ تمہارے لیے کافی نہ ہوا کہ دکان کھول رکھی ہے۔ اب امیروں کے پاس بھی جانے لگے۔ تا کہ وہاں مکر فروشی کریں۔ تم لوگ باوجود قدرت کے صدقوں اور ہدیوں پر تکیہ کر کے بیٹھ رہتے ہو۔ حتیٰ کہ ظالموں کے پاس مانگتے پھرتے ہو۔ اور ان کو اس پوشاک پر جو جائز نہیں اور اس حکومت پر جس میں انصاف نہیں مبارک باد دیتے ہو۔ خدا کی قسم تم اسلام کے لیے سب ضرر

رسانوں سے بڑھ کر ضرر رساں ہو۔

فصل : مصنفؒ نے کہا کہ شیوخ میں سے ایک جماعت کا یہ حال ہے کہ مال مشتبہ جمع کرتے ہیں۔ پھر اس جماعت کی قسمیں ہیں۔ بعض تو باوجود کثرت مال کے اور جمع کرنے کی حرص کے زہد کا دعوی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دعوی ظاہری حالت کے خلاف ہوتا ہے۔ اور بعض باوجود جمع کرنے کے فقروافلاس کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اکثر یہ لوگ زکوٰۃ کا مال لے کر فقیروں کا حق مارتے ہیں۔ حالانکہ زکوٰۃ لینا ان کو جائز نہیں۔ ابو الحسن بسطامی جو ابن ملحیان کی رباط کے شیخ تھے صوف پہنا کرتے تھے۔ لوگ دور سے ان کے ملنے کو آتے اور ان سے برکت لیتے تھے جب انتقال کیا تو چار ہزار دینار چھوڑ مرے۔ مصنفؒ نے کہا یہ نہایت قبیح بات ہے۔ صحیح طور پر مروی ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص نے انتقال کیا اور دو دینار چھوڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کے دو داغ ہیں۔

لباس کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا اوائل صوفیہ نے جب سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لباس مبارک میں پیوند لگایا کرتے تھے۔ اور عائشہؓ سے آپ نے فرمایا جب تک پیوند نہ لگایا کرو کپڑا جدا نہ کیا کرو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لباس میں پیوند لگے تھے۔ اور اویس قرنی ملبہ کے ڈھیر پر سے پیوند چنا کرتے تھے۔ ان کو رات میں دھوتے پھر سی کر پہنتے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں نے پیوند لگے لباس اختیار کیے۔ حالانکہ اپنے قیاس کرنے میں یہ لوگ بہت دور جا پڑے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رضی اللہ عنہم پھٹے پرانے حال میں رہنا پسند فرماتے تھے۔ اور بوجہ زہد و تقوی کے دنیا کی زینت سے منہ موڑتے تھے۔ اور اکثر بزرگوار تو محتاجی کے سبب سے ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ مسلمہ بن عبدالملک سے مروی ہے کہ وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس گئے دیکھا تو ایک میلا کرتا پہنے ہوئے ہیں۔ ان کی بی بی فاطمہ سے کہا کہ امیرالمومنین کا کرتا دھو ڈالو۔ وہ بولیں کہ خدا کی قسم ان کے پاس بجز اس ایک کرتے کے کوئی اور کرتا نہیں۔ لیکن جب یہ فقر کی نیت اور

خستہ حالی کے ارادے سے نہ ہو تو اس کے کوئی معنی نہیں۔

فصل : مصنف نے کہا ہمارے زمانے کے صوفیہ کی تو یہ حالت ہے کہ دو یا تین کپڑے مختلف رنگ کے لے لیتے ہیں اور ان کو پھاڑ کر جوڑتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لباس میں دو وصف جمع ہو جاتے' شہوت بھی اور شہرت بھی۔ کیوں کہ ایسے پیوند لگے لباس کا پہننا اکثر مخلوق کے نزدیک دیباج سے بھی مرغوب تر ہے۔ اور ایسے لباس والا مشہور ہو جاتا ہے کہ زاہدوں میں سے ہے۔ بھلا کیا تم ان لوگوں کو دیکھتے ہو کہ پیوند لگے کپڑے پہن کر سلف کے مانند ہو جاتے ہیں یہ محض ان کا خیال ہے۔ کیونکہ شیطان نے ان کو فریب دیا ہے اور ان کے کانوں میں پھونک دیا ہے کہ تم صوفیہ ہو۔ اس لیے کہ صوفیہ پیوند لگا لباس پہنا کرتے تھے اور تم بھی وہی پہنتے ہو۔ یہ کم بخت اتنا نہیں جانتے کہ تصوف صورتا" نہیں ہوتا بلکہ معنیً" ہوتا ہے۔ اور انکو نہ صورتا" تصوف سے نسبت ہے نہ معنیً"۔ صورتا" تو اس لیے نہیں کہ متقدمین ضرورتا" پیوند لگاتے تھے اور پیوند لگے لباس سے زینت نہ چاہتے تھے اور معنیً" اس لیے نہیں کہ وہ بزرگوار اہل ریاضت و اہل زہد تھے۔

فصل : مصنفؒ نے کہا کہ اسی قوم مذموم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کپڑوں کے نیچے صوف پہنتے ہیں اور اس کی آستین ظاہر کر دیتے ہیں۔ تا کہ اپنا لباس لوگوں کو دکھلائیں ایسے لوگ رات کے چور ہیں۔ بعض وہ ہیں جو نرم کپڑے زیب تن کرتے ہیں پھر ان کے اوپر سے صوف ڈالتے ہیں۔ یہ لوگ کھلم کھلا دن دہاڑے ڈاکہ مارتے ہیں۔ دوسرے صوفیہ ایسے آئے کہ صوفیوں سے مشابہ تو بننا چاہا۔ مگر پھٹے پرانے حال سے رہنا ان پر گراں گزرا۔ اور خوش عیشی پسند کی۔ اور یہ بھی ٹھیک نہ سمجھا کہ تصوف کی صورت سے علیحدہ ہو جائیں۔ تا کہ معاش کا سلسلہ بے کار نہ ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے اعلیٰ درجہ کا فوطہ یعنی سندی کپڑے کا کرتا اور عمامہ باندھا مگر وہ عمامہ بلا نقش و نگار یعنی سادہ رکھا۔ اب ایک شخص کا کرتا اور عمامہ پانچ ریشمی کپڑوں کی قیمت کا ہے۔ ابلیس نے ان کو یہ بھی فریب دیا ہے کہ تم بذات خود صوفی ہو۔ اور مقصود ان کا صرف یہ ہے کہ تصوف کی رسمیں اور اہل دنیا کے ناز و نعمت دونوں حاصل ہو جائیں ان لوگوں کی علامت ایک یہ ہے کہ بوجہ کبر و نخوت کے امیروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور فقیروں سے علیحدہ

رہتے ہیں۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل تم کو کیا ہو گیا ہے میرے پاس اس حالت میں آتے ہو کہ لباس تو راہبوں ایسا پہنتے ہو اور تمہارے دل پھاڑ کھانے والے بھیڑیوں ایسے ہیں۔ دیکھو لباس تو چاہے بادشاہوں ایسا پہنو۔ مگر خوف الٰہی سے اپنے دلوں کو نرم کرو۔

مالک بن دینار نے کہا کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ ادھر قاریوں سے ملتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک حصہ لگاتے ہیں اور ادھر ظالموں اور اہل دنیا سے ملتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک حصہ لیتے ہیں۔ پس تم لوگ خدا کے قاریوں میں سے ہو جاؤ۔ خدا تعالیٰ تم کو برکت دے۔ مالک بن دینار نے بھی کہا کہ تم ایسے زمانے میں ہو جو دو رنگا ہے۔ تمہارے زمانے کو اہل بصیرت ہی دیکھتا ہے۔ تم اس زمانے میں ہو جن لوگوں کا کبرو غرور بڑھ گیا ہے۔ اور ان کے مونہوں میں ان کی زبانیں سوج گئی ہیں۔ لہٰذا وہ لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا طلب کرتے ہیں۔ تم ان سے بچتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہیں تم کو اپنے جال میں پھنسا لیں۔ اور نیز مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک جوان آدمی کو دیکھا جو ہر وقت مسجد میں رہتا تھا۔ اس کے پاس جا بیٹھے اور کہنے لگے کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے بارے میں کسی چونگی وصول کرنے والے حاکم سے گفتگو کروں۔ وہ تم کو کچھ دے دیا کرے اور تم ان کے ساتھ رہو۔ جواب دیا اے ابو یحییٰ جو آپ کا جی چاہے کیجئے۔ مالکؒ نے ایک مٹھی خاک لی۔ اور اس کے سر پر ڈال دی۔ اور نیز مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں ایک جوان آدمی صوفی میرے پاس آیا کرتا تھا وہ اس بلا میں گرفتار ہوا کہ پل کی حکومت اس کو ملی۔ ایک بار وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ دریا سے ایک کشتی گزری جس میں ایک بطخ تھی۔ اس کے اعوان و اصحاب پکارے کہ کشتی کو قریب کرتا کہ ہم عامل صاحب کے لیے ان کی بطخ پکڑ لیں۔ تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی دو بطخیں لینا۔ راوی کہتا ہے کہ مالکؒ اس حکایت کو نقل کر کے رو پڑتے تھے۔ اور ہم نشینوں کو ہنسایا کرتے تھے۔

محمد بن حنیف کہتے ہیں کہ میں نے رویم سے کہا مجھ کو کچھ وصیت کیجئے۔ جواب دیا کہ اصلی بات اپنی روح کا خدا کی راہ میں لگانا ہے۔ ورنہ صوفیہ کی چکنی چپڑی باتوں میں مشغول نہ ہو ابو عبدالرحمن سلمی نے کہا میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہتے تھے مجھ کو خبر ملی ہے

کہ ایک آدمی نے شبلی سے آکر بیان کیا کہ آپ کے اصحاب میں سے ایک جماعت یہاں اتری ہے جو جامع مسجد میں ٹھہری ہے۔ شبلی دیکھنے کو گئے دیکھا کہ مرقعے (پیوند والا لباس) اور فوط پہنے ہوئے ہیں یہ دیکھ کر یہ شعر پڑھا :

اما الخيام فانها كخيامهم
وارى نساء الحى غير نسائها

ترجمہ : خیمے تو ضرور ویسے ہی ہیں جیسے معشوقہ کے قبیلہ کے خیمے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ قبیلہ کی عورتیں ان عورتوں سے بالکل جدا ہیں۔

مصنفؒ نے کہا جاننا چاہئے کہ ان صوفیوں کو متقدمین کے ساتھ تشبیہ دینے میں یہ کھوٹا پن کسی پر چھپا نہیں۔ سوائے بڑے ہی غبی و کند ذہن آدمی کے اور اہل عقل تو خوب جانتے ہیں کہ بھونڈے طریقے سے پردہ میں بات کہی ہے۔ اور یہ مضمون ایسا ہے جیسے کسی شاعر نے چند شعر کہے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے : ”میں نے ظبا کی نیل گایوں کو ان سے تشبیہ دی اگر تجھ میں رہی تو ساکن کے برابر نہیں ہے کیا غیر ناطق کو ناطق سے تشبیہ دی یا وحشی کو مانوس سے یا محبت والے کو دشمنی والے سے تشبیہ ہے۔ اس کو میں خوب جانتا ہوں مگر فقط مغالطہ دینے کے طور پر میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ گھر کس کا ہے“۔

فصل : مصنفؒ نے کہا میرے نزدیک فوط اور مرقعوں کا پہننا چار وجہ سے مکروہ ہے ایک تو یہ سلف کا یہ لباس نہیں۔ وہ بزرگ صرف ضرورتاً پیوند لگاتے تھے دوسرے اس لباس میں فقروافلاس کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ حالانکہ انسانوں کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرے تیسرے زہدو تقویٰ کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم کو اس کے چھپانے کا حکم ہے۔ چوتھے ان لوگوں کی مشابہت پائی جاتی ہے جو شریعت سے دور ہیں۔ اور جو شخص کسی قوم سے مشابہت کرے گا وہ انہیں میں سے ہو گا۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی قوم سے مشابہت رکھے گا وہ انہیں میں سے ہے۔

ابوذرعہ طاہر بن محمد نے بیان کیا کہ مجھ کو میرے باپ نے خبر دی کہ میں جب اپنے

دوسرے سفر میں بغداد کو گیا وہاں شیخ ابو محمد عبد اللہ بن احمد عسکری کے پاس حدیث پڑھنے کے لیے حاضر ہوا وہ صوفیہ کے منکر تھے۔ میں ان سے پڑھنے لگا۔ مجھ سے بولے اے شیخ اگر تم ان جاہل صوفیوں میں سے ہوتے تو میں تم کو معذور رکھتا تم عالم آدمی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مشغول ہو اور اس کی تلاش میں سعی کرتے ہو۔ میں نے جواب دیا اے شیخ میری کس بات پر آپ نے انکار کیا۔ بھلا دیکھوں تو سہی اگر شریعت میں اصل نکل آئی تو اس کو لازم پکڑ لوں گا۔ اور اگر شریعت میں کچھ اصل نہ ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ کہنے لگے یہ پیوند جو تمہارے مرقعے میں لگے ہیں۔ میں نے کہا اے شیخ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جبہ تھا جس میں گریبان اور آستین اور چوبغلے دیباج کے جوڑے گئے تھے۔ آپ کا انکار اس لیے واقع ہوا کہ یہ پیوند اس کپڑے کی جنس سے نہیں۔ اور دیباج بھی جبہ مبارک کی جنس سے نہ تھا۔ لہٰذا ہم نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ شریعت میں اس کی اصل ہے اور ایسا مرقع جائز ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ سکری کا انکار درست تھا۔ ابن طاہر نے کم علمی سے ان پر رد کیا۔ کہ جوڑ لگی ہوئی آستینوں اور گریبان والے جبہ کو جو عادت کے طور پر پہنا جاتا ہے۔ ایسا خیال کیا کہ اس جبہ کے پہننے میں شہرت نہیں۔ لیکن یہ پیوند جو لگائے جاتے ہیں ان میں ظاہری شہرت اور زہد کے دعویٰ کی صورت پائی جاتی ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ لوگ اچھے خاصے کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پیوند بنا لیتے ہیں۔ جو محض بلا ضرورت ہوتا ہے۔ اور بوجہ اس کے خوبصورت ہونے کے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں۔ اور زہد کی شہرت بھی چاہتے ہیں۔ اس لیے یہ لباس مکروہ ہے جس کا تذکرہ خود مشائخ صوفیہ کی ایک جماعت نے کیا ہے۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے۔

جعفر حذاء کہتے ہیں جب باطنی فوائد اس قوم نے گم کر دیئے تو ظاہری آرائش و نمائش میں پڑ گئے۔ قوم سے مراد فوط اور رنگے کپڑے پہننے والے ہیں۔ ثوری نے کہا کہ پیوند لگے لباس ایک زمانے میں موتی کے پردے تھے۔ اور اب تو مزبلوں کے مردار ہو گئے تھے۔ ابن باکویہ نے کہا مجھ کو ابو الحسن حنظلی نے خبر دی کہ محمد بن علی نے پیوند لگے لباس

والے لوگوں کو دیکھ کر کہا میرے بھائیو اگر تمہارے لباس تمہارے باطن کے موافق ہیں تو تم نے لوگوں کو اپنے باطن پر مطلع کرنا پسند کیا اور اگر اس کے مخالف ہیں تو خداوند کعبہ کی قسم تم ہلاک ہو گئے۔ ابو عبداللہ محمد بن عبد الخالق دینوری نے اپنے بعض اصحاب سے کہا تم جو آج کل کے صوفیہ کا ظاہری لباس دیکھتے ہو اس کو دیکھ کر خوش نہ ہونا۔ یہ لوگ جب اپنا باطن خراب کر چکے تو ظاہر کو آرائش دے رہے ہیں۔ ابن عقیل نے کہا میں ایک روز حمام میں گیا۔ ایک کھونٹی پر ایک پیوند لگا جبہ دیکھا جس میں فوط کے جوڑ لگے ہوئے تھے۔ میں نے حمامی سے پوچھا کہ یہ کھونٹی پر جبہ ٹنگا ہے۔ اندر کون گیا ہے۔ اس نے مجھ سے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جو ہر طرف سے مال جمع کرنے کے لیے شہر در شہر گھومتا پھرتا ہے۔

مصنف ؒ نے کہا صوفیہ میں بعض ایسے ہیں جو مرقع کو پیوند پر پیوند لگاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ حد درجہ کا کثیف ہو جاتا ہے۔ ابن حباب ابو الحسین جو ابن الکرینی کی صحبت میں رہے ہیں کہتے ہیں کہ مجھ کو ابن الکرینی نے وصیت کی کہ میرا مرقعہ میرے بعد تم لینا۔ میں نے دیکھا تو وہ مرقعہ گیارہ رطل کا تھا۔ جعفر نے کہا اس وقت میں مرقعوں کا نام وزن سے لیا کرتے تھے۔

فصل : صوفیہ نے قرار دیا ہے کہ یہ مرقع صرف شیخ ہی کے ہاتھ سے پہنا جاتا ہے اور اس کے لیے ایک اسناد متصل مقرر کی ہے جو سراسر کذب و دروغ ہے۔ محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں شیخ کے ہاتھ سے خرقہ پہننا سنت لکھا ہے اور اس کو سنت گردانا ہے۔ اور ام خالد ؓ کی حدیث سے حجت پکڑی کیونکہ وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام خالد ؓ کو میرے پاس لاؤ۔ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے مجھ کو وہ کرتی پہنائی اور فرمایا پہنو اور پھاڑو۔

مصنف ؒ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام خالد ؓ کو فقط اس لیے پہنایا تھا کہ وہ اس وقت چار برس کی بچی تھیں۔ ان کے باپ خالد بن سعید بن العاص تھے اور ماں ہمینہ بنت خلف تھیں۔ یہ دونوں حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں جا کر ام خالد پیدا

ہوئیں' ان کا نام امتہ تھا۔ جب حبشہ سے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام خالد کو پیار کیا۔ کیونکہ وہ کم سن تھیں لہٰذا یہ طریقہ سنت نہ ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ لوگوں کو لباس پہنانے کی نہ تھی۔ اور نہ صحابہ و تابعین نے ایسا کیا۔ علاوہ ازیں صوفیہ کے نزدیک بڑے کو چھوڑ کر چھوٹے کو پہنانا سنت نہیں۔ اور نہ سیاہ خرقہ ہونا سنت ہے۔ بلکہ مرقعہ یا فوط سنت بتاتے ہیں۔ ام خالد کی حدیث کے موافق انہوں نے سیاہ خرقہ پہننا کیوں نہ سنت قرار دیا۔ محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں شیخ کا مرید کے ساتھ مرقع پہنانے میں شرط کرنا سنت لکھا ہے۔ اور عبادہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر پر بیعت کی کہ تنگی و فراخی میں اطاعت و فرمانبرداری کریں گے مصنفؒ نے کہا اس باریک فقہ پر غور کرنا چاہئے کہ کجا مرید کے ساتھ شیخ کا شرط کرنا اور کجا بیعت اسلام پر جو لازم اور واجب الاطاعت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرط فرمانا۔

فصل : باقی رہا صوفیہ کا رنگے کپڑے پہننا پس وہ اگر نیلے رنگ کے ہیں تو ان لوگوں سے سفید لباس کی فضیلت فوت ہوتی ہے۔ اور اگر سندی کپڑا یعنی فوطہ ہے تو وہ شہرت کا لباس ہے اور اس کی شہرت نیلے کپڑے سے زیادہ ہے اور اگر پیوند لگے یعنی مرقعے ہیں تو یہ اور بھی شہرت میں بڑھ کر ہیں۔ شریعت نے سفید کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے اور شہرت کے لباس سے منع کیا ہے۔ چنانچہ سفید کپڑے پہننے کی نسبت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سب کپڑوں میں سفید کپڑا پہنا کرو۔ کیونکہ وہ سب کپڑوں سے اچھا ہے اور اس میں اپنے مرنے والے کو کفن دیا کرو۔ سمرہ بن جندب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ وہ بہت پاک اور عمدہ ہوتے ہیں۔ اور ان ہی میں اپنے مردے کفنایا کرو۔ ترمذی نے کہا یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ اور ابن عمرؓ سے بھی اس باب میں مروی ہے نیز ترمذی نے کہا کہ اہل علم کے نزدیک بھی مستحب ہے۔ احمد بن حنبلؒ اور اسحاق کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک کفن دینے کے لیے سفید کپڑا محبوب تر ہے محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں رنگے کپڑے پہننا سنت لکھا ہے اور اس حدیث سے حجت پکڑی

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ حلہ پہنا اور فتح مکہ کے روز جب آپ تشریف لائے تو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ مصنفؒ نے کہا اس بات سے انکار نہیں کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لباس پہنا ہے اور نہ اس کا انکار کیا جاتا ہے کہ اس کا پہننا جائز ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ کو سرخ رنگ اچھا لگتا تھا۔ مسنون لباس تو فقط وہ ہے جس کا آپ حکم دیتے تھے اور جس پر مداومت فرماتے تھے۔ یوں تو صحابہ رضی اللہ عنہم سیاہ سرخ لباس پہنا کرتے تھے۔ لیکن فوط اور مرقعے ہم ضرور کہیں گے کہ شہرت کے لباس ہیں۔

فصل : لباس شہرت کے مکروہ و ممنوع ہونے کے بارے میں ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شہرت کا لباس پہنے گا جب تک اس کو نہ اتارے گا' اللہ تعالیٰ اس سے روگرداں رہے گا۔ ابو ہریرہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہرتوں سے منع کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو شہرتیں کیا ہیں ارشاد فرمایا کہ لباس کا پتلا اور گاڑھا ہونا' نرم اور سخت ہونا' بڑا اور چھوٹا ہونا لیکن ہاں ان دونوں کے درمیان راستی و میانہ روی اختیار کرو۔ ابن عمرؓ نے کہا جو شخص شہرت والا لباس پہنے گا قیامت کے دن خدا اس کو ذلیل کرے گا۔ مصنفؒ نے کہا نیز ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شہرت والا لباس پہنے گا۔ خدا تعالیٰ اس کو ذلت پہنائے گا۔ لیث نے شہر بن حوشب سے روایت کیا کہ ابو الدرداء نے کہا جو شخص مشہور چارپائے پر سوار یا مشہور لباس پہنے گا جب تک وہ اس پر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اعراض رکھے گا۔ خواہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل اکرام ہی کیوں نہ ہو مصنفؒ نے کہا ہم روایت کر چکے کہ ابن عمرؓ نے اپنے بیٹے کو کوئی برا کم درجے کا لباس پہنے دیکھا تو فرمایا اس کو مت پہنو یہ شہرت کا کپڑا ہے۔ مقاتل بن بریدہ نے کہا میرے باپ بریدہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح خیبر میں موجود تھا۔ اور ان لوگوں میں تھا جو قلعہ پر چڑھ گئے تھے۔ میں وہاں چڑھ کر ایسا سامنے کھڑا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح مجھ کو دیکھا۔ اور وہاں سے آیا تو میں سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ میں

نہیں جانتا کہ شہرت کے واسطے اسلام میں اس سے بڑھ کر کوئی گناہ مجھ سے سرزد ہوا ہو۔ سفیان ثوری نے کہا صحابہ رضی اللہ عنہم دو شہرتوں کو مکروہ جانتے تھے۔ ایک تو ایسے نفیس کپڑے جن کی وجہ سے مشہور ہو جائے۔ اور لوگ اس کی طرف آنکھیں اٹھائیں۔ دوسرے ایسے ردی کپڑے جن سے حقیر ہو جائے اور ذلیل سمجھا جائے۔ معمر نے کہا ایوب کا کرتا لمبا دیکھ کر میں نے ان پر ناراضی ظاہر کی۔ اور کہنے لگے کہ سنو گزشتہ زمانے میں نیچا لباس رکھنا شہرت میں داخل تھا۔ مگر آج کل اونچا رکھنے میں شہرت ہے۔

فصل : مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں صوف کے پہننے والے بھی ہیں۔ اور حجت لاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوف پہنا ہے اور صوف پہننے کی فضیلت منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صوف پہننے کی نسبت اصل بات یہ ہے کہ بعض اوقات آپ صوف پہنتے تھے اور اہل عرب کے نزدیک اس کا پہننا کوئی شہرت میں داخل نہ تھا اور صوف پہننے کی فضیلت میں یہ لوگ جو کچھ روایت کرتے ہیں تمام موضوعات ہیں۔ جن میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔ اور صوف پہننے والے کی حالت دو میں سے ایک ضرور ہو گی یا تو وہ صوف اور اس کے مانند سخت کپڑے پہننے کا عادی ہے اس کے لیے صوف پہننا مکروہ نہیں۔ کیونکہ اس کے پہننے سے اس کی شہرت نہیں ہوتی۔ اور یا عادی تو نہیں مگر تکلف اور اترانے کی راہ سے پہنتا ہے اس کے لیے دو وجہ سے جائز نہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے نفس کو تکلیف مالایطاق دیتا ہے جو اس کو ناجائز ہے دوسرے اس کو پہننے میں شہرت اور اظہار زہد دونوں پائے جاتے ہیں۔

انسؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں میں مشہور ہونے کے لیے صوف کا لباس پہنے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں ضرور خارش کا کپڑا پہنائے گا۔ جس سے اس کی رگیں گر پڑیں گی۔ ابن عباسؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ ریاء کی غرض سے صوف کا لباس پہنتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کے سامنے زمین فریاد کرتی ہے۔ خالد بن شوذب نے کہا میں حسن (بصری) کے پاس موجود تھا۔ اتنے میں فرقد آئے۔ حسن نے ان کا کمبل پکڑ کر ان کی طرف بڑھایا اور بولے کہ اے ام فرقد کے بیٹے اس کمبل میں کوئی برونیکی نہیں' بلکہ اصلی برونیکی اعتقاد دل اور

صدق عمل ہے۔ ابو شداد مجاشعی نے کہا حسن (بصری) کے سامنے صوف پہننے والوں کا تذکرہ آیا۔ میں نے سنا کہ تین بار حسن بولے خدا کھوئے ان کم بختوں کو کیا ہو گیا' اپنے دلوں میں تو کبرو غرور پوشیدہ رکھتے ہیں اور لباس میں عجز و تواضع ظاہر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم ان لوگوں کو اپنے لباس پر اس سے بھی زیادہ غرور ہے جس قدر دو شالے والے کو اپنے دوشالے پر ہو۔ حسنؒ کے پاس ایک آدمی صوف پہننے والوں میں سے آیا جو صوف کا جبہ پہنے تھا اور صوف کا عمامہ باندھے تھا' اور صوف کی چادر اوڑھے تھا آکر بیٹھا اور زمین کی طرف اپنی نگاہ کرلی۔ اور ذرا اوپر سر نہ اٹھایا۔ شاید حسنؒ کو اس کی یہ حرکت مغرورانہ معلوم ہوئی۔ کہنے لگے ایسے بھی لوگ ہیں جو کبرو غرور اپنے سینوں میں رکھتے ہیں۔ خدا کی قسم انہوں نے اپنے دین کو قابل تشنیع بنالیا۔

پھر بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کی ہیئت سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے ابو سعید منافقوں کی ہیئت کیا ہے۔ جواب دیا کہ لباس سے خشوع ظاہر کرنا اور دل میں خشوع نہ ہونا۔ ابن عقیلؒ کہتے ہیں کہ یہ کلام ایسے شخص کا ہے جو لوگوں کو خوب پہچانتا ہے اور لباس سے دھوکا نہیں کھاتا۔ خود میں نے انہیں لوگوں سے ایک کو دیکھا ہے جو صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھا۔ اگر کوئی اس کو یوں کہہ کر پکارتا تھا کہ اے فلاں کے باپ تو وہ اور اس کے ساتھی برا مانتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک صوف وہ عمل کرتا ہے جو اوباش کے نزدیک دیباج بھی نہیں کرتا۔ ضمرہ نے کہا کہ مجھ سے ایک آدمی نے بیان کیا کہ حماد بن ابی سلیمان بصرہ میں داخل ہوئے ان کے پاس فرقد بخی صوف کا کپڑا پہنے ہوئے آئے حماد ان سے بولے اپنے اوپر سے یہ اپنی نصرانیت اتار ڈال ہم نے دیکھا کہ ہم ابراہیم نخعی کا انتظار کیا کرتے تھے وہ نکلتے تھے اور زعفرانی لباس پہنے ہوتے تھے۔ خالد سے مروی ہے کہ ابو قلابہ نے کہا تم صوف کے لباس والوں سے بچتے رہو۔ ابو خالدؒ کہتے ہیں کہ عبدالکریم ابو امیہ صوف کا لباس پہنے ہوئے ابو العالیہ کے پاس گئے ابو العالیہ ان سے بولے کہ یہ راہبوں کی پوشاک ہے۔ مسلمانوں کا تو یہ قاعدہ تھا کہ جب کہیں آتے جاتے تھے تو آرائش کرتے تھے۔ فضیل نے کہا تم لوگوں کے لیے صوف پہن کر آرائش کرو تو تمہارے سامنے سر نہ اٹھائیں گے۔ اور قرآن شریف

سے آراستہ ہو تو تمہارے آگے سر اونچا نہ کریں گے۔ اسی طرح ایک چیز چھوڑ کر دوسری چیز سے زینت اختیار کرو۔ یہ سب دنیا کی محبت کے لیے ہے۔ ابو سلیمان نے کہا بعض لوگ ساڑھے تین درہم کی عبا پہنتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں اس کی شہرت پانچ درہم کے برابر ہوتی ہے۔ ان کو اس بات سے شرم نہیں آتی کہ ان کی شہرت ان کے لباس سے زیادہ بڑھ گئی۔ اگر دو سفید کپڑے پہن کر لوگوں کی نگاہوں سے اپنا زہد و تقویٰ پوشیدہ رکھتے تو ان کے لیے زیادہ سلامتی کا سبب ہوتا۔ ابو سلیمان نے کہا مجھ سے میرے باپ نے پوچھا کہ صوف کا لباس پہننے سے ان لوگوں کی مراد کیا ہے؟ میں نے کہا عجز و تواضع جواب دیا کہ ان لوگوں کا تو قاعدہ ہے کہ جب صوف کا کپڑا پہنتے ہیں اس وقت مغرور بھی ہوتے ہیں۔ عمر بن یونس نے کہا سفیان ثوری نے ایک صوفی کو دیکھا۔ بولے کہ تیرا یہ لباس بدعت ہے۔ ابو داؤد نے بھی سفیان ثوری سے ایسا ہی روایت کیا۔ عبد اللہ بن المبارک نے ایک آدمی کا صوف کا مشہور لباس دیکھ کر دو بار کہا میں اس کو مکروہ جانتا ہوں۔ میں اس کو مکروہ جانتا ہوں۔ حسن بن عمرو نے کہا میں نے بشر بن حارث سے سنا بیان کرتے تھے کہ علی موصلی ایک بار معافی کے پاس گئے۔ اور صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے۔ معافی بولے اے ابو الحسن یہ شہرت کیسی ہے؟ علی نے جواب دیا۔ اے ابو مسعود آؤ میں اور تم دونوں باہر نکلیں۔ دیکھیں ہم میں زیادہ مشہور کون ہے؟ معافی نے کہا بدن کی شہرت ویسی نہیں جیسی لباس کی شہرت ہے۔ بشر بن حارث کہتے ہیں ایوب سجستانی کے پاس بدیل گئے ان کے بچھونے پر مقام سبنیہ کا سرخ ریشمی کپڑا بچھا ہوا تھا۔ جو گرد و غبار سے بچاتا تھا۔ بدیل بولے یہ کیا ہے ایوب نے جواب دیا۔ اس صوف کے لباس سے جو تم پہنے ہو یہ کپڑا اچھا ہے۔ بشر بن الحارث سے کسی نے صوف پہننے کی نسبت سوال کیا۔ ان کو بہت ناگوار و گراں گزرا۔ اور ان کے چہرے سے کراہت ظاہر ہوئی۔ پھر بولے میرے نزدیک خز اور زعفرانی لباس پہننا شہروں میں صوف کا کپڑا پہننے سے محبوب تر ہے۔ محمد بن ادریس انباری کہتے ہیں میں نے ایک جوان آدمی کو ٹاٹ کا جبہ پہنے دیکھا۔ اس سے کہا کہ کس عالم نے اس کو پہنا ہے کس عالم نے ایسا کیا ہے؟ وہ شخص کہنے لگا مجھ کو بشر بن حارث نے دیکھا تو کچھ برا نہ سمجھا۔ یزید کہتے ہیں کہ میں بشر کے پاس گیا اور ان سے بیان کیا کہ اے ابونصر

میں نے فلاں شخص کو ٹاٹ کا جبہ پہنے دیکھا۔ اس پر اعتراض کیا تو مجھ سے بولا کہ ابونصر نے مجھ کو یہ جبہ پہنے ہوئے دیکھا تو کوئی اعتراض نہ کیا۔ یہ سن کر بشر مجھ سے کہنے لگے' اے خالد مجھ سے اس شخص نے مشورہ نہیں لیا۔ اور اگر میں اس پر کچھ اعتراض کرتا تو مجھ کو جواب دیتا کہ فلاں نے پہنا ہے۔ اور فلاں نے پہنا ہے۔ ہشام ابن خالد نے کہا میں نے ابو سلیمان دارانی کو ایک صوف پہننے والے آدمی سے کہتے ہوئے سنا کہ تو نے زاہدوں کا اوزار ظاہر کر دیا۔ تو جانتا ہے کہ اس صوف نے تجھ کو کیا نفع دیا۔ وہ آدمی چپ ہو رہا۔ ابو سلیمان بولے کہ تیرا ظاہر تو روئی دار کپڑوں والا اور باطن صوفی ہونا چاہئے۔ ابن سیرویہ کہتے ہیں ابو محمد بن ابی معروف کرخی ایک بار ابو الحسن بن بشار کے پاس گئے اور صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے۔ ابو الحسن بولے اے ابو محمد تم نے اپنے جسم کو صوفی بنایا ہے یا دل کو۔ دیکھو تصوف اختیار کرو اور سفید پر سفید کپڑے پہنو۔ نضر بن شمیل نے کسی صوفی سے کہا تم اپنا صوف کا جبہ بیچتے ہو جواب دیا کہ جب شکاری اپنا جال ہی بیچ ڈالے تو شکار کس چیز سے کرے گا۔ ابو جعفر ابن جریر طبری نے کہا وہ شخص خطا پر ہے جو باجود روئی اور کتان کا کپڑا حلال طریقہ سے ملنے کے بال اور اون کا لباس اختیار کرے۔ اور گیہوں کی روٹی چھوڑ کر ساگ اور مسور کھانا پسند کرے اور عورتوں کی خواہش لاحق ہونے کے خوف سے گوشت کھانا چھوڑ دے۔

فصل : مصنفؒ نے کہا سلف صالحین اوسط درجے کا لباس پہنا کرتے تھے جو نہ بہت بڑھ کر ہوتا تھا اور نہ بالکل گھٹ کر۔ جمعہ اور عید اور بھائیوں کی ملاقات کے لیے انہیں کپڑوں میں سے نفیس لباس اختیار کرتے۔ اور بہت نفیس لباس پہننا ان کے نزدیک کوئی قبیح نہ تھا۔ مسلم نے اپنی صحیح میں عمر بن الخطابؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک حلہ سنہری دھاریوں والا مسجد کے قریب بکتا ہوا دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ جمعہ کے لیے اور باہر سے آنے والوں کے لیے یہ حلہ خرید فرما لیتے تو بہتر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لباس وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس حلہ سے آرائش کرنے کا انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ بوجہ اس کے ریشمی ہونے کے انکار فرمایا۔

مصنفؒ نے کہا ہم ابو العالیہ سے روایت کر چکے کہ انہوں نے کہا مسلمانوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کہیں آتے جاتے تو زیب و زینت کرتے تھے۔ محمدؒ نے کہا کہ مہاجرین اور انصار اونچے درجے کا لباس پہنا کرتے تھے۔ تمیم الداری نے ایک حلہ ہزار درہم کو خریدا تھا۔ لیکن اس سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ تمیم داری نے ایک حلہ ہزار درہم کو مول لیا۔ اس کو پہن کر تہجد ادا کیا کرتے تھے۔ ثابت نے کہا کہ تمیم داری کے پاس ایک حلہ تھا جو انہوں نے ہزار درہم میں خریدا تھا۔ اس کو اس رات پہنا کرتے تھے جس میں شب قدر کی امید کی جاتی ہے۔ ابن سیرین نے کہا تمیم داری نے ایک چادر ہزار درہم کو مول لی اس کو اوڑھ کر اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ مصنفؒ نے کہا کہ ابن مسعودؓ بہت نفیس لباس پہنا کرتے تھے اور بہت عمدہ خوشبو لگایا کرتے تھے۔ حسن بصریؒ اعلیٰ درجے کی پوشاک پہنا کرتے تھے۔ کلثوم بن جوشن کہتے ہیں کہ ایک بار حسن بصریؒ ایک قیمتی جبہ پہنے ہوئے اور ایک گراں بہا چادر اوڑھے ہوئے باہر نکلے۔ ان کو فرقد نے دیکھا اور بولے اے استاد کیا آپ کا لباس ایسا ہونا چاہئے حسنؒ نے جواب دیا اے ابن ام فرقد کیا تم نہیں جانتے کہ اکثر اہل دوزخ وہ ہیں جو صوف کا لباس پہنتے ہیں۔ مالک بن انسؒ عدن کے نفیس کپڑے پہنا کرتے تھے۔ احمد بن حنبلؒ کا کپڑا قریب قریب ایک دینار میں خریدا جاتا تھا۔ غرضیکہ سلف پھٹے پرانے حال کو ایک حد تک اختیار کرتے تھے۔ اور پرانے کپڑے صرف اپنے گھروں میں پہنتے تھے۔ جب باہر نکلتے تو زیب اور زینت کرتے تھے۔ اور لباس پہنتے تھے جس کے ادنیٰ یا اعلیٰ ہونے کی خواہش ان کو نہ ہوتی تھی۔ عیسیٰ بن حازم نے کہا ابراہیم بن ادہم کا لباس کتان' روئی پوستین تھا۔ میں نے ان کو کبھی صوف اور شہرت کا کپڑا پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔ محمد بن ریان کہتے ہیں کہ میرے پاؤں میں ذوالنون نے سرخ موزہ دیکھا کہنے لگے بیٹا اس کو اتار ڈالو۔ اس میں شہرت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں پہنا۔ آپ نے تو صرف دو موزے سادے سیاہ رنگ کے پہنے ہیں۔ ربیع بن یونس کہتے ہیں کہ ابو جعفر منصور نے کہا طعن کے قابل ہیئت رسوا کرنے والی ہیئت سے بہتر ہے۔

فصل : مصنفؒ نے کہا جاننا چاہئے کہ جو لباس صاحب لباس کے لیے عیب ناک

ہے وہ ہے جس میں زہد اور افلاس کا اظہار پایا جائے۔ ایسا لباس گویا خدا سے شکایت کرنے کی زبان اور پہننے والے کی حقارت کا سبب ہے۔ اور یہ سب مکروہ و ممنوع ہے۔ احوص نے بیان کیا کہ میرے باپ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری ہیئت بوسیدہ تھی۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ مال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں دریافت فرمایا کس قسم کا مال ہے۔ میں نے عرض کیا ہر قسم کا مال ہے۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اونٹ' گھوڑے' غلام' بکریاں سب کچھ دیا ہے۔ فرمایا جب تم کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہے تو اپنے آپ کو تونگر ظاہر کرو۔ جابرؓ نے کہا ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مکان پر ہم سے ملنے کو تشریف لائے۔ ایک آدمی کے بال پریشان دیکھے۔ فرمایا کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے بال درست کرے۔ پھر ایک اور آدمی کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا فرمایا کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے کپڑے دھو ڈالے۔ ابو عبیدہ عمرو بن مثنی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ایک مرتبہ ربیع بن زیاد کی عیادت کو گئے۔ ربیع نے کہا یا امیرالمومنین میں آپ سے اپنے بھائی عاصم کی شکایت کرتا ہوں۔ دریافت فرمایا کہ اس کا کیا حال ہے جواب دیا کہ ٹھکانہ چھوڑ دیا۔ اور عبا پہن لی جس کی وجہ سے اس کی بی بی اور بال بچے غمناک و اندوہگین ہیں۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ عاصم کو میرے پاس لاؤ۔ جب عاصم آئے تو حضرت علیؓ خندہ پیشانی سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دنیا کو حلال کر دیا اور تم سے دنیا کا چھین لینا نہیں چاہتا اور خدا کی قسم کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی ذلیل تر ہو۔ واللہ۔ اگر تم اس کی نعمتوں کا اظہار فعل کی راہ سے کرو تو میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ قول کی راہ سے نعمت الٰہی کا اظہار کرو۔ عاصم نے کہا یا امیر المومنین میں دیکھتا ہوں کہ آپ موٹا کپڑا پہنتے ہیں اور موٹا اناج کھاتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ پھر فرمایا اے عاصم وائے ہو تجھ پر اللہ تعالیٰ نے انصاف کرنے والے اماموں پر فرض کر دیا ہے کہ اپنے اپ کو عوام کے ساتھ اندازہ کریں تا کہ افلاس والے کے افلاس تابع نہ ہو۔ ابو بکر الانباری نے کہا اس آخری فقرے کے معنے یہ ہیں کہ فقر و افلاس بہت زیادہ نہ بڑھ جائے۔ محاورہ ہے کہ مذمت فلاں شخص کی تابع ہے یعنی

اس کی مذمت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔

• مصنف ؒ نے کہا اگر کوئی یوں کہے کہ نفیس لباس پہننا خواہش نفسانی ہے اور ہم کو حکم ہے کہ نفس کو محنت میں ڈالیں۔ اور نیز یہ آرائش مخلوق کے لیے ہے۔ حالانکہ ہم کو معلوم ہے کہ ہمارے افعال مخلوق کے لیے نہ ہوں بلکہ خدا کے واسطے ہوں تو جواب یہ ہے کہ ہر چیز جس کی نفس خواہش کرے وہ مذموم نہیں اور ہر آرائش جو لوگوں کے لیے ہو وہ مکروہ نہیں اس سے اسی وقت منع کیا جائے گا۔ جب شریعت میں اس کی ممانعت ہو یا دین کے بارے میں ریا کی صورت نکل آئے ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ خوبصورت معلوم ہوا کرے یہ ایسی خواہش نفسانی ہے جس پر ملامت نہیں کر سکتے اس لیے وہ بالوں میں کنگھا کرتا ہے اور آئینہ میں منہ دیکھتا ہے اور عمامہ برابر کر کے باندھتا ہے اور لباس کا استر اندر ہونے کی وجہ سے موٹا اور ابرہ اوپر ہونے کے سبب سے عمدہ رکھتا ہے ان میں کوئی ایسی شے نہیں جو مکروہ اور مذموم ہو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا صحابہ ؓ کی ایک جماعت دروازہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں تھی۔ آپ ان کے پاس جانے کو اٹھے گھر میں ایک ناند تھی۔ جس میں پانی بھرا تھا۔ اس میں آپ دیکھ کر سر کے بال اور ریش مبارک درست فرمانے لگے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ بھی ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ہاں جب آدمی اپنے بھائیوں کے سامنے جائے تو اپنے آپ کو درست کر لینا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسرے طور پر مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جانے کے لیے اٹھے ایک ناند آپ نے دیکھی جس میں پانی تھا۔ اس میں اپنا عکس مبارک دیکھا۔ پھر ریش اقدس اور سر اطہر کو درست کیا اور باہر تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا میں نے کیا کیا۔ فقط اتنا ہی تو کیا ہے پانی میں اپنا عکس دیکھا ہے اور اپنی داڑھی اور سر کے بال درست کیے اس میں کوئی حرج نہیں۔ مسلمان آدمی ایسا کیا ہی کرتا ہے کہ جب اپنے بھائیوں سے ملنے کو جاتا ہے تو اپنے آپ کو درست کر لیتا ہے۔

مصنف ؒ نے کہا اگر کوئی کہے اس کی کیا وجہ کہ تم نے سری سقطی سے روایت کیا ہے

کہ انہوں نے کہا اگر میں کسی آدمی کی اپنے پاس آتے ہوئے آہٹ پاؤں اور اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرلوں یعنی اس آنے والے کے سبب سے داڑھی درست کرلوں تو ڈرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اس حرکت پر دوزخ میں عذاب کرے۔ جواب یہ ہے کہ یہ قول اس پر محمول ہے کہ سری کی مراد دین کے بارے میں خشوع وغیرہ کا اظہار کر کے ریا کاری کا مرتکب ہونا ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ جب کہ اپنی صورت اچھی بنانا مقصود ہو تا کہ کوئی نازیبا چیز نظر نہ آئے تو ایسا کرنا کچھ مذموم نہیں۔ جو شخص اس کو مذموم یقین کرے وہ ریا کو نہیں جانتا اور مذموم کے معنی نہیں سمجھتا۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر غرور ہو گا وہ بہشت میں نہ جائے گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں ہر ایک پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو' جوتا خوبصورت ہو۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو محبوب رکھتا ہے۔ غرور تو اس کو کہتے ہیں کہ حق بات سے سرکشی کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ یہ حدیث فقط صحیح مسلم میں ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ حق سے منہ موڑنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا غرور کا باعث ہے۔

فصل : مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں ایسے بھی گزرے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے تھے چنانچہ ہم کو خبر ملی ہے کہ ابو العباس بن عطاء بہت اعلیٰ درجہ کا کپڑا پہنا کرتے تھے۔ مثلاً دبیقی اور لولو کا بنا ہوا کپڑا اور بہت نیچا لباس پسند کرتے تھے۔ مصنفؒ نے کہا کہ اس میں بھی مرقعوں کی طرح شہرت ہے۔ نیک لوگوں کے لباس تو اوسط درجے کے ہونے چاہئیں۔ غور کرنا چاہئے کہ شیطان ان لوگوں کے ساتھ دونوں مخالف طریقوں سے کس طرح کھیلتا ہے۔

فصل : مصنفؒ نے کہا بعض صوفیہ ایسے ہیں کہ جب کوئی کپڑا پہنتے ہیں تو اس کا کچھ حصہ پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اکثر اوقات اعلیٰ درجے کے لباس کو خراب کر دیتے ہیں۔ عیسیٰ بن علی وزیر کہتے ہیں کہ ایک روز ابن مجاہد میرے باپ کے پاس تھے۔ کسی نے شبلی کے اندر آنے کی خبر دی ابن مجاہد بولے میں تمہارے سامنے اسی وقت شبلی کو ساکت کر دوں گا۔ شبلی کی عادت یہ تھی کہ جو کچھ پہنتے تھے تو اس کو کسی مقام سے چاک کر ڈالتے تھے۔

جیسے ہی شبلی آکر بیٹھے ابن مجاہد نے ان سے کہا اے ابو بکر یہ کون سے علم کی بات ہے کہ جس چیز سے نفع اٹھائیں اس کو خراب کریں شبلی نے جواب دیا کہ یہ کون سے علم کی بات ہے **فطفق مسحا بالسوق والاعناق** یعنی حضرت سلیمان گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنے لگے۔ یہ سن کر ابن مجاہد خاموش ہو رہے۔ میرے باپ ان سے بولے تم شبلی کو ساکت کرنا چاہتے تھے انہوں نے الٹا تم کو ساکت کر دیا۔ پھر شبلی نے ان سے کہا سب لوگ اتفاق کرتے ہیں کہ تم قاری وقت ہو۔ بھلا یہ تو بتاؤ قرآن شریف میں کس جگہ ہے کہ حبیب اپنے کو عذاب نہیں کرتا۔ ابن مجاہد چپ ہو رہے۔ میرے باپ کہنے لگے اے ابو بکر آپ ہی بتائیے۔ جواب دیا۔ قولہ تعالیٰ **قالت الیھود والنصری نحن ابناء اللہ و احباءہ' قل فلم یعذبکم بذنوبکم** (المائدہ پ ۶ آیت ۱۸) یعنی یہود و نصاری کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے حبیب ہیں اے محمد آپ ان سے پوچھئے تو سہی کہ پھر تم کو خدا تعالیٰ تمہارے گناہوں کے بدلہ عذاب کیوں کرتا ہے۔ یہ سن کر ابن مجاہد بولے کہ میں نے کبھی اس آیت کو سنا ہی نہ تھا۔ مصنف ؒ نے کہا کہ مجھ کو اس حکایت کے صحیح ہونے میں شک ہے۔ کیوں کہ اس کے راویوں میں حسن بن غالب ثقہ نہیں ہے۔ ابو بکر خطیب کہتے ہیں کہ حسن بن غالب نے ایسی چیزوں کا دعوی کیا ہے جن سے اس کی دروغ گوئی اور خلاف ورزی ظاہر ہے۔ اچھا اگر یہ قصہ صحیح بھی ہو تو اس سے شبلی کی کم فہمی ظاہر ہوتی ہے جو اس آیت سے حجت پکڑی۔ اور ابن مجاہد کی کم فہمی ہے جو اس کے جواب سے خاموش ہو رہے۔ جواب یہ تھا کہ آیت **فطفق مسحا بالسوق والاعناق** میں اچھی چیز کا خراب کر ڈالنا نہیں ہے۔ کیونکہ نبی معصوم کی طرف فاسد کر ڈالنے کو منسوب کرنا جائز نہیں۔ اور آیت کے معنوں میں مفسروں کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر مسح کیا۔ یعنی ہاتھ پھیرا اور کہا کہ تم خدا کی راہ میں ہو۔ ان معنوں کے لحاظ سے تو یہ اصلاح ہوئی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اور گھوڑوں کا ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا جائز ہے۔ لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی فعل ایسا نہ کیا جس میں گناہ ہو۔ لیکن اچھے خاصے کپڑے کو بلا کسی غرض صحیح کے خراب کر ڈالنا ہرگز جائز نہیں۔ اور ممکن ہے

کہ جو کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا ان کی شریعت میں اس کا جواز ہو اور ہماری شرع میں نہ ہو۔ ابو عبد اللہ احمد بن عطاء کہتے ہیں ابو علی روذباری کا مذہب تھا کہ اپنی آستین پھاڑ ڈالتے تھے اور کرتے کو چاک کر ڈالتے تھے۔ ان کا قاعدہ تھا کہ گراں قیمت کپڑے کو پھاڑ کر آدھا اوڑھ لیتے تھے اور آدھا باندھ لیتے تھے حتیٰ کہ ایک روز حمام کو گئے اور ایک لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھیوں کے پاس کوئی ایسا کپڑا نہ تھا جس کو باندھیں۔ انہوں نے اپنے اصحاب کے شمار پر اس لباس کے ٹکڑے کیے۔ سب نے ایک ایک ٹکڑا باندھا۔ اور پیشتر ان سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب باہر نکلیں تو وہ ٹکڑے حمام والے کو دے دیں۔ ابن عطاء نے کہا کہ مجھ سے ابو سعید گازرونی نے بیان کیا کہ میں اس روز ابو علی کے ہمراہ تھا وہ چادر جس کے انہوں نے ٹکڑے کیے تھے تیس دینار کی تھی۔

مصنف ؒ نے کہا اس قسم کی تفریط ابو الحسن بوشنجی سے منقول ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میرے پاس ایک چکور تھا جو میں نے سو درہم میں لیا تھا۔ ایک رات میرے یہاں دو مسافر آئے میں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ تمہارے پاس میرے مہمانوں کے لیے کچھ ہے وہ کہنے لگیں کچھ نہیں صرف روٹی ہے۔ میں نے اس چکور کو حلال کیا اور ان کے پاس لے گیا۔ مصنف ؒ نے کہا ابو الحسین کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ قرض لے لیتے پھر چکور کو بیچ کر ادا کر دیتے۔ غرض انہوں نے تفریط کی۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے کہا' میں نے اپنے باپ سے سنا' بیان کرتے تھے کہ ابوالحسن بغدادی ایک بار ری میں داخل ہوئے۔ ان کو اپنے پاؤں پر پٹی باندھنے کی ضرورت ہوا کرتی تھی ایک آدمی نے ان کو دبیقی رومال دیا۔ انہوں نے رومال کے دو ٹکڑے کیے اور پٹی باندھی۔ کسی نے کہا اگر آپ رومال کو بیچ کر پٹی خرید لیتے اور باقی قیمت کو خیرات کر دیتے تو بہتر تھا۔ جواب دیا کہ میں مذہب میں خیانت نہیں کرتا۔

مصنف ؒ نے کہا احمد غزالی ؒ بغداد میں تھے۔ ایک بار چرخی دار کنوؤں پر گزرے اور ایک ایک چرخی پر جو چل رہی تھی اور جس میں سے آواز نکلتی تھی کھڑے ہو گئے۔ وجد میں آ کر اپنی طیلسان کی چادر اس پر پھینک دی۔ چرخی نے چکر کھایا' چادر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

مصنف ؒ نے کہا اس جہالت اور تفریط اور بے علمی پر غور کرنا چاہئے۔ صحیح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا اور اگر آدمی درست (کھرے) دینار کو کاٹ کر خرچ میں لائے فقہاء کے نزدیک تفریط کرنے والا ٹھہرے گا۔ بھلا پھر اس فضول خرچی کا کیا ٹھکانا ہے جو بالکل حرام ہے۔ اسی قسم سے صوفیہ کا ان کپڑوں کو چاک کرنا ہے جو وجد کی حالت میں پھینکے جاتے ہیں۔ چنانچہ انشاء اللہ اس کا ذکر آئے گا۔ طرہ یہ ہے کہ صوفیہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ ایک حالت ہے حالانکہ جو حالت شریعت کے خلاف ہو اس میں خیر نہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ یہ اپنے نفس کے بندے ہیں یا ان کو حکم ملا ہے کہ اپنی اپنی رائے پر عمل کریں۔ یہ لوگ اگر اس قدر پہنچانتے ہیں کہ اس فعل میں وہ شریعت کے خلاف ہیں اور پھر بھی ایسا کرتے ہیں تو کمال سرکش ہیں۔ اور اگر اس قدر نہیں جانتے تو سخت جاہل ہیں۔ عبد اللہ رازی نے کہا جب نزع کی حالت میں ابو عثمان کا حال متغیر ہوا تو ان کے بیٹے ابوبکر نے اپنا کرتا جو اس وقت پہنے ہوئے تھے' چاک کر ڈالا۔ ابو عثمان نے آنکھ کھولی اور کہا بیٹا ظاہر میں خلاف سنت کرنا دل کی باطنی ریا کا اثر ہے۔

فصل : مصنف ؒ نے کہا بعض صوفیہ ایسے ہیں جو لباس کو نہایت تازہ رکھتے ہیں یہ بھی شہرت میں داخل ہے۔ چنانچہ علا اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ابو سعید سے کسی نے تہبند کے بارے میں پوچھا۔ جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے مسلمان کا تہبند آدھی پنڈلیوں تک ہونا چاہئے۔ ٹخنوں اور پنڈلیوں میں جو حصہ کھلا رہے کچھ حرج نہیں۔ جو اس سے زیادہ نیچا ہو گا وہ دوزخ کی نشانی ہے۔ ابراہیم بن سعید جوہری نے بیان کیا مجھ کو عبدالرزاق نے لکھا کہ معمر نے بیان کیا کہ ایوب کے کرتے میں دامن کچھ کم نیچا رہ گیا۔ کہنے لگے اس زمانے میں اونچا لباس رکھنا شہرت میں داخل ہے۔ اسحاق بن ابراہیم ابن ہانی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز ابو عبد اللہ احمد بن حنبل ؒ کے پاس گیا اور ایک کرتا اونچا گھٹنوں سے نیچا پنڈلی سے اوپر تک کا پہنے ہوئے تھا احمد نے مجھ پر اعتراض کیا اور کہا یہ کیا بلا ہے۔ تم کو ایسا لباس زیبا نہیں۔

فصل : مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں بعض ایسے ہیں جو بجائے عمامہ کے سر پر ایک کپڑے کا ٹکڑا لپیٹ لیتے ہیں۔ یہ بھی شہرت ہے۔ کیونکہ اہل شریعت کے لباس کے خلاف ہے اور جس چیز میں شہرت ہو وہ مکروہ ہے۔ بشر بن حارث بیان کرتے ہیں کہ ایک بار جمعہ کے روز ابن مبارک مسجد میں داخل ہوئے ان کے سر پر کلاہ تھی۔ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے سروں پر کلاہیں نہیں تو اس کلاہ کو اتار کر کسی طاق میں چھپا کر رکھ دیا۔

فصل : مصنفؒ نے کہا بہت سے صوفیہ ایسے ہیں جو وسوسہ کی وجہ سے کئی کپڑے رکھتے ہیں۔ ایک جوڑا قضائے حاجت کے لیے اور ایک جوڑا نماز کے لیے مقرر کرتے ہیں۔ ابو یزید نے اس بارے میں صوفیہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے اس فعل میں کچھ ڈر نہیں ہے مگر یہ نہ چاہئے کہ اس کو سنت قرار دیا جائے۔ جعفر نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ ان سے علی ابن حسین کہنے لگے اے بیٹا اگر قضائے حاجت کے لیے میں دوسرا کپڑا مقرر کر لیتا تو بہتر تھا میں دیکھتا ہوں کہ مکھیاں نجاست پر بیٹھتی ہیں پھر آکر مجھ پر بیٹھتی ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر دوبارہ جو میں علی کے پاس گیا تو کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس صرف ایک ہی کپڑا تھا۔ (اور وہ دوسرا کپڑا مقرر کرنے سے باز آگئے)

فصل : مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں ایسے ہیں جن کے پاس فقط ایک جوڑا کپڑا ہوتا ہے۔ یہ بات اچھی ہے مگر جب جمعہ اور عید کے لیے دوسرا کپڑا بنا لینا ممکن ہو تو عمدہ اور بہتر ہے یوسف بن عبد اللہ بن سلام کہتے ہیں کہ میرے باپ نے بیان کیا کہ ایک بار جمعہ کے دن ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ سنایا۔ اس میں فرمایا کہ اگر تم کاروبار کے کپڑوں کے سوائے دو کپڑے جمعہ کے لیے خرید لیا کرو تو کیا حرج ہے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ کچھ حصہ اس حدیث کا مجھ سے محمد بن عبدالرحمن نے بھی بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قیمتی یمنی چادر اور عمان کی بنی ہوئی ازار تھی۔ آپ یہ دو کپڑے جمعہ اور عید کے دن پہنا کرتے تھے۔ پھر تہہ کر کے رکھ دیئے جاتے تھے۔

کھانے پینے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا متقدمین صوفیہ کو اس امر کی نسبت فریب دینے میں شیطان نے بہت مبالغہ کیا کہ کھانا سخت اور کم کھائیں۔ اور ٹھنڈا پانی پینے سے ان کو باز رکھا۔ جب متاخرین کی باری آئی تو شیطان کو آرام مل گیا۔ اور ان کی خوش عیشی اور بسیار خوری دیکھ کر تعجب میں پڑ گیا۔

متقدمین صوفیہ کے افعال کا مختصر بیان

مصنف ؒ نے کہا متقدمین بعض ایسے تھے جو کئی کئی دن تک بغیر کھانے کے گزار دیتے تھے۔ جب بالکل طاقت نہ رہتی تھی تو کچھ کھا لیا کرتے تھے۔ اور بعض ایسے تھے کہ ہر روز تھوڑا سا کھا لیتے تھے۔ جس سے بدن قائم نہیں رہتا تھا۔ سہل بن عبد اللہ کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ ابتدائی حالت میں ایک درہم کا کھجور کا شیرہ اور ایک درہم کا گھی اور ایک درہم کا چاولوں کا آٹا خرید کر سب کو ملا لیا کرتے تھے۔ اور اس کے تین سو ساٹھ حصے بنا کر رکھ چھوڑتے تھے۔ ہر رات کو ایک حصہ پر روزہ افطار کرتے تھے۔ ابو حامد طوسی نے انہیں سہل بن عبد اللہ کی حکایت لکھی ہے کہ ایک مدت تک بیری کے پتے کھاتے تھے۔ بعد ازاں ایک زمانے تک بھوسہ کھایا کرتے اور تین برس میں فقط تین درہم کا کھانا کھایا۔ ابو جعفر حداد کہتے ہیں کہ ایک روز میرے پاس ابو تراب آئے اور میں ایک پانی کے حوض پر بیٹھا تھا' اور سولہ روز سے نہ کچھ کھایا تھا نہ پیا تھا۔ مجھ سے بولے کہ تم یہاں کیسے بیٹھے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ علم اور یقین کا امتحان کرتا ہوں۔ دیکھوں کون غالب آتا ہے۔ جو غالب ہو گا اسی طرف ہو جاؤں گا۔ ابو تراب نے کہا عنقریب تمہاری کوئی حالت ہو جائے گی۔ ابراہیم بن بناء بغدادی کہتے ہیں کہ میں اخمیم سے اسکندریہ تک ذوالنون کے ہمراہ تھا۔ جب ان کے روزہ افطار کرنے کا وقت آیا میں نے روٹی کا ٹکڑا اور نمک جو میرے ساتھ تھا نکالا۔ اور ان سے کہا آیئے کھایئے۔ جواب دیا کہ تمہارا نمک پسا ہوا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ بولے کہ تم کو نجات نہ ملے گی۔ پھر میں نے ان کے توشہ دان کو

دیکھا تو اس میں تھوڑا سا جو کا ستو تھا۔ اس کو پھانکنے لگے۔ ابو سلیمان کا قول ہے کہ مکھن کو شہد کے ساتھ کھانا اسراف میں داخل ہے۔ ابو سعید جو سہل کے اصحاب میں سے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ زبیری اور زکریا ساجی اور ابن ابی اوفی نے سنا کہ سہل بن عبد اللہ کہتے تھے میں مخلوق کے لیے حجت الٰہی ہوں۔ وہ تینوں صاحب ان کے پاس آئے۔ زبیری ان سے مخاطب ہو کر بولے ہم نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں میں مخلوق خدا پر خدا کی حجت ہوں۔ آپ کس بارے میں حجت ہیں۔ آپ کوئی نبی ہیں یا صدیق ہیں۔ سہل نے جواب دیا میرا یہ مطلب نہیں جو تمہارا خیال ہے۔ بلکہ میں نے یہ اس لیے کہا ہے کہ میں حلال کھاتا ہوں۔ آؤ ہم تم سب مل کر صحیح طور پر حلال معلوم کریں۔ انہوں نے پوچھا کیا آپ کو صحیح طور پر حلال معلوم ہو گیا۔ جواب دیا کہ ہاں وہ بولے کیونکر سہل نے کہا میں نے اپنی عقل اور معرفت اور قوت کے سات ٹکڑے کیے ہیں۔ ان کو ویسے ہی چھوڑ دیتا ہوں۔ حتیٰ کہ ان میں سے چھ ٹکڑے زائل ہو جاتے ہیں۔ اور ایک باقی رہتا ہے پھر میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ ایک ٹکڑا بھی جاتا نہ رہے۔ اور اس کے ساتھ میری جان تلف ہو جائے۔ مجھ کو خوف آتا ہے کہ میں اپنے نفس کو تباہ کروں اور اس کا قاتل ٹھہروں۔ لہٰذا اس کو بقدر سد رمق اس قدر کھانا پہنچا دیتا ہوں جس سے وہ چھ کے چھ ٹکڑے پھر لوٹ آتے ہیں۔ ابو عبد اللہ بن وتد کہتے ہیں چالیس برس ہوئے کہ میں اپنے نفس کو فقط ایسے وقت میں کھانا دیتا ہوں جس حالت میں اس کے لیے خدا تعالیٰ نے مردار کو حلال کر دیا ہے۔ عیسیٰ بن آدم نے کہا ایک آدمی ابو یزید کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جس مسجد میں آپ ہیں میں بھی اس جگہ بیٹھنا چاہتا ہوں۔ ابو یزید بولے کہ تم میں اس کی طاقت نہیں۔ اس نے کہا مہربانی فرما کر مجھ کو اجازت دے دیجئے تو بہتر ہے ابو یزید نے اجازت دے دی۔ وہ شخص ایک دن تک بغیر کچھ کھائے بیٹھا رہا اور صبر کیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو ابو یزید سے بولا کہ اے استاد مجھ کو کھانا چاہیئے ابو یزید نے کہا اے صاحبزادے ہمارے یہاں کا کھانا تو ذکر الٰہی ہے۔ وہ کہنے لگا اے استاد مجھ کو کچھ ایسی چیز چاہیئے جس سے میرا جسم خدا کی عبادت میں قائم رہے جواب دیا کہ اے صاحبزادے اجسام تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔ ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے ایک بھائی نے جو ابو تراب کی صحبت میں

رہتا تھا بیان کیا کہ ابو تراب نے ایک صوفی کو دیکھا کہ اپنا ہاتھ خربوزہ کے چھلکے کی طرف بڑھایا اور وہ صوفی تین دن کا بھوکا تھا' ابو تراب نے اس سے کہا تو اپنا ہاتھ خربوزہ کے چھلکے کی طرف بڑھاتا ہے تو تصوف کے لائق نہیں' بس بازار میں رہا کر' ابو القاسم قیروانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک اپنے ہم صحبت سے سنا کہتا تھا کہ ابو الحسن نصیبی اپنے اصحاب کے ساتھ ایک ہفتہ بغیر کچھ کھائے حرم میں رہے ان کے اصحاب میں سے ایک شخص طہارت کی غرض سے باہر چلا راستے میں خربوزہ کا چھلکا دیکھا اس کو اٹھا کر کھالیا۔ کسی آدمی نے اس شخص کو چھلکا کھاتے دیکھ لیا۔ کچھ کھانے کی چیز لے کر اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ اور ان سب کے سامنے لا کر وہ کھانا رکھ دیا۔ شیخ ابو الحسن بولے تم میں سے کس نے یہ گناہ کیا۔ وہ شخص بولا کہ میں نے راستے میں ایک خربوزہ کا چھلکا پایا تھا۔ اس کو کھالیا۔ یہ سن کر شیخ نے کہا کہ جا اپنے گناہ کے ساتھ رہ اور یہ کھانا سنبھال۔ یہ کہہ کر حرم سے مع اپنے اصحاب کے چل کھڑے ہوئے۔ وہ شخص بھی پیچھے ہو لیا۔ شیخ اس سے بولے کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا کہ اپنے گناہ کے ساتھ رہ۔ اس نے کہا جو کچھ ہوا میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ شیخ نے کہا خیر توبہ کے بعد تو کچھ کلام ہی نہیں۔

بنان بن محمد کہتے ہیں کہ میں مکہ میں مجاور تھا۔ وہیں میں نے ابراہیم خواص کو دیکھا ایک بار مجھ کو کئی دن گزر گئے کہ کہیں سے کچھ نہ آیا۔ مکہ میں ایک حجام تھا۔ جو فقیروں سے محبت رکھتا تھا اور اس کی عادت تھی کہ جب کوئی فقیر اس کے پاس پچھنا لگوانے کے لیے جاتا تو اس کے واسطے گوشت مول لیتا اور پکا کر اس کو کھلاتا۔ میں بھی اس حجام کے پاس گیا اور کہا کہ پچھنا لگوانا چاہتا ہوں۔ اس نے گوشت خریدنے کے لیے آدمی بھیجا اور اس کے پکانے کا حکم دیا۔ میں پچھنا لگوانے کو اس کے سامنے بیٹھا۔ میرا نفس مجھ سے کہنے لگا کہ بھلا کیا پچھنوں سے فراغت پانے کے ساتھ گوشت کی ہانڈی بھی پک چکے گی۔ اسی اثناء میں میں چونکا اور کہا اے نفس کیا تو اسی واسطے مجھ کو پچھنا لگوانے کے لیے لایا ہے کہ کھانا کھلائے میں خدا تعالیٰ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ اس حجام کے کھانے میں سے کچھ نہ چکھوں گا۔ غرض جب فراغت ہوئی میں اٹھ کر چلا۔ حجام کہنے لگا۔ سبحان اللہ تم تو میری رسم جانتے ہو۔ میں بولا کہ میں نے عہد کر لیا ہے اور قسم کھالی ہے۔ وہ چپ ہو رہا۔ میں

مسجد حرام کی طرف گیا۔ وہاں بھی مجھ کو کچھ کھانے کی چیز نہ ملی۔ جب دوسرا دن ہوا تو دن بھر گزر گیا۔ شام تک میں نے کچھ نہ پایا۔ جس وقت میں عصر کی نماز کے لیے کھڑا ہوا تو گر پڑا۔ اور مجھ کو غش آ گیا۔ لوگ میرے گرد جمع ہوئے اور سمجھے کہ میں دیوانہ ہوں۔ ابراہیم خواص آئے اور لوگوں کو ہٹا کر میرے پاس بیٹھے اور باتیں کرنے لگے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ تم کچھ کھاؤ گے۔ میں نے کہا اب تو رات بھی قریب ہے یہ سن کر بولے اے مبتدیو تم پر آفریں ہے اسی حالت پر ثابت قدم رہو نجات پاؤ گے۔ پھر ابو الحسن اٹھ کھڑے ہوئے جب ہم عشاء کی نماز پڑھ چکے تو میرے پاس آئے اور اپنے ساتھ ایک مسور کی دال کا پیالہ اور دو روٹیاں ،اور ایک پانی کا کٹورا لائے اور میرے آگے رکھ کر بولے کہ کھاؤ۔ میں نے وہ دونوں روٹیاں اور مسور کی دال کھا لی پھر پوچھا کہ ابھی کچھ بھوکے رہ گئے ہو۔ اور کھاؤ گے ؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ ایک دال کا پیالہ اور دو روٹیاں پھر لائے میں نے ان کو بھی کھالیا اور ان سے کہا کہ بس اب پیٹ بھر گیا۔ کھانا کھا کر میں لیٹ رہا۔ اس رات برابر صبح تک سو رہا۔ نہ میں نے نماز پڑھی اور نہ طواف کیا۔ علی روزباری کا قول ہے کہ اگر صوفی پانچ دن کے بعد کہے میں بھوکا ہوں تو اس سے کہو کہ بازار میں رہا کرے۔ اور کوئی کسب کرے۔ احمد صغیر کہتے ہیں۔ ابو عبد اللہ بن خفیف نے مجھ کو حکم دیا کہ ہر روز رات کو دس دانے انگور کے روزہ افطار کرانے کے لیے ان کے پاس لے جایا کروں۔ ایک روز مجھ کو ان پر ترس آیا اور پندرہ دانے لے گیا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا تم کو یہ حکم کس نے دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہی دس دانے کھائے اور باقی چھوڑ دیئے۔ ابو عبداللہ بن خفیف کہتے ہیں جب میں مبتدی تھا چالیس مہینے اس طرح گزارے کہ ہر رات ایک مٹھی ساگ پر افطار کیا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے فصد کھلوائی میری رگ میں سے ماء اللحم کے مشابہ کچھ پانی نکلا اور مجھ کو غش آ گیا۔ فصاد کو حیرت ہوئی اور کہنے لگا کہ میں نے اس شخص کے سوائے کوئی بدن ایسا نہیں دیکھا جس میں خون نہ ہو۔

فصل : مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں ایسے بھی گزرے ہیں جو گوشت نہ کھاتے تھے حتیٰ کہ ان میں سے بعض کا مقولہ ہے ایک درہم کے برابر گوشت کھانے سے چالیس روز تک دل سخت رہتا ہے۔ اور بعض ایسے ہوئے ہیں جو ہر ایک عمدہ کھانے سے باز رہتے

تھے اور اس حدیث سے حجت پکڑتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے نفسوں کو عمدہ کھانے سے محروم رکھو۔ کیونکہ اس کی وجہ سے شیطان کو رگوں میں دوڑنے کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے تھے کہ ٹھنڈا پانی پینے سے باز رہتے تھے۔ اور گرم پیتے تھے۔ بعض ایسے ہوئے ہیں کہ پانی کو ایک مٹکے میں بھر کر زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ جس سے گرم ہو جاتا تھا۔ اور بعض ایسے گزرے ہیں کہ اپنے نفس کو سزا دینے کے لیے کھانے کی چیزیں چھوڑ دیتے تھے۔ ابو یزید کہتے ہیں کہ بنی آدم جو کچھ کھاتے ہیں اس میں سے چالیس برس تک میں نے کچھ نہیں کھایا۔ اور بہت آسان برتاؤ جو میں نے اپنے نفس سے کیا ہے یہ ہے کہ ایک بار میں نے اس سے ایک کام کرنے کو کہا اس نے انکار کیا۔ میں نے قسم کھائی کہ سال بھر تک پانی نہ پیئوں گا۔ لہٰذا ایک برس تک پانی نہیں پیا۔ ابو حامد غزالی نے نقل کیا ہے کہ ابو یزید نے کہا میں نے اپنے نفس کو خدا کی طرف بلایا وہ کچھ کسمسایا۔ اس بات پر میں نے عہد کیا کہ سال بھر تک نہ پانی پیئوں گا نہ سوؤں گا۔ میں نے اس عہد کو پورا کیا۔

فصل : مصنف ؒ نے کہا ابو طالب مکی نے صوفیہ کے لیے کھانا کھانے میں کچھ ترتیب مقرر کی ہے۔ اور کہا ہے مرید کے لیے مستحب ہے کہ دن اور رات میں دو روٹی سے زیادہ نہ کھائے ابو طالب کہتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے گزرے ہیں جو تدبیر نکال کر اپنی خوراک کم کر دیتے تھے۔ بعض ایسے تھے کہ کھجور کی جڑ لے کر اس سے اپنی خوراک تولتے تھے۔ وہ جڑ ہر روز تھوڑی سوکھ کر ہلکی ہوتی رہتی تھی۔ اس قدر خوارک کم ہو جاتی تھی۔ بعض یہ تدبیر نکالتے تھے کہ ہر روز کھاتے رہتے تھے۔ پھر بتدریج دوسرے دن اسی طرح تیسرے دن کھانے لگے۔ ابو طالب کہتے ہیں کہ بھوک سے دل کا خون کم ہو کر سفید ہو جاتا ہے۔ اس کے سفید ہو جانے میں نور الٰہی ہے اور بھوک سے دل کی چربی پگھل جاتی ہے۔ اس کے پگھلنے سے دل رقیق ہو جاتا ہے اور دل کا رقیق ہونا کشف کی کنجی ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ صوفیہ کے لیے ابو عبد اللہ محمد بن علی ترمذی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ریاضۃ النفوس رکھا ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ

مبتدی صوفی کو چاہئے کہ توبہ کے طور پر دو مہینے پے در پے روزے رکھے۔ پھر افطار کرے تو تھوڑا کھانا کھائے اور ذرا ذرا سا لقمہ لے۔ اور ترکاری کو بالکل چھوڑ دے۔ اور میوے اور لذت کی چیزیں اور بھائیوں میں بیٹھنا اٹھنا اور کتابوں کا مطالعہ ترک کر دے۔ اور یہ سب چیزیں نفس کو خوش کرنے والی ہیں اور نفس کا اس کی لذت سے باز رہنا اس کو غم سے بھر دیتا ہے۔ مصنف ؒ نے کہا بعض متاخرین نے صوفیہ کے لیے چلہ نکالا ہے۔ چالیس روز تک ایک آدمی روٹی نہیں کھاتا لیکن عمدہ عرقیات پیتا ہے اور بہت سے لذیذ میوے کھاتا ہے۔ الغرض یہ تھوڑا سا بیان کھانے کے بارے میں صوفیہ کی زیادتی کرنے کا تھا اور اس قدر مذکور شدہ باقی غیر مذکور پر دلالت کر سکتا ہے۔

فصل : (اس بیان میں کہ افعال مذکورہ کی بابت صوفیہ کو شیطان نے فریب دیا اور اس بارے میں صوفیہ کی خطا کا اظہار)

مصنف ؒ نے کہا سہل بن عبد اللہ کی نسبت جو کچھ نقل کیا گیا وہ ایک ناجائز فعل ہے کیونکہ اس میں نفس کو تکلیف مالایطاق دینا ہوا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کو گیہوں کرامت فرمایا۔ اور اس کا چھلکا چار پاؤں کے لیے مقرر کیا۔ خود بھوسہ کھانا اور چوپاؤں کو زحمت میں ڈالنا زیبا نہیں۔ اور بھوسہ کونسی غذا کی چیز ہے ایسی چیزیں اس قدر مشہور ہیں جن کی تردید کی ضرورت نہیں ابو حامد نے نقل کیا کہ سہل روایت کرتے ہیں جو بھوکا آدمی بھوک کے مارے ناطاقت ہو کر بیٹھ کر نماز پڑھے وہ افضل ہے اس سے کہ کھانے سے قوت پاکر کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ مصنف ؒ نے کہا یہ قول محض خطا ہے بلکہ سچ تو یوں ہے کہ جب کھڑے ہونے کی قوت ملی تو وہ کھانا بھی عبادت میں داخل ہوا۔ کیوں کہ اس نے عبادت کے لیے اعانت کی۔ اور جب اس قدر بھوکا رہا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگا تو وہ خود اپنے لیے ترک فرائض کا سبب بنا۔ لہٰذا بھوکا رہنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کھانا مردار ہوتا تو یہ حرکت جائز تھی۔ لیکن جب کھانا حلال ملتا ہے تو کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس بھوک میں قربت ہے جو عبادت کے اوزار بے کار کر دے۔ حداد کا جو یہ قول مذکور ہوا کہ میں دیکھتا ہوں کہ علم غالب ہوتا ہے یا یقین محض ایک جہالت ہے۔ کیوں کہ یقین اور علم میں باہم مخالفت نہیں۔ علم کا اعلیٰ مرتبہ یقین ہے یہ کون سے یقین اور علم

میں داخل ہے کہ وہ کھانا اور پینا جس کی نفس کو ضرورت ہے ترک کر دے۔ حداد نے دراصل علم کا اشارہ تو امر شریعت کی جانب کیا ہے اور یقین کا اشارہ قوت صبر کی طرف ہے۔ حالانکہ یہ نہایت قبیح تخلیط ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدعتیں نکالیں اور تشدد کیا۔ یہ لوگ اپنے تشدد میں قریش کے مانند ہیں۔ حتیٰ کہ قریش کا نام تشدد کی وجہ سے حمس پڑ گیا تھا (یعنی دین کے بارے میں سختی کرنے والے) اسی واسطے قریش کا یہ حال تھا کہ اصل کا تو انکار کر بیٹھے اور فرع میں تشدد کیا۔ ذوالنون کا یہ قول ہے کہ تمہارا نمک پسا ہوا ہے تم کو نجات نہ ملے گی نہایت ہی قبیح بات ہے۔ بھلا جو شخص مباح شئے کو استعمال میں لائے اس کو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ تم کو نجات نہ ملے گی اور جو کا ستو کھانے سے قولنج کا عارضہ ہو جاتا ہے۔ ابو سلیمان کا یہ قول کہ مکھن اور شہد ملا کر کھانا اسراف میں داخل ہے مردود ہے۔ کیونکہ اسراف شرعی طور پر ممنوع ہے اور مکھن اور شہد کھانے کی شریعت میں اجازت ہے۔ حدیث صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو چھوہارے سے ملا کر کھاتے تھے اور شیرینی اور شہد پسند فرماتے تھے۔ سہل کی نسبت جو ہم نے بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی عقل اور قوت کے سات ٹکڑے کیے ہیں یہ فعل مذموم ہے قابل تعریف نہیں۔ شریعت نے ایسی حرکت کی اجازت نہیں دی۔ اور قریب قریب حرام ہونے کے ہے۔ کیونکہ اس میں نفس کی حق تلفی اور اس پر ظلم کرنا ہے علی ہذا القیاس اس شخص کا مقولہ جو یوں کہتا ہے کہ میں اس وقت کھاتا ہوں جب مردار میرے لیے مباح ہو جاتا ہے۔ اس شخص نے اپنی پوچ رائے پر عمل کیا۔ اور باوجود حلال ملنے کے نفس کو تکلیف دی۔ ابو یزید کا یہ قول کہ ہماری روزی تو ذکر الٰہی ہے کلام رکیک ہے۔ کیونکہ بدن کا دار و مدار کھانے کی حاجت پر ہے۔ حتیٰ کہ دوزخی بھی دوزخ میں کھانے کے حاجت مند ہوں گے۔ ابو تراب کا اس صوفی کو خربوزے کا چھلکا کھا لینے پر ملامت کرنا بلاوجہ ہے۔ اور وہ صوفی بھی جو تین دن تک بھوکا رہا۔ شرع کی ملامت سے نہیں بچ سکتا بنان بن محمد نے جو حجامت کے وقت عہد کیا کہ کچھ نہ کھاؤں گا۔ حتیٰ کہ ضعف طاری ہو گیا۔ ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کیا۔ پھر ان سے ابراہیم خواص کا یہ کہنا کہ اے مبتدیو تم پر آفرین ہے محض خطا ہے۔ کیونکہ ان کو چاہئے تھا کہ ضرور روزہ افطار کراتے خواہ

رمضان ہی میں ایسا کیوں نہ ہوتا۔ کہ کئی دن بغیر کھانے کے گزر جاتے۔ اور جو شخص پچھنا لگوائے اور اس کو غش آ جائے اس کو روزہ رکھنا جائز بھی نہیں۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو رمضان شریف میں تکلیف پہنچے اور وہ پھر بھی افطار نہ کرے اور مرجائے تو دوزخ میں داخل ہو گا۔ مصنفؒ نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ عبدالرحمن بن یونس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو رمضان شریف میں تکلیف پہنچے اور افطار نہ کرے وہ دوزخی ہے۔

مصنفؒ نے کہا ابن خفیف کا اس قدر خوراک کم کر دینا فعل قبیح و غیر مستحسن ہے۔ ایسی حکایتوں کو ان لوگوں کی خوبیاں ظاہر کرنے کی غرض سے وہی شخص بیان کرے گا۔ جو اصول شریعت سے ناواقف ہے۔ اور جو شخص علمی لیاقت رکھتا ہے وہ تو بڑے آدمی کا قول سن کر بھی مرعوب نہیں ہوتا۔ بھلا ایک جاہل کے رسمی فعل پر تو کیا التفات کرے گا۔ باقی رہا ان لوگوں کا گوشت نہ کھانا یہ مذہب برہمنوں کا ہے جن کے یہاں جاندار کا ذبح کرنا جائز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بدن کی مصلحتیں خوب جانتا ہے۔ لہٰذا اس کو قوی رکھنے کے لیے گوشت کو مباح کر دیا۔ پس گوشت کھانا طاقت بخشتا ہے اور اس کا چھوڑ دینا کمزور بناتا ہے اور بد خلقی پیدا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کھایا کرتے تھے۔ اور بکری کے دست کا گوشت پسند فرماتے تھے۔ مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ آپ کے سامنے جو گھر میں کھانا پکا تھا وہ کھانا رکھ دیا گیا۔ آپ فرمانے لگے کیا میں نے وہ تمہاری ہنڈیا نہیں دیکھ لی ہے جو جوش مار رہی ہے۔ حسن بصریؒ ہر روز گوشت خرید کرتے تھے۔

سلف کا عموماً یہی قاعدہ تھا۔ لیکن اگر کوئی ان میں نادار و مفلس ہوتا تو افلاس کے سبب سے گوشت نہیں کھا سکتا تھا۔ اور جو شخص اپنے نفس کو اس کی خواہشوں سے باز رکھے تو مطلقاً یہ بات ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو حرارت و برودت و رطوبت و یبوست پر بنایا ہے اور اس کی صحت کو چاروں خلط یعنی خون و بلغم و سوداء و صفراء کے اعتدال پر موقوف رکھا ہے تو کبھی کوئی خلط زیادہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا طبیعت اس

چیز کی رغبت کرتی ہے جو اس کو کم کر دے۔ مثلاً صفراء بڑھ جاتا ہے تو طبیعت ترشی کی طرف مائل ہوتی ہے یا بلغم کم ہو جاتا ہے تو طبیعت کو تر چیزوں کی رغبت ہوتی ہے۔ غرض طبیعت میں اس چیز کی خواہش قدرتی طور پر رکھی گئی ہے جو اس کے موافق ہو۔ جب نفس ایسی چیز کی خواہش کرے جس میں اس کی اصلاح ہو اور باز رکھا جائے تو گویا اللہ تعالیٰ کی حکمت کو رد کرنا چاہا۔ علاوہ ازیں بدن پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ اور یہ فعل شرع و عقل کے خلاف ہوا۔ یہ بات معلوم ہے کہ بدن انسان کے لیے ایک سواری ہے جب سواری کے ساتھ نرم برتاؤ نہ کیا جائے گا تو منزل پر نہیں پہنچ سکتے افسوس ان لوگوں کا علم کم رہا۔ لہٰذا اپنی ناکارہ راویوں سے گفتگوئیں کیں۔ اگر کبھی سند لاتے ہیں تو کوئی ضعیف یا موضوع حدیث پیش کرتے ہیں یا اس میں ان کی سمجھ ردی اور خراب ہوتی ہے مجھ کو تو ابو حامد (غزالی) پر تعجب آتا ہے کہ صوفیوں کے ساتھ فقہ کے رتبہ سے اتر کر ان کا مذہب اختیار کر لیا۔ حتیٰ کہ وہ کہتے ہیں کہ جب مرید کا نفس جماع کی خواہش کرے تو اس کو نہ چاہیے کہ کھانا کھا کر اس کو طاقت پہنچائے اور جماع کرے جس سے یہ لازم آئے کہ نفس کی دو خواہشیں پوری کیں اور نفس اس پر غالب آ جائے۔ مصنفؒ نے کہا یہ قول نہایت قبیح ہے۔ کیونکہ سالن بھی کھانے سے زیادہ ایک خواہش ہے۔ لہٰذا آدمی کو چاہیے کہ سالن بھی نہ کھائے۔ اور پانی بھی ایک دوسری خواہش ہے۔ بھلا کیا صحیح حدیث میں نہیں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غسل سے تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے۔ پھر آپ نے ایک ہی خواہش پر اقتصار کیوں نہ فرمایا۔ بھلا کیا صحیحین میں یہ حدیث نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو چھوہارے سے ملا کر کھایا کرتے تھے۔ یہ بھی دو خواہشیں ہیں۔ بھلا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو الہیثم بن تیہان کے یہاں روٹی اور بھنا ہوا گوشت اور گدرائے ہوئے چھوہارے نہیں کھائے اور ٹھنڈا پانی نہیں پیا۔ ثوری گوشت اور انگور اور فالودہ کھایا کرتے تھے۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ بھلا کیا گھوڑے کو جو اور بھوسہ اور روٹی کے ٹکڑے نہیں کھلاتے اور گیہوں چنے اونٹ کو نہیں دیتے۔ بدن بھی بمنزلہ اونٹ کے ہے۔ متقدمین نے ایک ساتھ ہمیشہ دو سالن کھانے سے اس لیے منع کیا ہے تاکہ عادت نہ پڑ جائے۔ اور آخر کو تکلیف ہو۔ فقط فضول

خواہشوں سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ صوفیہ نے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نفسوں کو عمدہ کھانوں سے محروم رکھو۔ تو یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے۔ انسان صرف جو کی روٹی اور موٹا پسا ہوا نمک کھائے گا تو اس کا مزاج پھر جائے گا۔ کیونکہ جو کی روٹی خشک اور خشکی پیدا کرنے والی ہے۔ اور نمک خشک اور قابض ہے۔ جو دماغ اور بینائی کو ضرر پہنچاتا ہے۔ کم غذا معدہ کے سمٹ جانے اور تنگی کا سبب بنتی ہے۔ یوسف ہمدانی اپنے شیخ عبداللہ حونی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بغیر سالن کے بلوط کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ ان کے اصحاب درخواست کیا کرتے تھے کہ کچھ روغنی چکنی روٹی کھائیں' وہ قبول نہ کرتے تھے۔ مصنفؒ نے کہا یہ کھانا سخت قولنج پیدا کرتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ مذموم کھانا صرف یہ ہے کہ خوب پیٹ بھر کر کھایا جائے اور کھانے کی نسبت عمدہ ادب یہ ہے جو شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کیا ہے۔ یحییٰ بن جابر طائی سے مروی ہے کہ میں نے مقدام بن معدیکرب سے سنا کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے برا برتن جس کو آدمی بھرتا ہے وہ پیٹ ہے۔ فرزند آدمؑ کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا رکھیں۔ اور اگر مجبوری ہی آپڑے تو ایک تہائی پانی کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے رکھے۔ مصنفؒ نے کہا شارعؑ نے اس قدر کھانے کا حکم دیا ہے جو نفس کو قائم رکھے۔ اس میں نفس کی محافظت اور اس کی مصلحت کے لیے کوشش ہے۔ شارع علیہ السلام کی اس تہائی تہائی کی تقسیم کو اگر بقراط بھی سن لیتا تو یہ حکمت دیکھ کر حیران رہ جاتا کیونکہ کھانا اور پانی معدے میں جا کر پھولتے ہیں اور اس کے بھر دینے کے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور تہائی کے قریب سانس کے لیے رہ جاتا ہے۔ یہ تقسیم نہایت اعتدال پر واقع ہوئی۔ اگر اس سے تھوڑا سا کم ہو جائے تو کچھ مضر نہیں۔ اور اگر بہت ہی کمی کرے تو قوت میں ضعف آجائے گا۔ اور کھانے کے منفذ تنگ ہو جائیں گے۔

فصل : مصنفؒ نے کہا جاننا چاہئے کہ صوفیہ فقط مبتدیوں اور جوانوں کو غذا کم کرنے کا حکم کرتے ہیں۔ حالانکہ جوانوں کے حق میں سب سے زیادہ ضرر رساں چیز بھوک ہے کیونکہ بوڑھے اور ادھیڑ آدمی تو بھوک پر صبر کر سکتے ہیں۔ مگر جوان ہرگز صابر نہیں ہو

سکتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جوانی کی حرارت بہت تیز ہوتی ہے۔ لہٰذا ہضم عمدہ ہوتا ہے اور بدن کی کشادگی زیادہ ہوتی ہے۔ اور زیادہ کھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس طرح بڑے چراغ میں زیادہ تیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس حالت میں جب کہ جوان آدمی بھوک پر صبر کریں گے اور آغاز ترقی میں اس کو ثابت رکھیں گے تو اپنے نفس کی نشوونما کو روکیں گے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دیواروں کی جڑ کھودنے لگے۔ علاوہ ازیں معدہ جب غذا نہ پائے گا تو بدن میں جو فضولیات جمع ہیں ان کے لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے گا۔ اور خلطوں کو اپنی غذا بنائے گا جس سے جسم اور ذہن خراب ہو جائے گا۔ یہ بیان بہت بڑی اصل ہے جس میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔

فصل : مصنفؒ نے کہا علماء نے اس کم خوراکی کا ذکر کیا ہے جو بدن کو ضعیف کر دے۔ احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے کہ ان سے عقبہ بن مکرم نے کہا یہ لوگ جو کم کھاتے ہیں اور اپنی خوراک تھوڑی کرتے ہیں مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ عبدالرحمٰن بن مہدی سے میں نے سنا ہے کہتے تھے کچھ لوگوں نے ایسا کیا تھا آخر ادائے فرض سے عاجز رہ گئے۔ اسحاق بن داؤد بن صبیح نے کہا میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے ذکر کیا کہ اے ابو سعید ہمارے شہروں میں ان صوفیہ کی ایک جماعت ہے وہ بولے کہ ان کے قریب نہ جانا کیونکہ میں نے ان لوگوں میں سے کچھ ایسے دیکھے ہیں جو صوفی بن کر دیوانے ہو گئے اور بعض ایسے دیکھے ہیں کہ زندیق بن گئے پھر بولے کہ ایک بار سفیان ثوری سفر کو چلے میں ان کو پہنچانے کے لیے کچھ دور گیا۔ ان کے ساتھ دسترخوان تھا جس میں فالودہ اور بکری کا گوشت تھا۔ احمد بن حنبل سے کسی آدمی نے کہا کہ مجھ کو پندرہ برس سے شیطان دھوکہ دے رہا ہے اور بعض اوقات مجھ کو وسوسہ ہوتا ہے اور میں خدا تعالیٰ کی ذات میں فکر دوڑانے لگتا ہوں۔ امام بولے کہ شاید تو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اس کو افطار کر اور چکنی چیزیں کھایا کر اور واعظوں کے پاس بیٹھا کر۔

مصنفؒ نے کہا صوفیہ میں ایسے بھی ہیں جو خراب اور ردی کھانا کھاتے ہیں اور چکنا چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے معدے میں اخلاط فاسدہ جمع ہو جاتے ہیں۔ معدہ ایک مدت تک ان خلطوں کو غذا بناتا رہتا ہے۔ کیونکہ معدہ کے لیے ایسی چیز ضرور ہونا چاہیے

جس کو وہ ہضم کرے جو کھانا اس میں موجود تھا جب اس کو ہضم کر چکا اور پھر کچھ نہ پایا تو خلطوں کو لے کر ہضم کرتا ہے اور ان کو غذا بناتا ہے۔ اور یہ خراب غذا وسواس و جنون و بد اخلاقی کا باعث ہوتی ہے اور یہ کم خوراک بنانے والے لوگ کم خوراکی کے ساتھ ساتھ ردی اور خراب کھانے بھی کھاتے ہیں۔ جس سے ان کے اخلاط فاسدہ زیادہ ہوتے ہیں اور معدہ ان اخلاط کے ہضم کرنے میں مشغول رہتا ہے۔ اور یہ لوگ بتدریج کم کھانے کی عادت ڈالتے ہیں اور معدہ کو تنگ کرتے ہیں اور پھر کھانے سے باز رہنے کو کرامت خیال کر بیٹھتے ہیں حالانکہ اصلی سبب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

عبدالمنعم بن عبدالکریم نے کہا میرے باپ نے بیان کیا کہ ایک عورت بہت بڑھیا تھی اس سے کسی نے اس کی گزشتہ حالت دریافت کی کہنے لگی کہ جوانی کے عالم میں میں اپنے آپ میں ایسی حالتیں پاتی تھی جو حالت کی طاقت سے زیادہ تھیں۔ جب میں بڑی ہوئی تو وہ سب حالت مجھ سے زائل ہو گئی۔ لہٰذا مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ جوانی کی قوت تھی جس پر مجھ کو احوال کا توہم ہوا راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابو علی دقاق سے سنا تھا کہتے تھے اس عورت کا قصہ جو شیخ سنے گا وہ اس بڑھیا پر رحم کرے گا۔ اور کہتے تھے کہ یہ بڑھیا منصف تھی۔

مصنف ؒ نے کہا اگر کوئی کہے کہ تم خوراک کم کرنے سے کیوں منع کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے روایت کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ ہر روز گیارہ لقمے کھایا کرتے تھے۔ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ ایک ہفتہ تک بغیر کچھ کھائے ہوئے رہتے تھے۔ اور ابراہیم تیمی دو مہینے تک بھوکے رہے۔ (جواب) یہ ہے کہ بعض وقتوں میں انسان کو اس قسم کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ مگر وہ اس پر مداومت نہیں کرتا اور اس میں ترقی نہیں چاہتا۔ سلف میں بعض ایسے تھے جو پرہیز وغیرہ کی وجہ سے بھوکے رہتے تھے کہ ان کو صبر کی عادت ہو گئی تھی۔ اور ان کے بدن کو کچھ ضرر نہ پہنچتا تھا۔ عرب میں ایسے لوگ ہیں جو کئی کئی دن تک صرف دودھ پی کر رہتے تھے۔ اور ہم یہ حکم نہیں دیتے کہ خوب پیٹ بھر کر کھائے۔ بلکہ اس بھوک سے منع کرتے ہیں جو قوت کو ضعیف کر دے۔ اور بدن کو تکلیف پہنچائے اور جب بدن ضعیف ہو جائے گا تو عبادت میں کمی واقع ہو گی۔ اگر جوانی کی قوت پر حملہ کیا جائے گا تو بڑھاپا آ

جائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ بدن جو سواری ہے خراب ہو جائے گا۔

انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے صداع بھر کر چھوہارے ڈال دیئے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھاتے تھے حتیٰ کہ بہت خراب چھوہارے بھی کھا جاتے تھے۔ ابراہیم بن ادہم کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ انہوں نے مکھن اور شہد اور سفید خمیری روٹی خریدی۔ کسی نے کہا کہ آپ ایسا کھانا کھاتے ہیں۔ جواب دیا کہ جب ہم کو میسر آتا ہے تو مردوں کا کھانا کھاتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو مردوں کی طرح صبر کرتے ہیں۔

فصل

مصنف نے کہا باقی رہا صاف پانی پینا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے۔ جابر بن عبداللہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی ایک جماعت میں ایک مریض کی عیادت کو تشریف لائے اور پانی مانگا۔ وہاں ایک حوض قریب تھا فرمایا اگر تمہارے یہاں مشکیزہ میں رات کا رکھا ہوا پانی ہو تو لاؤ۔ ورنہ پھر یہی حوض کا پانی پی لیں گے۔ یہ حدیث بخاری میں ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حوض میں سے صاف و شیریں پانی لایا جاتا تھا۔ مصنف ؒ نے کہا یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ گدلا پانی گردہ میں سنگریزہ اور جگر میں سدہ پیدا کرتا ہے۔ اور ٹھنڈا پانی اگر اس کی برودت معتدل ہو تو معدہ کو مضبوط اور شہوت کو قوی اور رنگ کو خوبصورت کرتا ہے اور خون میں عفونت نہیں آنے دیتا۔ بخارات کو دماغ کی جانب چڑھ جانے سے باز رکھتا ہے۔ اور تندرستی کی محافظت کرتا ہے۔ اور جب پانی گرم ہوتا ہے تو ہضم کو خراب کر دیتا ہے غفلت و سستی لاتا ہے' بدن کو لاغر کرتا ہے اور جلندھر اور دق کی بیماری پر نوبت پہنچ جاتی ہے اور اگر آفتاب کے ذریعہ سے پانی گرم کیا جائے تو جذام کے عارضہ کا خوف ہے۔

بعض زاہدوں کا قول ہے کہ جب تم عمدہ کھانا کھاؤ گے اور ٹھنڈا پانی پیو گے تو موت کو کب پسند کرو گے۔ ابو خلیل طوسی کہتے ہیں جب انسان مزیدار چیزیں کھائے گا تو اس کا

دل سخت ہو جائے گا اور موت سے نفرت کرے گا اور جس وقت اپنے نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے گا اور لذتوں سے محروم رکھے گا تو اس کا نفس یہ آفتیں اٹھا کر موت کا خواہش مند ہو گا۔ مصنفؒ نے کہا سخت تعجب آتا ہے کہ فقیہ آدمی کیونکر ایسی باتیں کرتا ہے کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ اگر نفس کو کسی قسم کے عذاب میں ڈال دیا جائے تو وہ موت کو پسند کرے گا۔ علاوہ ازیں ہمارے لیے کیونکر جائز ہے کہ نفس کو عذاب میں گرفتار کریں۔ اللہ تعالیٰ کا تو یہ حکم ہے **ولا تقتلوا انفسکم** (النساء پ ۵ آیت ۲۹) یعنی تم اپنے نفسوں کو مار نہ ڈالو۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ یہ نرمی کی ہے کہ سفر میں روزہ افطار کر لینے پر ہم سے رضا مندی ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا **یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر** یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔ پھر دیکھنا چاہیے کہ بھلا کیا نفس ہمارے لیے ایسی سواری نہیں ہے جس کے ذریعہ سے ہم منزل پر پہنچتے ہیں۔ کسی کا شعر ہے۔

وکیف لاناوی لھاوھی التی
بھاقطعنا السھل والحزونا

ترجمہ! ہم اپنے اونٹنی کو اچھی طرح کیوں نہ رکھیں۔ اسی سے تو ہم نرم و سخت زمین طے کرتے ہیں۔ ابو یزید کا سال بھر تک پانی چھوڑ کر اپنے نفس کو عذاب میں ڈالنا ایک مذموم حالت ہے۔ ان باتوں کو صرف جاہل لوگ اچھا جانتے ہیں۔ مذموم اس وجہ سے ہے کہ نفس کا ہم پر ایک حق ہے اور حق دار کا حق ادا نہ کرنا ظلم ہے۔ انسان کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ اپنے نفس کو تکلیف دے اور گرمی میں دھوپ میں اس قدر بیٹھے کہ تکلیف ہو۔ اور جاڑے میں برف پر بیٹھے۔ پانی کا خاصہ ہے کہ بدن میں اصلی رطوبتوں کی محافظت کرتا ہے۔ اور غذا کو اس کے مقام پر پہنچاتا ہے۔ اور نفس کا مدار غذا پر ہے۔ جب اس کو آدمیوں کی غذا ملی اور پانی نہ دیا گیا تو گویا اس پر حملہ کیا۔ اور یہ بڑی بھاری خطا ہے۔ علی ہذا القیاس ابویزید کا اپنے نفس کو خواب سے باز رکھنا۔

ابن عقیلؒ کہتے ہیں لوگوں کے لیے یہ امر جائز نہیں کہ اپنے جی سے سزائیں قائم کریں اور ان سزاؤں کو پورا کریں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ انسان کا اپنے لیے خود حد

شرع قائم کر لینا کافی نہیں۔ اور اگر ایسا کر گزرے تو امام اس حد کا اعادہ کرے گا۔ یہ نفوس اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں حتیٰ کہ مال دار آدمیوں کے لیے مال میں تصرف کرنا علی الاطلاق نہیں بلکہ خاص خاص صورتوں میں رکھا گیا ہے۔

مصنفؒ نے کہا ہم نے ہجرت کی حدیث میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زاد سفر کھانا پانی لیا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک ٹیلے کے سایہ میں بچھونا بچھایا۔ اور ایک پیالہ میں آپ ﷺ کے لیے دودھ دوہا۔ پھر اس پیالہ پر پانی چھوڑا حتیٰ کہ نیچے تک ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ سب باتیں نفس کے ساتھ نرمی کی ہیں۔ ابو طالب نے جو ترتیب مقرر کی ہے وہ نفس پر حملہ کرنا ہے۔ تاکہ وہ ضعیف ہو جائے۔ بھوک فقط اسی وقت تک اچھی ہے جب ایک مقدار پر ہو۔ باقی رہا مکاشفہ کا ذکر تو یہ ایک خیالی بات ہے۔ ترمذی نے جو کچھ تصنیف کیا ہے تو گویا اپنی رائے فاسد سے ایک نئی شریعت نکالی توبہ کے وقت پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ اور میوے جو مباح ہیں ان کے چھوڑ دینے میں کیا فائدہ ہے اور جب انسان کتابوں کا مطالعہ نہ کرے گا تو کس سیرت کا اتباع کرے گا اور چلہ جو نکالا ہے محض خیالی مضمون ہے۔ جس کا مدار ایک بے اصل حدیث پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی چالیس روز تک خدا تعالیٰ کے ساتھ اخلاص رکھے گا تو یوں ہو گا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اخلاص تو ہمیشہ واجب ہے۔ چالیس روز کی قید لگانے کی کیا وجہ ہے؟ پھر اگر ہم اس کو مان بھی لیں تو اخلاص ایک دل کا عمل ہے۔ کھانے میں کیا قباحت ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ میووں کا کھانا اچھا ہو گیا اور روٹی سے باز رکھا گیا یہ سب باتیں جہالت کی نہیں تو کیا ہیں۔

عبدالمنعم بن عبدالکریم قشیری نے کہا کہ میرے باپ نے بیان کیا کہ صوفیہ کی حجتیں ہر ایک کی حجت سے ظاہر تر ہیں اور ان کے مذہب کے قواعد ہر ایک مذہب کے قواعد سے زیادہ قوی ہیں۔ کیونکہ لوگ یا تو اہل نقل و حدیث ہیں یا اہل عقل و فکر۔ اور اس گروہ کے مشائخ ان سب سے ترقی کر گئے ہیں جو چیز لوگوں کے لیے عیب ہے وہ صوفیہ کے لیے ظہور ہے۔ لہٰذا صوفیہ اہل وصال ہیں اور لوگ اہل استدلال۔ پس ان کے

ارادت مند کو چاہیے کہ تعلقات کو قطع کر دے۔ اول مال سے علیحدہ ہو جائے' پھر جاہ و مرتبہ چھوڑ دے' اور جب تک خواب کا غلبہ نہ ہو آرام نہ کرے۔ اور اپنی غذا کو آہستہ آہستہ کم کرے۔ مصنف ؒ نے کہا جس کسی کو ذرا سی سمجھ بھی ہو گی وہ جان لے گا کہ یہ کلام محض تخلیط ہے کیونکہ جو شخص عقل و نقل دونوں ہی سے الگ ہو گیا وہ آدمیوں کے شمار سے خارج ہے اور خلقت میں جو کوئی ہے وہ صاحب استدلال ہی ہے اور وصال کا ذکر کرنا خیالی پلاؤ ہے۔ ہم اللہ تعالے سے دعا کرتے ہیں کہ ان مریدوں اور پیروں کی تخلیط سے محفوظ رکھے۔

فصل۔ ان حدیثوں کا بیان جن سے صوفیہ کے افعال خطا ثابت ہوتے ہیں

سعید بن مسیب نے کہا عثمان بن مظعون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے جی میں کچھ باتیں آئی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ جب تک آپ ﷺ سے تذکرہ نہ کر لوں کوئی نیا کام کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے جی میں کیا آتا ہے۔ عرض کیا میرے جی میں یہ آتا ہے کہ خصی ہو جاؤں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو' سنو میری امت کا خصی ہونا روزہ ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرے جی میں آتا ہے کہ پہاڑوں میں جا بیٹھوں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو' سنو میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ مسجدوں میں بیٹھیں اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کریں۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے جی میں آتا ہے کہ زمین پر سیاحی کروں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو' سنو میری امت کی سیاحی خدا کی راہ میں جہاد کرنا اور حج اور عمرہ ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرے جی میں آتا ہے کہ اپنے تمام مال سے علیحدہ ہو جاؤں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو' سنو' تمہارا ہر روز صدقہ دینا اور اپنے نفس اور بال بچوں کی پرورش کرنا اور مسکین و یتیم پر رحم کرنا' ان کو کھانا کھلانا اس فعل سے افضل ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے جی میں آتا ہے کہ اپنی بی بی خولہ کو طلاق دے دوں اور

چھوڑ دوں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو' سنو' میری امت کی ہجرت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے چھوڑ دے' یا میری زندگی میں ہجرت کر کے میرے پاس آئے' یا میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرے' یا اپنے مرنے کے بعد ایک یا دو یا تین یا چار بیبیاں چھوڑ جائے عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ میرے جی میں آتا ہے کہ اپنی بی بی سے قربت نہ کروں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو' سنو' مسلمان آدمی جب اپنی منکوحہ سے قربت کرتا ہے تو اگر بر تقدیر اس صحبت سے لڑکا نہ ہوا تو اس کو بہشت میں ایک کنیز ملے گی اور اگر لڑکا ہوا مگر اس سے پہلے مر گیا تو قیامت کے دن اس کا پیشرو اور شفیع ہو گا۔ اور اگر اس کے بعد وہ لڑکا زندہ رہا تو قیامت میں اس کے لیے نور ہو گا۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے جی میں آتا ہے کہ گوشت نہ کھاؤں۔ فرمایا اے عثمان ذرا ٹھہرو' سنو' مجھ کو گوشت مرغوب ہے اور جب ملتا ہے کھاتا ہوں۔ اور اگر میں اپنے پروردگار سے سوال کروں کہ ہر روز مجھ کو گوشت کھلائے تو ضرور کھلایا کرے۔ عرض کیا یارسول اللہ میرے جی میں آتا ہے کہ خوشبو نہ لگاؤں۔ فرمایا' اے عثمان ٹھہرو' سنو' جبرئیل نے مجھ کو گاہے گاہے خوشبو لگانے کا حکم دیا ہے اور جمعہ کے روز تو اس کو ترک ہی نہیں کرتا۔ اے عثمان میرے طریقہ سے منہ نہ موڑو۔ جو شخص میری سنت سے پھر گیا اور اسی حال میں بغیر توبہ کیے مر گیا فرشتے اس کا منہ میرے حوض سے پھیر دیں گے۔ مصنف نے کہا یہ حدیث عمیر بن مرداس کی روایت سے ہے۔

ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بی بی ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آئیں۔ ازواج مطہرات نے ان کو کثیف حالت میں دیکھا ان سے کہنے لگیں تم کو کیا ہو گیا تمہارے شوہر سے مال دار تو قریش میں سے کوئی نہیں ہے وہ بولیں کہ ہم کو اس شخص سے کوئی نفع نہیں۔ رات بھر نماز پڑھتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔ ازواج مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ عثمان سے ملے اور فرمایا اے عثمان کیا تم میری پیروی نہیں کرتے' عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں اور باپ قربان ہوں کیا بات ہے' فرمایا تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں ایسا کرتا ہوں۔ فرمایا ایسا نہ کرو

کیونکہ تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے تمہارے بدن کا تم پر حق ہے۔ تمہاری بی بی کا تم پر حق ہے لہٰذا نماز بھی پڑھو اور خواب بھی کرو اور روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو۔

ابو قلابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون ایک حجرہ میں بیٹھ کر عبادت کرنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور جس حجرہ میں عثمان رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے اس کے دروازہ کے دونوں بازو تھام کر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے عثمان رضی اللہ عنہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کے لیے نہیں بھیجا۔ دو یا تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جملہ فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر دین ملت ابراہیم ہے جو خالص اور آسان ہے۔

کہمس ہلالی کہتے ہیں میں مسلمان ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو اپنے مسلمان ہونے کی خبر دی۔ پھر سال بھر تک آپ سے جدا رہا۔ اس کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ اور اس وقت میں لاغر ہو گیا تھا۔ اور میرا جسم بالکل نزار (کمزور) تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر سے پاؤں تک مجھ کو دیکھا میں نے عرض کیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو نہیں پہچانتے فرمایا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا کہمس ہلالی ہوں۔ فرمایا تمہارا یہ حال کیوں ہو گیا۔ میں نے عرض کیا جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوا ہوں دن کو کبھی بے روزہ نہیں رہا اور رات کو خواب نہیں کیا۔ فرمایا تم کو کس نے حکم دیا تھا کہ اپنے نفس کو عذاب میں ڈالو۔ پس پورے رمضان بھر اور ہر مہینے ایک روزہ رکھو۔ میں نے عرض کیا میرے لیے اور کچھ بڑھا دیجئے۔ فرمایا پورے رمضان بھر اور ہر مہینے دو روزے رکھو میں نے عرض کیا میرے لیے کچھ اور زیادہ کر دیجئے فرمایا پورے رمضان بھر اور ہر مہینے تین روزے رکھا کرو۔

ایوب رحمہ اللہ نے ابو قلابہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگوں نے عورتوں کی صحبت اور گوشت کھانے سے پرہیز اختیار کر لیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اس بارے میں سخت وعید فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا اگر میں اس بارے میں پہلے تم کو ہدایت کر چکا ہوتا تو آج تم پر سختی کرتا۔ پھر فرمایا میں رہبانیت دے کر خدا کی طرف سے نہیں بھیجا گیا ہوں۔ اچھا دین ملت

ابراہیم ہے جو خالص اور آسان ہے۔

مصنفؒ نے کہا دوسری حدیث میں ہم روایت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے بندے پر کھانے پینے میں اپنی نعمت کا اثر دیکھے بکر بن عبداللہ کا قول ہے کہ جس شخص کو مال خیر عطا ہوا اور اس نے اپنے اوپر اس کا اظہار کیا تو اس شخص کا نام حبیب اللہ اور اس کی نعمت کا ذکر کرنے والا رکھا جائے گا اور جس کو مال خیر ملا اور اس نے اپنے اوپر اس کا اظہار نہ کیا اس کا نام بغیض اللہ اور اس کی نعمت سے دشمنی رکھنے والا پڑے گا۔

فصل

مصنفؒ نے کہا یہ حد سے زیادہ خوراک کم کر دینا جس سے ہم کو شریعت نے منع کیا ہے ہمارے زمانہ کے صوفیہ میں اس کے برعکس مضمون ہے۔ جس طرح متقدمین صوفیہ کی ہمت بھوک اور فاقہ کی طرف مبذول تھی اسی طرح ان کی ساری ہمت کھانے کی طرف مبذول ہے۔ ان لوگوں کو صدقہ کے کثیف اور میلے مال کی بدولت صبح و شام کا کھانا اور شیرینی حاصل ہے۔ انہوں نے دنیا کے کاروبار کسب و حرفت سب چھوڑ دیئے اور عبادت سے منہ پھیر لیا اور بطالت کا فرش بچھا لیا۔ ان میں سے اکثر کی ہمت کھانے اور کھیلنے کی جانب متوجہ ہے۔ اور ان کے ساتھ کوئی شخص احسان کرے تو کہتے ہیں شکریہ ادا کر' اور اگر کچھ برائی کر دے تو کہتے ہیں توبہ کر اور اس قصور کے عوض میں جو کچھ اس پر لازم کرتے ہیں اس کو واجب کہتے ہیں حالانکہ جس چیز کو شریعت نے واجب قرار نہیں دیا' اس کو واجب کہنا گناہ ہے۔

محمد بن عبدوس سراج بغدادی کہتے ہیں ایک بار بصرہ میں ابو مرحوم واعظ کھڑے ہو کر وعظ کہنے لگے۔ حتیٰ کہ اپنے بیان سے لوگوں کو رلایا۔ جب وعظ سے فراغت پائی تو کہنے لگے ہم کو خدا کی راہ میں کون شخص چاول کھلائے گا۔ مجلس میں سے ایک جوان آدمی اٹھ کر بولا کہ میں یہ خدمت بجا لاؤں گا۔ ابو مرحوم نے کہا بیٹھو خدا تم پر رحم کرے۔ ہم کو تمہارا رتبہ معلوم ہو گیا۔ وہ جوان دوبارہ اٹھ کر بولا۔ ابو مرحوم نے کہا بیٹھو خدا تم پر رحم

کرے ہم کو تمہارا منصب معلوم ہو گیا۔ پھر تیسری بار وہ جوان اٹھ کر بولا۔ ابو مرحوم نے اپنے اصحاب سے کہا اٹھو ہمارے ساتھ اس شخص کے یہاں چلو' وہ سب ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس جوان کے مکان پر آئے۔ وہ جوان بیان کرتا ہے کہ ہم ایک ہنڈیا ساگ کی لائے اور بغیر نمک کے اس کو کھایا۔ پھر ابو مرحوم بولے میرے پاس ایک پانچ بالشت کا لمبا چوڑا دستر خوان اور پانچ پیانے چاول یعنی بھات اور پانچ سیر گھی اور دس سیر شکر اور پانچ سیر بادام اور اور پانچ سیر پستہ لے آؤ۔ یہ سب چیزیں خاص کی گئیں۔ ابو مرحوم اپنے ساتھیوں سے بولے بھائیو دنیا کیسی ہو رہی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کا رنگ چمک رہا ہے۔ اور اس کا آفتاب روشن ہے۔ ابو مرحوم نے کہا اب دنیا میں بھی اس کی نہریں جاری کر دو یہ کہہ کر وہ گھی منگایا گیا اور چاولوں میں بہایا گیا۔ پھر ابو مرحوم اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر بولے۔ بھائیو دنیا کیسی ہو رہی ہے انہوں نے کہا اس کا رنگ چمک رہا ہے اور اس کا آفتاب روشن ہے اور اس کی نہریں اس میں جاری ہیں۔ بولے بھائیو دنیا میں اس کے درخت بھی لگا دو۔ یہ کہہ کر وہ بادام اور پستہ منگایا گیا اور چاولوں میں ڈال دیا گیا پھر ابو مرحوم اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے بھائیو دنیا کیسی ہو رہی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کا رنگ چمک رہا ہے اور اس کا آفتاب روشن ہے اور اس کی نہریں اس میں جاری ہیں اور اس کے درخت لگا دیئے گئے ہیں اور اس کے پھل ہمارے لیے لٹک پڑے ہیں۔ بولے کہ بھائیو دنیا میں اس کے پتھر بھی پھینک دو۔ یہ کہہ کر وہ شکر لا کر اس میں ڈالی گئی پھر ابو مرحوم اپنے ساتھ والوں سے مخاطب ہو کر بولے کہ بھائیو دنیا کیسی ہو رہی ہے انہوں نے جواب دیا کہ اس کا رنگ چمک رہا ہے اور اس کا آفتاب روشن ہے اور اس کی نہریں اس میں جاری کر دی گئیں اور اس کے درخت بھی اس میں لگا دیئے گئے اور اس کے پھل لٹک پڑے ہیں اور اس کے پتھر اس میں پھینک دیئے گئے ہیں۔ ابو مرحوم نے کہا بھائیو ہم کو دنیا سے کیا غرض ہے' اس پر ہاتھ مارو۔ یہ سن کر اس کھانے میں ہاتھ مارنے اور پانچوں انگلیوں سے کھانے لگے۔ ابو الفضل احمد بن سلمہ کہتے ہیں یہ قصہ میں نے ابو حاتم رازی سے بیان کیا۔ کہنے لگے کہ مجھ کو لکھوا دو۔ میں نے ان کو لکھوا دیا وہ بولے کہ صوفیہ کی حالت یہ ہے۔

مصنف ؒ نے کہا بعض صوفیہ کا میں نے یہ حال دیکھا ہے کہ جب کہیں دعوت میں جاتے ہیں تو خوب کھاتے ہیں پھر کچھ کھانا ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور اکثر اوقات بلا اجازت صاحب خانہ کے اپنی جیب میں بھر لیتے ہیں حالانکہ یہ بالا جماع حرام ہے۔ ایک بڈھے صوفی کو میں نے دیکھا کہ اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کچھ کھانا لیا۔ صاحب خانہ نے اٹھ کر اس سے چھین لیا۔

سماع و رقص کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا جاننا چاہیے کہ راگ میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک تو دل کو خدا تعالیٰ کی عظمت میں غور کرنے اور اس کی خدمت میں قائم رہنے سے غافل کر دیتا ہے۔ دوسرا دل کو جلد حاصل ہونے والی لذتوں کی طرف راغب کرتا ہے ان کے پورے کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہر قسم کی حسی شہوتیں پیدا کرتا ہے جن میں بہت بڑی شہوت نکاح ہے۔ اور نکاح کی کامل لذت نئی عورتوں میں ہے۔ نئی لذتیں حلال ذریعہ سے حاصل ہونا دشوار ہے لہٰذا انسان کو زنا پر برانگیختہ کرتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ زنا اور غنا میں باہم تناسب ہے اس جہت سے کہ غنا روح کی لذت ہے اور زنا لذات نفسانی کا بڑا حصہ ہے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے الغناء رقیہ الزنا یعنی راگ زنا کا افسوں ہے۔

ابو جعفر طبری نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے لہو کی چیزیں نکالی ہیں وہ قابیل کی اولاد میں سے ایک آدمی ہے جس کو ثوبال کہتے ہیں اس کے زمانے میں مہلائیل بن قینان نے آلات لہو مثل بانسری اور طبل اور عود کے ایجاد کیے۔ قابیل کی اولاد لہو و لعب میں پڑ گئی ان لوگوں کی خبر ان کو بھی پہنچی جو شیث علیہ السلام کی نسل سے پہاڑوں میں رہتے تھے ان میں سے ایک گروہ نیچے اترا اور فواحش اور شراب کا پینا کھلم کھلا ہونے لگا۔

مصنف نے کہا ان لذات کے آلات میں ایسی بات رکھی گئی ہے جو ایک دوسری چیز لذت حاصل ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ خصوصاً وہ لذت جو اس لذت کے مناسب ہو۔ ابلیس کو جب اس امر میں مایوسی ہوئی کہ عبادت کرنے والوں کو کوئی آواز مثل عود وغیرہ کے سنائے تو اس چیز پر غور کیا جو عود سے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا بتدریج کام نکالنا چاہا۔ پہلے

ان کو بغیر عود کے راگ سنایا اور اس کی خوبی ان پر ظاہر کر دی۔ حالانکہ اس کم بخت کا مقصد صرف یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ایک چیز سے دوسری چیز پر ترقی کرے۔ فقیہ وہ ہے جو اسباب اور نتیجوں پر غور کرے اور مقاصد میں تامل کرے۔ مثلاً مرد پر نگاہ ڈالنا مباح ہے بشرطیکہ ہیجان شہوت سے بے خوف ہو اور اگر شہوت کا خوف ہو تو جائز نہیں۔ اسی طرح چھوٹی لڑکی کا منہ چومنا جو تین برس کی ہو جائز ہے۔ کیونکہ ایسی جگہ اکثر شہوت واقع نہیں ہوتی۔ اور اگر شہوت پائی جاوے تو حرام ہے۔ علی ہذا القیاس محرم عورتوں کے ساتھ تنہا ہونے میں اگر شہوت کا خوف ہو تو حرام ہے۔ اس قاعدہ پر غور کرنا چاہیے۔

فصل

مصنفؒ نے کہا راگ کے بارے میں لوگوں نے بہت طول طویل کلام کیا ہے بعض نے حرام بتایا ہے۔ اور بعض نے بغیر کراہت مباح رکھا ہے اور بعض نے اباحت کے ساتھ مکروہ کہا ہے۔ اور ٹھیک فیصلہ یہ ہے کہ یوں کہو پہلے ایک چیز کی ماہیت و حقیقت دیکھنا چاہیے پھر اس پر حرام یا مکروہ وغیرہ ہونے کا اطلاق کیا جائے۔ غنا ایک اسم ہے جو بہت سی چیزوں پر بولا جاتا ہے۔ ایک حج کو جانے والوں کا راگ ہے جو راستوں میں گاتے چلتے ہیں اہل عجم میں بہت سے حاجیوں کے گروہ راستوں میں اشعار پڑھتے ہوئے جن میں کعبہ و زمزم و مقام ابراہیم کی تعریف کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات اشعار پڑھنے کے ساتھ کچھ بجانے لگتے ہیں۔ جو اعتدال سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی قسم سے غازی لوگ ہیں وہ بھی اشعار پڑھتے ہیں جن میں جہاد و غزا پر ابھارتے ہیں۔ اسی قسم سے جنگ کرنے والوں کے اشعار ہیں جو فخر کے طور پر لڑائی کے وقت پڑھتے ہیں۔ اسی قسم کے مکہ کے راستے میں حدا کے اشعار ہیں۔ چنانچہ کسی کا شعر ہے۔

بشرها دليلها وقالا
غدا تزين الطلح والجبالا

ترجمہ! اونٹنی کو اس کے رہبر نے بشارت دی اور کہا کہ تو ریگستان اور پہاڑوں کی زینت ہے۔

ایسے اشعار سے اونٹ اور آدمی طرب میں آتے ہیں مگر یہ طرب ایسی نہیں ہوتی کہ حد اعتدال سے خارج کر دے۔

اس حدا کی اصل یہ ہے جس طور پر ابوالبختری نے وہب سے بروایت طلحہ مکی بیان کیا ہے کہ بعض علماء نے کہا کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے راستے میں ایک قوم کی طرف جا گزرے جن میں ایک حدا خوان تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو سلام علیک کرکے فرمایا کہ ہمارا حدی خواں سو رہا ہے۔ ہم تمہارے حدی خواں کی آواز سن کر تمہاری طرف آ نکلے۔ بھلا کیا تم جانتے ہو کہ حدا کہاں سے نکلا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم کو معلوم نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا ایک بار عرب کا جد اعلیٰ مضر اپنے کسی چرواہے کے پاس گیا اور اپنے اونٹوں کو دیکھا کہ متفرق ہو گئے تھے اس بات سے غصہ ہو کر ایک لکڑی لی اور اس کو اس چرواہے کے ہاتھ پر مارا۔ وہ غلام جنگل میں دوڑتا پھرنے لگا اور چلا چلا کر کہتا تھا یـداہ و ایـداہ یعنی ہائے میرا ہاتھ ہائے میرا ہاتھ۔ اونٹوں نے اس کی آواز سنی اور اس طرف جھک پڑے۔ مضر نے اپنے جی میں کہا اگر اس قسم کا راگ نکالا جائے تو اونٹ اس کی وجہ سے مانوس ہوں اور ایک جگہ رہا کریں اس وقت سے یہ حدا نکلا۔ مصنف ؒ نے کہا رسول اللہ صلیؐ اللہ علیہ وسلم کا ایک حدی خواں تھا جس کا نام انجشہ تھا۔ حدا خوانی کیا کرتا تھا۔ جس سے اونٹ تیز چلا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انجشہ ہاں ہاں ذرا ہوشیار رہا کر کہ تو شیشیاں لدے ہوئے اونٹ کو ہانک رہا ہے۔

سلمہ بن اکوع کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف چلے۔ رات کو چلے جا رہے تھے۔ جماعت میں سے ایک شخص نے عامر سے کہا تم ہم کو کچھ اپنا مبارک کلام کیوں نہیں سناتے۔ عامر شاعر تھے۔ قوم کو یہ حدا سنانے لگے۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا
فالقین سکینه علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا

ترجمہ! خداوندا اگر تو ہم کو توفیق نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ زکوۃ نماز ادا کرتے خداوند ہمارے دلوں میں اطمینان غیبی القا فرما اور جب ہم دشمن سے مقابلہ کریں تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔ یہ اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اونٹ ہنکانے والا کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا عامر بن اکوع ہیں فرمایا خدا اس پر رحم کرے۔

مصنفؒ نے کہا ہم شافعیؒ سے روایت کر چکے کہ انہوں نے کہا بدو لوگ جو حدا گاتے ہیں اس کے سننے میں کچھ حرج نہیں۔ مصنفؒ نے کہا عرب کے اشعار پڑھنے کا واقعہ ایک وہ ہے کہ مدینہ والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے تشریف لانے کے وقت یہ پڑھتے تھے۔

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا
مادعا للہ داع

ترجمہ! کوہ وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر ایک چودھویں رات کا چاند چمک اٹھا جب تک دعا کرنے والے خدا سے دعا کریں ہم پر اس نعمت کا شکر واجب ہے۔

اسی قسم کے اشعار میں وہ اشعار داخل ہیں جو مدینہ والے گایا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات گانے کے وقت دف بجانے لگتے تھے۔ چنانچہ زہری نے عروہ سے روایت کیا کہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے' حج کے ایام تھے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی گاتی تھیں۔ اور دف بجاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر سے منہ ڈھانکے ہوئے لیٹے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لڑکیوں کو جھڑکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ مبارک کھول کر فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو کچھ مت کہو۔ آج کل عید کے ایام ہیں۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ مصنفؒ نے کہا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکیاں کمسن تھیں' کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کم عمر تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ ان کے پاس لڑکیوں کو بھیج دیا کرتے تھے وہ ان کے ساتھ کھیلا

کرتی تھیں۔ جعفر بن محمد نے کہا میں نے ابو عبداللہ احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ عروہ کی حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گانے والی لڑکیوں کی نسبت روایت کرتے ہیں۔ یہ غنا کیا چیز اور کس قسم کا تھا۔ جواب دیا ایسا تھا جیسے سوار آدمی کا راگ ہوتا ہے۔ اتیناکم اتیناکم یعنی ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے۔

ابو عقیل نے بہیہ سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہمارے یہاں انصار میں سے ایک یتیم لڑکی تھی۔ ہم نے ایک انصاری سے اس کی شادی کر دی۔ اس کے شوہر کے ساتھ اس کو رخصت کرنے والوں میں سے ایک میں بھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمانے لگے اے عائشہ یہ انصار لوگ غزل کو پسند کرتے ہیں تم نے رخصتی کے وقت کیا کہا تھا میں نے عرض کیا برکت کی دعا کی تھی۔ فرمایا یہ کیوں نہ کہا اتیناکم اتیناکم فحیونا نحییکم ولولا لذھب الاحمر ماحلت بوادیکم ولولا الحبه السمراء لم تسمن عذاریکم

ابو زبیر رضی اللہ نے جابر سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ تم نے اس لڑکی کو اس کے گھر کی طرف رخصت کر دیا۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اس کے ہمراہ ایسی لڑکیاں کیوں نہ بھیج دیں جو گاتی ہوتی چلتیں اتیناکم اتیناکم فحیونا نحییکم کیوں کہ انصار میں غزل کا رواج ہے۔

مصنف نے کہا یہاں تک کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ لوگ جو گایا کرتے تھے۔ اس قسم سے نہ تھا کہ طرب پیدا کرے۔ اور ایسا نہ تھا جیسا آج کل معروف ہے۔ اسی نوع کے وہ اشعار ہیں جو زاہد لوگ طرب و الحان سے پڑھتے ہیں جن سے دلوں کا رجوع آخرت کی طرف ہوتا ہے۔ ان اشعار کا نام زہدیات رکھا ہے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے

یا غدیا فی غفله ورائحا
الی متی تستحسن القبائحا
وکم الی کم لاتخاف موقفا

یستنطق اللہ بہ الجوارحا
یا عجبا منک وانت مبصر
کیف تجنبت الطریق الواضحا

ترجمہ! اے صبح و شام غفلت میں رہنے والے تو کب تک بری باتوں کو اچھا سمجھتا رہے گا۔ کب تک تجھ کو اس مقام کا خوف نہ ہو گا جس جگہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اعضاء گفتگو کریں گے۔ مجھ کو تیری حالت پر تعجب آتا ہے کہ تو آنکھوں والا ہو کر روشن راستے سے کیونکر ،ور ہوا جاتا ہے ایسے اشعار بھی مباح ہیں۔ احمد بن حنبلؒ نے اسی طرح کے اشعار کی جانب مباح ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ ابو حامد خلفانی کہتے ہیں میں نے احمد بن حنبلؒ سے کہا اے ابو عبداللہ یہ رقت آمیز قصیدے جو بہشت و دوزخ کے بیان میں ہیں آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ بولے کہ کس قسم کے قصیدے پوچھتے ہو۔ میں نے کہا مثلاً وہ کہتے ہیں۔ اذاما قال لی ربی' اما استحییت تعصینی' وتخفی الذنب من خلقی' وبالعصیان تاتینی' (ترجمہ) جب مجھ سے میرا خدا فرمائے گا کہ تجھ کو میری نافرمانی کرتے ہوئے شرم نہ آئی تو میری مخلوق سے گناہوں کو چھپاتا تھا' اور میرے سامنے گناہ کرتا تھا' احمد بن حنبلؒ نے یہ شعر سن کر کہا ذرا پھر پڑھو۔ میں نے دوبارہ پڑھے۔ احمد اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ میں نے کان لگا کر سنا کہ حجرے کے اندر ان کے رونے کی آواز آتی تھی اور وہ بار بار کہتے تھے اذاما قال لی ربی' اما استحییت تعصینی' وتخفی الذنب من خلقی' وبالعصیان تاتینی

وہ اشعار جو نوحہ خواں لوگ پڑھتے ہیں جن سے حزن و بکاء کا جوش ہوتا ہے ممنوع ہیں کیونکہ ان کے ضمن میں معصیت اور گناہ ہے۔ باقی رہے وہ اشعار جو گانے والے لوگ گانے کا قصد کر کے گاتے ہیں۔ جن میں خوبصورت عورتوں اور شراب وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے جس کو سن کر طبیعت میں جنبش آتی ہے۔ اور حد اعتدال سے خارج ہو جاتی ہے اور لہو و لعب کی محبت برانگیختہ ہوتی ہے۔ یہی راگ اس زمانے میں مشہور ہے' چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے{

ذهبی اللون تحسب من وجنتیه النار تقتدح

خوفنی من فضیحته لیته وافی وافتضح

یعنی ایک طلائی رنگ معشوق گویا اس کے رخساروں سے شعلہ برستا ہے' مجھ کو رسوائی کا خوف دلاتا ہے کاش وہ میرے پاس آجائے اور میں رسوائی اٹھاؤں۔ ایسے راگوں کے لیے لوگوں نے طرح طرح کے الحان نکالے ہیں۔ وہ سب الحان سننے والے کو حد اعتدال سے خارج کر دیتے ہیں اور لہو کی محبت برانگیختہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ایک اور چیز ہوتی ہے جس کا نام بسیط رکھا ہے۔ اس سے بتدریج دلوں میں بے قراری پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد شعر گاتے ہیں جس سے دل سخت بے چین ہو جاتے ہیں۔ پھر انہوں نے اس راگ کے ساتھ باجا وغیرہ ملا دیا ہے۔ راگ کے موافق دف اور گھنگرو اور بانسری وغیرہ بجاتے ہیں۔ آج کل کے زمانے کا غنا (راگ) جو معروف ہے یہی ہے۔

فصل

مصنف ؒ نے کہا قبل اس کے کہ ہم راگ کی اباحت یا حرمت یا کراہت کے بارے میں گفتگو کریں یہ کہتے ہیں کہ عاقل کو چاہیے اپنے نفس اور بھائیوں کو نصیحت کرے اور غنا کی مذکور شدہ قسموں میں جن جن پر غنا کا لفظ صادق آتا ہے بیان کر کے شیطان کے فریب سے ڈرائے۔ اور ہر ایک غنا کو ایک ہی صورت پر محمول نہ کرے۔ اس کے بعد بیان کرے کہ فلاں نے اس کو مباح سمجھا ہے اور فلاں نے مکروہ کہا ہے۔

لہٰذا ہم پہلے اپنے نفس اور بھائیوں کو نصیحت کرنے میں گفتگو شروع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ سب کو معلوم ہے کہ آدمیوں کی طبیعتیں متفق ہیں کبھی مختلف نہیں ہوتیں۔ اگر جوان آدمی سلیم البدن صحیح المزاج دعویٰ کرے کہ اچھی صورتیں دیکھنے سے وہ بے قرار نہیں ہوتا اور اس کے دل پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور اس کے دین میں کچھ ضرر نہیں آتا تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں سب طبیعتیں مساوی ہیں۔ اور اگر اس دعویٰ میں اس کی سچائی ثابت ہو جائے تو ہم جان لیں گے کہ اس کو کوئی مرض ہے جو حد اعتدال سے خارج ہو گیا۔ پھر اگر وہ بہانے ڈھونڈے اور کہے کہ میں اچھی صورتیں

فقط عبرت حاصل کرنے کی غرض سے دیکھتا ہوں اور آنکھوں کی کشادگی اور ناک کی باریکی اور گورے رنگ کی صفائی میں صنعت الٰہی دیکھ کر تعجب کرتا ہوں۔ ہم اس شخص سے کہیں گے کہ طرح طرح کی مباح چیزوں کے دیکھنے میں بہت کافی عبرت ہے اور اچھی صورتوں کے دیکھنے میں تو طبیعت کا میلان صنعت میں غور کرنے سے باز رکھتا ہے کبھی یقین نہ کرو کہ باوجود شہوت کے غور کرنے کی نوبت آئے گی۔ کیونکہ طبعی میلان اس سے ہٹا کر دوسری طرف لگا دیتا ہے علی ہذا القیاس جو شخص یوں کہے کہ یہ طرب انگیز غنا جو طبیعت کو بے قرار کرتا ہے اور اس کے لیے عشق کا محرک ہوتا ہے اور دنیا کی محبت پیدا کرتا ہے مجھ پر کچھ اثر نہیں کرتا اور جس دنیا کا ذکر اس غنا میں ہے میرا دل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے کیونکہ سب طبیعتیں مشترک ہیں۔ پھر اگر اس کا دل خوف الٰہی کے سبب سے خواہش نفسانی سے دور بھی ہو تو یہ غنا طبیعت کو اس خواہش نفسانی سے نزدیک کر دے گا۔ گو کہ کتنا ہی اس کا خوف الٰہی بڑھا ہوا ہو۔ علاوہ ازیں سب سے قبیح تر حجت اور کنایہ کی باتیں ہیں پھر یہ حجت اور کنایہ اس ذات پر کیونکر چل سکتا ہے جو ہر ایک راز جلی و خفی کا دانا ہے پھر اگر دراصل یہی بات ہو جو کچھ اس صوفی کا خیال ہے جب بھی اتنا ضرور ہے کہ اسی شخص کے لیے مباح ہو سکتا ہے جس کی یہ صفت ہو۔ لیکن صوفیہ نے تو مطلق طور پر مبتدی' جوان اور نادان لڑکے کے لیے بھی مباح کر دیا ہے حتیٰ کہ ابو حامد غزال نے کہا ہے وہ تشبیب جس میں رخساروں اور زلفوں کی تعریف اور قدو قامت کا وصف' اچھی عورتوں کے دیگر اوصاف کا ذکر ہو صحیح بات یہ ہے کہ حرام نہیں۔

مصنف ؒ نے کہا وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں دنیا کے لیے راگ نہیں سنتا بلکہ اس سے فقط اشارات اخذ کرتا ہوں خطا پر ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اشارات اخذ کرنے سے پہلے طبیعت مطلب کی طرف دوڑتی ہے۔ للذا اس شخص کا حال ویسا ہی ہے جیسا دوسرے شخص نے کہا تھا کہ میں صنعت الٰہی میں غور کرنے کے لیے خوب صورت عورت کو دیکھتا ہوں دوسری وجہ یہ کہ وہ شخص کہتا ہے راگ میں ایسی باتیں موجود ہیں جن کا اشارہ خالق کی طرف ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خالق کی شان اس سے برتر ہے کہ اس

کے حق میں یوں کہا جائے کہ وہ معشوق ہے یا اس کی طرف سے کوئی ایسا ارادہ ہوتا ہے۔ ہمارا حصہ تو اس کی معرفت سے فقط ہیبت اور تعظیم ہے۔ اب یہاں تک ہم نصیحت کا ذکر کر کے غنا کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے بیان کرتے ہیں۔

فصل

غنا کے بارے میں امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے زمانے کا غنا زہدیہ قصیدے تھے۔ مگر ہاں لوگ ان قصیدوں کو الحان سے گاتے تھے۔ ان سے جو روائتیں پہنچی ہیں وہ مختلف ہیں۔ ان کے بیٹے عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ غناء دل میں نفاق اگا دیتا ہے۔ مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اسماعیل بن اسحاق ثقفیؒ روایت کرتے ہیں کہ امام احمدؒ سے کسی نے قصیدے سننے کی نسبت سوال کیا جواب دیا کہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ یہ بدعت ہے ایسی مجلس میں بیٹھنا نہ چاہیے ابو الحارث نے روایت کیا کہ امام احمد نے کہا تغبیر بدعت ہے۔ کسی نے ان سے کہا کہ تغبیر سے دل پر رقت طاری ہوتی ہے جواب دیا کہ وہ بدعت ہے۔ یعقوب ہاشمی نے روایت کیا کہ احمد نے کہا تغبیر بدعت ہے اور دین میں نکالی ہوئی نئی بات ہے۔ یعقوب بن غیاث نے روایت کیا کہ احمد نے کہا کہ میرے نزدیک تغبیر مکروہ ہے اور اس کے سننے سے منع کیا۔ مصنف نے کہا یہ سب روائتیں غناء کے مکروہ ہونے کی دلیل ہیں۔ ابو بکر خلال نے کہا امام احمد نے قصائد کو مکروہ کہا ہے۔ کیونکہ ان سے بیان کیا گیا کہ لوگ ان کو سن کر بے باکی اختیار کرتے ہیں۔ پھر امام احمد سے ایسی بھی روائتیں پہنچی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ غناء میں کچھ ڈر نہیں۔ مروزی نے کہا میں نے ابو عبداللہ امام احمد سے قصائد کی نسبت سوال کیا جواب دیا کہ بدعت ہے میں نے کہا کیا وہ لوگ متروک کیے جائیں۔ فرمایا اس درجہ تک ان کو نہ پہنچایا جائے۔ مصنف نے کہا ہم روایت کر چکے ہیں کہ امام احمد نے اپنے بیٹے صالح کے پاس ایک قوال کو گاتے ہوئے سنا، اور اس پر اعتراض نہیں کیا۔ صالح نے ان سے کہا ابا جان کیا آپ اس پر انکار نہیں فرمایا کرتے تھے؟ جواب دیا کہ میں نے یہ سنا تھا کہ لوگ منکرات عمل میں لاتے ہیں۔ اس لیے مکروہ جانتا تھا۔ لیکن ایسے راگ کو تو مکروہ نہیں سمجھتا۔

مصنفؒ نے کہا ہمارے اصحاب نے ابوبکر خلال اور ان کے ہم صحبت عبدالعزیز سے غنا کا مباح ہونا روایت کیا ہے۔ اس کا اشارہ صرف انہیں قصائد زہدیہ کی طرف ہے جو ان دونوں بزرگوں کے زمانے میں رائج تھے۔ اور اسی پر وہ غناء محمول ہو گا جس کو امام احمد نے مکروہ نہیں جانا بدلیل اس کے کہ احمد بن حنبل سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک آدمی مرگیا اور ایک بیٹا اور ایک گانے والی لونڈی چھوڑ مرا۔ لڑکے کو اس لونڈی کے فروخت کرنے کی ضرورت پڑی۔ احمد نے جواب دیا کہ گانے والی کہہ کر نہ بیچی جائے گی۔ وہ شخص بولا کہ گانے والی کہنے کی حالت میں اس کی قیمت تیس ہزار درہم ہوں گے اور اگر وہ سادہ کہہ کر فروخت کی جائے تو فقط بیس ہی دینار کی فروخت ہو گی۔ احمد نے کہا وہ یہی کہہ کر بیچی جائے گی کہ سادہ ہے۔ مصنف نے کہا احمد نے یہ فتویٰ اس لیے دیا کہ گانے والی لونڈی زہدیہ قصیدے نہیں گاتی بلکہ وہ اشعار جو طرب انگیز اور طبیعت کو عشق پر برانگیختہ کرنے والے ہوتے ہیں گاتی ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ غناء ممنوع ہے۔ کیونکہ اگر ممنوع نہ ہوتا تو احمدؒ یتیم کا مال فوت کرنا جائز نہ رکھتے۔ اور یہ قول ایسا ہوا جیسا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ میرے پاس شراب ہے جو یتیموں کا مال ہے فرمایا اس کو بہا دو۔ پس اگر اس کی اصلاح کرنا جائز ہوتا تو رسول اللہ یتیموں کا مال ضائع کرنے کا حکم نہ دیتے۔ مروزی نے احمد بن حنبلؒ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا مخنث کی کمائی جس کو وہ غناء سے حاصل کرے ناپاک ہے یہ حکم اس لیے لگایا کہ مخنث قصائد نہیں گاتا بلکہ غزل نوحے گایا کرتا ہے۔ اس تمام بیان سے ظاہر ہوا کہ احمد سے دو روائتیں کراہت کے بارے میں اور زہدیات کو الحان سے گانے کے غیر مکروہ ہونے میں آئی ہیں۔ باقی رہا وہ غناء جو آج کل معروف و مشہور ہے امام احمدؒ کے نزدیک ممنوع ہے اور اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ لوگوں نے کیا کیا نئی باتیں نکالی ہیں تو خدا جانے کیا حکم دیتے۔

فصل

غناء کے بارے میں امام مالکؒ کے مذہب کی نسبت عبداللہ بن احمد نے اپنے باپ

سے روایت کیا کہ اسحاق بن عیسی نے کہا میں نے مالک بن انس سے اس غناء کی نسبت سوال کیا جس کی اہل مدینہ اجازت دیتے ہیں جواب دیا کہ یہ فعل فاسقوں کا ہے۔ ابو الطیب طبری نے کہا امام مالکؒ نے راگ اور اس کے سننے سے منع کیا اور کہا کہ اگر کسی لونڈی کو خریدا اور اس کو گانے والی پایا تو اس عیب کی وجہ سے اس کو لوٹا دینا مشتری کو جائز ہے۔ تمام علماء مدینہ کا یہی مذہب ہے سوائے ایک ابراہیم بن سعد کے ان کی نسبت زکریا ساجی نے نقل کیا ہے کہ اس عیب میں کچھ حرج نہ رکھتے تھے۔

فصل

غناء کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی بابت ابو الطیب طبری نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ باوجود نبیذ پینے کو مباح بتانے کے غناء مکروہ کہتے ہیں اور راگ سننا گناہ قرار دیتے ہیں۔ اور یہی مذہب تمام اہل کوفہ یعنی ابراہیم اور شعبی اور حماد اور سفیان ثوری وغیرہ کا ہے۔ اس بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور اہل بصرہ میں بھی اس کے مکروہ و ممنوع ہونے میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔ صرف عبیداللہ بن حسن عنبری سے اتنا مروی ہے کہ وہ اس میں کچھ حرج نہ جانتے تھے۔

فصل

غناء کے بارے میں امام شافعیؒ کے مذہب کی نسبت حسن بن عبدالعزیز جروی نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن ادریس شافعی سے سنا کہتے تھے میں عراق میں ایک چیز چھوڑ آیا ہوں جس کو زندیقوں نے نکالا ہے اس کا نام تغییر رکھا ہے۔ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو قرآن سے باز رکھتے ہیں۔ مصنفؒ نے کہا ابو منصور ازہری نے بیان کیا کہ مغیرہ (تغییر کرنے والے) وہ لوگ ہیں جو ذکر الٰہی کو دعا اور تضرع سے بدل لیتے ہیں۔ ذکر الٰہی کے اشعار کا جن پر ان کو طرب آتا ہے تغییر نام رکھا ہے۔ گویا جب الحان کے ذریعہ سے ان کو مشاہدۂ حق ہوا تو طرب میں آ گئے اور وجد کرنے لگے۔ اس لحاظ سے اس قوم کا نام مغیرہ پڑا۔ زجاج نے کہا ان لوگوں کا نام مغیرہ اس لیے ہوا کہ دنیائے فانی سے بھی لوگوں کو بے

رغبت کرتے ہیں۔ اور آخرت کی ترغیب دیتے ہیں۔ ہبتہ اللہ بن احمد حریری نے ابو الطیب طاہر بن عبداللہ طبری سے روایت کیا کہ امام شافعیؒ نے کہا غناء ایک لہو مکروہ ہے جو باطل چیز کے مشابہ ہے جو شخص زیادہ غناء سنے گا وہ بے وقوف ہے اس کی شہادت رد کی جائے گی۔ ابو الطیب نے کہا شافعیؒ تغبیر کو مکروہ بتاتے تھے۔ طبری نے یہ بھی کہا کہ ہر شہر کے علماء نے غناء کے مکروہ و ممنوع ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ صرف ابراہیم بن سعد اور عبیداللہ عنبری علماء کی جماعت سے جدا ہو گئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم بڑی جماعت کی پیروی کرو اور یہ بھی فرمایا جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

مصنفؒ نے کہا اصحاب شافعیؒ میں بڑے بڑے لوگ سماع کا انکار کرتے تھے۔ ان میں سے متقدمین میں تو بعض کے انکار کرنے میں کوئی اختلاف ہی نہیں پایا جاتا۔ اور متاخرین میں جو اکابر ہیں وہ انکار پر ہیں۔ ان میں سے ابوالطیب طبری ہیں جنہوں نے غناء کے مذموم اور ممنوع ہونے میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اور ایک ان میں سے قاضی ابوبکر محمد بن مظفر شامی ہیں جن سے عبدالوہاب بن مبارک انماطی نے روایت کی کہ کہتے تھے راگ اور اس کا سننا اور عود وغیرہ بجانا جائز نہیں اور کہتے تھے کہ جو شخص امام شافعیؒ کی طرف غناء کو منسوب کرے اس نے ان پر بہتان باندھا۔ امام شافعیؒ نے کتاب ادب القضاء میں قطعی طور سے کہا ہے کہ جو آدمی راگ سننے پر مداومت کرے اس کی شہادت مردود اور عدالت باطل ہے۔ مصنفؒ نے کہا علماء شافعیہ اور اہل دیانت کا یہی قول ہے اس کی نسبت فقط متاخرین شافعیہ میں ہے۔ ان لوگوں نے رخصت دی ہے جن کا علم کم تھا اور ہوائے نفسانی ان پر غالب تھی۔

غناء کے بارے میں فقہاء حنبلیہ کا قول یہ ہے کہ مغنی اور رقاص کی شہادت مقبول نہیں ہو گی۔

غناء کے مکروہ ممنوع ہونے کے دلائل کا بیان

مصنفؒ نے کہا ہمارے اصحاب یعنی حنابلہ نے قرآن اور سنت اور آثار سے استدلال

کیا ہے قرآن سے استدلال میں تین آئتیں لاتے ہیں۔ پہلی آیت ومن الناس من یشتری لهو الحدیث (لقمان پ ۲۱ آیت ۶) یعنی بعض لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں۔ سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ ابو الصہباء نے کہا میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے معنی پوچھے ومن الناس من یشتری لهو الحدیث جواب دیا کہ خدا کی قسم وہ غناء ہے عطاء بن سائب نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ومن الناس من یشتری لهوالحدیث سے مراد غناء اور اس کے مشابہ دوسری چیزیں ہیں۔ مجاہد نے کہا لہو الحدیث کے معنی غناء ہیں۔ سعید بن یسار کہتے ہیں میں نے عکرمہ سے لہو الحدیث کے بارے میں سوال کیا' جواب دیا کہ غناء ہے حسن اور سعید بن جبیر اور قتادہ رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

دوسری آیت وانتم سامدون (النجم پ ۲۷ آیت ۶۱) ہے یعنی تم غافل ہو یحیٰ بن سعید نے بیان کیا کہ سفیان نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا وانتم سامدون سے مراد غناء ہے قبیلہ حمیر میں محاورہ ہے سمدلنا جس کے معنی ہیں غنی لنا یعنی ہم کو گانا سنایا۔ مجاہد نے کہا سامدون کے معنی غناء ہیں۔ جب کوئی گاتا ہے تو اہل یمن بولتے ہیں سمد فلان' یعنی فلاں شخص نے راگ گایا۔

تیسری آیت واستفزز من استطعت منهم بصوتک۔ (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۶۴) یعنی اے ابلیس جس کو تجھ سے ہو سکے اپنی آواز سنا کر اپنی طرف ابھار لے۔ سفیان ثوری نے لیث سے روایت کیا کہ مجاہد نے کہا اس آیت سے مراد غناء و مزامیر ہیں۔

ہاتھ کانوں سے جدا کیے اور سواری کو راستے کی طرف لوٹایا۔ اور بولے کہ میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چرواہے کی بانسری سنی تھی تو آپ ﷺ نے یہی عمل فرمایا تھا جیسا میں نے کیا۔ مصنفؒ نے کہا جب صحابہ رضی اللہ عنہما کا یہ فعل اس آواز پر تھا جو اعتدال سے خارج نہیں کر دیتی تو بھلا اس زمانے والوں کے راگ اور باجوں کا کیا کہا جائے۔

ابو اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے والی لونڈیوں کے خریدنے اور بیچنے اور تعلیم کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان کی قیمت حرام ہے۔ اور یہ آیت پڑھی ومن الناس من یشتری الخ یعنی بعض لوگ ایسے ہیں کہ لہو کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ خدا کی راہ سے گمراہ کر دیں اور اس کو ایک تمسخر سمجھیں ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت بخش عذاب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی گانے کے لیے اپنی آواز بلند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو شیطان بھیجتا ہے' وہ دونوں اس کے اوپر سوار ہو جاتے ہیں ایک اس جانب دوسرا اس جانب ہوتا ہے اپنے پاؤں اس گانے والے کے سینے میں مارتے ہیں حتیٰ کہ گانے سے خاموش رہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے گانے والی لونڈی کا خریدنا اور فروخت کرنا اور تعلیم دینا اور اس کا راگ سننا سب حرام کر دیا ہے۔ اتنا فرما کر یہ آیت پڑھی ومن الناس من یشتری لهوالحدیث

عبدالرحمان بن عوف نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اللہ تعالیٰ نے دو آوازوں سے جن میں حماقت اور فجور پایا جاتا ہے منع فرمایا ہے ایک نغمہ کی آواز دوسرے مصیبت کے وقت کی آواز ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گیا۔ آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ اس وقت دم توڑ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں لے لیا اور آپ ﷺ کی آنکھیں بھر آئیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ خود تو روتے ہیں اور دوسروں کو رونے سے منع فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا مجھ کو رونے سے نہیں منع فرمایا گیا بلکہ حماقت و فجور سے بھری ہوئی دو آوازوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے ایک نغمہ کی آواز' دوسرے مصیبت میں

چیخ کر رونے سے، اور منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے اور شیطانی نوحہ کرنے سے منع کیا ہے
عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا مجھ کو اللہ تعالیٰ نے مزمار اور طبل کے تباہ کرنے کو مبعوث فرمایا ہے۔ دوسری
روایت میں آیا ہے کہ مزامیر کو توڑ ڈالنے کو بھیجا ہے۔

ابوالفرج بن فضالہ نے یحییٰ بن سعید سے روایت کیا کہ محمد بن عمر نے حضرت علی
رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت پندرہ
خصلتیں اختیار کرے گی تو اس کے اوپر بلا نازل ہو گی۔ ان پندرہ میں سے ایک آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ گانے والی لونڈیاں اور گانے بجانے کی چیزیں اختیار کریں گے۔ محمد
بن یزید نے مسلم بن سعید سے روایت کیا کہ رمیح جذامی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب لوگ محصول مملکت کو اپنی دولت بنالیں گے
اور امانت کو غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھیں گے اور غیر دین کے لیے علم پڑھیں گے
اور آدمی اپنی بی بی کا کہنا مانے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا۔ اپنے دوست کو آرام پہنچائے
گا اور اپنے باپ کو ستائے گا اور مسجدوں میں شور مچائیں گے۔ اور خاندان کا سردار فاسق
شخص ہو گا اور قوم کا رئیس ایک رذیل آدمی ہو گا اور انسان کے شر و فساد سے ڈر کر لوگ
اس کی تعظیم کریں گے اور گانے والیاں اور گانے بجانے کی چیزیں عام طور پر ظاہر ہوں
گی۔ اور شرابیں پی جائیں گی، اور اس امت کے پچھلے لوگ اپنے پہلے والوں کو لعنت
کریں گے اس حالت میں لوگ منتظر رہیں کہ ایک سرخ آندھی اٹھے گی اور زلزلہ آئے گا
اور خسف واقع ہو گا اور صورتیں مسخ ہو جائیں گی اور آسمان سے پتھر برسیں گے اور ان
کے علاوہ اور آئتیں پے در پے ظہور کریں گی۔ جس طرح کسی موتی کی لڑی کا ڈورا توڑ دیا
جائے اور موتی لگاتار گرتے جائیں۔ سہل بن سعد نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا میری امت میں خسف یعنی زمین میں دھنس جانا اور قذف یعنی آسمان سے پتھر
برسنا اور مسخ یعنی صورتوں کا بدل جانا واقع ہو گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کب ہو گا۔ فرمایا جب گانے بجانے کی چیزیں اور گانے والیاں عام ہوں گی۔ اور
شراب حلال ہو گی۔ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک بار رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ اتنے میں عمرو بن قرہ نے آ کر عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ میرے لیے اللہ تعالیٰ نے شقاوت اور بد بختی مقدر فرمائی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ کو بغیر دف بجانے کے رزق نہیں مل سکتا آپ ﷺ مجھ کو غناء کی اجازت دے دیجئے میں فحش گانا نہیں گاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھ کو اجازت نہ دوں گا اور نہ تیری عزت کروں گا اور نہ تجھ کو چشم عطا سے دیکھوں گا۔ اے خدا کے دشمن تو جھوٹ بولتا ہے' اللہ تعالیٰ نے تجھ کو حلال اور پاک رزق عطا فرمایا ہے اور تو خدا کے رزق میں سے حرام اختیار کرتا ہے۔ اگر میں تجھ کو پیشتر ممانعت کر چکا ہوتا تو اس وقت تجھ سے بری طرح پیش آتا۔ چل میرے پاس سے اٹھ کھڑا ہو۔ اور خدا کے سامنے توبہ کر' یاد رکھ اگر اب سمجھانے کے بعد تو نے ایسا کیا تو میں تجھ کو درد ناک سزا دوں گا' تیرا منہ بگاڑ دوں گا' تجھ کو تیرے گھر بار سے نکال کر شہر بدر کروں گا۔ اور تیرا رخت و اسباب مدینہ کے نوجوانوں میں لٹواؤں گا۔ یہ باتیں سن کر عمرو بن قرہ نہایت غمناک اور اندوہگین وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ جب وہ جا چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہی لوگ عاصی و نافرمان ہیں جو کوئی ان میں سے بغیر توبہ مرے گا حشر میں اللہ تعالیٰ اس کو ننگا اٹھائے گا۔ ایک چیتھڑا بھی بدن پر نہ ہو گا۔ جب کھڑا ہونے لگے گا لڑکھڑا کر گر پڑے گا۔

آثار سے یوں استدلال لاتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا غناء دل میں نفاق اگا دیتا ہے جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے۔ اور کہا جب آدمی چوپائے پر سوار ہوتا ہے اور بسم اللہ نہیں کہتا تو شیطان اس کے پیچھے بیٹھ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے گانا گا۔ اگر اس کو گانا اچھی طرح نہیں آتا تو شیطان کہتا ہے آواز ہی بنا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک بار کچھ لوگوں پر گزرے جو احرام باندھے ہوئے تھے ان میں ایک آدمی غناء کرتا تھا کہنے لگے خدا تعالیٰ تمہاری نہ سنے یعنی تم پر توجہ نہ کرے۔ قاسم بن محمد سے کسی نے غناء کے بارے میں پوچھا' جواب دیا کہ میں تم کو غناء سے منع کرتا ہوں اور تمہارے لیے برا جانتا ہوں۔ وہ بولا کہ بھلا کیا غناء حرام ہے؟ قاسم نے کہا اے برادر زادے جب اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل میں تمیز کر دی تو غنا کو کس میں داخل رکھو گے۔ شعبی نے کہا گانے والے اور گوانے والے پر لعنت ہے۔ ابو حفص عمر بن عبید اللہ رموی' نے کہا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

نے اپنے بیٹے کے اتالیق کو تحریر کیا کہ تمہاری تعلیم میں سے پہلا عقیدہ ان لوگوں کا یہ ہونا چاہیے کہ لہو کی چیزوں سے سخت نفرت رکھیں لہو کی چیزوں کا آغاز شیطان کی طرف سے ہے۔ اور انجام اس کا خدا تعالیٰ کی ناراضی ہے میں نے علمائے ثقات سے سنا ہے کہ باجوں کی محفل میں جانا اور راگ سننا اور ان کا دلدادہ رہنا دل میں نفاق اگا دیتا ہے۔ جس طرح گھاس کو پانی اگاتا ہے۔ اور اپنی جان کی قسم کہ ایسے مقامات میں جانا چھوڑ کر اس بلا سے محفوظ رہنا صاحب عقل کے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ اپنے دل کے نفاق پر ثابت قدم رہے۔ فضیل بن عیاض کا قول ہے غناء زنا کا منتر ہے۔ ضحاک نے کہا غنا دل کو خراب اور خدا کو ناراض کرتا ہے۔ یزید بن ولید نے کہا اے بنی امیہ تم غناء سے دور رہو کیونکہ غناء شہوت کو بڑھاتا ہے اور آدمیت کی بنیاد ڈھاتا ہے۔ شراب کا قائم مقام ہے' اور نشہ کا عمل کرتا ہے اور اچھا اگر تم ضرور ہی ایسا کرو تو عورتوں کو اس سے دور رکھو' کیونکہ غناء حرام کاری کی طرف بلاتا ہے۔

مصنف ؒ نے کہا راگ کی آوازیں سن سن کر بہت سے عابد اور زاہد فتنہ میں پڑ گئے ہیں جن کی کچھ حکائتیں ہم نے اپنی کتاب ذم الھویٰ" میں نقل کی ہیں۔ عبدالرحمان بن ابی الزناد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار سلیمان بن عبدالملک اپنے ڈیرے میں تھے۔ ایک رات کوٹھے پر دیر سے جاگتے تھے۔ جب ان کے اہل جلسہ چلے گئے تو وضو کے لیے پانی مانگا' ایک لونڈی لے کر آئی' وہ وضو کرانے کے لیے پانی ڈال رہی تھی کہ اسی اثناء میں سلیمان نے اپنے ہاتھ کے لیے اس لونڈی سے کچھ مدد چاہی اور اس کی طرف اشارہ کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بالکل غافل ہو رہی ہے اور کان لگائے ہوئے اور اپنا تمام بدن جھکائے ہوئے ایک راگ کی آواز سن رہی ہے جو لشکر کی جانب سے آتی تھی۔ سلیمان نے بھی وہ آواز سنی۔ اس لونڈی کو حکم دیا وہ الگ ہو گئی اور خود کان لگا کر وہ آواز سننے لگے معلوم ہوا کہ کوئی آدمی گا رہا ہے اس کے گانے کی آواز ہے تو خاموش ہو کر سننے لگے۔ حتیٰ کہ جو شعر وہ گا رہا تھا سمجھ گئے۔ بعدازاں اس لونڈی کے سوا دوسری لونڈی کو بلایا اور وضو کیا جب صبح ہوئی لوگوں کو اذن عام دیا کہ سب حاضر ہوں۔ جس وقت سب لوگ آ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے۔ سلیمان نے راگ کا اور ان بزرگان کا جو راگ سنتے تھے

ذکر چھیڑا۔ اور سب اس بارے میں ایسی نرم بیانی کی کہ لوگ سمجھے سلیمان غنا کی خواہش رکھتے ہیں۔ لہٰذا سب کے سب غناء کے اصول تلیین و تحلیل و تسہیل وغیرہ کا ذکر کرنے لگے۔ سلیمان نے کہا بھلا کیا کوئی اور آدمی بھی تم میں ایسا باقی رہ گیا ہے جس سے کچھ سنا جائے۔ ایک شخص بولا یا امیرالمومنین میرے یہاں ایلہ کے رہنے والے دو آدمی ہیں جو اس فن میں حاذق (ماہر) ہیں۔ سلیمان نے پوچھا لشکر میں تمہارا قیام کدھر ہے؟ اس نے اسی جانب اشارہ کیا جدھر سے راگ کی آواز آئی تھی حکم دیا کہ ان دونوں کو بلوایا جائے۔ قاصد گیا تو ان میں سے ایک کو پایا اور اس کو سلیمان کے حضور میں پہنچایا۔ سلیمان نے اس کا نام پوچھا' کہنے لگا میرا نام سمیر ہے۔ پھر سوال کیا کہ تو گانا کیسا جانتا ہے؟ جواب دیا کہ اس فن میں بہت بڑا کامل ہوں۔ پوچھا کہ تو نے کب سے نہیں گایا ہے؟ اس نے کہا کہ حضور میں نے آج ہی رات گایا تھا۔ سلیمان نے پوچھا کہ تو لشکر کی کس جانب میں تھا؟ اس نے وہی جانب بتائی جس طرف سے آواز آئی تھی۔ دریافت کیا کہ رات تو کون سا شعر گاتا تھا؟ اس نے وہی شعر بتایا جو سلیمان نے سنا تھا۔ اسی وقت سلیمان لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر بولے کہ اونٹ بلبلاتا ہے تو اونٹنی بے خود ہو جاتی ہے بکرا جوش شہوت میں آکر آواز نکالتا ہے تو بکری مست ہو جاتی ہے۔ کبوتر غٹرغوں کرتا ہے تو کبوتری مزے میں آتی ہے۔ اور مرد راگ گاتا ہے تو عورت طرب میں آتی ہے۔ یہ کہہ کر حکم دیا وہ آدمی خصی کر دیا گیا۔ اور دریافت کیا گیا کہ غناء کی اصل کہاں سے ہے لوگوں نے کہا مدینہ میں مخنث لوگ اس فن کے کامل اور پیشوا ہیں۔ سلیمان نے اپنے عامل ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو جو مدینہ پر حاکم تھے تحریر کیا کہ جس قدر تمہارے یہاں مخنث گانے والے ہیں سب کو خصی کر ڈالو۔

مصنفؒ نے کہا غناء کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ اعتدال سے خارج کر دیتا ہے اور عقل میں تغیر لاتا ہے توضیح اس کی یہ ہے کہ انسان جب طرب و نشاط میں آتا ہے تو باوجود صحت ہوش و حواس کے ایسی حرکتیں کر گزرتا ہے جو بری معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً سر ہلانا' تالی بجانا' زمین پر پاؤں پٹکنا وغیرہ جو رکیک عقل والے کرتے ہیں اور راگ ایسی حرکتوں کا باعث ہوتا ہے اس میں قریب قریب شراب کا خاصہ ہے کہ عقل کو ڈھانک لیتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس سے منع کیا جائے۔

محمد بن منصور کے سامنے قصیدے سننے والوں کا تذکرہ آیا کہنے لگے کہ یہ لوگ خدا کی طرف سے دھوکا کھائے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ سے حسن معاملت اور صدق نیت رکھتے تو وہ ان کے دلوں میں ایسی باتیں القاء فرماتا کہ یہ لوگ بے ہودہ باتوں میں پڑنے سے باز رہتے۔

ابو عبداللہ بن بطہ عکبری نے کہا مجھ سے ایک شخص نے گانا سننے کی نسبت سوال کیا میں نے اس کو منع کیا اور بتایا کہ غناء کو علماء برا سمجھتے ہیں۔ اور بے وقوف لوگ اچھا جانتے ہیں ایک گروہ اس حرکت کے مرتکب ہیں جن کو صوفیہ کہتے ہیں۔ اور اہل تحقیق نے ان کا نام احمق' برے لوگ' کم ہمت والے' بدعت کے طریقوں والے رکھا ہے۔ یہ لوگ زہد کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ان کی سب باتیں تیرہ دلی کی ہیں۔ امید و بیم سے آزاد ہو کر شوق و محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ نامردوں اور عورتوں سے گانا سن کر طرب میں آتے ہیں' تالیاں بجاتے ہیں' بیہوش اور مردہ بن جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شدت محبت اور کثرت شوق میں ان کا یہ حال ہو گیا ہے' نعوذ باللہ' یہ جاہل جو کچھ بکتے ہیں ایسی باتوں سے اللہ تعالیٰ نہایت پاک اور برتر ہے۔

ان شبہات کا بیان جن سے گانا سننے کو جائز بتانے والے دلیل لاتے ہیں

ان میں سے ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ان کے پاس دو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور بعض الفاظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ ہیں کہ میرے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے۔ اس وقت انصار میں سے دو لڑکیاں میرے پاس وہ اشعار گا رہی تھیں جو جنگ بعاث کے روز انصار نے فخریہ پڑھے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں شیطان کی آواز کا کیا کام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو کچھ نہ کہو۔ ہر قوم میں عید ہوتی ہے آج ہماری عید ہے۔ اس حدیث کا ذکر پیشتر گزر چکا عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک یہ حدیث ہے

کہ ایک عورت ایک انصاری کے ساتھ بیاہی گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ ان کے ساتھ لہو کی چیزوں میں سے کیا کیا تھا۔ کیونکہ انصار لہو کو پسند کرتے تھے۔ یہ حدیث بھی مذکور ہو چکی۔ ایک فضالہ بن عبید کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوش الحانی سے قرآن پڑھنے والے کی طرف اس سے بھی زیادہ کان لگاتا ہے کہ کوئی اپنی گانے والی لونڈی کا گانا سنتا ہو۔ ابو طاہر نے کہا کہ اس حدیث سے دلیل لانے کی وجہ یہ ہے کہ گانا سننے کا جواز ثابت ہو گیا کیونکہ جائز چیز کو حرام چیز پر قیاس کرنا جائز نہیں۔ ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کی طرف ایسی توجہ نہیں فرمائی جیسے توجہ ایسے نبی کی طرف فرمائی جو قرآن کے ساتھ تغنی (یعنی خوش آوازی) کرتا ہے۔ اور ایک حدیث حاطب کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال اور حرام میں فرق دف بجانے سے ہوتا ہے۔

جواب ان شبہات کا یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر گفتگو پیشتر ہو چکی اور ہم بیان کر چکے کہ وہ لڑکیاں شعر پڑھتی تھیں اور اس کو غناء اس لیے فرمایا کہ اس میں ایک قسم کا ٹھہراؤ اور ترجیع بھرنا پایا جاتا تھا۔ اس قسم کے گانے سے طبیعتیں اعتدال سے باہر نہیں ہوتیں اور بھلا اس گانے سے جو شعر خوانی تھا جو ایسے زمانہ میں واقع ہوا جو فتنے سے محفوظ تھا اور صاف قلوب کے سامنے گایا گیا کیونکر حجت ہو گی۔ ایسے راگ گانے پر جو آج کل کے کدورت آمیز زمانے کی طرب انگیز آوازوں پر گاتے ہیں۔ جن کو ایسے لوگ سنتے ہیں جو ہوائے نفسانی کے بندے ہیں یہ صرف سمجھ کا مغالطہ ہے۔ بھلا کیا حدیث صحیح میں نہیں آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے کہ عورتوں نے کیسی کیسی نئی باتیں نکالی ہیں تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے فتویٰ دینے والے کو چاہیے کہ لوگوں کے احوال کا اندازہ کرے جس طرح طبیب کو لازم ہے کہ وقت اور عمر اور شہر کا اندازہ کر کے اسی مقدار پر علاج کرے اور بھلا کجا ان اشعار کا گانا جو انصار نے جنگ بعاث کے روز باہم پڑھے تھے اور کہاں خوبصورت امرد کا راگ جس کو وہ خوش آئندہ آلات پر گاتا ہے اور اپنا ہنر دکھاتا ہے جس کی طرف

نفس کھینچتا ہے اور وہ غزلیں گاتا ہے جن میں ہرن اور ہرنی کا ذکر ہوتا ہے۔ ایسے مقام پر طبیعت کیونکر قائم رہ سکتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ شوق سے لذیذ چیز کی جانب بے تابانہ دوڑے گی۔ اور اس امر کا دعویٰ کہ مجھ پر ایسی حالت نہیں گزرتی وہی شخص کرے گا جو جھوٹا یا حد آدمیت سے گزرا ہوا ہو گا۔ اور جو کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں ان غزلیات سے خالق کی طرف اشارہ لیتا ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسی چیز عمل میں لاتا ہے جو اس کی ذات کے شایان نہیں علاوہ ازیں طبیعت اسی طرف مشتاق ہو گی جو خواہش اس میں پائی جاتی ہے۔ ابوالطیب طبری نے اس حدیث سے یہ جواب بھی دیا کہ یہ حدیث ہمارے لیے حجت ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس گانے کا نام شیطان رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر انکار نہیں فرمایا فقط بوجہ خوش اخلاقی کے خاص کر عید کے دن کا لحاظ کر کے انکار میں تشدد کرنے سے منع فرمایا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کمسن تھیں۔ اور بالغ ہونے کے بعد ان سے بجز راگ کی مذمت کے اور کچھ منقول نہیں ان کے بھتیجے قاسم بن محمد غناء کو برا کہتے تھے اور اس کے سننے سے منع کرتے تھے انہوں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علم حاصل کیا ہے۔

مصنفؒ نے کہا دوسری حدیث میں جو لہو کا ذکر ہے یہ غناء کے بارے میں صراحت ہے بلکہ ممکن ہے کہ شعر وغیرہ کا پڑھنا مراد ہو۔ باقی رہی وہ حدیث جس میں گانے والی لونڈی کی طرف کان لگانے کے ساتھ تشبیہ واقع ہوئی ہے تو اس میں کچھ قباحت نہیں کہ مشبہ بہ حرام ہو کیوں کہ انسان اگر یوں کہے کہ میں نے شہد میں شراب کا مزا پایا تو یہ کلام صحیح ہو گا۔ حدیث میں صرف دونوں حالت میں کان لگانے کے ساتھ تشبیہ واقع ہوئی ہے پھر ایک چیز کا حرام اور دوسری کا حلال ہونا تشبیہ کے لیے مانع نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ فرمایا ہے تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے چاند کو چودھویں تاریخ میں دیکھتے ہو۔ یہاں بھی صاف طور پر دیکھنے میں تشبیہ دی گئی ہے گو کہ باہم فرق واقع ہے کیونکہ چاند ایسی چیز ہے جس کو دیکھنے والے کی نگاہ احاطہ کر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ و پاک ہے۔

فقہاء وضو کے پانی کی نسبت کہتے ہیں کہ اعضاء پر سے خشک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ عبادات کا اثر ہے۔ اس کو پونچھنا مسنون نہیں۔ جس طرح شہید کا خون نہیں پونچھا جاتا۔ یہاں خون اور پانی کو اس لیے جمع کر دیا کہ عبادت ہونے کی رو سے دونوں متفق ہیں گو کہ طہارت اور نجاست کے حکم جدا جدا ہیں۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ ابن طاہر کا یہ استدلال کہ قیاس ہمیشہ مباح چیز پر ہوا کرتا ہے صوفیہ کی فقہ دانی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ قرآن شریف پڑھنے میں غناء کرے اس کے معنی سفیان بن عیینہ نے یہی لیے ہیں کہ خوش آوازی سے پڑھے۔ شافعیؒ نے یہ تفسیر کی ہے غمناک آواز میں ترنم کے ساتھ پڑھے ان دونوں کے سوا دوسرے علماء اس غناء کو ایسے گردانتے ہیں جیسے اونٹوں پر چلنے والے رات کو گاتے چلتے ہیں۔

باقی رہا دف کا بجانا' تابعین کی ایک جماعت دفوں کو توڑ ڈالا کرتے تھے۔ حالانکہ اس وقت ایسے دف نہ تھے جیسے آج کل ہیں۔ اگر ان دفوں کو دیکھتے تو خدا جانے کیا کرتے۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی سنت میں سے دف کسی چیز میں داخل نہیں۔ ابو عبید قاسم بن سلام نے کہا صوفیہ میں سے جو دف کو جائز رکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجت لاتے ہیں وہ خطا پر ہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ نکاح کا اعلان ہو' سب میں اس کا شور مچ جائے اور لوگوں میں چرچا ہونے لگے۔ مصنفؒ نے کہا اگر دف کو حقیقی معنوں پر بھی محمول کیا جائے تو کچھ حرج نہیں بنابرآں کہ احمد بن حنبلؒ نے کہا امید ہے کہ دف میں بیاہ شادی کے دن کوئی ڈر نہ ہو اور طبل میرے نزدیک مکروہ ہے عامر بن سعد بجلی نے کہا میں نے ثابت بن سعد کو ایک بار تلاش کیا وہ اہل بدر میں سے تھے مجھ کو ایک شادی کی محفل میں ملے۔ وہاں کچھ لڑکیاں گاتی تھیں اور دف بجاتی تھیں۔ میں نے کہا آپ اس سے منع نہیں کرتے وہ بولے کہ نہیں منع کرتا۔ کیونکہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر اس کی اجازت فرمائی ہے۔ قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نکاح کا اظہار کرو اور اس کے لیے غربال یعنی دف بجاؤ۔ مصنفؒ نے کہا جن حدیثوں سے ان لوگوں نے حجت پکڑی ہے ان سے اس مشہور غناء کے جواز پر جو طبیعتوں پر اثر کرتا

ہے۔ استدلال نہیں لا سکتے۔

صوفیہ کے لیے کچھ لوگوں نے جو تصوف کی محبت میں مفتون ہو گئے ایسے اقوال سے حجت پکڑی ہے جن سے حجت نہیں نکلتی۔ ابو نعیم اصفہانی نے کہا براء بن مالک سماع کی طرف مائل اور ترنم کو لذیذ سمجھتے تھے۔ مصنف ؒ نے کہا ابو نعیم نے براء سے صرف یہی روایت کی ہے کہ وہ ایک روز لیٹے اور ترنم کیا۔ اس کٹ حجتی پر غور کرنا چاہیے کوئی انسان ایسا نہیں جو ترنم نہ کرے بھلا کہاں ترنم اور کجا طرب انگیز راگ سننا۔

محمد بن طاہر نے صوفیہ کے لیے ایسی چیزوں سے دلیل پکڑی ہے کہ اگر ان اشیاء پر جاہلوں کے پھسل پڑنے کا خوف نہ ہوتا تو ذکر کرنے کے قابل نہ تھیں کیونکہ محض مہملات ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ ابو طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں قوال سے فرمائش کرنا سنت قرار دیا ہے۔ اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عمرو بن شرید نے اپنے باپ سے روایت کی کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ کے اشعار پڑھنے کو فرمایا آپ ہر شعر پر ھی ھی یعنی اور پڑھو فرمانے لگے۔ حتیٰ کے میں نے سو شعر پڑھے۔ ابو طاہر نے ایک باب اور باندھا ہے جس میں غزل سننے کی دلیل یہ لکھی ہے کہ عجاج نے کہا میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس قسم کے اشعار کی نسبت دریافت کیا۔ مصرع طاف الخیالان فھاجا سقما یعنی دو صورتیں خواب میں نظر آئیں اور مرض کو برانگیختہ کیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ایسے اشعار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پڑھے جایا کرتے تھے۔ مصنف ؒ نے کہا ابو طاہر کے حجت لانے پر غور کرنا چاہیے کہ کس قدر تعجب خیز ہے یہ شخص شعر پڑھنے کے جواز سے اس کے گانے پر کیوں استدلال لاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے چونکہ عود کی پشت پر ہاتھ مارنا جائز ہے لہٰذا اس کے تاروں پر بھی ہاتھ مارنا (بجانا) جائز ہوا۔ ابو طاہر کو یہ یاد نہیں رہا کہ شعر پڑھنا ایسا طرب انگیز نہیں جیسا غناء نشاط لاتا ہے۔

ابو محمد تمیمی نے کہا میں نے ابو علی بن موسیٰ ہاشمی سے سماع کے بارے میں پوچھا جواب دیا کہ میں نہیں جانتا اس بارے میں کیا حکم دوں بجز اس کے کہ ایک روز ۳۷۰ھ میں شیخ ابو الحسن عبدالعزیز بن حارث کے یہاں میں ایک دعوت میں گیا جس میں انہوں

نے اپنے اصحاب کو مدعو کیا تھا۔ اس دعوت میں ابوبکرابہری شیخ مالکیہ' ابوالقاسم دارکی شیخ شافعیہ' ابوالحسن طاہر بن حسین شیخ اہل حدیث ابوالحسن بن سمعون شیخ واعظین و زہاد اور ابو عبداللہ بن مجاہد شیخ متکلمین ابوبکر بن باقلانی اور یہ ہمارے شیخ ابو الحسن تمیمی شیخ حنابلہ موجود تھے۔ ابو علی نے کہا کہ اگر ان سب بزرگواروں پر چھت ٹوٹ پڑے تو عراق میں کوئی ایسا عالم نہ رہے جو حادثہ میں سنت کے مطابق فتویٰ دے۔ اس دعوت میں ان کے ساتھ ابو عبداللہ غلام بھی تھا۔ وہ بڑی خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ اس محفل میں کسی نے اس سے کہا کوئی چیز اس وقت گاؤ۔ اس نے چند اشعار گائے یہ جتنے بزرگ جمع تھے سب سن رہے تھے۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے' معشوقہ کی انگلیوں نے کاغذ پر مجھ کو ایک خط لکھا اور یہ رسالہ معتبر بانفاس تھا (یا وہ خط بے خودی میں نہیں بلکہ ہوش کی حالت میں تحریر کیا تھا) اس میں لکھا تھا کہ میں تجھ پر قربان ہو جاؤں میرے پاس آ۔ اور غرور کا برتاؤ میرے ساتھ نہ کر کیونکہ میرا تجھ سے عشق رکھنا تمام لوگوں پر ظاہر ہو گیا۔ جس نامہ برنے معشوقہ کا خط مجھ کو لا کر دیا۔ میں نے اس سے کہا ذرا ٹھہرو میں سر آنکھوں سے وہاں چلنے کو تیار ہوں۔ ابو علی نے کہا جب سے میں نے یہ واقعہ دیکھا ہے غناء کے ممنوع یا مباح ہونے کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مصنف ؒ نے کہا اس حکایت کے روایت کرنے میں اگر محمد بن طاہر سچے بھی ہوں کیونکہ حافظ بن ناصر کہتے ہیں کہ محمد بن طاہر ثقہ نہیں تو یہ اشعار اس امر پر محمول ہوں گے کہ اس لڑکے نے پڑھے تھے نہ یہ کہ عود و چنگ بجا کر گائے تھے۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو ابو علی ضرور ذکر کرتے۔ علاوہ بریں یہ جملہ عجیب خلل آمیز ہے کہ میں غناء کے ممنوع یا مباح ہونے کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا" اگر ابو علی ان بزرگوں کے مقلد تھے تو مباح ہونے کا فتویٰ دینا چاہیے۔ اور اگر دلیل پر غور کرتے تھے تو اس محفل میں ان علماء کی موجودگی سے اس پر کیا لازم آیا۔ کیا بر عکس اجتہاد مذاہب کے صحیح ہو گیا' بلکہ اہل مذہب کے لیے اپنے مذہب کا اتباع کرنا بہتر ہے۔ ہم ابو حنیفہ ؒ مالک' شافعی اور احمد رحمہم اللہ سے کافی بیان اس امر میں کر چکے اور اس کی تائید میں بھی بہت کچھ لکھ چکے۔

ابن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں قوال کی عزت کرنا اور اس

کے لیے محفلیں خاص جگہ مقرر کرنا بیان کیا۔ اور اس حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر جس کو آپ ﷺ اوڑھے ہوئے تھے کعب بن مالک کی طرف پھینک دی' جب انہوں نے آپ کے سامنے قصیدہ **بانت سعاد** پڑھا تھا۔ مصنف ؒ نے کہا ابن طاہر کے یہ اقوال ہم نے اس لیے ذکر کر دیئے ہیں۔ تا کہ اس شخص کی فقہ دانی کا اندازہ معلوم ہو جائے' ورنہ وقت اس سے زیادہ قیمتی ہے کہ ایسی تخلیط کی طرف توجہ کی جائے۔

ابراہیم بن عبداللہ جن کو لوگ متبرک جانتے تھے کہتے ہیں کہ مجھ سے مزنی نے بیان کیا کہ ہم ایک بار شافعی اور ابراہیم بن اسماعیل کے ہمراہ ایک جماعت کے مکان کی طرف گزرے ان لوگوں کو ایک لونڈی شعر گا کر سنا رہی تھی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے " میرے دوستو معشوقہ سے بچھڑتے وقت سواریوں کو کیا ہو گیا میں دیکھتا ہوں کہ وہ پیچھے کی طرف مڑی جاتی ہیں۔ شافعی کہنے لگے آؤ اس طرف چل کر سنیں۔ جب وہ لونڈی گا چکی شافعی نے ابراہیم سے کہا تم کو اس سے طرب آتا ہے؟ جواب دیا نہیں۔ بولے تم کو حس نہیں ہے۔ مصنف ؒ نے کہا شافعی سے ایسی روایت محال ہے۔ کیوں کہ اس کے راوی سب مجہول ہیں۔ اور ابوطاہر ثقہ نہیں۔ اور شافعی کا مرتبہ اس سے بہتر تھا۔ ہمارے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ ابو القاسم حریری نے کہا کہ ابوطیب طبری کہتے ہیں غیر محرم عورت سے گانا سننے کی نسبت اصحاب شافعی کہتے ہیں کہ جائز نہیں۔ خواہ وہ عورت آزاد ہو یا مملوکہ طبری نے کہا شافعی کہتے ہیں جس لونڈی کا مالک لوگوں کو جمع کر کے ان کو لونڈی کا گانا سنائے تو وہ بیوقوف ہے۔ اس کی شہادت رد کی جائے گی= پھر شافعی ؒ نے اس بارے میں تشدد سے گفتگو کی۔ اور دیانت کا حق ادا کیا۔ مصنف ؒ نے کہا شافعی ؒ نے اس لونڈی کے مالک کو بے وقوف (سفیہ) بمعنی فاسق قرار دیا ہے۔

محمد بن قاسم بغدادی نے ابو عبدالرحمان سلمی سے روایت کیا کہ سعد بن عبداللہ دمشقی نے فقراء کے لیے ایک گانے والی لونڈی خریدی وہ ان کو قصیدے سنایا کرتی تھی۔ ابو طالب مکی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ ہم نے مروان قاضی کو دیکھا ہے ان کے یہاں الحان سے گانا سنانے والی لونڈیاں تھیں۔ جن کو انہوں نے صوفیہ کے لیے تیار کر رکھا

تھا۔ ابو طالب نے کہا عطاء کے پاس دو لونڈیاں گانے والی تھیں۔ عطاء کے اصحاب ان کا گانا سنا کرتے تھے۔ مصنف ؒ نے کہا سعد دمشقی تو ایک جاہل آدمی ہے۔ لیکن عطاء کی نسبت ایسی حکایت کرنا محال اور دروغ ہے۔ اور مروان کی حکایت اگر صحیح ہے تو وہ فاسق ہے۔ جو کچھ ہم نے شافعی سے نقل کیا ہے اس قوم کا یہ حال ہے کہ علم سے نادان رہے اور خواہش نفسانی میں پڑ گئے۔

زاہر بن طاہر نے ابو عثمان صابونی اور ابوبکر بیہقی سے روایت کیا کہ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے کہا میں اور صوفی فارس بن عیسیٰ اکثر ابوبکر ابریسمی کے مکان میں یک جا ہو کر مسماۃ ہزارہ کا گانا سنا کرتے تھے' خدا اس پر رحم کرے وہ پردہ نشین گانے والیوں میں سے تھی۔ مصنف ؒ نے کہا حاکم ایسے شیخ سے ایسی حرکت صادر ہونا نہایت قبیح ہے حاکم سے یہ بات کیونکر مخفی رہی کہ غیر محرم عورت کی آواز سننا جائز نہیں۔ پھر حاکم سے اور زیادہ تعجب یہ کہ بے باک ہو کر اس واقعہ کا بیان کتاب تاریخ نیشاپور" میں لکھا۔ وہ ایک علمی کتاب ہے جس میں ایسے واقعہ کے ذکر کرنے سے کنارہ کشی لازم تھی۔ حاکم کی عدالت (قابل اعتبار ہونے) میں فرق آنے کے لیے یہ قصہ کافی ہے۔

اسماعیل سمرقندی نے مرفوعاً" بیان کیا کہ عون بن عبداللہ وعظ کہا کرتے تھے۔ جب فارغ ہوتے تو اپنی لونڈی کو حکم دیتے' وہ قصے سناتی اور طرب میں لاتی۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے عون کے پاس کسی کو بھیجا یا بھیجنا چاہا اور کہا کہ تم خاندان صدق و صفا سے ہو۔ اللہ تعالیٰ' نے اپنے نبی ﷺ کو حماقت سکھلانے کے واسطے مبعوث نہیں فرمایا اور تمہاری یہ حرکت احمقوں کی حرکت ہے مصنف ؒ نے کہا ہم عون کی نسبت گمان نہیں کر سکتے کہ انہوں نے اپنی لونڈی کو آدمیوں کے سامنے وعظ کہنے کا حکم دیا بلکہ یہ چاہا ہو گا کہ تنہائی میں خود اس کا وعظ سنیں اور وہ لونڈی ان کی مملوکہ تھی۔ مغیرہ نے ان سے کہا اس بات سے درگزر کرو گویا اس کو بھی روانہ رکھا کہ خود عون اس لونڈی کے گانے سے طرب حاصل کریں۔ چہ جائے کہ غیر لوگ عورتوں کی آواز سنیں۔

ابو طالب مکی نے کہا عبداللہ بن جعفر غناء سنا کرتے تھے۔ مصنف ؒ نے کہا صرف اپنی لونڈیوں سے اشعار پڑھوا کر سنتے تھے۔ ابن طاہر نے اس حکایت کے بعد جو شافعی ؒ سے

نقل کی ہے ایک حکایت احمد بن حنبلؒ سے روایت کی ہے جس کو ہم نے بھی ذکر کیا ہے ابو طاہر نے وہ حکایت اس طریق سے روایت کی ہے کہ عبدالرحمان سلمی نے ابو العباس فرغانی سے ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں میں نے صالح ابن احمد بن حنبلؒ سے سنا بیان کرتے تھے کہ مجھ کو سماع کا شوق تھا اور میرے باپ احمد بن حنبلؒ اس سے نفرت رکھتے تھے۔ میں نے ابن خبازہ سے ایک رات وعدہ لیا وہ میرے پاس ٹھہرا رہا۔ حتیٰ کہ جب میں نے جانا میرے باپ کی آنکھ لگ گئی ابن خبازہ گانے لگا میں نے کوٹھے کی چھت پر اپنے باپ کی آہٹ محسوس کی میں اوپر چڑھا اپنے باپ کو دیکھا کہ گانا سن رہے ہیں اور اپنا دامن بغل میں دبائے ہوئے ٹہل رہے ہیں۔ گویا ان پر رقص کی حالت طاری ہے۔

مصنفؒ نے کہا ہم کو یہ قصہ کئی طریقوں سے پہنچا ہے۔ ایک طریق یہ ہے کہ ابو بکر بن مالک قطیعی نے کہا کہ عبداللہ بن احمد نے بیان کیا کہ میں ابن خبازہ کو بلایا کرتا تھا اور میرے باپ ہم لوگوں کو تغبیر سے منع کیا کرتے تھے۔ میرا یہ قاعدہ تھا کہ جب ابن خبازہ میرے پاس ہوتا تو اس کو اپنے باپ سے چھپا دیتا تاکہ کہیں وہ اس کا گانا نہ سن لیں۔ ایک رات وہ میرے پاس تھا اور کچھ گا رہا تھا۔ میرے باپ کو ہمارے پاس آنے کی کچھ ضرورت پیش آئی۔ ہم اس وقت بالا خانے میں تھے میں دیکھنے کے لیے باہر نکلا دیکھتا کیا ہوں کہ میرے باپ ادھر سے ادھر جاتے ہیں ادھر سے ادھر آتے ہیں۔ میں نے دروازہ بند کر لیا اور اندر ہو گیا۔ جب صبح ہوئی مجھ سے بولے کہ بیٹا اگر تم ایسا گانا سنتے ہو تو وہ کلام تو بہت خوب ہے یا کوئی ایسا ہی تعریفی جملہ زبان پر لائے۔ مصنفؒ نے کہا یہ ابن خبازہ زہد یہ قصیدے پڑھا کرتا تھا۔ جن میں عقبیٰ کا ذکر ہوتا تھا۔ اسی لیے احمدؒ نے اس طرف کان لگائے اور یہ جو روایت کیا گیا کہ احمد ادھر ادھر ٹہلتے تھے تو انسان کو طرب بے قرار کر ہی دیتا ہے۔ لہٰذا دائیں جانب اور بائیں جانب جھکنے لگتا ہے اور ہم نے سلمی اور ابن طاہر کا حال تو بیان کر دیا ہے یعنی قابل اعتبار نہیں ہیں جنہوں نے ان دونوں روایتوں سے غل مچایا ہے۔

ابو طالب مکی نے صوفیہ کے لیے جواز سماع پر منامات یعنی خواب کے وقوعات سے حجت پکڑی ہے۔ اور سماع کی کئی قسمیں نکالی ہیں۔ یہ تقسیم ایک صوفی کی ہے جس کی کوئی

اصل نہیں اور ہم بیان کر چکے کہ جو شخص اس بات کا دعویٰ کرے کہ وہ راگ سنتا ہے لیکن اس پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا اور اس کے نفس کو ہوا (خواہشات) کی طرف حرکت نہیں ہوتی یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ ابو علی طبری نے کہا بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ ہم راگ کو اس طبیعت سے نہیں سنتے جس میں خاص و عام مشترک ہیں۔ ابو علی طبری کہتے ہیں کہ اس دعویٰ میں دو وجہ سے ان لوگوں کو بہت بڑا تجاہل ہے۔ ایک تو اس بناء پر ان کو یہ لازم آتا ہے کہ عود اور طنبور اور تمام ملاہی کو مباح کر لیں۔ کیونکہ یہ لوگ ایسی طبیعت سے سنتے ہیں جس میں دوسرا کوئی ان کا شریک نہیں اب اگر یہ لوگ تمام ملاہی مباح نہ کریں تو ان کا دعویٰ ٹوٹ گیا اور اگر مباح بتائیں تو فاسق ہیں دوسرے یہ دعویٰ کرنے والے دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس امر کا دعویٰ کریں کہ وہ بشری طبیعت سے علیحدہ ہو کر بمنزلہ فرشتوں کے ہو گئے۔ اگر یہ دعویٰ ہے تو ان لوگوں نے اپنی طبیعتوں کو معرض اعتراض بنایا۔ اور ہر اہل عقل کو ان کے نسفوں پر خیال کرنے سے ان کا کذب و دروغ معلوم ہو گیا اور یہ بات بھی لازم آئی کہ ان لوگوں کو لذات و شہوات کے ترک کرنے پر کچھ ثواب نہ ہو عقل مند آدمی کبھی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یا یہ لوگ کہنے لگیں کہ ہم میں وہ بشری طبیعت موجود ہے جس کی سرشت و خمیر میں ہوا و شہوت داخل ہے ہم کہیں گے کہ پھر تم بغیر طبیعت کے کیونکر راگ سنتے ہو یا بغیر کسی قسم کی نفسانی خواہش کے گانا سن کر کیوں کر طرب میں آتے ہو ابو علی رودباری سے کسی نے ملاہی سننے والوں کی نسبت سوال کیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایسے درجہ پر پہنچ گئے کہ حالتوں کے مختلف ہونے سے ہم میں کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ابو علی نے جواب دیا ہاں قسم ہے کہ یہ لوگ ضرور پہنچ گئے ہیں مگر جہنم میں پہنچے ہیں۔ مصنف ؒ نے کہا اگر کوئی کہے کہ ہم نے سنا ہے کچھ لوگوں نے کوئی شعر سنا اور اس کو اپنے مقصود کے موافق اخذ کر کے اس سے نفع حاصل کیا۔ تو جواب یہ ہے کہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے کہ انسان کوئی شعر یا کلمہ سن کر اس سے اشارہ اخذ کرے اور اس کے معنی پر غور کر کے بے قرار ہو جائے کیونکہ آواز میں طرب انگیزی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ کسی مرید نے ایک گانے والی عورت کو یہ شعر گاتے ہوئے سنا کل یوم تتلون غیر ھذا بل اجمل یہ شعر سنتے ہی نعرہ مارا اور مر گیا۔ اس مرید نے عورت کے گانا

سننے کو قصد نہ کیا تھا۔ اور نہ الحان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ بلکہ صرف معنی نے اس کو مار ڈالا۔ علاوہ ازیں ایک شعر یا کلمہ کا سننا ایسا نہیں جیسا بہت سے طرب انگیز اشعار سننے کے لیے تیاری کرنا اور اس گانے کے ساتھ باجے اور تالیاں بجانا۔ پھر اس مرنے والے مرید نے قصداً وہ شعر نہ سنا تھا اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ میرے لیے قصد کر کے شعر کا سننا جائز ہے ہم اس کو منع کریں گے۔

ابو حامد طوسی نے صوفیہ کے لیے بہت سے چیزوں سے حجت پکڑی ہے جن میں وہ عقل و فہم کے رتبہ سے اتر آئے ہیں۔ ماحصل ان کے تمام کلام کا یہ ہے کہ سماع کے حرام ہونے پر کوئی نص اور قیاس دلالت نہیں کرتا۔ مصنفؒ نے کہا جواب اس کا وہی ہے جو ہم پیشتر بیان کر چکے ابو حامد کہتے ہیں عمدہ آواز کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں پھر اگر وہ موزوں ہو جب بھی حرام نہیں اور جس حالت میں افراد حرام نہ ہوئے تو مجموعہ حرام نہیں کیونکہ مباحات کے افراد جب مجتمع ہوں تو وہ مجموعہ مباح ہی ہو گا۔ مگر ہاں اس کے مفہوم پر غور کیا جائے گا اگر اس میں کوئی امر ممنوع ہے تو اس کا نثر اور نظم سب حرام ہو گا اور آواز سے اس کا گانا بھی حرام ہو گا۔ مصنفؒ نے کہا مجھ کو اس کلام پر تعجب آتا ہے کیونکہ تار منفرد طور پر یا صرف عود بغیر تار کے اگر بجایا جائے تو نہ حرام ہو گا اور نہ طرب پیدا کرے گا۔ اور جب دونوں یک جا ہوئے اور خاص طور پر بجائے گئے حرمت آگئی اور طرب پیدا ہوا۔ علی ہذا القیاس انگور کے عرق کا پینا جائز ہے مگر جب اس میں سرور پیدا ہوا تو حرام ہو گیا لہٰذا اسی طرح سماع مجموعی طور پر طرب خارج از اعتدال کا باعث ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ممنوع ہے۔ ابن عقیل نے کہا آوازیں تین قسم کی ہیں۔ حرام اور مکروہ اور مباح۔ حرام تو بانسلی اور نے اور شہنائی اور طنبور اور چنگ و رباب اور اس قسم کے سب باجے ہیں۔ احمد نے قطعی طور پر ان سب باجوں کو صریح حرام کہا اور چنگ و جرافتہ (ایک آلہ) کو بھی انہیں میں شامل کیا ہے۔ کیونکہ یہ باجے طرب لاتے ہیں اور اعتدال سے خارج کر دیتے ہیں۔ اور اکثر لوگوں کی طبیعت میں نشہ کا عمل کرتے ہیں۔ ان باجوں کا استعمال غم و مصیبت میں ہو یا عیش و خوشی میں یکساں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حماقت آمیز آوازوں سے منع فرمایا ہے ایک نغمہ کی آواز دوسرے غم کا نوحہ

اور مکروہ لکڑیوں کا بجانا ہے۔ کیوں کہ یہ فی نفسہ طرب انگیز نہیں بلکہ طرب لانے والی وہ چیز ہے جو اس کے تابع ہے۔ یعنی جب گانے کے ساتھ بجائیں اور گانے کی آواز مکروہ ہے اور ہمارے بعضے اصحاب اس کو بھی دیگر آلات لہو کی طرح حرام کہتے ہیں تو اس میں قوالی کی طرح دو وجہیں ہیں۔ مباح دف ہے۔ احمد سے ہم روایت کر چکے کہ انہوں نے کہا میں امید کرتا ہوں کہ شادی بیاہ میں دف بجانے میں کوئی ڈر نہ ہو' اور طبل میرے نزدیک مکروہ ہے۔

ابو حامد نے کہا جو شخص خدا سے محبت رکھے اور اس کا عاشق اور اس کی ملاقات کا مشتاق ہو تو اس کے حق میں سماع اس کے عشق کا تاکید کرنے والا ہو گا۔ مصنفؒ نے کہایوں کہنا بہت ہی قبیح ہے کہ اللہ تعالیٰ معشوق ہے۔ علاوہ ازیں اس شعر میں کون سی اس کے عشق کی تاکید پائی جاتی ہے ذهبی اللون تحسب من' وجنتيه النار تقتدح ترجمہ! طلائی رنگ معشوق گویا اس کے رخساروں سے شعلہ برستا ہے۔

ابن عقیل نے کسی صوفی کو سنا کہتا تھا کہ گروہ صوفیہ کے مشائخ کی طبیعتیں جب ٹھہر جاتی ہیں اسی وقت غزل خواں اشعار سنا کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف روانہ کر دیتا ہے۔ ابن عقیل بولے کہ اس صوفی کا قول قابل وقعت نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف قرآن کے وعد وعید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے قلوب متوجہ ہوتے ہیں اور خوش آوازی سے طبیعتوں کا حرکت میں آنا اللہ تعالیٰ سے دور کرتا ہے اور شعر تو مخلوق اور معشوق کی تعریف کو شامل ہوتا ہے۔ جس سے نیا فتنہ اٹھتا ہے۔ جس شخص کو اس کے نفس نے یہ بات اچھی کر دکھائی کہ بشری خوبیوں اور اچھی صورتوں سے عبرت حاصل کرنا چاہیے وہ فتنہ میں پڑا ہوا ہے بلکہ ہم کو وہ چیزیں عبرت کی نگاہ سے دیکھنی چاہئیں۔ جن کی طرف ہم کو توجہ دلائی گئی ہے وہ اونٹ اور گھوڑے اور ہوائیں اور اسی قسم کی چیزیں ہیں۔ کیونکہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے طبیعت میں ہیجان نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ فاعل کی عظمت یاد دلانے کا باعث ہوتی ہیں۔ تم لوگوں کو فقط شیطان نے بہکا دیا ہے۔ لہٰذا تم اپنی نفسانی خواہشوں کے بندے ہو گئے اور پھر اس پر بھی تم نے قناعت نہ کی حتیٰ کہ اس کو حقیقت کہہ کر زندیقانہ الفاظ کے قائل ہو گئے۔ تم لوگ عبادت کرنے والوں کے لباس

میں زندیق ہو۔ اور اس سے بدتر زاہدوں کی صورت میں شریر ہو۔ بلکہ فرقہ مشبہہ و مجسمہ سے ہو۔ تمہارا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ معشوق ہے اور اس کے والہ و شیدا ہو سکتے ہیں اور اس سے الفت اور انس ہوتا ہے۔ یہ بڑا برا توہم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذوات و اجناس کو باہم ہم شکل پیدا فرمایا ہے اس لیے ان میں باہم انس ہوا کرتا ہے۔ وہ آپس میں بلحاظ اپنے عنصری اصول اور اشکال حادثہ کی مثلی ترکیب کے متحد ہیں۔ للہٰذا ایک کو دوسرے سے موافقت اور رغبت اور عشق ہے اور جس قدر صورت میں تقرب ہو گا اسی قدر انس زیادہ ہو گا۔ انسان کو پانی سے اس لیے عشق ہے کہ اس میں پانی کا جزو موجود ہے۔ اور سبزہ سے اس لیے رغبت ہے کہ اس میں حیوانی قوتوں میں سے نشوونما کی قوت پائی جاتی ہے اور حیوان سے اس لیے انس ہے کہ وہ اخص اور اقرب نوع ہے۔ انسان کا شریک ہے۔ مگر خالق اور مخلوق میں کہاں سے مشارکت آگئی کہ خالق کی طرف رغبت اور شوق اور عشق پیدا ہو۔ بھلا آب و خاک اور خالق افلاک میں باہم کون سی مناسبت ہے۔ یہ لوگ صرف ایک صورت اللہ تعالیٰ کی قرار دے لیتے ہیں۔ وہ ان کے دلوں میں قرار پکڑ لیتی ہے۔ وہ ہرگز خدا نہیں بلکہ ایک بت ہے جس کو طبیعت اور شیطان نے تراشا ہے۔ اللہ تعالیٰ میں ایسا وصف نہیں جس کی طرف یہ طبائع مائل اور یہ نفوس مشتاق ہوں۔ بلکہ شان الوہیت چونکہ بالکل مخلوق کے خلاف ہے اس لیے نفسوں میں اس کی ہیبت اور عظمت کا باعث ہوئی۔ صوفیہ میں سے عاشقان خدا بن کر جس چیز کا دعویٰ محبت الٰہی میں کرتے ہیں وہ ایک وہم ہے جو اس کو پیش آیا اور ایک صورت ہے جو ذہن میں جم گئی ہے۔ اس کے لیے یہ لوگ مشتاق و بے قرار ہیں۔ اور ویسے ہی شوق و جوش طبیعت اور سرگشتگی ان میں آگئی جس طرح عاشق سرگشتہ کا حال ہوتا ہے ہم اس قسم کے خراب وسوسوں اور طبیعت کے عوارض سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں جن کا بحکم شریعت دلوں سے محو کر دینا ایسا واجب ہے جیسے بتوں کا توڑنا۔

فصل

مصنف ؒ نے کہا متقدمین صوفیہ میں سے ایک جماعت مبتدی کے لیے سماع کا انکار

کرتی تھی کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ مبتدی کے دل میں کس چیز کا جوش پیدا ہو گا۔ عبداللہ ابن صالح کہتے ہیں مجھ سے جنید ؒ نے کہا جب تم مرید کو دیکھو کہ سماع سنتا ہے تو جان لو کہ ابھی اس میں کچھ لہو و لعب کا مادہ باقی ہے۔ مرتعش نے کہا میں نے ابوالحسن ثوری سے سنا وہ اپنے ایک ہم نشین سے کہتے تھے جب تم مرید کو دیکھو کہ قصائد سنتا ہے' خوش حالی و راحت کا راغب ہے تو اس سے خیر و فلاح کی امید نہ کرو مصنف ؒ نے کہا صوفیہ کے مشائخ کا تو یہ قول ہے لیکن متاخرین نے لہو و لعب کی محبت کے سبب سے اس کی اجازت دی ہے۔ اس میں دو قباحتیں پیدا ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ عوام لوگ متقدمین صوفیہ کے ساتھ سوء ظن رکھیں گے۔ کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ سب کے سب ایسے ہی تھے۔ دوسرے عوام کو لہو و لعب پر دلیر کر دیا۔ کیونکہ عامی کے لیے لہو و لعب میں یہی حجت ہے کہ فلاں ایسا کرتا ہے اور فلاں ایسا کرتا ہے۔

فصل

مصنف ؒ نے کہا صوفیہ کی جماعت کثیر کے دلوں میں سماع کی محبت قرار پکڑ گئی ہے۔ حتیٰ کہ قرآن پڑھنا چھوڑ کر اس کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں اسی وجہ سے ہیں کہ یہ لوگ ہوائے نفسانی اور غلبہء طبیعت سے مجبور ہیں اور اپنے خیال میں کچھ اور سمجھے ہوئے ہیں۔ ابو حاتم بجستانی نے کہا کہ میں نے ابونصر سراج سے سنا کہتے تھے مجھ سے میرے ایک دوست نے بیان کیا کہ ابوالحسین دراج کہتے ہیں میں بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی ملاقات کو چلا جب رے میں پہنچا ان کا مکان دریافت کیا۔ جس شخص سے ان کا پتہ پوچھتا تھا وہ یہی جواب دیتا تھا کہ اس زندیق کو کیا پوچھتے ہو۔ یہ باتیں سن کر میں بہت تنگ دل ہوا حتیٰ کہ واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ اس رات ایک مسجد میں شب باشی کا اتفاق ہوا۔ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں اس شہر میں آیا ہوں کم از کم ان سے مل کر ضرور جاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں ان کا پتہ دریافت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جس مسجد میں وہ رہا کرتے تھے اس میں پہنچا۔ دیکھا کہ محراب میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ سامنے ایک رحل ہے اور ہاتھ میں قرآن شریف لیے ہوئے پڑھ رہے ہیں میں نے قریب جا کر سلام علیک کیا۔

سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو میں نے کہا بغداد سے آپ کی زیارت کا ارادہ کر کے چلا آتا ہوں۔ کہنے لگے کہ تم کوئی چیز خوش الحانی سے پڑھنا جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں اور یہ شعر پڑھا راتیک تبنی دائمافی قطیعتی' ولوکنت ذاحزم لھدمت ماتبنی ترجمہ! (اے محبوب) میں دیکھتا ہوں کہ مجھ سے قطع تعلق کرنے کی بنیاد ڈالتا ہے اگر تو دور اندیش ہوتا تو اس بنیاد کو منہدم کر دیتا۔ یہ شعر سن کر انہوں نے قرآن شریف بند کر دیا' اور اس قدر روتے رہے کہ ان کی داڑھی تر ہو گئی اور کپڑے بھیگ گئے۔ مجھ کو ان کے اس قدر رونے پر رحم آیا۔ پھر مجھ سے بولے کہ بیٹا رے کے رہنے والے مجھ کو یوں کہہ کہہ کر ملامت کرتے ہیں کہ ابو یوسف بن حسین زندیق ہے۔ اور نماز کے وقت سے یہ حالت ہے کہ میں یہاں بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا ہوں اور ایک قطرہ آنسو کا میری آنکھ سے نہیں ٹپکا۔ اور تمہارا یہ شعر سن کر مجھ پر قیامت نازل ہو گئی۔

ابو عبدالرحمان سلمی کہتے ہیں کہ میں استاد ابو سہل صعلوکی کی حیات میں مرو کی طرف چلا گیا تھا میرے وہاں جانے سے پہلے استاد کے یہاں کچھ دن مقرر تھے۔ جن میں ہر صبح لوگ جمع ہوتے تھے اور قرآن خوانی اور ختم کی مجلس ہوا کرتی تھی جب میں چلنے لگا تو دیکھا کہ وہ مجلس اٹھا دی گئی۔ اور اس کی جگہ اسی وقت میں ابن فرغانی کے نام سے قوالی کی مجلس منعقد کی گئی۔ مجھ کو حرکت سے کھٹک پیدا ہوئی۔ اپنے جی میں کہا کرتا تھا کہ قرآن اور ختم کی مجلس کے مقابلے میں قوالی اور راگ کی محفل قائم کی گئی ہے۔ ایک روز استاد پوچھنے لگے کہ لوگ آپس میں کیا چہ میگوئیاں کرتے ہیں میں نے کہا یوں کہتے ہیں کہ قرآن کی مجلس اٹھالی گئی۔ اور راگ کی محفل جمالی گئی۔ استاد یہ سن کر بولے کہ جو کوئی اپنے استاد سے یوں کہے گا کہ ایسا کیوں وہ فلاح نہ پائے گا۔ مصنفؒ نے کہا یہ صوفیہ کی عادت ہے کہ کہتے ہیں اپنے آپ کو بالکل پیر کے حوالے کر دیا جائے حالانکہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے سپرد ہم اپنے آپ کو کر دیں۔ کیونکہ آدمی شریعت اور عقل کے زور سے اپنی آفت کو دور کرتا ہے اور چوپائے چیخ چلا کر اپنا کام نکالتے ہیں۔

فصل

مصنف ؒ نے کہا یہ غناء جس کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ کچھ علماء کے نزدیک حرام ہے۔ اور کچھ مکروہ بتاتے ہیں۔ صوفیہ میں سے ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ یہی غناء ایک قوم کے حق میں مستحب ہے۔ ابو علی دقاق کہتے ہیں عوام کے لیے سماع حرام ہے کیوں کہ ان کے نفوس زندہ ہیں۔ اور زاہدوں کے لیے مباح ہے کیونکہ وہ مجاہدے اور نفس کشی کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب کے حق میں مستحب ہے کیونکہ ان کے دل زندہ ہیں۔

مصنف ؒ نے کہا یہ قول پانچ وجہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ ابو حامد غزالی سے ہم روایت کر چکے ہیں کہ سماع ہر ایک کے لیے مباح ہے اور ان ابو علی سے ابو حامد زیادہ عارف تھے دوسرے نفوس کی طبائع میں اختلاف نہیں ہے۔ مجاہدہ کا صرف یہ فائدہ ہے کہ طبائع کے عمل کو روکتا ہے جو شخص طبائع کے بدل جانے کا دعویٰ کرے وہ ایک امر محال کا مدعی ہے اور جب طبیعت کو حرکت میں لانے والی ایک چیز موجود ہوئی اور اس کے روکنے والی چیز جاتی رہی تو عادت پھر عود کر آئے گی۔ تیسرے سماع کی حرمت اور اباحت میں علماء کا اختلاف ہے۔ کسی عالم نے سننے والے کی حالت پر نظر نہیں کی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ سب طبیعتیں یکساں ہیں۔ اب جو کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس کی طبیعت آدمیوں کی طبیعت سے خارج ہے تو امر محال کا دعویٰ کرتا ہے۔ چوتھے اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہے کہ سماع مستحب نہیں ہے۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ مباح ہو۔ اب استحباب کا دعویٰ کرنا اجماع سے خارج ہونا ہے۔ پانچویں لازم آتا ہے جس شخص کی طبیعت میں تغیر آگیا ہو اس کے لیے عود کا سننا مباح یا مستحب ہو۔ کیونکہ عود اس لیے حرام ہے کہ طبیعتوں میں اثر کرتا ہے اور ان کو ہوائے نفسانی کی طرف بلاتا ہے۔ جب یہ خوف نہ رہا تو مباح ہونا چاہیے حالانکہ اس کی نسبت ہم ابو الطیب طبری سے نقل کر چکے ہیں۔

فصل

مصنفؒ نے کہا ان میں سے ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ سماع سے قربت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ ابو طالب مکی نے کہا کہ ہم سے ہمارے بعض شیوخ نے بیان کیا کہ جنیدؒ کہتے ہیں کہ اس گروہ پر تین وقت میں رحمت نازل ہوتی ہے۔ ایک کھانا کھانے کے وقت' کیونکہ وہ لوگ بغیر فاقہ کے نہیں کھاتے۔ دوسرے جب باہم مل کر ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ کیونکہ اس حالت میں وہ صدیقوں کے مقامات اور انبیاء کے احوال طے کرتے ہیں۔ تیسر سماع کے وقت کیونکہ وہ وجد کے ساتھ سنتے ہیں۔ اور ان کو شہود حق حاصل ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ یہ نقل اگر جنیدؒ سے صحیح ہے اور اس کو ہم اچھا جانیں تو قصائد زہدیہ کے سماع پر محمول ہے کیونکہ وہی باعث رقت و زاری ہیں' لیکن یہ بات کہ سعدی اور لیلیٰ کی تعریف کے وقت نزول رحمت ہو اور اس کو صفات الٰہی پر محمول کریں۔ تو یہ اعتقاد جائز نہیں۔ اور اگر اس سے اشارہ لے لینا صحیح خیال کریں تو یہ اشارہ غلبۂ طبیعت کے پہلو میں مستغرق ہو گا۔ ہم نے اس امر کو جس بات پر محمول کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جنیدؒ کے زمانہ میں ایسے اشعار نہ پڑھے جاتے تھے جیسے آج کل گائے جاتے ہیں۔ مگر بعض متاخرین نے جنیدؒ کے قول کو ہر قوالی پر محمول کیا ہے۔ اسی گروہ سے نقل ہے کہ شعر خواں کے شعر گانے کے وقت اور مزمار بنانے کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ وہ اپنے عقیدہ میں اس کو قربت سمجھتے ہیں جس سے تقرب الٰہی ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے کہا یہ کفر ہے۔ کیونکہ جو شخص حرام یا مکروہ کو قربت الٰہی خیال کرے اس اعتقاد سے کافر ہو جائے گا۔ اور کہا کہ علماء سماع کو حرام بتاتے ہیں یا مکروہ کہتے ہیں۔

صالح المری نے کہا کہ گر پڑنے والوں میں زیادہ دیر کر کے وہ شخص اٹھے گا جس کو ہوائے نفسانی نے پچھاڑا ہے اور وہ اس کو قربت الٰہی سمجھتا ہے اور زیادہ ثابت قدم قیامت کے دن وہ شخص ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو لیے ہوئے ہے اور میں نے علی سائح سے سنا کہتے تھے کہ میں نے ابوالحارث اولاسی سے سنا بیان کرتے تھے کہ میں نے شیطان کو خواب میں اولاس کی کسی ایک چھت پر دیکھا۔ میں بھی ایک چھت پر تھا۔ ایک جماعت اس کے داہنی طرف تھی۔ اور ایک بائیں جانب اور وہ عمدہ عمدہ لباس پہنتے

تھے۔ ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ کچھ بولو اور گاؤ میں اس راگ کی خوش آئندگی اور ذوق سے ایسا بے خود ہو گیا کہ ارادہ کیا کہ اپنے آپ کو چھت سے نیچے گرا دوں۔ پھر شیطان نے کہا کہ ناچو' وہ نہایت ہی عمدہ ناچ ناچے۔ پھر شیطان مجھ سے بولا کہ اے ابوالحارث میں نے اس رقص و غناء کے سوا تم لوگوں سے کوئی ایسی چیز نہیں پائی جس کی وجہ سے تم پر دخل پا سکوں۔

وجد میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا یہ لوگ جب راگ سنتے ہیں تو وجد کرتے ہیں' تالیاں بجاتے ہیں' شور مچاتے ہیں اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب ان کو ابلیس نے فریب دیا ہے۔ اور اپنا حیلہ کمال کو پہنچا دیا ہے۔ اور حجت اس قوم کی وہ حدیث ہے جو ہم کو ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی سے پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی **وان جھنم لموعدھم اجمعین** (الحجر پ ۱۴ آیت ۴۴) یعنی ان سب کفار کی وعدہ گاہ جہنم ہے۔ تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سے ایک نعرہ مارا اور سر کے بل گر پڑے پھر بھاگ کھڑے ہوئے اور تین دن تک غائب رہے۔ اور نیز وہ قول حجت ہے جو انہیں سے ہم کو پہنچا ہے کہ ابو وائلؒ نے کہا کہ ہم عبداللہ کے ساتھ جا رہے تھے اور ہمارے ساتھ ربیع بن خیثم تھے۔ ہمارا گزر ایک لوہار کے پاس ہوا۔ عبداللہ کھڑے ہو کر اس کے لوہے کو دیکھنے لگے جو آگ میں تھا۔ ربیع نے بھی لوہا دیکھا اور لڑکھڑا کر گرنے لگے پھر عبداللہ آگے بڑھے یہاں تک کہ فرات کے کنارے ایک لوہار کی بھٹی پر آئے۔ اس مین آگ کو شعلہ مارتے ہوئے دیکھ کر عبداللہ نے یہ آیت پڑھی **اذا راتھم من مکان بعید سمعوا لھا تغیظا وزفیرا الی قولہ ثبورا کثیرا** (الفرقان پ ۱۸ آیت ۱۲) یعنی جب آتش دوزخ دور سے اہل دوزخ کو دیکھے گی تو ان کو اس کے جوش و خروش کی آواز سنائی دے گی۔ اور جب اس کے کسی مقام تنگ میں کئی کئی ایک زنجیر میں جکڑ کر ڈالے جائیں گے تو اس وقت واویلا پکاریں گے آج ایک واویلا کیا پکارتے ہو بہت کچھ واویلا پکارو۔ یہ آیت سن کر ربیع غش کھا کر گرے۔ ہم لوگ ان

کو ان کے گھر تک اٹھا لائے۔ عبداللہ بھی ان کے پاس رہے یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھی۔ ان کو ہوش نہ آیا پھر عصر کی نماز ادا کی جب بھی افاقہ نہ ہوا۔ بعد مغرب وہ سنبھلے تو عبداللہ اپنے گھر واپس آئے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ کثرت سے بندگان خدا کی نسبت مشہور ہے کہ جب انہوں نے قرآن شریف سنا تو کوئی مر گیا کوئی پچھاڑ کھا کر گرا کوئی بے ہوش ہو گیا اور کوئی نعرہ زن ہوا۔ اس قسم کی باتیں کتب زہد میں بہت سی ہیں۔

الجواب! سلمان رضی اللہ عنہ کی نسبت جو کچھ ذکر کیا ہے غلط ہے اور محض دروغ ہے پھر اس حدیث کی کوئی اسناد بھی نہیں۔ آیت مذکورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے' اور سلمان مدینہ میں اسلام لائے۔ اور کسی صحابی نے ایسا قصہ ہرگز نقل نہیں کیا۔ باقی رہی ربیع بن خیثم کی حکایت تو اس کا راوی عیسیٰ ابن سلیم ہے جس میں ضعف ہے۔ اور احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن سلیم کا ابو وائل سے روایت کرنا مجھے معلوم نہیں۔ اور ہم سے ابن آدم نے بیان کیا کہ میں نے حمزہ زیات سے سنا کہ انہوں نے سفیان سے کہا کہ لوگ ربیع بن خیثم کی نسبت روایت کرتے ہیں کہ وہ بے خود ہو کر گر پڑے۔ سفیان نے جواب دیا کہ جو شخص یہ بیان کرتا ہے تو اس قصہ کو یعنی عیسیٰ بن سلیم ہی نے اپنی آنکھوں دیکھا ہو گا۔ حمزہ کہتے ہیں پھر میں عیسیٰ بن سلیم سے ملا اور ان سے کہا کہ تم یہ بات کس سے روایت کرتے ہو تو انہوں نے نہ پہچانا۔

مصنفؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ سفیان ثوری ایسا امام انکار کرتا ہے کہ ربیع بن خیثم پر یہ حالت گزری ہو کیونکہ وہ شخص سلف کے طریقہ پر تھا اور صحابہ میں کوئی ایسا نہیں ہوا جس پر ایسا واقعہ گزرا ہو۔ اور نہ کوئی تابعین میں تھا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ برتقدیر صحت کے بھی یہ بات ہے کہ انسان کو کبھی خوف سے غش آجاتا ہے تو خوف اس کو ساکن اور ساکت کر دیتا ہے۔ پس وہ مردہ جیسا رہ جاتا ہے۔ اور صادق کی علامت یہ ہے کہ اگر دیوار پر ہو تو نیچے گر پڑے کیونکہ وہ اپنے آپ میں نہیں مگر جو شخص کہ وجد کا مدعی ہے اور اپنے قدم کو لغزش سے محفوظ رکھتا ہے اس پر بھی حوصلہ کے ساتھ کپڑے پھاڑتا ہے اور ایسی حرکتیں کرتا ہے جس سے شریعت میں انکار ہے تو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس کے ساتھ شیطان کھیلتا ہے۔ احمد بن عطاء کہتے ہیں کہ شبلیؒ جمعہ کے روز ایک تیز نگاہ ڈالا کرتے

تھے اور اس کے بعد ایک چیخ مارتے تھے تو ایک روز نعرہ مارا اور اپنے گرد کی مخلوق کو تیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ ان کے حلقہ کے پہلو میں ابو عمران الاشیب کا حلقہ تھا۔ انہوں نے اپنے حلقہ والوں کو وہاں سے علیحدہ کر لیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ خدا سب کو توفیق دے' جان لینا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب نہایت ہی مصفا تھے۔ اور یہ حضرات وجد میں زاری اور تضرع سے زیادہ کچھ نہ کرتے تھے ان میں سے بعض اعراب صحرا نشینوں پر ایسا بھی گزرا جس کا ہم نے انکار کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کے انکار میں تاکید فرمائی۔ ثابت نے ہم کو انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز وعظ فرما رہے تھے۔ یکایک ایک آدمی غش کھا کر گر پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کون ہے؟ جو ہمارے دین کو مشتبہ کرتا ہے۔ اگر صادق ہے تو اپنے آپ کو شہرت دی اور اگر کاذب ہے تو خدا اس کو غارت کرے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں وعظ سنایا یہاں تک کہ میں نے لوگوں کے رونے کی آواز سنی جس وقت کہ وعظ نے ان پر اثر کیا اور ان میں سے کوئی گرا پڑا نہیں۔

مصنفؒ نے کہا کہ یہ حدیث عرباض بن ساریہ کی ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو وعظ سنایا جس سے دل خوف کھا گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ابو بکر الاجری کہتے ہیں کہ راوی نے یوں تو نہیں بیان کیا کہ ہم نے شور مچایا اور اپنی چھاتیاں کوٹیں جس طرح اکثر وہ جہال کرتے ہیں جن کے ساتھ شیطان کھیلتا ہے۔ حصین بن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ میں نے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت قرآن شریف پڑھتے وقت کیا ہوتی تھی؟ جواب دیا کہ ان کا حال وہی ہوتا تھا جیسا اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کیا یا یوں کہا کہ جیسی اللہ تعالیٰ نے ان کی توصیف کی ہے (یعنی یہ کہ) ان کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتیں ان کے جسم پر روئیں کھڑے ہو جاتے تھے۔ میں نے کہا کہ یہاں پر اکثر ایسے آدمی ہیں کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو اس کو غش آ جاتا ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم (اللہ کی پناہ)۔

ابو حازم سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا گزر ایک عراقی آدمی پر ہوا جو گرا ہوا پڑا تھا دریافت کیا کہ اس کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا کہ جب اس کے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بولے کہ ہم لوگ ضرور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں مگر گرتے پڑتے نہیں۔ سفیان بن عیینہ نے ہم سے حدیث بیان کی کہ عبیداللہ بن ابی بردہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے خوارج کا تذکرہ کیا اور تلاوت قرآن کے وقت جو ان پر گزرتا تھا۔ بیان کیا پھر کہا کہ وہ لوگ نماز ادا کرتے وقت محنت کشی میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر نہیں۔ انس بن مالک سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں جواب دیا کہ یہ خوارج کا فعل ہے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خبر ملی کہ ان کے بیٹے عامر ایک قوم میں جا کر بیٹھے ہیں جو قرآن پڑھتے وقت گر پڑتے ہیں ان سے کہا کہ اے عامر خبردار آئندہ میں یہ نہ سنوں کہ تم ایسے لوگوں میں گئے تھے جو قرآن پڑھتے وقت بے ہوش ہو جاتے ہیں ورنہ میں کوڑے سے تمہاری خبر لوں گا۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ عامر بن زبیر نے کہا میں اپنے باپ کے پاس آیا انہوں نے پوچھا تم کہاں تھے؟ میں نے جواب دیا کہ کہ ایسے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ ان سے بہتر کسی کو نہیں پایا وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ ہر ایک ان میں سے کانپتا تھا یہاں تک کہ اس کو خدا کے خوف سے غش آ جاتا تھا میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میرے باپ نے کہا کہ اب کبھی ان کے ساتھ مت بیٹھو۔ اتنا کہہ کر انہوں نے معلوم کیا کہ مجھ پر اس قول کا اثر نہیں ہوا۔ تو کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن کرتے دیکھا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو قرآن پڑھتے دیکھا ان پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی تھی۔ کیا یہ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوف خدا رکھتے ہیں؟ پس میں نے جان لیا کہ ٹھیک بات یہی ہے اور ان لوگوں کے پاس جانا ترک کر دیا۔

بلکہ خدا تعالیٰ نے تو یوں فرمایا ہے **تفیض اعینھم من الدمع** (المائدہ پ

ے آیت ۸۳) یعنی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور فرمایا ہے **تقشعر جلودھم** (الزمرپ ۲۳ آیت ۲۳) یعنی ان کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

جریر بن حازم نے ہم کو خبر دی کہ وہ محمد بن سیرین کے پاس تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہاں پر کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس کو غش آ جاتا ہے۔ محمد بن سیرین نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی دیوار پر بیٹھ جائے پھر تم اس کے سامنے قرآن اول سے آخر تک پڑھو اگر زمین پر گر پڑے تو صادق ہے۔ ابو عمر نے کہا کہ محمد بن سیرین کا یہ مذہب تھا کہ یہ سب بناوٹ ہے اور حق نہیں کہ ان کے دلوں میں اثر ہو۔

حسنؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک روز وعظ کیا ایک شخص نے مجلس وعظ میں سانس بھرا۔ حسنؒ نے کہا کہ اگر خدا کے لیے ہے تو تو نے اپنے آپ کو مشہور کیا اور اگر غیر خدا کے لیے ہے تو تو ہلاک ہو گیا۔ فضیل بن عیاض نے اپنے بیٹے سے کہا جو اسی طرح گر پڑے تھے کہ اے بیٹا اگر تم سچے ہو تو تم نے اپنے آپ کو رسوا کیا۔ اور اگر جھوٹے ہو تو اپنی جان کو ہلاک کیا۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے کہا کہ بیٹا اگر صادق ہو تو تم نے جو کچھ تمہارے پاس تھا اسے ظاہر کر دیا اور اگر کاذب ہو تو تم نے خدا کے ساتھ شرک کیا۔

فصل

مصنفؒ نے کہا اگر کوئی کہے کہ کلام صادقین میں کیا جاتا ہے ریاکاروں کا ذکر نہیں اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس پر وجد طاری ہوا۔ اور وہ اس کے دفعیہ پر قادر نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ شروع وجد میں ایک اندرونی حرکت اور جوش ہوتا ہے اگر انسان اپنے آپ کو باز رکھے اور روکے رہے تاکہ کسی کو اس کے حال کی خبر نہ ہو تو شیطان اس سے ناامید ہو کر دور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی جب حدیث بیان کرتے تھے اور ان کے دل کو رقت ہوتی تھی تو اپنی ناک پونچھتے تھے اور کہتے تھے کہ زکام کس قدر سخت ہے۔ اور اگر انسان اپنے آپ کو بے قابو چھوڑ دے تو شیطان اس

میں اپنا سانس بھر دیتا ہے۔ بقدر اس کے پھونکنے کے انسان بیقرار ہوتا ہے چنانچہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھتیجے سے روایت ہے کہ زینب حضرت عبداللہ کی بی بی کہتی ہیں کہ ایک روز عبداللہ باہر سے آئے میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی تھی جو میرا سرخ بادا جھاڑتی تھی۔ میں نے اس کو چارپائی کے نیچے چھپا لیا۔ عبداللہ آ کر میرے پاس بیٹھ گئے تو میری گردن میں ایک ڈورا (دھاگہ) دیکھا۔ پوچھا کہ یہ ڈورا کیسا ہے۔ میں نے کہا یہ میرے واسطے پڑھ کر پھونکا گیا ہے۔ عبداللہ نے وہ ڈورا لیا اور توڑ ڈالا اور بولے کہ آل عبداللہ شرک سے مستغنی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ منتر، تعویذ، اور تولہ (جادو) شرک ہے۔ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا تم کیوں کہہ رہے ہو؟ حالانکہ ایک دفعہ میری آنکھ میں درد ہوتا تھا اور میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی۔ وہ جھاڑ دیا کرتا تھا تو درد رک جاتا تھا۔ عبداللہ نے کہا کہ یہ صرف شیطان کی کاروائی تھی۔ وہ آنکھ میں کچھ اپنے ہاتھ سے چونک دیتا تھا(مارتا تھا) پھر جب یہودی جھاڑتا تھا تو رک جاتا تھا۔ تمہارے لیے یہی کافی تھا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس طرح کہتیں **اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافی لاشفاء الاشفائك شفاء لايغادر سقما** مصنفؒ نے کہا کہ تولہ جادو کی ایک قسم ہے جس سے شوہر کو بی بی کی محبت ہو جاتی ہے۔

فصل

اگر کوئی کہے کہ ہم اس شخص کے بارے میں کلام کرتے ہیں جو وجد کے دفعیہ کی کوشش بہت کرتا ہے مگر قدرت نہیں رکھتا اور مغلوب ہو جاتا ہے پھر کہاں سے شیطان آ گھسا تو جواب یہ ہے کہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے کہ بعض طبیعتیں دفعیہ میں کمزور ہیں لیکن صادق کی پہچان یہ ہے کہ دفع کرنے پر قادر نہیں ہوتا اور نہیں جانتا کہ اس پر کیا گزری پس وہ اس قبیل سے ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وخر موسی صعقا**

فصل

عبداللہ بن وہب کے روبرو اہوال قیامت کی کتاب پڑھی گئی وہ غش کھا کر گر پڑے اور کوئی بات نہ کی' یہاں تک کہ اس کے بعد چند روز میں انتقال کر گئے۔ مصنف ؒ نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ اکثر لوگ وعظ سن کر مر گئے اور بے ہوش ہو گئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ وجد کرنا جو مکاروں کی حرکتوں کو شامل ہے اور زور سے چیخنا اور کج مج چلنا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بناوٹ ہے اور شیطان ان لوگوں کا یار و یاور ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ اگر کہا جائے کہ کیا صاحب اخلاص کا حق اس پر یہ حالت طاری ہونے سے کم ہو جائے گا تو جواب دیا جائے گا کہ ہاں دو وجہ سے ایک یہ کہ اگر اس کا علم قوی ہوتا تو ضبط کرتا دوسرے یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین ؒ کے طریقہ کے خلاف کیا گیا اور یہی نقص اور کمی کافی ہے۔

سفیان بن عیینہ سے ہم کو حدیث پہنچی انہوں نے کہا میں نے خلف بن حوشب سے سنا ہے کہ خوات ؒ وعظ کے وقت کانپتے تھے ان سے ابراہیم نے کہا کہ اگر تم اس حالت پر قابو رکھتے ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں سمجھتا کہ تم کو حقیر سمجھوں۔ اور اگر اختیار نہیں رکھتے تو اپنے سے پہلے والوں کے خلاف کرتے ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا تم ان لوگوں کی مخالفت کرتے ہو جو تم سے بہتر تھے' مصنف ؒ نے کہا کہ یہ ابراہیم وہی نخعی فقیہ ہیں بڑے سنت کے پابند اور نہایت اثر کے متبع تھے اور خوات ؒ نیک لوگوں میں سے اور بناوٹ سے دور تھے ابراہیم کا یہ خطاب ایسے شخص سے ہے پھر وہ انسان کس شمار میں ہے جس کی تصنع اور بناوٹ کا حال پوشیدہ نہیں۔

فصل

جب اہل تصوف راگ سن کر سرور میں آتے ہیں تو تالیاں بجاتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت ابن بنان وجد کرتے تھے اور حضرت ابو سعید خراز تالیاں بجاتے تھے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ تالیاں بجانا برا اور منکر ہے جو طرب میں لاتا ہے اور اعتدال سے باہر کر دیتا ہے۔ اہل عقل ایسی باتوں سے دور رہتے ہیں۔ اور ایسا کرنے والا مشرکین کے مشابہ ہے جیسا کہ ان کا فعل بیت اللہ کے پاس آکر تالیاں بجانا تھا۔ اسی کی مذمت اللہ

تعالیٰ نے بیان فرمائی۔ وما کان صلاتھم عند البیت الامکاء" وتصدیہ (الانفال پ ۹ آیت ۳۵) یعنی مشرکین کی نماز بیت اللہ کے پاس آکر یہی ہے کہ فریاد کرتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ مصنفؒ نے کہا کہ نیز اس میں عورتوں سے مشابہت ہے اور عاقل آدمی اس بات سے پرہیز کرتا ہے کہ وقار کو چھوڑ کر مشرکین اور عورتوں کی حرکتیں اختیار کرے۔

فصل

پھر جب ان کو کامل سرور ہوتا ہے تو رقص کرتے ہیں ان میں سے بعض نے یوں حجت پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ارکض برجلک (ص پ ۲۳ آیت ۴۲) یعنی اے ایوب اپنا پاؤں زمین پر مارو۔

مصنفؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ یہ حجت لانا بارد ہے۔ کیونکہ اگر یہ فرمان خوشی کے مارے زمین پر پاؤں مارنے کو ہوتا تو ان کے لیے شبہ ہو سکتا تھا پاؤں مارنے کا حکم تو فقط اس لیے تھا کہ پانی نکل آئے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ ایک مریض آدمی کا قصہ جس کو مصیبت دور کرنے کے وقت حکم دیا گیا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارے تاکہ معجزہ سے پانی نکل آئے رقص کی دلیل کہاں سے ہو گیا۔ اور اگر ایسا جائز ہو کہ اس پاؤں کا ہلانا جس کو کیڑوں نے کھا کھا کر لاغر کر دیا تھا۔ اسلام میں رقص کے جواز پر دلالت کرے تو جائز ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ کو یہ فرمان اضرب بعصاک الحجر یعنی اپنی لاٹھی پتھر پر مارو لکڑیوں سے تاشے بجانے پر دلالت کرے نعوذ باللہ من التلاعب بالشرع۔

بعض کم عقلوں نے اس حدیث سے حجت نکالی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ رفتار حجل چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم خلقت اور خلق میں مجھ سے مشابہ ہو تو وہ حجل چال چلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی ہو اور آزادہ کردہ ہو۔ زید رضی اللہ عنہ سن کر حجل چال چلے۔ بعض صوفیہ نے یوں حجت پکڑی ہے کہ حبشیوں نے رقص کیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان کی طرف دیکھتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ جل ایک قسم کی رفتار ہے کہ آدمی خوشی کی حالت میں جھومتا ہوا ایک ٹانگ اٹھا کر چلتا ہے تو کہاں وہ چال اور کجا یہ رقص اور علی ہذا القیاس حبشیوں کا رقص کرنا ایک قسم کی چال تھی جس کی جنگ میں مقابلے کے لیے مشق کرتے تھے۔

صوفیہ کے لیے جواز رقص پر ابو عبدالرحمان السلمی یہ دلیل لائے ہیں کہ ابراہیم بن محمد شافعی سے روایت ہے کہ سعید بن المسیب مکہ کی کسی گلی میں گزرے تو اخضر گویئے کو سنا کہ عاص بن وائل کے گھر میں یہ شعر گا رہا تھا۔ جن کا ترجمہ یہ ہے بطن نعمان مشک سے مہک اٹھے اگر وہاں زینب عطر میں بسی ہوئی عورتوں کے ہمراہ گزرے۔ پھر جب نمیری کی سواریاں دیکھے تو منہ پھیر لے اور وہ عورتیں نمیری کی ملاقات سے پرہیز کرنے والی ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر سعید بن مسیب نے تھوڑی دیر اپنا پاؤں زمین پر مارا اور کہا یہ وہ چیز ہے جس کا سننا لذت بخش ہے۔ لوگ یہ شعر سعید بن مسیب کے بیان کرتے ہیں۔ مصنفؒ نے کہا کہ میں کہتا ہوں یہ اسناد مقطوع اور مظلم ہے ابن مسیب سے صحیح نہیں اور نہ یہ ان کے شعر ہیں۔ ایسی باتوں سے ابن مسیب زیادہ عالی وقار تھے۔ یہ اشعار محمد بن عبداللہ بن نمیری شاعر کے مشہور ہیں' وہ نمیری نہیں تھا۔ اپنے دادا کی طرف منسوب ہے اور ثقفی ہے۔ اور زینب جس کا ذکر ان اشعار میں تشبیباً" کیا گیا ہے۔ وہ یوسف کی بیٹی حجاج کی بہن ہے۔ اس سے عبدالملک بن مروان نے پوچھا تھا کہ تیرے شعر میں یہ سواریاں کیا چیز ہیں؟ جواب دیا کہ میرے پاس کچھ لاغر گدھے تھے جن پر طائف سے رال لاد کر لایا تھا۔ عبدالملک ہنس پڑا اور حجاج کو حکم دیا کہ اسے ایذا نہ دے۔ مصنف نے کہا پھر اگر ہم مان بھی لیں کہ ابن المسیب نے اپنے پاؤں زمین پر مارے تو یہ جواز رقص پر حجت نہیں کیونکہ اکثر اوقات آدمی اپنا پاؤں زمین پر مارتا ہے۔ یا کوئی چیز سن کر زمین کو ٹھونکتا ہے اور اس کو رقص نہیں کہتے۔ پس یہ تعلیق کس قدر اقبح ہے۔ کجا پاؤں کا ایک یا دو بار زمین پر مارنا اور کجا ان لوگوں کا وہ رقص کہ اہل عقل کے طریقہ سے باہر چلے جاتے ہیں۔ پھر ہم احتجاج سے درگزر کر کے بلاتے ہیں کہ آؤ ہم تم عقل کے پاس

چل کے قضیہ فیصل کریں۔ رقص میں کون سی بات ہے بجز اس کے کہ کھیل ہے جو لڑکوں کے لائق ہے اور یہ جو دعویٰ ہے کہ اس میں قلوب کو آخر کی طرف تحریک ہوتی ہے تو یہ بات بخدا زبردستی ہے۔

بعض مشائخ نے مجھ کو غزالیؒ سے خبر پہنچائی کہ انہوں نے کہا رقص ایک حماقت ہے دونوں شانوں میں جو بغیر تھکن کے زائل نہیں ہوتی۔ ابن عقیل نے کہا کہ قرآن میں قطعی طور پر رقص سے ممانعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ولا تمش فی الارض مرحا**" (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۳۷) یعنی زمین پر خوش ہوتا ہوا (اکڑ کر) نہ چل۔ اللہ تعالیٰ نے مختال یعنی اترا کر چلنے والے کی مذمت فرمائی اور رقص نہایت ہی خوشی اور اتراتا ہوتا ہے۔ بھلا کیا ہم وہی لوگ نہیں کہ ہم نے نبیذ کو شراب پر قیاس کیا ہے بوجہ اس کے کہ سرور لانے اور نشہ پیدا کرنے میں دونوں متفق ہیں پھر ہمیں کیا ہو گیا کہ لکڑی بجانا اور اس کے ساتھ اشعار گانا طنبور اور مزمار اور طبل پر قیاس نہ کریں۔ کیونکہ دونوں طرب و سرور میں متحد ہیں۔ اور کیا داڑھی والے آدمی سے کوئی شے جو عقل و وقار کو عیب لگائے اور علم و ادب کے طریقہ سے نکال دے قبیح تر ہو گی پھر کیا کہا جائے کہ بڈھے الحان اور لکڑیوں کے بجنے پر رقص کریں اور تالیاں بجائیں خاص کر اگر عورتوں اور امردوں کی آوازیں ہوں اور کیا پسند کرتے ہو کہ جس شخص کے سامنے موت اور سوال (قبر) اور حشر اور صراط ہوں۔ پھر اس کا ٹھکانا بہشت و دوزخ میں سے کوئی ایک جگہ ہو وہ رقص سے یوں اچھلے کودے۔ جیسے چوپائے اچھلتے ہیں اور اس طرح تالیاں بجائے جس طرح عورتیں بجاتی ہیں۔ خدا کی قسم میں نے اپنے زمانے میں وہ مشائخ دیکھے ہیں جن کا مسکرانے میں بھی کوئی دانت ظاہر نہیں ہوا چہ جائیکہ ان کو ہنسی آئے باوجودیکہ میں ہمیشہ ان کی صحبت میں رہا جیسے شیخ ابو القاسم بن زیدان اور عبدالملک بن بشران اور ابو طاہر بن علاف اور جنید اور دینوری۔

فصل

جب کہ صوفیہ میں بحالت رقص خوب طرب قرار پکڑتا ہے ان میں سے ایک کسی

بیٹھے ہوئے کو کھینچ لیتا ہے کہ اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہو' اور ان کے مذہب میں یہ بات جائز نہیں کہ جس کو کھینچا جائے وہ بیٹھا رہے جب وہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کی پیروی کی وجہ سے باقی لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر اگر کوئی ان میں سے اپنا سر کھول لیتا ہے تو باقی بھی اس کی موافقت میں اپنے سروں کو ننگا کر لیتے ہیں اور عاقل آدمی پر پوشیدہ نہیں کہ کھولنا قبیح ہے کہ اس میں آدمیت سے دوری اور ترک ادب ہے یہ صرف مناسک حج میں اللہ تعالیٰ کے آگے اظہار عبودیت اور عاجزی کے لیے واقع ہوتا ہے۔

فصل

جب ان کا سرور زیادہ ہوتا ہے تو کپڑے اتار کر گانے والے پر پھینک دیتے ہیں۔ بعض تو اسی طرح سالم و درست پھینک دیتے ہیں اور بعض ان کو پھاڑ دیتے ہیں پھر پھینکتے ہیں اور ان کے لیے بعض جہال نے یہ حجت پکڑی ہے کہ وہ اپنے آپ سے گزر جاتے ہیں (بے خود ہو جاتے ہیں) لہذا ملامت نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ جب موسیٰ علیہ لسلام کو اپنی قوم کی گوسالہ پرستی کا غم ہوا تو توریت کے تختے پھینک دیئے اور ان کو توڑ ڈالا اور ان کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا کیا۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نسبت اس امر کی تصحیح کس نے کی کہ انہوں نے تختے اس طرح پھینکے جیسے کوئی توڑ ڈالنے چاہتا ہے اور قرآن شریف میں جو مذکور ہے تو ان کا ڈال دینا ہے۔ بس یہی کافی ہے یہ بات کہاں سے نکلی کہ وہ ٹوٹ گئے ہم یہ کیونکر کہہ دیں کہ انہوں نے توڑنے کا قصد کیا تھا۔ پھر اگر موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس کو صحیح بھی مان لیں تو ہم کہیں گے کہ وہ اس وقت بے خود تھے کہ اگر اس گھڑی ان کے سامنے آگ کا دریا بھی ہوتا تو اس میں داخل ہو جاتے۔ اس گروہ کی نسبت بے خودی کون صحیح بتاتا ہے حالانکہ یہ لوگ گانے والے کو غیروں سے تمیز کر لیتے ہیں اور ان کے پاس کنواں ہو تو اس سے بچتے ہیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے احوال ان احمقوں پر کیونکر قیاس کیے جا سکتے ہیں۔

صوفیہ میں سے میں نے ایک جوان کو بازار میں دیکھا کہ شور مچاتا تھا اور عوام لوگ اس کے پیچھے جاتے تھے وہ غصہ میں بڑبڑاتا تھا۔ اور نماز جمعہ کے لیے جاتا تھا۔ کئی نعرے

مارتا تھا اور پھر جمعہ کی نماز پڑھتا تھا تو نماز سے خاموش ہو جاتا تھا۔ اب اگر یہ شخص نماز پڑھنے کی حالت میں غائب و بے خود تھا تو اس کا وضو باطل ہو گیا۔ اور اگر ہوش تھا تو وہ محض بنا ہوا ہے یہ شخص تن و توش والا تھا کوئی کام نہ کرتا تھا۔ ہر روز اس کے واسطے ایک زنبیل گھر گھر پھیری جاتی تھی تو اس قدر کھانا جمع ہو جاتا تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی کھاتے تھے۔ پس یہ حالت کھانے والوں کی ہے توکل کرنے والوں کی نہیں پھر اگر ہم مان لیں کہ یہ لوگ بے خودی کی وجہ سے شور کرتے ہیں تو ان کا ایسی طرب انگیز چیز سننے کو جانا جو عقل پر پردہ ڈالتی ہے ممنوع اور منہی ہے جیسا کہ ہر چیز کے پاس جانا جس میں آزار غالب ہو۔

ابن عقیل سے ان لوگوں کے وجد کرنے اور کپڑے پھاڑنے کے بارے میں پوچھا گیا۔ جواب دیا کہ خطا ہے حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے اور گریبان پھاڑنے سے منع فرمایا پوچھنے والے نے ابن عقیل سے پوچھا کہ وہ لوگ بالکل نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں جواب دیا کہ اگر باوجود اس علم کے طرب ان پر غالب ہو گا اور ان کی عقل زائل کر دے گا۔ وہ ان مقاموں میں حاضر ہوں گے بوجہ اس حالت کے جو ان پر گزرتی ہے کپڑے پھاڑنا وغیرہ جس میں شئے کا فاسد کرنا ہے اور ان سے خطاب شرعی ساقط نہ ہو گا کیونکہ وہ اس مجلس میں حاضر ہونے سے پہلے مخاطب ہیں کہ ان مقامات سے باز رہیں جہاں ایسی حالت کو پہنچیں جس طرح ان کو نشہ کی چیز پینے سے منع کیا گیا ہے۔ اب اگر وہ نشہ سے سرشار ہو جائیں اور اس حالت میں ان سے مال ضائع کرنا سرزد ہو تو خطاب الٰہی بوجہ ان کے مست و بے خود ہونے کے ساقط نہ ہو گا۔ یہ طرب اور سرور جس کو اہل تصوف وجد کہتے ہیں اگر اس میں صادق ہیں تو طبیعت پر نشہ غالب ہو گیا اور اگر کاذب ہیں تو باوجود ہوش میں ہونے کے مال ضائع کرتے ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں سلامتی نہیں۔ اور شک و شبہ کے مقامات سے بچنا واجب ہے۔

ابن طاہر نے اس قوم کے لیے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے اپنے لیے ایک پردہ نصب کیا تھا جس میں نقش اور بیل بوٹے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھینچا اور چاک کر دیا۔

مصنف ؒ نے کہا اس بے چارے غریب آدمی کی سمجھ پر غور کرنا چاہیے کہ جو شخص اپنے کپڑے پھاڑتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اس کی حالت کو اس پر قیاس کرتا ہے کہ گھیرنے کے لیے پردہ کھینچا جائے اور بلا قصد پھٹ جائے اگر یہ بھی مان لیں کہ آپ نے اس کے چاک کر دینے کا قصد کیا تھا اور بروجہ تنبیہ جائز ہے۔ جیسا کہ ممنوعات میں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شراب کے بارے میں اس کے مٹکے توڑ ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ اب اگر کپڑے پھاڑنے والا آدمی یہ دعویٰ کرے کہ وہ بے خود ہے تو ہم جواب دیں گے کہ تجھ کو شیطان نے بے خود بنا دیا تھا اگر تو حق کے ساتھ ہوتا تو محفوظ رہتا کیونکہ حق فاسد نہیں ہوتا۔ ابو عمران الجونی نے کہا کہ ایک روز موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے وعظ بیان کیا۔ سامعین میں سے ایک شخص نے اپنا کرتا پھاڑ ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اس کرتے والے سے کہہ دو کہ کرتا نہ پھاڑے بلکہ میرے لیے اپنا قلب صاف کرے۔

فصل

مشائخ صوفیہ نے پھینکے ہوئے خرقوں کے بارے میں کلام کیا ہے۔ محمد بن طاہر نے کہا کہ اس بات کی دلیل کہ خرقہ جب پھینکا جاتا ہے اس شخص کی ملک ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے پھینکا گیا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ کچھ لوگ پوستین پہنے ہوئے آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی۔ ایک انصاری ایک تھیلی لائے ان کو دیکھ کر اور لوگ بھی پے در پے لانے لگے۔ حتیٰ کہ میں نے دو ڈھیر غلہ اور کپڑوں کے دیکھے۔ ابن طاہر نے کہا کہ اس امر کی دلیل کہ جب لوگ خرقوں کے تقسیم ہونے کے وقت آئیں تو ان کا حصہ لگایا جائے گا۔ حضرت ابو موسیٰ کی حدیث ہے کہ ہم لوگ خیبر کے بعد تیسرے دن آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا حصہ لگایا۔

مصنف ؒ نے کہا کہ یہ شخص شریعت کے ساتھ کھیل کرتا ہے اور کج فہمی سے جو باتیں متاخرین صوفیہ کے مذہب کے موافق پاتا ہے نکالتا ہے۔ کیونکہ ہم نے متقدمین صوفیہ

میں یہ باتیں نہیں دیکھیں اور اس شخص کے استخراج کی قباحت کا بیان یہ ہے کہ وہ شخص جس نے چاک شدہ خرقہ پھینکا ہے اگر ہوش میں تھا تو اس کو اس کا چاک کرنا جائز نہ تھا۔ اور اگر ان کے خیال کے مطابق خودی سے گزرا ہوا (بے خود) تھا تو اس کا کپڑا اس چیز کے مانند ہو گا جو بے خبری میں انسان سے گر پڑے کسی دوسرے کو جائز نہیں کہ اس کا مالک بنے اور اگر اس شخص نے بحالت ہوش اپنا کپڑا پھینکا مگر کسی آدمی پر نہیں ڈالا تو اس کے مالک بن جانے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ بغیر عقد شرعی کے کسی کو مالک نہیں بنا سکتے اور پھینک دینا عقد نہیں ہے۔ پھر ہم مانتے ہیں کہ وہ کپڑا گانے والے کی ملکیت نہ ہے تو اور لوگوں کے اس میں تصرف کرنے کی کیا وجہ ہے پھر جب اس میں تصرف کرتے ہیں تو اس کے کئی ٹکڑے کر دیتے ہیں اور یہ دو وجہوں سے جائز نہیں۔ اول یہ کہ وہ ایسی چیز میں تصرف کرتے ہیں جس کے مالک نہیں اور دوم یہ کہ مال کا ضائع کرنا ہے۔ پھر جو شخص موجود نہیں اس کا حصہ اگانے کی کیا وجہ ہے۔ اگر حضرت ابو موسیٰ کی حدیث کو کہا جائے تو خطابی وغیرہ علماء نے کہا ہے کہ یہاں احتمال ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاضرین جنگ کی خوشی سے دیا ہو۔ یا اس پانچویں حصہ میں سے عطا کیا ہو جو آپ ﷺ کا حق تھا اور بنابر مذہب صوفیہ یہ کپڑے کے ٹکڑے ہر ایک آنے والے کو ملتے ہیں۔ اور یہ مذہب اجماع مسلمین سے خارج ہے اگر سچ پوچھئے تو یہ لوگ جو کچھ اپنی بے ہودہ راؤں سے مقرر کر رہے ہیں۔ کس قدر اس حالت سے ملتی جلتی ہے جو زمانۂ جاہلیت کے بارے میں بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کے احکام کی قسم سے بیان کی گئی ہے۔

ابن طاہر نے کہا ہے کہ ہمارے مشائخ نے اجماع کیا ہے کہ چاک شدہ خرقے اور جو کچھ ان کے ساتھ درست خرقے ان کے موافق ہوں وہ سب کے سب مجمع کے حکم پر ہیں مشائخ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ اور ان کی حجت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ غنیمت اس کے لیے جو جنگ میں حاضر تھا اس مذہب میں ہمارے شیخ ابو اسماعیل انصاری ان کے خلاف ہیں۔ وہ خرقوں کے دو حصے کرتے ہیں جو چاک شدہ ہیں سب کو تقسیم کیے جائیں اور جو سالم و درست ہیں قوال کو دیئے جائیں۔ اور حضرت سلمہ

کی حدیث سے حجت لی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ فلاں شخص کو کس نے قتل کیا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ سلمہ نے مارا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سلمہ ہی کو اس کا سارا رخت (مال) ملے گا۔ پس یہاں پر قتل فقط قوال ہی کی طرف سے پایا گیا ہے۔ لہذا رخت اسی کو ملے گا۔

مصنفؒ نے کہا میرے بھائیو خدا ہمیں تمہیں تلبیس ابلیس سے محفوظ رکھے۔ ذرا ان نادانوں کے شریعت کے ساتھ کھیل کرنے کو غور کرو اور ان کے مشائخ کا اجماع دیکھو جو اونٹ کی مینگنی کے برابر نہیں۔ کیونکہ مشائخ فقہاء اس پر اجماع کرتے ہیں کہ ہبہ کردہ چیز اس شخص کی ہے جسے ہبہ کی گئی خواہ ٹوٹی پھوٹی یا صحیح و درست ہو۔ اور غیر موہوب لہ' (جس کو ہبہ نہیں کی گئی) کو اس میں تصرف کرنا جائز نہیں پھر یہ سمجھو کہ مقتول کا رخت تو وہ سب ہے جو اس کے جسم پر ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ رخت اسی کو کہتے ہیں جو پھینک دیا گیا۔ پھر زیبا تو یوں ہے کہ انصاری کے قول کے برعکس عمل درآمد ہو کیونکہ کپڑوں میں جو پھٹے ہوئے ہیں وہ بسبب وجد کے ہیں۔ لہذا یوں چاہیے کہ قوال کو چاک شدہ دیں اور درست نہ دیں۔ غرض یہ کہ اس بارے میں اس فریق کے تمام اقوال بے ہودہ اور خرافات ہیں۔

ابو عبداللہ تکریتی صوفی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے صغر سنی میں ابو الفتوح اسفرائنی کو دیکھا وہ ایک مجلس صوفیہ میں بہت بڑی جماعت میں موجود تھے۔ جہاں ڈھول' باجہ اور دف اور گھنگرو تھے۔ ابوالفتوح اٹھ کر رقص کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کا عمامہ گر پڑا۔ وہ اسی طرح کھلے سر رہے۔ تکریتی نے کہا کہ ابولفتوح نے ایک روز رقص کیا اور موزہ پہنے ہوئے تھے پھر ذکر آیا کہ موزہ سمیت رقص کرنا صوفیہ کے نزدیک خطا ہے تو انہوں نے موزہ اتار ڈالا۔ پھر ایک پیراہن جو پہنے ہوئے تھے اتارا اور اس گناہ کے کفارہ میں جماعت کے سامنے رکھ دیا۔ لوگوں نے اس کو پارہ پارہ کر کے باہم تقسیم کر لیا۔ ابن طاہر نے کہا کہ جو خرقہ پھینکا جائے تو لوگوں سے اس کا خرید کرنا جائز نہیں اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ صدقہ کر کے واپس نہ لو۔ مصنفؒ نے کہا کہ دیکھنا چاہیے کہ یہ شخص حدیث کے معنے سمجھنے سے کس قدر دور ہے۔ کیونکہ خرقہ تو ہنوز

اپنے مالک کی ملک میں باقی ہے اس کو خریدنے کی حاجت نہیں۔

فصل

باقی رہا یہ کہ صوفیہ پھینکے ہوئے کپڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں اور باہم بانٹتے ہیں۔ تو ہم بیان کر چکے کہ اگرچہ مالک لباس نے اس کو قوال کی طرف پھینکا ہے لیکن فقط پھینک دینے سے اس کو دے نہیں دیا کہ وہ اس کا مالک بن بیٹھا۔ پھر جب وہ قوال اس کا مالک بن گیا تو غیر کے تصرف کی اس میں کیا وجہ ہے۔ بعض فقہائے صوفیہ کے پاس میں گیا جو خرقہ پھاڑتے تھے اور تقسیم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان خرقوں سے نفع اٹھایا جاتا ہے۔ اور یہ کوئی تفریط نہیں میں نے کہا کہ اس کے سوا اور تفریط کسے کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور شیخ کو میں نے دیکھا جو کہتے تھے کہ میں نے اپنے شہر میں خرقے پھاڑ کر تقسیم کیے ایک خرقہ ایک آدمی کو ملا اس نے اس کا ایک دوسرا لباس بنا کر پانچ دینار میں فروخت کر دیا۔ میں نے ان سے کہا ان نادر باتوں کے لیے شریعت یہ رعونتیں جائز نہیں رکھتی۔ پھر ان دونوں شیخوں سے زیادہ تعجب ابو حامد طوسی پر ہے وہ کہتے ہیں کہ صوفیہ کو کپڑوں کا پارہ پارہ کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ مربع ٹکڑے پھاڑے جائیں جو کہ کپڑوں اور جانمازوں میں پیوند لگانے کے کام آ سکیں۔ کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ کپڑا پھاڑ ڈالا جاتا ہے۔ اور اس کا کرتا بنا لیا جاتا ہے اور اس کو تضییع نہیں کہتے۔ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں کہ مذہب تصوف کی محبت نے اس کو اصول فقہ اور مذہب شافعیؒ سے کیسا مسلوب الحواس کر دیا کہ انتفاع پر نظر رکھتا ہے۔ پھر اس کے کیا معنی کہ مربع ٹکرے ہوں۔ طول میں پھاڑنے سے بھی نفع اٹھا سکتے ہیں۔ اور تلوار کے اگر توڑ کر برابر برابر دو ٹکڑے کر لیے جاتیں تو ایک ٹکڑے سے نفع نہیں اٹھا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں شریعت عام مقصدوں کو دیکھتی ہیں اور جس چیز کے انتفاع میں نقصان آئے اس کو تلف کر دینا کہتے ہیں۔ اسی لیے ثابت درہم کا توڑنا ممنوع ہے۔ کیونکہ ٹوٹنے کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ شیطان اگر جہال صوفیہ کو فریب میں لے آئے تو کچھ تعجب نہیں۔ تعجب تو ان عالموں پر ہے جنھوں نے ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کے حکم کو چھوڑ کر صوفیہ کی بدعتیں اختیار کی ہیں۔

فصل

ان صوفیہ نے جو بدعتیں ایجاد کی ہیں ان میں عجیب عجیب باتیں نکالی ہیں اور جو لوگ ان کی خواہش نفسانی کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ انہوں نے ان کے لیے عذر ڈھونڈے ہیں۔ محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔

باب: توبہ کرنے والے سے کچھ تاوان لینے کے بارے میں سنت کیا ہے؟

اور کعب بن مالک کی حدیث سے حجت لی ہے کہ ان کی توبہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے تہائی مال صدقہ دینا کافی ہے۔ پھر کہا باب اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص پر تاوان واجب ہو اور اس کو ادا نہ کرے تو تاوان سے زیادہ اس پر لازم کر دیں۔ اور معاویہ بن جعدہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ کے حق میں فرمایا کہ جو شخص زکوۃ کو روکے گا میں اس سے زکوۃ اور اس کا آدھا مال لوں گا۔

مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے کھیل کرنے کو دیکھو اور اس صوفیہ کے لیے حجت لانے والے کی جہالت پر غور کرو کہ جو چیز انہوں نے ایک شخص پر خود مل کر لازم کر دی اس کا نام تاوان رکھا ہے' اور اس کو واجب بتاتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے واسطے کسی شے کا تاوان ہونا اور واجب ہونا فقط شریعت کی طرف سے ہے۔ اور جب کہ انسان غیر واجب کو واجب اعتقاد کرے گا تو یہ اعتقاد اس کو کافر بنا دے گا۔ صوفیہ کا مذہب ہے کہ استغفار و توبہ کے وقت سر کھول لے حالانکہ یہ بدعت اور خلاف آدمیت ہے اور احرام کی حالت میں سر کھولنے کے لیے اگر شریعت نہ وارد ہوتی تو کوئی اور وجہ نہ تھی۔ باقی رہی یہ حدیث کہ کعب بن مالک نے کہا میری توبہ یہ ہے کہ اپنے مال میں سے کچھ نکالوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تہائی مال کافی ہے یہ فرمانا کوئی لازم کر دینے کی راہ سے نہ تھا۔ صرف گناہ سے پاک کرنا تھا۔ اور ان سے مال لے لیا گیا۔ اور کجا

شریعت کا یہ لازم کرنا کہ جو شخص زکوۃ دے تو سزا کے طور پر ان سے اور زیادہ لیا جائے۔ اور کہاں اس قوم کا یہ تاوان کے طور پر زیادتی کا لازم کرنا پھر اگر وہ نہ دے تو اس کو دو چند کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو لازم کرنا ہی نہ چاہیے۔ لازم کر دینا فقط شریعت کے اختیار ہے' اور یہ سب حرکتیں نادانی اور شریعت کے ساتھ کھیلنا ہے۔ در حقیقت یہ لوگ شریعت پر حملہ کرنے والے ہیں۔

اکثر صوفیہ کو نوجوانوں کی صحبت کے بارہ میں تلبیس ابلیس کا بیان

جاننا چاہیے کہ اکثر صوفیہ نے اپنے اوپر نوجوان عورتوں کو دیکھنے کا دروازہ بند کر لیا ہے لہٰذا وہ ان کی مصاحبت سے دور رہتے ہیں اور ان کے ساتھ اختلاط رکھنے سے باز رہتے ہیں۔ اور نکاح کو چھوڑ کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور ارادت کے طور پر اور تعلیم و زہد کی غرض سے ان کے ساتھ نوجوانوں کی صحبت کا اتفاق ہوتا ہے۔ اور ابلیس ان کو ان کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ نوجوانوں کی صحبت کے بارے میں صوفیہ سات قسم کے ہیں۔ اول سب سے زیادہ خبیث ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو صوفیہ کے مانند بنتے ہیں اور حلول کے قائل ہیں ابو نصر عبداللہ ابن سراج کہتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ حلولیہ گروہ میں سے ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے جسموں کو اپنے حلول کرنے کے لیے اختیار فرمایا ہے اور یہ ربوبیت کے معنی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حلول خوبصورت اشیاء میں ہے۔ ابو عبداللہ بن حامد نے ذکر کیا کہ صوفیہ کی ایک جماعت کا قول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دیکھتے ہیں۔ اور اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آدمی کی صفت میں ہو اور اچھی صورت میں اس کے حلول کرنے سے انکار نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات حبشی لڑکے کو دیکھتے ہیں اور مشاہدۂ خدا سمجھتے ہیں۔ اور دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو صوفیہ کے ساتھ ان کے لباس میں تشبیہ اختیار کرتے ہیں۔ اور تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو اچھی چیز کو دیکھنا مباح جانتے ہیں۔

ابو عبدالرحمان السلمی نے ایک کتاب موسوم بہ سنن الصوفیہ تصنیف کی ہے۔ آخر

کتاب میں اس عنوان کا باب باندھا ہے۔ (باب ان چیزوں کے بیان میں جن کے لیے صوفیہ کے نزدیک رخصت ہے) اس باب میں رقص اور غناء اور اچھی صورت کا دیکھنا بیان کیا ہے اور وہ حدیث لکھی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا تم خیر کو اچھی صورتوں کے پاس طلب کرو۔ اور نیز فرمایا کہ تین چیزیں بینائی کو جلا بخشتی ہیں۔ سبزہ دیکھنا' پانی دیکھنا' اچھی صورت دیکھنا۔

مصنف ؒ نے کہا کہ ان دونوں حدیثوں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اصل نہیں ہے۔ پہلی حدیث کی اسناد کا آخری حصہ یوں ہے **عن یزید ابن ھارون ثنا محمد بن عبدالرحمن ابن المنیر عن نافع۔** وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیر کو اچھی صورتوں کے پاس ڈھونڈو یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ رواۃ حدیث میں محمد بن عبدالرحمان کوئی چیز نہیں۔ مصنف نے کہا کہ یہ حدیث کئی طریقوں سے روایت کی گئی ہے۔ عقیلی کہتے ہیں کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں۔ اور باقی رہی دوسری حدیث اس کی اسناد یہ ہے کہ ہم سے ابو منصور بن خیرون نے بیان کیا ان سے ابن عبید ریحانی نے کہا کہ میں نے ابو البختری وہب بن وہب سے سنا کہتے تھے کہ میں ہارون رشید کے پاس جایا کرتا تھا' اور اس کے سامنے اس کا بیٹا قاسم ہوتا تھا میں اس کی طرف ٹکٹکی لگائے رہتا تھا۔ ہارون رشید نے کہا کہ میں تجھ کو دیکھتا ہوں کہ تو قاسم ہی کی طرف نگاہ رکھتا ہے۔ کیا تیرہ یہ ارادہ ہے کہ قاسم تیرا ہی ہو رہے۔ میں نے کہا اے امیرالمومنین خدا کی پناہ مجھ کو اس بات کی تہمت نہ لگائیے جو میرے جی میں نہیں اور میں جو قاسم کی طرف نظر لگائے رہتا ہوں تو مجھے جعفر صادق نے بیان کیا کہ ان کے باپ نے ان کے دادا علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور ان کے باپ نے ان کے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جن کا دیکھنا بینائی کی قوت زیادہ کرتا ہے۔ سبزہ اور بہتا ہوا پانی اور اچھی صورت۔ مصنف ؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور ابو البختری کے بارے میں علماء کا کچھ اختلاف نہیں کہ وہ جھوٹا اور بنانے والا ہے۔ پھر عبدالرحمان سلمی کو یوں چاہیے تھا کہ جب اچھی چیز کا

دیکھنا ذکر کیا تھا تو اس کو بی بی اور مملوکہ لونڈی کا چہرہ دیکھنے پر موقوف رکھتا لیکن بالکل مطلق رکھنا تو ظاہر کرتا ہے کہ ان کو بدی سے محبت ہے۔

محمد بن ناصر الحافظ ہمارے شیخ نے بیان کیا کہ ابن طاہر مقدسی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں امردوں کو دیکھنے کا جواز لکھا ہے۔ مصنفؒ نے کہا کہ جس شخص کی شہوت امرد کی طرف دیکھنے میں حرکت میں آئے تو اس کا دیکھنا حرام ہے۔ اور جب انسان یہ دعویٰ کرے کہ خوبصورت امرد کے دیکھنے سے اس کی شہوت کو جوش نہیں آتا تو وہ جھوٹا ہے۔ اور مطلق طور پر اس لیے مباح کر دیا گیا کہ لامحالہ بچوں سے خلط ملط بکثرت ضرور ہوتا ہے۔ تو اس میں حرج و مشکل نہ پڑے۔ اور جب دیکھنے میں مبالغہ واقع ہو تو یہ حرکت دلیل ہے کہ خواہش نفسانی کے جوش کا تقاضا ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا جب تم کسی کو دیکھو کہ امرد لڑکے کو نظر جما کر دیکھ رہا ہے تو اس کو تہمت لگا دو۔

چوتھی قسم وہ گروہ ہے جو کہتے ہیں کہ ہم شہوت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ عبرت حاصل کرنے کی غرض سے نظر کرتے ہیں۔ اور ہم کو اس دیکھنے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ حالانکہ ان کا یہ قول غلط ہے۔ کیونکہ سب طبیعتیں مساوی ہیں۔ پھر جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ طبیعت میں اپنے ہم جنسوں سے جدا ہے تو ایک امر محال کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس بات کو ہم پہلے سماع کے بیان میں وضاحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔

ابو حمزہ صوفی نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زبیر حنفی نے کہا کہ میں ابو نصر غنوی کے پاس بیٹھا تھا اور وہ ایک جفاکش عابد تھے۔ انہوں نے ایک حسین لڑکے کو دیکھا ان کی دونوں آنکھیں اس لڑکے کی طرف گڑ کر رہ گئیں یہاں تک کہ اس کے قریب ہو گئے اور اس سے کہنے لگے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ خدا سمیع اور اس کی عزت رفیع اور سلطان منیع کے واسطے میرے آگے کھڑا رہ۔ میں جی بھر کر تجھے دیکھ لوں۔ لڑکا تھوڑی دیر کھڑا رہا پھر چلنے لگا تو اس سے کہنے لگے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس حکیم و مجید اور کریم و مبدی و معید کے واسطے کھڑا رہ۔ وہ لڑکا گھڑی بھر پھر کھڑا رہا۔ وہ اس کو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگے۔ پھر وہ چلنے لگا تو اس سے کہنے لگے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس واحد اور احد اور جبار اور صمد کے واسطے جو لم یلد ولم یولد ہے کھڑا رہ۔ لڑکا کچھ

دیر کھڑا رہا انھوں نے خوب دیکھا۔ پھر چلنے لگا تو بولے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس لطیف و خبیر اور سمیع و بصیر اور خدائے بے شبہ و نظیر کے واسطے ذرا کھڑا رہ۔ لڑکا کھڑا ہو گیا۔ وہ اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر اپنا سر زمین کی طرف جھکایا۔ اور وہ لڑکا چلا گیا۔ بہت دیر کے بعد سر اوپر اٹھایا تو رو رہے تھے اور کہتے تھے کہ اس لڑکے کے چہرے کی طرف دیکھنے سے مجھ کو وہ ذات یاد آگئی جو تشبیہ سے عالی اور تمثیل سے پاک اور محدود ہونے سے مبرا ہے۔ خدا کی قسم میں اس کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان کو اس کے دشمنوں سے جہاد کی مشقت میں ڈالوں گا۔ اور اس کے دوستوں سے محبت رکھوں گا۔ یہاں تک کہ میری مراد حاصل ہو یعنی اس کی اچھی صورت اور پاکیزہ طلعت دیکھنے پاؤں۔ (یعنی قیامت میں) اور مجھے تمنا ہے کہ کاش وہ مجھے اپنا دیدار دیکھنے دے اور تاقیام زمین و آسمان مجھ کو آگ میں قید رکھے یہ کہہ کر غش کھا کر گر پڑے۔

محمد بن عبداللہ فزاری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے خیر نساج سے سنا کہتے تھے کہ میں مسجد حنیف میں احرام باندھے ہوئے مخارق بن حسان صوفی کے ساتھ تھا کہ اہل مغرب میں سے ایک خوبصورت لڑکا ہمارے پاس آ بیٹھا تو میں نے مخارق کو دیکھا کہ اس لڑکے کی طرف اس طور سے نظر کرتے تھے جس کو میں نے مکروہ جانا۔ جب وہ لڑکا چلا گیا تو میں نے ان سے کہا کہ تم حالت احرام میں ہو اور یہ مہینہ حرمت کا ہے اور یہ شہر مبارک حرمت والا ہے اور مشعر حرام میں موجود ہو اس حال میں میں نے تم کو دیکھا کہ اس لڑکے کو ایسی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ مفتونوں کے سوا اس طرح کوئی نہیں دیکھتا۔ مخارق نے جواب دیا کہ اے پر شہوت دل اور آنکھ والے کیا تو مجھ سے یوں کہتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ مجھ کو دام ابلیس میں پھنسنے سے تین چیزیں روکتی ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیا چیزیں ہیں کہا ایمان کا پردہ اور اسلام کی عفت اور سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ سے شرمانا ہے۔ کہ وہ اس امر پر مطلع نہ ہو کہ میں اس بری بات کی طرف راغب ہوں۔ جس سے اس نے مجھ کو منع فرما دیا۔ یہ کہہ کر بچھاڑ کھا کر گر پڑے یہاں تک کہ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔

مصنف ؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ مذکور القبل احمق کی جہالت کو دیکھنا چاہیے اور اس کی تشبیہ کی رمز پر غور کرنا چاہیے اگرچہ تنزیہ کا قائل ہے۔ اور اس دوسرے کی حماقت

پر نظر کرنا چاہیے کہ فقط فعل فاحش ہی کو گناہ خیال کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ صرف شہوت سے نگاہ ڈالنا حرام ہے اور اپنی ذات سے طبیعت کا اثر اس دعوے سے زائل کر دیا۔ جس سے اس کی نظر شہوت کو لذت حاصل تھی۔

بعض علماء نے مجھ سے کہا کہ ایک امرد لڑکے نے مجھ سے بیان کیا کہ فلاں صوفی جو مجھ سے محبت رکھتا ہے کہنے لگا اے بیٹا تجھ پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و توجہ ہے کہ مجھ کو تیرا حاجت مند بنایا۔

نقل کرتے ہیں کہ صوفیہ کی ایک جماعت احمد غزالی کے پاس گئی تو ان کے پاس ایک امرد لڑکا دیکھا۔ وہ اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھے تھے اور دونوں کے بیچ میں ایک گلاب کا پھول تھا۔ احمد کبھی گلاب کو دیکھتے تھے اور کبھی لڑکے کو جب وہ صوفیہ آ کر بیٹھے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ غالباً ہم لوگوں نے آپ کو مکدر کیا۔ جواب دیا کہ ہاں ہاں بے شک خدا کی قسم پھر سب نے مل کر وجد و حال کے طور پر نعرہ مارا۔

ابوالحسین بن یوسف نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے احمد غزالی کو ایک رقعہ میں لکھا کہ تم اپنے ترکی غلام کو چاہتے ہو۔ انہوں نے رقعہ پڑھا۔ اور غلام کو بلایا۔ اور ساتھ لے کر منبر پر چڑھے اور اس کی دونوں آنکھوں کا بوسہ لے کر کہا کہ اس رقعہ کا جواب یہ ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ اس شخص (احمد غزالی) کی یہ حرکت اور اپنے چہرہ سے پردۂ شرم و حیا اٹھا دینا تو کوئی تعجب کی بات نہیں' تعجب تو ان گدھوں پر ہے جو وہاں حاضر تھے کہ انکار و اعتراض کرنے سے کیونکر خاموش رہے لیکن افسوس شریعت کی گرمی اکثر لوگوں کے دلوں میں سرد ہو گئی۔

ابوالطیب طبری نے ہم سے بیان کیا کہ اس قوم کی نسبت جو راگ سنتی ہے مجھ کو خبر ملی ہے کہ یہ لوگ سماع کے ساتھ امرد کی طرف نظر کرنے کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں اور بسا اوقات امرد کو زیورات اور رنگین کپڑوں اور زرین لباس سے آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں اور گمان رکھتے ہیں کہ یہ حرکت عین ایمان ہے اور امرد کو دیکھنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے اور صنعت سے صانع پر استدلال لانا ہے۔ حالانکہ ان باتوں میں نہایت ہی

خواہش نفسانی کا مدہ ہونا' عقل کو فریب دینا اور علم کے خلاف کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **وفی انفسکم افلا تبصرون** (الذاریات پ ۲۶ آیت ۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی آئتیں خود تمہاری ذاتوں میں موجود ہیں کیا تمہیں نظر نہیں آتا اور فرمایا **افلا ینظرون الی الا بل کیف خلقت** (الغاشیہ پ ۳۰ آیت ۱۷) کیا اونٹ کی طرف نظر نہیں کرتے کہ کس طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اور فرمایا **اولم ینظر واافی ملکوت السموت والارض** (الاعراف پ ۹ آیت ۱۸۵) کیا زمین و آسمان کی کائنات پر غور نہیں کرتے۔ جس چیز سے عبرت حاصل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس کو چھوڑ کر یہ لوگ اس میں پڑ گئے جس سے منع فرمایا۔ اور اصل یہ ہے کہ اس گروہ کے لوگ فقط عمدہ عمدہ غذائیں اور لذیذ کھانے کھا کھا کر مذکورہ حرکتیں کرتے ہیں۔ جب غذاؤں سے ان کے جی خوب بھر جاتے ہیں تو ناچ اور راگ اور خوبصورت امردوں کو دیکھنا اس قسم کی خواہشوں میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اگر کہیں کھانا کم کھائیں تو سماع اور نظر کے پاس نہ جائیں۔

ابوالطیب نے کہا کہ راگ سننے والوں کا حال اور جو کچھ سماع کی حالت میں ان پر کیفیت گزرتی ہے کسی صوفی نے چند اشعار میں صاف کھول دیا ہے وہ اشعار یہ ہیں۔

انذکر وقتنا وقد اجتمعنا
علی طیب السماع الی الصباح
ودارت بیننا کاس الاغانی
فاسکرت النفوس بغیر راح
فلم نرفیهم الا نشاوی
سرور اوالسرور هناك صاحی
اذا لبی اخو اللذات . فیه
منادی اللهوحی علی الملاح
ولم نملك سوے المهجات شیئا"
ارقنا هالا لحاظ ملاح

ترجمہ: جس حال میں کہ ہم صبح تک دل پسند راگ سننے کو جمع ہوئے ہیں تو کیا اب

بھی اپنے وقت کو یاد کریں۔ ہم میں راگوں کے پیالوں کا دور چل رہا ہے جن سے ہماری جانیں بغیر شراب کے نشہ میں سرشار ہو گئیں۔ محفل میں جو ہے سرور کے مارے نشہ میں ہے اور اس مجلس میں فقط سرور ہی ہوشیار ہے۔ اس محفل میں جب لہو و لعب کا منادی پکارتا ہے کہ نمکین معشوقوں کی طرف چلو تو لذت و لطف اٹھانے والا جواب دیتا ہے کہ حاضر ہوا اور ہمارے پاس دل خوں شدہ کے سوا کچھ نہیں ہے جس کو اچھی آنکھوں پر بہا دیں۔

ابوالطیب کہتے ہیں جب کہ سماع کی تاثیر دلوں میں یہ ہے جو اس شاعر نے بیان کی تو پھر سماع کیونکر کوئی نفع پہنچا سکتا ہے۔ یا کوئی فائدہ بخش سکتا ہے۔

ابن عقیل نے کہا جو شخص یوں کہتا ہے کہ مجھ کو اچھی صورتوں کے دیکھنے سے کچھ خوف نہیں تو اس کا یہ قول بے بنیاد ہے کیونکہ شریعت کا خطاب ہر ایک کے لیے عام طور پر ہے کسی کو ممتاز نہیں کیا جا سکتا۔ اور قرآن شریف کی آیتیں ایسے دعوؤں کا انکار کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **قل للمومنین یغضوا من ابصارھم** (النور پ ۱۸ آیت ۳۰) یعنی اے رسول ان اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں۔ اور فرمایا **افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت** (الغاشیہ پ ۳۰ آیت ۱۷) یعنی کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس صورت میں مخلوق ہوا۔ اور آسمان کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے کہ کس طرح بلند کیا گیا۔ اور پہاڑوں پر نظر نہیں کرتے کہ کیونکر نصب کیے گئے۔ پس انہیں صورتوں کا دیکھنا جائز ہوا جن کی طرف نفس کو کچھ رغبت نہیں اور جن میں خواہش نفسانی کا کچھ حصہ نہیں بلکہ یہ وہ عبرت ہے جس میں ذرا بھی شہوت کی آمیزش اور لذت کا ملاؤ نہیں۔ لیکن شہوت انگیز صورتوں کی تو یہی تعبیر کی جائے گی کہ شہوت کے ساتھ عبرت حاصل کی جاتی ہے اور ہر ایک صورت باعث گناہ ہے۔ اس قابل نہیں کہ اس پر نگاہ ڈالی جائے کیونکہ اکثر فتنہ کا سبب ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو پیغمبر بنا کر مبعوث نہیں فرمایا اور نہ اس کو قاضی یا امام یا موذن بنایا یہ سب کچھ اسی واسطے ہے کہ عورت آفت اور شہوت کا محل ہے۔ اور اکثر اوقات عورت کو دیکھنے سے شریعت کا مقصود منقطع ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص یوں کہے کہ میں اچھی صورتوں سے

عبرت لیتا ہوں تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے۔ اور جو کوئی اپنے آپ کو طبیعت میں ہماری طبیعتوں سے ممتاز سمجھے ہم اس کے دعویٰ کو باطل قرار دیں گے۔ یہ باتیں صرف شیطان کا مکرو فریب ہے کہ دعویٰ کرنے والوں کو دھوکا دے رکھا ہے۔

پانچویں قسم کے صوفیہ وہ ہیں جو امردوں سے صحبت رکھتے ہیں اور اپنے نفس کو خواہش سے روکتے ہیں اور اس کو مجاہدہ و نفس کشی اعتقاد کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ فقط امردوں سے صحبت رکھنا اور ان کی طرف شہوت سے دیکھنا ہی گناہ ہے اور یہ امور برے صوفیوں کی خصلتیں ہیں اور ان کے قدماء بھی اسی مذہب کے تھے۔ احمد بن علی بن ثابت نے ہم کو خبر دی کہ ابو علی روزباری نے یہ شعر کہے ہیں۔

انزه فی روض المحاسن مقلتی
وامنع نفسی ان تنال محرما
واحمل من ثقل الهوی مالوانه
علی الجبل الصلد الاصم تهدما

ترجمہ! میں اپنی آنکھوں کو حسن و خوبی کے باغ میں سیر کراتا ہوں اور اپنے نفس کو حرام کے مرتکب ہونے سے باز رکھتا ہوں میں عشق و محبت کا اتنا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں کہ اگر سخت اور مضبوط پہاڑ اٹھائے تو منہدم ہو جائے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ عنقریب یوسف بن الحسین کا واقعہ اور ان کے اس قول کا بیان آئے گا کہ میں نے اپنے خدا سے سو بار معاہدہ کیا کہ کسی نوجوان حسین کے پاس نہ بیٹھوں گا پھر سہی قد اور غمزہ بھری آنکھیں دیکھ کر وہ عہد توڑ ڈالا۔

ابوالمختار الضبی کہتے ہیں کہ میں نے ابو الکمیت اندلسی جو بڑے سیاح آدمی تھے کہا کہ اپنی دیکھی ہوئی صوفیوں کی کوئی عجیب بات بیان کیجئے۔ کہنے لگے کہ صوفیہ میں سے ایک شخص کی صحبت اٹھائی جس کا نام مہرجان تھا۔ وہ پہلے مجوسی تھا پھر مسلمان ہو گیا اور صوفی بن گیا۔ میں نے اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا دیکھا کہ اس کو اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ اور جب رات ہوتی تھی تو تہجد ادا کرتا۔ پھر اس کے پہلو میں لیٹ جاتا۔ پھر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوتا' پھر جس قدر ہو سکتا نماز پڑھتا تھا۔ پھر لوٹ کر اس کے پہلو میں لیٹ جاتا، حتیٰ

کہ یہ حرکت رات میں بارہا کرتا تھا۔ پھر جب صبح روشن ہو جاتی یا قریب صبح ہونے کے ہوتی وتر پڑھتا تھا۔ پھر آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر کہتا تھا کہ خداوندا تو خوب جانتا ہے کہ آج کی رات مجھ پر سلامتی سے گزری۔ اس رات میں میں نے کوئی فعل بد کی خواہش نہیں کی اور کراماً کاتبین نے میرے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں لکھا۔ حالانکہ اس لڑکے کی محبت جو میرے دل میں پوشیدہ ہے۔ اگر اس کو پہاڑ بھی اٹھائیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اگر زمین اٹھائے تو شق ہو جائے۔ پھر کہتا تھا کہ اے رات تجھ میں جو کچھ مجھ سے ہوا اس کی گواہ رہنا۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ کے خوف نے حرام کی خواہش اور گناہ کے تعرض سے باز رکھا۔ پھر کہتا تھا کہ اے خدا اے میرے مالک تو ہم کو پرہیز گاری پر ساتھ رکھنا۔ اور جس روز سب احباب اکٹھے ہوں ہم کو جدا نہ کرنا۔ راوی نے کہا کہ میں نے اس صوفی کے پاس عرصۂ دراز تک قیام کیا۔ ہر رات اس کا یہی کام تھا اور میں اس کی یہی باتیں سنتا۔ پھر جب میں نے اس کے پاس سے واپس آنے کا ارادہ کیا تو اس سے کہا یہ کیا بات ہے کہ جب رات گزر جاتی ہے تو میں تم کو اس طرح باتیں کرتا ہوا سنتا ہوں کہنے لگا کہ کیا تم سنا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ جواب دیا کہ اے بھائی خدا کی قسم میرے دل میں اس لڑکے کی اتنی محبت ہے کہ اگر اس قدر محبت بادشاہ کو اپنی رعایا سے ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا حق دار ہو جائے۔ میں نے کہا کہ پھر یہ تو بتاؤ کہ جس شخص کی طرف سے تم کو اپنے نفس پر فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا خوف ہے تو اس کے ساتھ صحبت رکھنے کی ہی کیا ضرورت ہے۔ ابو محمد بن جعفر بن عبداللہ صفوی کہتے ہیں کہ ابو حمزہ صوفی نے بیان کیا کہ میں نے بیت المقدس میں ایک جوان صوفی کو دیکھا کہ ایک مدت دراز تک ایک لڑکے سے صحبت رکھتا تھا۔ پھر وہ صوفی مر گیا۔ اس لڑکے کو اس کے مرنے کا نہایت غم ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے رنج میں لاغر ہو گیا۔ کہ اس کے جسم پر فقط کھال اور ہڈی رہ گئی ایک روز میں نے اس سے کہا کہ تم کو اپنے دوست کا بڑا صدمہ ہوا حتیٰ کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم کو اس کے بعد کبھی قرار نہ ہو گا جواب دیا کہ بھلا ایسے شخص کے بعد مجھ کو کیا قرار آئے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا تھا کہ آن واحد کے لیے بھی میرے سے جدا نہ ہو۔ اور پھر باوجود اس قدر طول صحبت اور کثرت خلوت شب و روز

کے مجھ کو فسق و فجور کی نجاست سے محفوظ رکھا۔

مصنف ؒ نے کہا کہ اس قوم کو جب شیطان نے دیکھا کہ اس کے ساتھ فواحش کی طرف نہیں جھکتے تو ان کی نظروں میں فواحش کے شروعات کو آرائش دی۔ لہٰذا انہوں نے نظر کرنے اور صحبت رکھنے اور ہم کلام ہونے سے لذت اٹھانا شروع کی۔ اور اس طرح فواحش سے بچنے سے نفس کی مخالفت کا عزم کیا۔ اب اگر وہ صادق اور پورے ہیں تو اتنا ضرور ہے کہ وہ دل جس کو بالکل خدا سے لگانا چاہیے غیر خدا کے ساتھ مشغول ہو گیا۔ اور وہ وقت جس میں طبیعت کی جفاکشی اور ریاضت سے دل کو ان باتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے جو آخرت میں فائدہ بخشیں فقط فاحشہ سے باز رہنے میں صرف ہوا اور یہ سب نادانی اور آداب شریعت سے باہر آنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں نیچی رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے دل بلا خوف و خطر اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص درندوں میں گزرا جو غافل اور اس سے بے خبر تھے اور اس کو نہ دیکھتے تھے۔ اس نے ان کو ہشکارا۔ اور ان سے مقابلہ کرنے لگا۔ اس صورت میں اگر وہ شخص ہلاک نہ ہو گا تو کم از کم مجروح ہونے سے تو ہرگز نہیں بچ سکتا۔

فصل

صوفیہ میں اکثر ایسے بھی ہیں جن کا مجاہدہ ایک مدت تک قوی رہا اور پھر کمزور ہو گیا اور ان کے نفس نے بدی کی خواہش کی تو اس وقت امردوں کی صحبت ترک کر دی تو ابو حمزہ صوفی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن علاء دمشقی سے پوچھا جو صوفیہ کے سرگروہ تھے اور میں نے ایک مدت تک ان کو ایک خوبصورت لڑکے کے ساتھ چلتا پھرتا دیکھا تھا۔ پھر انہوں اس سے علیحدگی اختیار کی تھی میں نے کہا کہ آپ نے اس نوجوان کو کیوں چھوڑ دیا۔ جس کو میں آپ کے ہمراہ دیکھا کرتا تھا۔ اور آپ اس سے بہت ملے جلے رہتے تھے اور اس کی طرف بڑے مائل تھے۔ جواب دیا کہ خدا کی قسم میں نے اس کو دشمنی اور ملال کی خاطر سے نہیں چھوڑا۔ میں نے کہا کہ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا کہنے لگے کہ جب میں

اس کے ساتھ تنہائی میں ہوتا تھا اور وہ میرے پاس بیٹھتا تو میں نے اپنے دل کو دیکھا کہ مجھ کو ایسے امر کی ترغیب دیتا تھا کہ اگر اس کا مرتکب ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جاتا۔ اس لیے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ تا کہ اللہ تعالیٰ عتاب نہ فرمائے اور میرا نفس فتنوں کے مقامات سے سلامت رہے۔

فصل

اکثر صوفیہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تائب ہو گئے اور نظر اٹھا کر دیکھنے پر بہت دیر تک روتے رہے۔ عبیداللہ نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے اپنے بھائی ابو عبداللہ محمد بن محمد سے سنا کہتے تھے کہ مجھ سے خیر نساج نے ذکر کیا کہ میں امیہ بن صامت صوفی کے ہمراہ تھا اتفاقاً انہوں نے ایک لڑکے کی طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی **ھو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر** (الحدید پ ۲۷ آیت ۴) یعنی جہاں کہیں تم ہو گے خدا تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب دیکھتا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے قید خانہ سے کون بھاگ سکتا ہے۔ حالانکہ اس نے اس قید خانے کو کرخت اور سخت فرشتوں سے محفوظ کر رکھا ہے۔ اللہ اکبر میرا اس لڑکے کی طرف دیکھنا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی آزمائش ہے میرے اس طرف دیکھنے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی روز ہوا چل رہی ہو' اور نیستان (جنگل) میں آگ لگ جائے۔ ایسی حالت میں وہ آگ جو کچھ پائے گی باقی نہ چھوڑے گی۔ پھر کہنے لگے کہ میری آنکھوں نے میرے دل پر جو کچھ بلا ڈالی ہے میں اس سے خدا کی بخشش کا خواستگار ہوں۔ اور مجھ کو اس امر کا خوف ہے کہ اس کے کچھ گناہ سے مخلصی نہ پاؤں اور اس کی معصیت سے نجات نہ ملے اگرچہ میں قیامت کے روز ستر صدیقوں کے عمل لے کر جاؤں۔ یہ کہہ کر رونے لگے حتیٰ کہ قریب مرنے کے ہو گئے میں نے سنا کہ روتے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

یا طرف لاشغلنک بالبکاء
عن النظر الی البلاء

ترجمہ! اے آنکھ میں تجھ کو اس بلا انگیز نگاہ سے ہٹا کر گریہ و زاری میں مشغول

رکھوں گا۔

فصل

اکثر صوفیہ ایسے ہیں کہ شدت محبت کی وجہ سے ان کو مرض نے آگھیرا۔ ابو حمزہ صوفی نے کہا کہ عبداللہ بن موسیٰ صوفیہ کے سردار اور سرگروہ تھے۔ انہوں نے کسی بازار میں ایک حسین لڑکے کی طرف دیکھا اور ایسے مبتلا ہو گئے کہ عشق و محبت کی وجہ سے قریب تھا کہ عقل زائل ہو جائے۔ ہر روز آ کر اس کے راستے میں کھڑے ہوا کرتے تھے اور جب وہ آتا جاتا تھا تو اس کو دیکھتے تھے اسی طرح ان کا عشق بڑھ گیا اور لاغری نے ان کو چلنے پھرنے سے بٹھا دیا۔ یہ حال ہو گیا کہ ایک قدم نہیں چل سکتے تھے۔ ایک روز میں ان کے ہاں عیادت کے لیے گیا۔ اور پوچھا کہ اے ابو محمد تمہارا کیا حال ہے اور یہ کیا آفت ہے جو میں دیکھتا ہوں کہ تم پر نازل ہوئی جواب دیا کہ یہ وہ امور ہیں جن میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ نے میرا امتحان کیا۔ میں نے اس بلا پر صبر نہ کیا اور مجھ میں اس کے سہنے کی طاقت نہ تھی۔ اور اکثر ایسا گناہ جس کو انسان حقیر سمجھتا ہے اور وہ خدا کے نزدیک گناہ کبیرہ سے بھی بڑا ہے اور جو شخص نظر حرام میں پڑ جائے وہ اس امر کا مستحق ہے کہ مدت دراز تک امراض میں گرفتار رہے۔ یہ کہہ کر رونے لگے۔ میں نے پوچھا تم روتے کیوں ہو کہنے لگے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بد نصیب مدت دراز تک دوزخ میں نہ پڑا رہوں۔ راوی نے کہا کہ یہ باتیں کر کے میں ان کے پاس سے چلا آیا اور ان کی بری حالت دیکھ کر مجھ کو رحم آتا تھا۔

ابو حمزہ کہتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ بن اشعث دمشقی خدا کے نیک بندوں میں سے تھے انہوں نے ایک حسین لڑکے کو دیکھا اور غش آگیا۔ لوگ ان کو ان کے مکان پر اٹھا کر لائے۔ پھر وہ بیمار ہو گئے حتیٰ کہ ان کے پاؤں چلنے پھرنے سے رہ گئے۔ اور ان سے پاؤں کے سہارے بالکل کھڑا نہ ہوا جاتا تھا ایک زمانہ دراز تک یہ کیفیت رہی۔ ہم لوگ ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے اور ان کا حال دریافت کرتے تھے۔ البتہ دوسرے لوگ ان کے اس لڑکے کی طرف دیکھنے کا قصہ بیان کیا کرتے تھے یہ باتیں اس لڑکے کے کان تک

پہنچیں وہ ان کی عیادت کو آیا اس کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ اور حرکت کرنے لگے' اس کی صورت دیکھ کر ہنسے۔ اور اس کے دیدار سے شاداں ہوئے۔ وہ لڑکا ہمیشہ اُن کی عیادت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے پاؤں کے سہارے کھڑے ہونے لگے۔ اور اپنی اصلی حالت پر آ گئے۔ ایک روز اس لڑکے نے ان سے اپنے ہمراہ اپنے مکان پر چلنے کے لیے کہا انہوں نے انکار کیا اس لڑکے نے مجھ سے درخواست کی کہ ان سے اس کے گھر پر نقل کرنے کو کہوں میں نے ان سے کہا وہ انکار کرنے لگے۔ میں نے پوچھا کہ آخر آپ کے وہاں جانے میں کیا قباحت ہے جواب دیا کہ میں بلا سے محفوظ اور فتنے سے مامون نہیں ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو شیطان مجھ پر محبت ڈال دے اور میرے اور اس کے درمیان کوئی گناہ واقع ہو اور میں اہل خسران (نقصان اٹھانے والوں) میں سے ہو جاؤں۔

فصل

بعض صوفیہ ایسے ہیں جن کو ان کے نفس نے فحش کی طرف بلایا انہوں نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ ابو عبداللہ حسین بن محمد دامغانی نقل کرتے ہیں کہ بلاد فارس کی طرف ایک بڑا نامی صوفی تھا۔ اتفاقاً ایک نوجوان کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ پھر اپنے نفس پر قابو نہ پاسکا یہاں تک کہ فحش کا خواہش مند ہوا۔ پس مراقبہ میں گیا اور اپنے ارادہ پر پشیمان ہوا۔ اس کا مکان ایک اونچی جگہ پر واقع تھا۔ اور اس کے عقب میں ایک دریا رواں تھا۔ جب ندامت بڑھی تو مکان کی چھت پر گیا اور دریا میں کود پڑا۔ اور یہ آیت پڑھی فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم (البقرہ پ ا آیت ۵۴) یعنی اے بنی اسرائیل خدا کے آگے توبہ کرو اپنے آپ کو ہلاک کرو۔ پھر پانی میں ڈوب مرا۔

مصنف ؒ نے کہا ابلیس کو دیکھو کہ اول تو اس بے چارے کو یہ سکھایا کہ امرد کو دیکھے پھر یہاں سے چڑھا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ ہر وقت اسی کو دیکھتا رہے۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں امرد کی محبت قائم کر دی۔ حتیٰ کہ اس کو فحش کی حرص دلائی۔ پھر جب اس کو محفوظ رہ جانا دیکھا تو جہالت سے یہ امر اس کو اچھا کر دکھایا کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے فحش کا فقط دل میں ارادہ کیا تھا اور قطعی قصد نہ

کیا تھا اور محض نیت گناہ کی کرنا شریعت میں معاف ہے۔ بوجہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ میری امت سے وہ گناہ معاف کر دیئے گئے جن کا صرف خیال دل میں آتا ہے۔ پھر وہ شخص اپنے ارادہ پر نادم بھی ہوا تھا۔ اور ندامت خود توبہ ہے لیکن شیطان نے اس کو یوں سمجھایا کہ کمال توبہ خود کشی ہے۔ جو بنی اسرائیل کا عمل تھا۔ حالانکہ وہ خدا کی طرف سے مامور تھے۔ جیسا کہ فرمایا **فاقتلوا انفسکم** (البقرہ پ ۱ آیت ۵۴) یعنی اپنے آپ کو مار ڈالو۔ اور ہم لوگ اس فعل سے منع کیے گئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے **ولا تقتلوا انفسکم** (النساء پ ۵ آیت ۲۹) یعنی خود کشی مت کرو۔ غرض یہ کہ صوفی بڑے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔ صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جو شخص پہاڑ (اونچائی) سے نیچے گرے اور اپنے آپ کو ہلاک کرے تو وہ آتش دوزخ میں گرتا ہے۔ ہمیشہ کے لیے وہیں رہے گا۔

فصل

بہت سے صوفیہ ایسے ہیں کہ کسی صوفی کو اس کے حبیب سے علیحدہ کر دیا گیا تو اس نے اپنے محبوب کو مار ڈالا۔ میں نے ایک صوفی کی نسبت سنا ہے کہ وہ بغداد میں ایک رباط میں رہا کرتا تھا اور جس گھر میں وہ رہتا تھا وہیں اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا لوگوں نے اس پر تشنیع کی۔ اور دونوں میں جدائی کر دی۔ وہ صوفی ایک چھری لے کر اس لڑکے کے پاس گیا اور اس کو مار ڈالا۔ اور اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگا۔ رباط والے آئے اور یہ حال دیکھا۔ کیفیت پوچھی اس نے لڑکے کے مار ڈالنے کا اقرار کیا۔ لوگ اس کو پکڑ کر کوتوالی لے گئے۔ وہاں بھی اقرار کیا۔ اس لڑکے کا باپ آیا۔ صوفی رونے لگا اور کہنے لگا کہ تجھ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھ سے اپنے لڑکے کا بدلہ لے لے۔ اس نے کہا کہ اب میں نے معاف کیا۔ صوفی وہاں سے اٹھا اور لڑکے کی قبر پر آیا اور اس کے لیے روتا رہا۔ پھر عمر بھر اس لڑکے کی طرف سے حج کرتا رہا اور اس کو ثواب بخشتا رہا۔

فصل

صوفیہ میں ایسے بھی ہیں جو فتنے کے قریب ہوئے اور اس میں مبتلا ہو گئے اور صبرو مجاہدہ کے دعویٰ نے ان کو باز نہ رکھا۔ ادریس بن ادریس کہتے ہیں کہ میں مصر میں صوفیہ کی ایک جماعت پر گزرا ان کے پاس ایک امرد لڑکا تھا جو ان کو گانا سناتا تھا۔ ان میں سے ایک شخص پر اس کو جوش غالب آیا اور اس کو کوئی تدبیر نہ سوجھی بولا کہ اے لڑکے کہو لا الہ الا اللہ لڑکے نے کہا لا الہ الا اللہ کہا وہ صوفی کہنے لگا کہ جس منہ سے لا الہ الا اللہ کہا ہے اس منہ کا بوسہ لے لوں۔

چھٹی قسم کے وہ صوفی ہیں کہ امردوں کی صحبت میں قصد نہیں کرتے بلکہ خود لڑکا توبہ کرتا ہے اور دنیا سے بے رغبت ہو جاتا ہے۔ اور صوفیہ کے ساتھ بطور ارادت رہتا ہے۔ شیطان ان کو فریب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس لڑکے کو خیر و نیکی سے باز نہ رکھو۔ پھر بلا قصد ان کی نگاہیں بار بار اس پر پڑتی ہیں۔ لہٰذا دل میں فتنہ اثر کر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شیطان اپنی قدرت کے موافق ان سے اپنا مطلب نکال لیتا ہے۔ اور بسا اوقات ان لوگوں کو اپنے دین پر وثوق ہوتا ہے اور شیطان ان پر دخل پا کر بڑے درجہ کے گناہ میں پھنسا دیتا ہے جیسا کہ برصیصا کے ساتھ کیا۔ مصنف نے کہا کہ برصیصا کا قصہ ہم نے شروع کتاب میں ذکر کیا ہے۔ ان کی غلطی یہ ہے کہ وہ فتنوں کے سامنے ہو جاتے ہیں اور ایسے شخص سے صحبت رکھتے ہیں جس کی صحبت میں فتنہ کا خوف ہے۔

ساتویں قسم کے وہ صوفیہ ہیں جو جانتے ہیں کہ امردوں سے صحبت رکھنا اور ان پر نگاہ ڈالنا حرام ہے مگر وہ ضبط نہیں کر سکتے۔ ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین کہتے ہیں کہ تم مجھ کو جو کام کرتے دیکھو۔ وہ سب کرو۔ لیکن بس ایک نوجوان سے صحبت نہ رکھو۔ کیونکہ یہ بڑا بھاری فتنہ ہے۔ میں نے اپنے پروردگار کے سامنے سو بار سے زیادہ عہد کیا کہ نوجوان سے صحبت نہ رکھوں گا۔ پھر گورے گورے رخسارے سیدھی سیدھی قامت اور غمزہ بھری آنکھیں دیکھ کر وہ عہد و پیان توڑ ڈالے۔ البتہ خدا حسینوں کے ساتھ مجھ کو کسی گناہ کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔ (یعنی میں نے کوئی فحش فعل نہیں کیا) اور پھر صریع الغوانی کے چند شعر کہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ پھول ایسے رخسارے اور بڑی بڑی آنکھیں اور گل بابونہ ایسے دانت اور رخساروں پر خمدار زلفیں اور سینوں پر میوہائے اناراں سب چیزوں

نے مجھ کو حسین عورتوں پر پچھاڑ گرایا۔ اسی لیے مجھ کو صریع الغوانی (خوبصورت عورتوں کا پچھاڑا ہوا) کہتے ہیں۔

مصنف ؒ نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ ابو عبدالرحمان نے ایسے گناہ کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا تھا۔ اپنے آپ کو رسوا کیا اور لوگوں کو خبر دی کہ جب وہ کسی فتنے کو دیکھتا ہے تو توبہ توڑ ڈالتا ہے۔ تصوف کی وہ اہم باتیں کہاں گئیں کہ نفس پر محبتیں اور جفائیں برداشت کرتے ہیں پھر اگرچہ یہ شخص اپنی جہالت سے گمان کرتا ہے کہ معصیت لفظ فحش کو کہتے ہیں لیکن اگر اس کو علم ہوتا تو جان لیتا کہ حسینوں کی صحبت اور ان کی طرف دیکھنا بھی معصیت ہے۔ جہالت پر غور کرنا چاہیے کہ جاہلوں کے ساتھ کیا کیا کرتی ہے۔

ابو مسلم خشوعی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بہت دیر تک ایک خوبصورت لڑکے کو دیکھا پھر کہنے لگے کہ سبحان اللہ میں اپنی آنکھ کو مکروہ چیز پر ڈال رہا ہوں اور اپنے مالک کی نافرمانی کر رہا ہوں۔ اور نگاہ کو ممنوع شئے کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اور جس امر سے پرہیز لازم ہے ادھر جھکا جاتا ہوں میں نے اس لڑکے کو ایسی نظر سے دیکھا ہے جس کو میں بجز اس کے کچھ نہیں خیال کرتا کہ قیامت کے میدان میں مجھ کو میرے پہچاننے والوں کے سامنے ذلیل و رسوا کرے گی۔ مجھ کو اس نظر نے ایسی حالت میں کر دیا کہ گو اللہ تعالیٰ مجھ کو بخش دے مگر اس سے شرمندہ ہی رہوں گا یہ کہہ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

فصل

جو شخص علم سے بے بہرہ رہے گا وہ ضرور خبط میں پڑے گا۔ اور جس کو علم ہو اور اس پر عمل نہ کرے وہ نہایت ہی خبط کرے گا اور حسب فرمان باری تعالیٰ **قل للمومنین یغضوا من ابصارھم** (النور پ ۱۸ آیت ۳۰) یعنی مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ جو شخص آداب شریعت پر عمل درآمد کرے گا وہ ابتدا ہی میں جان لے گا کہ اس کا معاملہ انتہا میں کیسا سخت ہو گا۔ اور شریعت میں امردوں کی ہم نشینی سے ممانعت آئی ہے۔ اور علماء نے اس سے احتراز رکھنے کے لیے وصیت فرمائی

ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شہزادوں کے پاس نہ بیٹھو کیونکہ ان کا فتنہ دوشیزہ لڑکیوں کے فتنے سے بھی سخت ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

وفد عبدالقیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ان میں ایک امرد لڑکا روشن چہرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی پشت مبارک کے پیچھے بٹھا دیا۔ اور فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خطا نگاہ ہی تھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی کسی امرد لڑکے کو نظر جما کر دیکھے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو کسی عالم پر ایذا رساں درندے کا بھی اس قدر خوف نہیں جتنا امرد لڑکے کی طرف سے ڈر ہے۔ عبدالعزیز ابن ابی السائب نے اپنے باپ سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے کہ میں ایک عابد شخص پر ایک امرد لڑکے کے بارے میں ستر باکرہ لڑکیوں سے بھی زیادہ ڈرتا ہوں۔ ابو علی روز باری نے کہا کہ میں نے جنید سے سنا کہتے تھے کہ احمد بن حنبلؒ کے پاس ایک شخص آیا اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا تھا۔ پوچھا یہ لڑکا کون ہے جواب دیا میرا بیٹا ہے۔ کہنے لگے کہ اب دوبارہ اس کو اپنے ہمراہ نہ لانا۔ جب کھڑا ہوا تو محمد بن عبدالرحمان حافظ نے کہا اور خطیب کی روایت میں ہے کہ ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ شیخ کو توفیق دے۔ یہ شخص پرہیز گار ہے اور اس کا بیٹا اس سے بڑھ کر ہے تو امام احمدؒ نے کہا کہ ہم نے اس بارے میں جو کچھ چاہا ہے ان دونوں کے پرہیز گار ہونے کے لیے مانع نہیں یوں ہی ہم کو اشیاخ نے اسلاف سے خبر دی۔ حسن بزاز کی نسبت سنا ہے کہ احمد بن حنبلؒ کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ایک خوبصورت امرد لڑکا تھا اور ان سے باتیں کیں۔ جب اٹھ کر جانے لگے تو ان سے ابو عبداللہ نے کہا کہ ابو علی اس لڑکے کے ساتھ کسی رستہ میں نہ چلا کرو کہنے لگے یہ تو میرا بھانجا ہے۔ جواب دیا کہ خواہ بھانجا ہی کیوں نہ ہو۔ لوگ تمہارے بارے میں ہلاک نہ ہوں۔ (یعنی تم کو لوگ متہم کریں گے) شجاع بن مخلد سے روایت ہے کہ انہوں نے بشر بن حارث کو کہتے ہوئے سنا کہ ان نو عمروں سے پرہیز کرو۔ فتح موصلی کہتے ہیں کہ میں تیس مشائخ سے ملا جو ابدال شمار کیے جاتے تھے۔ ہر ایک نے مجھ کو بروقت رخصت وصیت کی کہ نوجوانوں کی ہم نشینی

سے بچتے رہنا۔ سلام الاسود کی نسبت کہتے ہیں کہ کسی آدمی کو دیکھا جو نوجوان کو دیکھ رہا تھا کہنے لگے کہ اے فلاں اپنے مرتبے کا خیال کر کے اللہ تعالیٰ سے خوف کر' کیونکہ تو جب تک خدا کی تعظیم بجالاتا رہے گا صاحب رتبہ و جاہ رہے گا۔ ابو منصور عبدالقادر بن طاہر کا قول ہے کہ جو شخص نوجوانوں سے صحبت رکھے گا مکروہات میں پڑ جائے گا۔ سلام نے کہا کہ ہم سے ابو عبدالرحمان سلمی نے بیان کیا کہ مظفر قرمیسینی نے کہا کہ جو کوئی بشرط سلامت و نصیحت نوجوانوں سے صحبت رکھے گا تو بلا میں گرفتار ہو جائے گا۔ پھر اس شخص کا کیا پوچھنا جو بغیر شرط سلامت ان سے صحبت رکھے۔

فصل

اگلے لوگ مردوں سے پرہیز رکھنے کے بارے میں تاکید کرتے تھے۔ ہم روایت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوبصورت کو اپنے پس پشت بٹھایا۔ سفیان (ثوری) کسی امرد کو اپنے پاس نہ بیٹھنے دیتے تھے۔ ابراہیم بن ہانی نے روایت کیا کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک راستے میں کوئی لڑکا میرے ساتھ رہنے کی طمع کرے اور وہاں احمد بن حنبل" بھی ہوں۔ ابو ایوب نے کہا کہ ہم ابو نصر بن حارث کے ساتھ تھے۔ ان کے سامنے ایک لڑکی جس سے زیادہ خوبصورت ہم نے نہیں دیکھی آکر کھڑی ہوئی اور پوچھنے لگی کہ اے شیخ باب حرب کس مقام پر ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہی سامنے پھاٹک ہے جس کو باب حرب کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک لڑکا کہ کبھی ایسا حسین دیکھنے میں نہیں آیا آکر پوچھنے لگا کہ اے شیخ باب حرب کدھر ہے۔ ابو نصر نے سر جھکا لیا۔ اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ہم نے لڑکے سے کہا کہ یہاں آؤ کیا پوچھتے ہو؟ بولا کہ باب حرب کہاں ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ تمہارے آگے ہے۔ جب وہ لڑکا چلا گیا تو ہم نے شیخ سے سوال کیا کہ اے ابونصر آپ کے روبرو لڑکی آئی تو آپ نے اس کو جواب دیا اور لڑکا آیا تو اس سے کلام نہ کیا کہنے لگے کہ ہاں سفیان ثوری سے روایت ہے کہتے ہیں کہ لڑکی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا اور لڑکے کے ساتھ دو شیطان۔ میں اپنے نفس پر اس کے دو شیطانوں سے ڈر گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ لڑکے کے ساتھ کچھ اوپر دس

شیطان ہوتے ہیں۔
ابوالقاسم نے ہم سے بیان کیا کہ ہم محمد بن حسین کے پاس جو یحییٰ بن معین کے ساتھی تھے گئے۔ اور کہا جاتا تھا کہ انہوں نے چالیس برس ہوئے آسمان کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ جب ہم ان کے پاس گئے تو ہمارے ساتھ ایک نوجوان لڑکا مجلس میں ان کے سامنے تھا۔ اس سے کہا کہ میرے آگے سے اٹھ جا۔ اور اس کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ ابو اسامہ نے بیان کیا کہ ہم ایک شیخ کے پاس تھے جو حدیث بیان کرتے تھے ان کے پاس ایک لڑکا رہ گیا کہ ان کو حدیث سناتا تھا۔ میں نے اٹھنا چاہا انہوں نے میرا دامن تھام لیا اور کہنے لگے کہ ٹھہرو اس لڑکے کو فارغ ہو جانے دو اس لڑکے کے ساتھ خلوت میں رہنا ناپسند کیا۔
ابو علی روذ باری نے ہم سے بیان کیا کہ مجھ سے ابوالعباس احمد المودب نے پوچھا کہ اے ابو علی ہمارے زمانہ کے صوفیوں نے نوجوانوں سے انس رکھنا کہاں سے نکالا۔ میں نے جواب دیا کہ صاحب تم ان لوگوں کو خوب پہچانتے ہو اکثر امور میں ان کے ساتھ سلامتی رہتی ہے۔ کہنے لگے کہ ہیہات ہم نے ان بزرگوں کو دیکھا ہے جو ان لوگوں سے زیادہ قوی ایمان رکھتے تھے کہ جب کسی نوجوان کو دیکھا تو ایسے بھاگے جیسے کوئی جنگ و حرب سے بھاگتا ہے اور یہ سب باتیں صرف ان اوقات کے موافق ہیں کہ اکثر لوگوں پر احوال غالب ہو جاتے ہیں۔ اور طبیعتوں کے تصرف حاوی ہوتے ہیں کمال خطرے کی بات اور نہایت ہی غلطی ہے۔

فصل

نوجوانوں کی صحبت ابلیس کا بڑا مضبوط جال ہے جس سے وہ صوفیوں کو شکار کرتا ہے۔
ابو عبدالرحمان نے ہم سے نقل کیا کہ میں نے ابوبکر رازی سے سنا کہ یوسف بن حسین نے کہا کہ میں نے خلقت کی آفات پر غور کیا تو معلوم ہو گیا کہ کہاں سے آئی ہیں اور صوفیہ کی آفتیں میں نے نوجوانوں کی صحبت اور ناجنس کی ہم نشینی اور عورتوں کی رفاقت میں پائیں۔ ابن فرج رستمی صوفی کہتے تھے کہ میں نے شیطان کو خواب میں دیکھا اور کہا کیوں تو نے ہم کو کیسا پایا؟ ہم نے دنیا اور اس کی لذتوں سے اور دولتوں سے منہ پھیر لیا۔

اب تجھ کو ہم پر قابو نہیں۔ کہنے لگا کہ تم کو کچھ خبر بھی ہے تمہارے دل راگ سننے پر اور نوجوان کی صحبت پر کیسے مائل ہیں ابو سعید کہتے ہیں کہ اس بلا سے صوفیہ بہت کم نجات پاتے ہیں۔

فصل: خوبصورت لڑکوں کی طرف دیکھنے کی سزا کا بیان

ابو عبداللہ بن الجلاء کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا ایک خوبصورت نصرانی لڑکے کو دیکھتا تھا اتنے میں ابو عبداللہ بلخی میرے سامنے گزرے پوچھا کیسے کھڑے ہو میں نے کہا اے چچا آپ اس صورت کو دیکھتے ہیں۔ کیونکر آتش دوزخ میں عذاب کیا جائے گا۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ میرے شانوں کے بیچ میں مارے اور کہا کہ اس کا نتیجہ تجھ کو ملے گا۔ اگرچہ کچھ مدت گزر جائے میں نے چالیس برس کے بعد اس کا ثمرہ پایا کہ قرآن شریف مجھ کو یاد نہ رہا۔ ابو الادیان کہتے ہیں کہ میں اپنے استاد ابوبکر دقاق کے ساتھ تھا۔ ایک نوجوان لڑکا سامنے آیا میں اس کو دیکھنے لگا۔ استاد نے مجھ کو اس کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ لیا فرمایا کہ بیٹا بعد چندے تم اس کا نتیجہ پاؤ گے میں بیس برس تک منتظر رہا وہ نتیجہ نہ دیکھا ایک رات اسی سوچ بچار میں سو رہا جب صبح کو اٹھا تو تمام قرآن شریف بھول گیا۔

ابوبکر کتانی نے ہم سے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے ایک رفیق کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ خدا نے کیا معاملہ کیا۔ جواب دیا کہ مجھ پر میری برائیاں پیش کیں اور کہا کہ تو نے ایسا ایسا کیا۔ میں نے کہا ہاں پھر پوچھا کہ تو نے ایسا ایسا بھی کیا۔ تو مجھ کو اس کے اقرار سے شرم آئی۔ میں نے جواب دیا کہ اس کے اقرار کرنے سے شرماتا ہوں فرمایا کہ جب ہم نے تیرے اقرار کردہ گناہ بخش دیئے تو جس پر تجھ کو شرم آئی کیوں کر نہ بخشیں میں نے ان سے پوچھا کہ وہ گناہ کیا تھا۔ بولے کہ ایک خوبصورت لڑکا میرے سامنے گزرا تھا۔ میں نے اس کو دیکھا تھا۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جب میں شرمندہ ہوا تو پسینہ آگیا۔ یہاں تک کہ میرے چہرے کا گوشت گر پڑا۔ ابو یعقوب طبری سے ہم کو روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے کہا میرے پاس ایک خوبصورت جوان رہا کرتا تھا جو میری خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک بار میرے پاس بغداد سے ایک صوفی آدمی آیا وہ اکثر اس

جوان کی طرف دیکھا کرتا تھا میں اس حرکت سے اس کو فہمائش کرتا تھا۔ ایک رات میں سویا اور اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس شخص یعنی بغدادی کو نوجوانوں کے دیکھنے سے منع کیوں نہیں کیا۔ مجھ کو اپنی عزت کی قسم ہے کہ اس شخص کو نوجوانوں کی طرف مشغول کرتا ہوں جس کو اپنے قرب سے دور رکھتا ہوں۔ ابو یعقوب کہتے ہیں کہ میں بیدار ہوا اور نہایت بے قرار تھا اس بغدادی سے خواب بیان کیا اس نے زور سے ایک چیخ ماری اور مرگیا۔ ہم نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا۔ اور میرا جی اسی میں لگا رہا۔ بعد ایک مہینہ کے میں نے اس کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا۔ جواب دیا کہ مجھ پر زجرو توبیخ فرمائی۔ یہاں تک کہ مجھ کو خوف ہوا کہ نجات نہ ملے گی۔ پھر میرا قصور معاف کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے اس بارے میں قدرے طول بیانی اختیار کی کیونکہ اکثر لوگوں کے نزدیک اس میں عام لوگ مبتلا ہیں۔ اور جو شخص اس سے بھی زیادہ چاہے اس بارے میں اور نظر ڈالنے اور خواہش نفسانی کے تمام اسباب کے بارے میں تو چاہیے کہ ہماری کتاب ذم الہویٰ کو دیکھے کیونکہ اس میں ان سب باتوں کے بارے میں پوری بحث ہے۔

توکل کا دعویٰ رکھنے اور مال و اسباب فراہم نہ کرنے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

احمد بن الحواری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا کہتے تھے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے تو دیواریں نہ بناتے اور چوروں کے خوف سے گھر کے دروازے پر قفل نہ لگاتے ذوالنون مصری کہتے ہیں کہ میں نے برسوں سفر کیا۔ مگر میرا توکل درست نہیں رہا بجز ایک وقت کے کہ دریا کے سفر میں تھا' کشتی ٹوٹ گئی' میں نے اس کے تختوں میں سے ایک تختہ پکڑ لیا۔ میرے جی نے مجھ سے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے ڈوب جانے کا حکم فرمایا ہے تو یہ تختہ تجھ کو کچھ نفع نہ دے گا۔ میں نے وہ تختہ چھوڑ دیا۔ اور پانی پر تیر کر کنارے آ لگا۔ جنید سے میں نے سنا کہتے تھے کہ میں نے ابو

یعقوب زیات سے توکل کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے ایک درم جو ان کے پاس تھا نکالا۔ پھر مجھ کو مسئلہ کا جواب کما حقہ ' دیا پھر بولے کہ مجھے اس بات سے شرم آئی کہ میرے پاس کچھ مال موجود ہو اور میں تم کو توکل کے مسئلہ کا جواب دوں۔

ابو نصر السراج نے کتاب اللمع میں بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن جلاء کے پاس ایک آدمی توکل کا کوئی مسئلہ پوچھنے آیا۔ ان کے پاس ان کے مرید بیٹھے تھے۔ اس کو کچھ جواب نہ دیا اور گھر میں گئے اس جماعت کے سامنے ایک تھیلی نکال لائے جس میں چار دانگ تھے اور بولے کہ ان کا کچھ خرید لاؤ بعد ازاں اس شخص کو مسئلہ کا جواب دیا لوگوں نے اس بارے میں ان سے سوال کیا کہنے لگے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ سے شرم آئی کہ توکل میں کلام کروں اور میرے پاس چار دانگ ہوں۔ سہل بن عبداللہ نے کہ جو شخص پیشہ پر طعن کرے تو اس نے گویا سنت پر طعن کیا اور جو توکل پر طعن کرے تو اس نے ایمان پر طعن کیا۔

مصنف ؒ نے کہا کہ کم علمی کی وجہ سے یہ تخلیط کی۔ اگر یہ لوگ توکل کی حقیقت پہچانتے تو جان لیتے کہ توکل اور اسباب میں باہم مخالفت نہیں۔ کیونکہ توکل یہ ہے کہ دل فقط اللہ پر بھروسہ کرے اور یہ بات اس کے خلاف نہیں کہ بدن کے ساتھ تعلق رکھنے میں اور مال جمع کرنے میں جنبش ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولا تو توا السفھاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما (النساء پ ۴ آیت ۵) یعنی احمقوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنالیا ہے۔ قیاما" کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے ابدان ان کی وجہ سے قائم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا وہ مال نیک ہے جو آدمی کے کام آئے اور فرمایا کہ اپنے وارثوں کو تونگر چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج چھوڑ کر مرے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں یہ بھی جاننا چاہیے کہ جس نے توکل کا حکم دیا ہے اسی نے ہتھیار باندھنے کو فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا خذوا حذرکم (النساء پ ۵ آیت ۱۰۲) یعنی اپنے اسلحہ لے لو اور فرمایا واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (انفال پ ۱۰ آیت ۶۰) یعنی کفار کے لیے جس قدر قوت ہو سکے بہم پہنچاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر تلے دو زرہیں زیب بدن فرمائیں۔ اور دو طبیبوں سے مشورہ لیا اور غار میں پوشیدہ ہوئے اور ایک مقام

پر فرمایا تھا کہ آج کی رات میری نگہبانی کون کرے گا اور دروازہ بند کر دینے کا حکم دیا۔

صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا دروازہ بند کر لیا کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دے دی کہ توکل احتراز کے منافی نہیں۔ ابو قرہ نے بیان کیا کہ میں نے انس بن مالک سے سنا کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ میں اپنی اونٹنی کو باندھوں اور توکل کروں یا اس کو چھوڑ دوں اور توکل کروں۔ فرمایا کہ ہاں باندھ رکھ اور توکل کر۔ سفیان بن عیینہ نے کہا توکل کی تعریف یہ ہے کہ جو کچھ اس کے ساتھ کیا جائے اس پر راضی رہے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ ایک قوم کا یہ گمان ہے کہ احتیاط اور احتراز توکل کے خلاف ہے اور توکل صرف اسی کا نام ہے کہ انجام بینی ترک کر دے۔ اور اپنی حفاظت چھوڑ دے علماء کے نزدیک یہ عجز اور تفریط ہے جس کو اہل عقل لغو اور برا جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعد محافظت اور پوری کوشش صرف کرنے کے توکل کا حکم فرمایا ہے۔ **وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ** (ال عمران پ ۴ آیت ۱۵۹) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے اپنے امور میں مشورہ لیجئے۔ پھر جب مستقل ارادہ کر لیا تو خدا پر توکل کیجئے۔ اگر احتیاط کا پابند ہونا توکل میں نقص ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو خاص نہ کرتا جیسا کہ فرمایا **وشاورھم فی الامر** مشورہ کرنا تو اسی کا نام ہے کہ جس شخص میں دشمن سے نگہداشت اور تحفظ کا مادہ ہو۔ اس سے رائے لی جائے اور پھر احتیاط کے بارے میں اتنا ہی نہیں کیا اس کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے اور اجتہاد پر چھوڑ دیا ہو بلکہ اس پر قطعی حکم لگا دیا۔ اور نماز میں جو خاص ترین عبادت ہے اس کو رکن قرار دیا فرمایا **فلتقم طائفہ منھم معک الخ** (النساء پ ۵ آیت ۱۰۲) یعنی چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نماز میں آپ کے ساتھ کھڑی ہو اور اپنے اپنے ہتھیار لیے رہیں۔ پھر اس کی علت بیان فرمائی۔ **والذین کفروا الخ** یعنی کفار چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے اسلحہ اور سامان سے غافل پا کر ایک بارگی تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اب جو شخص احتیاط کو اس طور سے جان لے گا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ توکل کرنا اس چیز کو چھوڑ دینا ہے جس کو جانتے تھے بلکہ توکل یہ ہے کہ جس امر میں اپنی وسعت اور طاقت نہیں۔ اس

کو خدا پر چھوڑ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹنی کو باندھ رکھو اور توکل کرو اور اگر توکل یہ ہوتا کہ اپنی نگہداشت ترک کرے تو بہترین خلائق صلی اللہ علیہ وسلم بہترین احوال یعنی حالت نماز میں اس صفت کے ساتھ مخصوص ہوتے۔ امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ اس وقت میں ہتھیار باندھے رہنا واجب ہے لقولہ تعالیٰ **ولیاخذوا حذرھم واسلحتھم** (النساء پ ۵ آیت ۱۰۲) پس توکل احتراز اور احتیاط کا مانع نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام سے جب کہا گیا **ان الملا یاتمرون بک** یعنی رئیس لوگ تمہارے گرفتار کرنے کا مشورہ کرتے ہیں تو آپ شہر سے نکل گئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے اپنے بارے میں تدبیر سوچنے والوں کے خوف سے باہر تشریف لے گئے۔ اور غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس کے سوراخ بند کر کے بچایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی احتیاط کا پورا حق بجالائے پھر توکل کیا۔

اللہ تعالیٰ نے احتیاط کے باب میں فرمایا **لا تقصص رویاک علی اخوتک** (یوسف پ ۱۲ آیت ۵) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا اور فرمایا **لاتدخلوا من باب واحد** (یوسف پ ۱۳ آیت ۶۷) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مصر میں جا کر سب کے سب ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور فرمایا **فامشوا فی منا کبھا** (الملک پ ۲۹ آیت ۱۵) یعنی زمین کے اونچے مقاموں پر چلو اور احتیاط اس لیے ہے کہ اپنی ذات سے ضرر دور کرنے کے واسطے حرکت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا عمل میں لانا ہے۔ اور جس طرح اللہ اپنی عطا کی ہوئی نعمت کا اظہار چاہتا ہے اسی طرح اپنی ودیعتوں کا اظہار بھی چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کی گنجائش نہیں کہ اس کی عنایت ہی پر بھروسہ کر کے اس کی ودیعت کو مہمل چھوڑ دے۔ ہاں پہلے جو تمہارے قبضہ میں ہے اس کو عمل میں لاؤ پھر جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کو طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور چوپاؤں کو وہ اوزار عطا فرمائے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے شر کو دور کرتے ہیں مثلاً پنجے اور ناخن اور دانت اور منقار۔ اور آدمی کے لیے عقل پیدا کی جو اس کو اسلحہ باندھنے کی ہدایت

کرتی ہے اور مکان اور زرہ وغیرہ کے ذریعے سے محفوظ رہنے کی رہبر ہوتی ہے۔ پھر جو شخص احتیاط کو ترک کرے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بے کار کر دے تو گویا اس نے خدا کی حکمت کو معطل کیا جیسے کوئی شخص غذا اور دوا چھوڑ دے اور بھوک اور بیماری میں مر جائے۔ اور اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو عقل و علم کا دعویٰ کرے اور بلا کے سامنے گردن جھکا دے بلکہ شایان یہ ہے کہ توکل کرنے والے کے اعضاء و جوارح کسب و پیشہ میں لگے رہیں اور دل اطمینان کے ساتھ خدا کے سپرد رکھے۔ اب چاہے وہ عطا کرے یا نہ کرے۔ کیوں کہ ایسا شخص یقیناً جانے گا کہ خدا کا تصرف مصلحت و حکمت سے ہوتا ہے۔ اس کا عطا نہ کرنا بھی حقیقت میں عطا کرنا ہے۔ عاجز لوگوں کے لیے ان کے عجز اور ان کے نفسوں نے اس امر کو اچھا اور آراستہ کر دکھایا کہ تفریط کا نام توکل ہے۔ ان کا یہ دھوکا کھانا ایسا ہے کہ جیسے بے باکی کو شجاعت اور سستی کو دور اندیشی خیال کرے۔ اور جب کہ اسباب بنائے گئے ہوں اور بے کار چھوڑ دیئے جائیں تو یہ بنانے والے کی حکمت کا نہ جاننا ہے۔ جیسے کہ کھانا پیٹ بھرنے کا سبب' اور پانی پیاس بجھانے کا سبب اور دوا بیماری کے لیے بنائی گئی ہے۔ اب جس وقت آدمی سبب کو حقیر سمجھ کر ان سے دست بردار ہو۔ پھر دعا مانگے اور سوال کرے تو اس کو جواب ملے گا کہ ہم نے تیری عافیت کے لیے سبب بنا دیا تھا۔ جب کہ تو نے اس کو نہ اختیار کیا تو ہماری بخشش کو مہمل جانا۔ اکثر اوقات تجھ کو بغیر کسی سبب کے ہم عافیت نہ دیں گے۔ کیونکہ تو سبب کو تو ذلیل گردانتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنی کھیتی کے پختہ ہونے پر خوش ہوتا ہے اور اس کھیت میں ایک نہر سے پانی آتا ہے جو اس کے پاس جاری ہے۔ اب یہ شخص ٹیلے پر چڑھ کر بارش مانگنے کے لیے نماز استقاء پڑھنے لگے تو اس کی یہ حرکت نہ شریعت کی رو سے اچھی ہے اور نہ عقل کے لحاظ سے۔

مصنف ؒ نے کہا اگر کوئی یوں کہے کہ جب ہر ایک امر مقدر ہے تو احتراز کیونکر ہو سکتا ہے؟ جواب دیا جائے گا حکم اور فرمان موجود ہیں تو کیونکر اعتراض نہ کیا جائے اس لیے کہ جس نے مقدر کیا ہے اسی نے حکم دیا ہے اور فرمایا ہے خذوا حذرکم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ کی چوٹی پر نماز ادا کر رہے تھے۔ ان کے پاس شیطان آیا

اور کہنے لگا کہ تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ ہر شئے قضا و قدر سے ہوتی ہے۔ جواب دیا کہ ہاں۔ بولا کہ اچھا تو پھر تم اپنے آپ کو پہاڑ سے نیچے گرا دو اور سمجھ لو کہ میرے لیے یہ مقدر تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے لعین اللہ تعالیٰ بندوں کو آزماتا ہے بندے اللہ تعالیٰ کو نہیں آزماتے۔

فصل

اور اسی معنی میں کہ ترک اسباب کے بارے میں ابلیس نے لوگوں پر تلبیس کی ہے یہ ہے کہ بہتوں پر ابلیس نے تلبیس کی کہ توکل کسب کے خلاف ہے۔ سہل بن عبداللہ التستری کا قول ہے کہ جس نے توکل پر طعن کیا اس نے ایمان پر طعن کیا۔ اور جس نے کسب پر طعن کیا اس نے سنت پر طعن کیا۔ محمد بن عبداللہ رازی نے ہم سے بیان کیا کہ میری موجودگی میں ایک آدمی نے ابو عبداللہ بن سالم سے سوال کیا کہ ہم کسب کو عبادت سمجھیں یا کہ توکل کو؟ جواب دیا کہ توکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے اور کسب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور کسب اسی شخص کے واسطے مسنون ہے جو توکل کرنے میں ضعیف ہے۔ اور درجۂ کمال یعنی حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساقط ہے لہٰذا جو کوئی توکل کی طاقت رکھے اس کو کسب کسی حال میں مباح نہیں، مگر یہ کہ بطور مدد پہنچنے کے کسب کرے نہ یہ کہ کسب پر بھروسہ کرے اور جو شخص توکل کرنے میں جو کچھ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے کمزور ہو اس کو بذریعہ کسب طلب معاش کرنا جائز ہے۔ تاکہ درجۂ سنت نبوی سے نہ گر پڑے۔ یہاں تک کہ حالت نبوی کے درجہ سے ساقط ہو جائے۔ یوسف بن الحسین سے روایت ہے کہ کہتے تھے کہ جب تم کسی مرید کو دیکھو کہ شرع میں جو چیزیں آسان کی گئی ہیں ان کو تلاش کرتا ہے اور کمائی کرنے میں مشغول رہتا ہے تو اس سے کچھ نہ ہو گا۔

مصنف ؒ نے کہا یہ کلام اس قوم کا ہے جو توکل کے معنی نہیں سمجھے اور یہ گمان کیا کہ کسب کا چھوڑنا اور عمل سے جوارح کا معطل کرنا توکل ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ توکل دل کا فعل ہے۔ لہٰذا جوارح کی حرکت کے منافی نہیں۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ جو کسب

کرے وہ توکل کرنے والا نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام گویا توکل کرنے والے ہی نہ ٹھہرے۔ حضرت آدم علیہ السلام کاشتکار تھے۔ حضرت نوح اور زکریا علیہما السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سیتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام کھیت بوتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام سوداگر تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہیں اپنے ہاتھ سے بناتے تھے اور اس کی قیمت سے بسر کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ اور شعیب اور ہمارے نبی علیہم الصلوۃ والسلام نے بکریاں چرائی ہیں۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط پر چرایا کرتا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت سے غنی کر دیا تو آپ ﷺ کو کسب کی ضرورت نہ رہی' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عثمان' رضی اللہ عنہ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ کپڑے بیچا کرتے تھے۔ اور یہی پیشہ محمد ابن سرین اور میمون بن مہران کا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور عامر بن کریز رضی اللہ عنہ پارچہ باف تھے اور یہی پیشہ امام ابو حنیفہؒ کا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص تیر بناتے تھے۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ درزی کا کام کرتے تھے۔ اور تمام تابعین اور ان کے بعد والے ہمیشہ کسب کرتے رہے اور کسب کرنے کا حکم دیتے رہے۔

عطاء بن السائب نے ہم سے بیان کیا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو دوسرے روز صبح کو بازار کی طرف چلے اور آپ کے سر پر کپڑوں کی گٹھری تھی جن کی آپ تجارت کرتے تھے راہ میں حضرت عمر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما ملے پوچھنے لگے کہ آپ کہاں تشریف لے جاتے ہیں؟ جواب دیا کہ بازار جاتا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ امور مسلمین کے والی اور مختار ہو کر ایسا کرتے ہیں فرمایا کہ آخر میں اپنے اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں۔ میمون کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے دو ہزار درہم سالانہ مقرر کر دیئے۔ آپ نے کہا کہ اس سے اور زیادہ کرو۔ کیونکہ میرا کنبہ بہت ہے اور تجارت سے تم نے دوسری طرف لگا دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پانچ سو اور بڑھا دیئے۔

مصنفؒ نے کہا کہ اگر کوئی شخص ان صوفیہ سے کہے کہ میں اپنے اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں تو اس کو جواب دیں گے کہ تو مشرک ہے۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ جو

شخص سوداگری کے لیے جائے اس کا کیا حکم ہے؟ تو کہیں گے کہ وہ توکل کرنے والا اور یقین کرنے والا نہیں۔ ان لوگوں کی یہ سب باتیں فقط اس وجہ سے ہیں کہ توکل اور یقین کے معنے نہیں جانتے اور اگر کوئی ان میں سے اپنے اوپر دروازہ بند کر لے اور توکل کرے تو ان کے دعویٰ کا حال کھل جائے۔ لیکن ان لوگوں کی حالت دو حال سے خالی نہیں' یا لوگوں سے مانگنا تو بعض وہ لوگ ہیں جو دنیا کے لیے کوشش کرتے ہیں اور لوگوں سے اپنی خدمت لیتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو اپنے خادم کو بھیجتے ہیں وہ کشکول لے کر گھومتا ہے اور کھانا جمع کرتا ہے۔ یا رباط میں مسکینوں کی صورت بنا کر بیٹھنا اور یہ بات معلوم ہے کہ رباط فتوح سے خالی نہیں۔ جس طرح دکان اس امر سے خالی نہیں کہ خرید و فروخت کا قصد کیا جاتا ہے سہل بن ہاشم نے ابراہیم بن ادہم سے روایت کیا کہ سعید بن مسیب نے کہا جو شخص مسجد میں بیٹھ رہے اور کسب و حرفہ چھوڑ دے' اور پھر جو چیز اس کے پاس لائیں اس کو قبول کر لے تو گویا اس شخص نے گڑگڑا کر سوال کیا۔ ابو تراب اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ تم میں سے جس نے پیوند لگا لباس پہنا تو وہ ضرور سائل ہے۔ اور جو خانقاہ یا مسجد میں بیٹھ رہا وہ بھی ضرور سائل ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ میں کہتا ہوں اگلے بزرگ لوگ اس قسم کی باتوں میں پڑنے سے منع کرتے تھے۔ اور کسب کا حکم دیتے تھے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے قاریوں کی جماعت ذرا اپنے سر اٹھاؤ۔ کیونکہ راستہ بالکل روشن ہے نیکیوں کے لیے سبقت کرو اور مسلمانوں کے محتاج بن کر نہ رہو۔ محمد بن عاصم سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی جوان آدمی کو دیکھ کر اس کی حالت سے خوش ہوتے تو اس کا حال دریافت کرتے کہ آیا کوئی پیشہ کرتا ہے۔ اگر لوگ کہتے کہ اس کا کچھ پیشہ نہیں ہے تو فرماتے کہ یہ شخص میری نظر سے گر گیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم شام کی طرف تجارت کو جایا کرتے تھے منجملہ ان کے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہیں۔

ابو القاسم ؒ نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے احمد بن حنبل ؒ سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اپنے گھر میں یا مسجد میں بیٹھ رہے اور کہے کہ میں کچھ

پیشہ نہ کروں گا۔ میرا رزق خود میرے پاس آئے گا۔ احمد بن حنبلؒ نے جواب دیا کہ یہ شخص علم نہیں رکھتا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں سنا کہ میرا رزق میرے نیزہ کے سایہ تلے ہے۔ اور ایک حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے پرندوں کا ذکر کیا کہ وہ صبح کے وقت بھوکے ہوتے ہیں اور علی الصباح تلاش رزق میں جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **واخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ** (المزمل پ ۲۹ آیت ۲۰) یعنی دوسرے وہ لوگ ہیں جو زمین پر سفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی جستجو کرتے ہیں۔ اور فرمایا **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم**۔ (البقرہ پ ۲ آیت ۱۹۸) یعنی تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تری و خشکی میں تجارت کے لیے پھرتے تھے۔ اور اپنے باغوں میں کام کرتے تھے۔ ہم کو صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی پیروی کرنی چاہیے اور ہم سابق میں امام احمدؒ کا قول لکھ چکے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے کہا میں توکل پر حج کو جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ پھر قافلہ کو چھوڑ کر جاؤ اس نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا جواب دیا کہ پھر کیا لوگوں کے تھیلوں پر توکل کر کے چلا ہے۔ ابوبکر مروزی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابو عبداللہ سے کہا کہ آج توکل کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ ہمارا روزی رساں خدا ہے۔ جواب دیا کہ یہ قول لچر پوچ ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا **اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعہ الخ** (الجمعہ پ ۲۸ آیت ۹) یعنی جب جمعہ کی اذان ہو تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جلدی کرو' اور خرید و فروخت چھوڑ دو' پھر بولے کہ جب ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں کوئی پیشہ نہ کروں گا تو جب کوئی چیز کسب اور پیشہ کے ذریعہ سے حاصل کر کے اس کے پاس کوئی دوسرا آدمی لے جاتا ہے تو اس کو وہ قبول کیوں کرتا ہے۔ صالح سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے باپ یعنی احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ توکل کیسا ہے؟ جواب دیا کہ توکل اچھا ہے۔ لیکن آدمی کو چاہیے کہ لوگوں کے ذمہ نہ ہو جائے بلکہ چاہیے کہ کسب کرے تاکہ خود بھی اور اس کے اہل و عیال بھی خوشحال رہیں۔ اور حرفتہ کو نہ چھوڑیں' صالحؒ کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں میرے باپ سے اس قوم کی نسبت سوال کیا گیا جو

پیشہ نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم اہل توکل ہیں۔ جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ اہل بدعت ہیں۔ ابن عیینہ کہا کرتے تھے کہ لوگ بدعتی ہیں۔ ابو عبداللہ نے کہا کہ یہ لوگ برے ہیں جو کہ دنیا کو بے کار رکھنا چاہتے ہیں۔ مروزی نے ہم سے بیان کیا کہ ابو عبداللہ سے میں نے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور کہے کہ میں گوشہ گزیں ہوتا ہوں اور صبر کر کے بیٹھ رہنا اس کو کسی دوسری چیز کا مرتکب نہ بنا دے۔ میں نے کہا وہ دوسری کیا چیز ہے کہنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو اس بات کی توقع کرے کہ لوگ اس کے پاس کچھ لے کر آئیں۔ ابوبکر مروزی کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو سنا کہ ابو عبداللہ احمد بن حنبلؒ سے کہہ رہا تھا کہ میں خوشحالی میں ہوں فرمایا کہ بازار کو اختیار کر تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اپنے اقارب پر احسان اور اہل و عیال کو خوشحال کرے گا۔ اور ایک دوسرے شخص سے کہا کہ کام کر اور حاجت سے زائد کو اپنے اہل قرابت پر صدقہ کر۔ احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ میں نے اپنی اولاد کو حکم دیا ہے کہ بازار میں آئیں جائیں اور تجارت میں لگے رہیں فضل بن محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ کو بازار کو اختیار کرنے کا حکم کرتے ہوئے سنا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ لوگوں سے بے نیاز ہو کر رہنا کیا اچھی بات ہے۔ یہ بھی کہتے تھے کہ میرے نزدیک درہموں میں سے وہ درہم اچھا ہے جو تجارت سے حاصل ہوا۔ اور برا درہم وہ ہے جو احباب کے احسان سے ملا۔

مصنفؒ نے کہا کہ ابراہیم بن ادہم کھیتی کاٹا کرتے تھے۔ اور سلیمان خواص خوشہ چین تھے اور حذیفہ مرعشی اینٹیں بناتے تھے۔ ابن عقیل نے کہا کسی سبب پر عمل کرنے سے توکل نہیں ٹوٹتا کیونکہ انبیاء کے مرتبہ سے اپنی ترقی چاہنا دین کی بربادی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب کہا گیا کہ ان الملا یاتمرون بک الخ یعنی رئیس لوگ تمہارے قتل کا مشورہ کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے بھاگ نکلے۔ اس کے بعد جب بھوک لگی اور اپنے نفس کے پاک رکھنے کی ضرورت پڑی تو آٹھ برس کے لیے اپنے آپ کو اجرت میں دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا فامشوا فی مناکبھا (الملک پ ۲۹ آیت ۱۵) یعنی زمین کی بلندیوں میں سفر کرو۔ یہ ارشاد اس لیے ہے کہ جنبش کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی نعمت کو عمل میں لانا ہے۔ اور اس کی نعمت قوائے انسانی ہیں۔ لہٰذا جو

تمہارے پاس ہے پہلے اس کا استعمال کرو پھر جو خدا کے پاس ہے اس کو ڈھونڈو۔ بسا اوقات انسان اللہ تعالیٰ سے طلب فضل کرتا ہے اور جس قدر ذخیرۂ و مال اس کے پاس ہے اس کو بھول جاتا ہے۔ پھر جب کہ اس کے مطلب بر آنے میں تاخیر ہوتی ہے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ تم بعض لوگوں کو دیکھتے ہو کہ ان کے پاس زمین اور جائیداد ہوتی ہے پھر جب اس پر روزی تنگ ہوتی ہے اور قرض بہت ہو جاتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ کاش تم اپنی زمین بیچ ڈالتے۔ تو کہتا ہے کہ میں اپنی جائیداد میں کیونکر کمی کروں۔ اور لوگوں کے سامنے اپنا مرتبہ کیوں گھٹاؤں اور اس قسم کی حماقتیں صرف عادات سے ہوتی ہیں۔ اور بعض لوگ جو کسب سے دست بردار ہو گئے ہیں یا حرفتہ کو ایک گراں باری سمجھ کر ایسا کر بیٹھے تو وہ دو بری باتوں میں پڑ گئے یا تو اپنے اہل و عیال کو ضائع کیا اور فرائض کو چھوڑ دیا۔ اور یا اس لیے ایسا کیا کہ صاحب توکل کے نام سے زینت حاصل کرے۔ لہٰذا کسب کرنے والے اس کے اہل و عیال پر ترس کھاتے ہیں اور ان کی دعوتیں کرتے ہیں اور ان کو کچھ دیتے ہیں اور یہ رذیل عادت بجز دنی الطبع کے کسی میں نہیں ہوگی۔ ورنہ انسان کامل وہ آدمی ہے جو اپنے جوہر کو جو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخشا ہے۔ ہر ایک پر احسان کرنے کے لیے صرف کرے۔ نہ یہ کہ لوگوں میں ایک نام پیدا کرے جس سے جاہلوں میں زینت پکڑے کیونکہ کبھی اللہ تعالیٰ انسان کو مال سے محروم کر دیتا ہے اور ایک ایسا جوہر عطا فرماتا ہے جس سے وہ ایسا سبب نکالتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک مقبول ہو کر دنیا حاصل کرتا ہے۔

فصل

جو لوگ کسب کرنے سے بیٹھ رہے ہیں وہ دلائل قبیحہ سے حجت پکڑتے ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ جو ہمارا رزق ہے وہ ضرور ہم کو ملے گا۔ حالانکہ یہ بات نہایت قبیح ہے کیونکہ انسان اگر عبادت چھوڑ دے اور کہنے لگے کہ میں اپنی عبادت سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں بدل سکتا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اہل جنت سے لکھ دیا ہے تو اہل جنت سے ہوں گا اور اگر اہل دوزخ سے لکھ دیا تو اہل دوزخ میں جاؤں گا۔ ہم اس شخص کو جواب دیں گے کہ تمہارا یہ قول تو تمام احکام الٰہی کو رد کرتا ہے۔ اور اگر کسی کے

لیے ایسا کہنا جائز ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نہ نکلتے۔ کیونکہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ میں نے وہی کام کیا جو میرے لیے مقدر تھا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ہم لوگوں سے باز پرس ہوگی وہ امر کی وجہ سے ہوگی نہ بوجہ تقدیر کے۔ یہ لوگ ایک دلیل یوں لاتے ہیں کہ روزی حلال کہاں ہے جو ہم طلب کریں اور یہ قول کسی جاہل کا ہے کیونکہ رزق حلال کبھی منقطع نہ ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال ظاہر ہے۔ اور حرام ظاہر ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ حلال وہ روزی ہے جس کے لینے کی اجازت شریعت نے دے دی ہو۔ اور ان لوگوں کا یہ قول فقط سست آدمی کی حجت ہے۔ ایک اور دلیل ان کی یہ ہے کہ جب ہم کسب کریں گے تو ظالموں اور مددگاروں کی مدد کریں گے۔ ابو عثمان بن الادمی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم خواص سے سنا کہتے تھے کہ میں حلال روزی کی غرض سے طلب معاش کے لیے نکلا۔ اور مچھلی کے شکار کا ارادہ کیا۔ جال میں ایک مچھلی آئی میں نے اس کو نکال لیا۔ پھر جال ڈالا دوسری مچھلی پڑی میں نے اس کو بھی نکال لیا۔ پھر واپس لوٹا تو مجھ کو ایک ہاتف نے آواز دی کہ اے فلاں کیا تیرے لیے فقط یہی معاش رہ گیا ہے کہ ان جانداروں کو پکڑے جو ہمارا ذکر کرتے رہتے ہیں اور تو ان کو مار ڈالتا ہے۔ یہ آواز سن کر میں نے جال پھینک دیا اور شکار چھوڑ دیا۔

مصنف ؒ نے کہا کہ یہ قصہ اگر سچ ہے تو یہ ہاتف شیطان ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شکار کو مباح کر دیا ہے۔ لہٰذا مباح کی ہوئی چیز پر عذاب نہ فرمائے گا۔ اور کیونکر کسی سے کہا جا سکتا ہے کہ تم ایسی چیز کو کیوں ستاتے ہو جو ہمارا ذکر کرتی ہے۔ حالانکہ خود اسی نے اس چیز کا قتل جائز کر دیا ہے۔ اور کسب حلال عمدہ چیز ہے۔ اب اگر ہم شکار کرنا اور چوپاؤں کا ذبح کرنا اس وجہ سے چھوڑ دیں کہ وہ ذکر خدا کرتے ہیں تو ہمارے لیے تو وہ شئے نہیں رہتی جو قوائے بدن کو قائم رکھے کیونکہ ان کا قائم رکھنے والا صرف گوشت ہے۔ پس مچھلی پکڑنے اور حیوان کے ذبح کرنے سے پرہیز رکھنا برہمنوں کا مذہب ہے۔ لہٰذا جہالت کو دیکھنا چاہیے کیا کرتی ہے اور شیطان کیسا دھوکہ دیتا ہے۔

فتح موصلی سے کسی نے کہا کہ تم ماہی گیری کرتے ہو۔ پھر اپنے بال بچوں کے لیے

شکار کیوں نہیں کرتے؟ جواب دیا کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ پانی میں خدا کی عبادت کرنے والوں کا شکار کر کے لاؤں اور پھر زمین پر خدا کے نافرمان بندوں کو کھلاؤں۔ مصنف ؒ نے کہا کہ فتح موصلی کی یہ حکایت اگر درست ہے تو یہ عذر بارد ہے شرع اور عقل کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسب کو مباح فرمایا ہے اور لوگوں کو کسب کی طرف بلایا ہے۔ اب اگر کوئی کہنے والا کہے کہ بسا اوقات میں روٹی پکاتا ہوں اور اس کو ایک گنہگار کھاتا ہے تو یہ بات لغو ہو گی۔ کیونکہ ہمارے لیے جائز ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ہاتھ فروخت کریں۔ الٰہی اپنی رحمت سے ہم کو اس چیز کی توفیق دے جس سے تو راضی ہے۔

علاج کرنے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا کہ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ معالجہ کرنا جائز ہے فقط بعض کی رائے یہ ہے کہ ترک علاج عمدہ ہے۔ ہم نے اس بارے میں لوگوں کا کلام اور جو کچھ ہم کو خبر ملی ہے اپنی کتاب "لقط المنافع" میں جو فن طب میں ہے بیان کیا ہے۔ اس مقام پر صرف اس قدر مقصود ہے کہ ہم یہ بیان کریں کہ جب علاج کرنے کی اباحت بلا جماع ثابت ہو گئی' اور بعض علماء کے نزدیک مستحسن ٹھہرا تو ہم ان لوگوں کے قول کی طرف توجہ نہ کریں گے۔ جو کہتے ہیں علاج کرنا توکل سے خارج ہے کیونکہ اتفاق اس امر پر ہے کہ یہ بات توکل سے خارج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے علاج کیا اور علاج کرنے کا حکم فرمایا اور اس کی وجہ سے توکل سے نہیں نکلے۔ اور نہ اس کو توکل سے نکالا جس نے ان کو دوا کرنے کا حکم کیا صحیح بخاری میں بروایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ حالت احرام میں اگر آشوب چشم کی شکایت ہو تو ایلوے کا لیپ کرے۔ طبری نے کہا کہ اس حدیث میں توکل کرنے والوں اور عبادت کرنے والوں کے اس قول کے فاسد ہونے پر دلیل ہے کہ جو شخص کسی مرض کی وجہ سے اپنے جسم کا کسی دوا سے علاج کرے تو اس کا توکل صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا ان کے نزدیک جس ذات پاک کے قبضہ میں عافیت ہے اور نفع و نقصان ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے سے عافیت طلب کرنا ہے اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رفع تکلیف کے لیے احرام باندھنے والے کے حق میں آنکھوں کا علاج ایلوے کے ساتھ مطلق فرمایا تو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ توکل کے معنی وہ نہیں جو ان لوگوں نے بیان کیے ہیں جن کا قول ہم نے نقل کیا ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ علاج کرنے والا رضا بقضائے الٰہی سے خارج نہیں ہوتا۔ جیسے کسی شخص کو جوع الکلب کا عارضہ ہو تو اس کا غذا کے لیے بے قرار ہونا اس کو رضا بقضا اور توکل سے خارج نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موت کے سوا جو بیماری پیدا کی ہے اس کی دوا بھی ضرور اتاری ہے۔ اور مرض دور کرنے کے اسباب بنائے ہیں جس طرح کھانے کو بھوک کے زائل کرنے کا سبب قرار دیا۔ حالانکہ وہ قادر تھا کہ مخلوق کو بغیر اس کے بھی زندہ رکھے۔ لیکن اس نے مخلوق کو اہل حاجت بنا کر پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ان سے بھوک کی تکلیف اسی چیز سے دور ہو گی جس کو اس کے زائل کرنے کا سبب بنایا۔ یہی حالت مرض لاحق ہے۔

تنہائی اور گوشہ نشینی اور جمعہ و جماعت ترک کرنے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

اگلے نیک لوگ جو تنہائی اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کرتے تھے وہ محض اس لیے کہ علم حاصل کرنے میں اور خدا کی عبادت میں مشغول ہوں۔ مگر ان لوگوں کی گوشہ نشینی میں یہ بات نہ تھی کہ جمعہ و جماعت میں شامل نہ ہوں۔ مریض کی عیادت نہ کریں' جنازہ کے ساتھ نہ جائیں' کسی کو حق بات نہ بتائیں یہ گوشہ نشینی محض اس لیے ہوتی تھی کہ شر سے بچیں' فسادیوں سے محفوظ رہیں' برے لوگوں سے اختلاط نہ کریں۔ صوفیہ کی ایک جماعت کو شیطان نے دھوکہ دیا۔ لہٰذا ان میں سے بعض تو کسی پہاڑ پر راہبوں کی طرح سے الگ جا رہے۔ رات دن اکیلے رہتے ہیں۔ جمعہ اور نماز با جماعت کو چھوڑتے ہیں' اہل علم سے نہیں ملتے جلتے۔ عموماً صوفیہ رباطوں میں رہتے ہیں۔ مسجد میں نماز کے لیے نہیں آتے۔ بستر راحت پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور کسب کو چھوڑ رکھا ہے۔ ابو حامد غزالی نے کتاب "احیاء العلوم" میں بیان کیا ہے کہ ریاضت سے مقصود یہ ہے کہ دل یک سو ہو

جائے اور یہ بات جب ہی حاصل ہو گی کہ آدمی ایک مکان میں تنہا رہے۔ اور اگر مکان تاریک نہ ہو تو اپنا سر گریبان میں ڈالے یا کسی چادر وغیرہ سے لپیٹے۔ اس حالت میں وہ آواز حق سنے گا اور حضرت ربوبیت کے جلال کو مشاہدہ کرے گا۔

مصنفؒ نے کہا کہ ان ترتیبوں پر غور کرنا چاہیے اور تعجب یہ ہے کہ ایک فقیہ شخص سے یہ امر کیونکر صادر ہوتا ہے۔ اور اس کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو وہ سنتا ہے وہ آواز خدا ہے۔ جس کا وہ مشاہدہ کر رہا ہے جلال ربوبیت ہی ہے۔ یوں سمجھنے سے کیا مانع ہے کہ جس چیز کا اس کو وجدان ہوا وہ وسوسے اور فاسد خیالات ہیں۔ حالانکہ جو شخص ضرورت سے کم کھانا کھائے اس کے حق میں یہ بات ظاہر ہے کیونکہ اس پر مالیخولیا غالب ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات ایسی حالت میں آدمی وساوس سے محفوظ بھی رہتا ہے۔ مگر جب کہ وہ چادر اوڑھ لے اور آنکھیں بند کر لے تو اکثر چیزیں خیال میں آتی ہیں۔ کیونکہ دماغ میں تین قوتیں ہیں۔ ایک خیال کی قوت ہے دوسری فکر کی اور تیسری ذکر کی خیال کا مقام دماغ کے پردوں میں سے آگے کے دو پردے ہیں اور فکر کا مقام درمیانی پردہ ہے۔ اور ذکر و حفظ کا مقام پیچھے کا پردہ ہے جب آدمی اپنا سر جھکاتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے تو فکر اور خیال کا جولان ہوتا ہے۔

ابو عثمان بن الادمی نے کہا کہ ابو عبید بسری کا قاعدہ تھا کہ رمضان شریف کی پہلی تاریخ ہوتی تو گھر میں جا کر اپنی بی بی سے کہتے تھے کہ میرے حجرے کے دروازے کو مٹی سے بند کر دو اور ہر رات روزن کی راہ سے مجھ کو ایک روٹی دے دیا کرنا' پھر جب عید کا دن آتا تو ان کی بی بی اس گھر میں جا کر دیکھتی تھیں۔ تو گوشہ میں تیس روٹیاں پاتی تھیں۔ وہ نہ کھاتے نہ پیتے تھے۔ اور آخر ماہ مبارک تک ایک وضو سے رہتے تھے۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہ قصہ میرے نزدیک دو وجہ سے صحیح نہیں ہے اول یہ کہ ایک مہینہ تک انسان کیونکر رہ سکتا ہے کہ نہ محدث ہو اور نہ وضو کرے۔ دوسرے مسلمان ہو کر جمعہ اور جماعت کی نماز چھوڑ دینا۔ حالانکہ یہ واجب ہیں' اور ان کا ترک کرنا جائز نہیں۔ پھر اگر یہ حکایت درست بھی ہو تو اس شخص کے حق میں شیطان نے دھوکا دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ابو عبداللہ نیشاپوری کہتے ہیں کہ میں نے بارہا ابوالحسن بوشنجی صوفی کو سنا کہ

جمعہ اور جماعت سے پیچھے رہ جانے اور ترک کرنے پر ان کو عتاب کیا جاتا تھا تو کہتے تھے کہ اگر فضیلت جماعت میں ہے تو سلامتی تنہائی میں ہے۔

فصل

ایسی علیحدگی کے بارے میں جس کی وجہ سے تحصیل علم اور جہاد کفار سے محروم رہ جائے۔ ممانعت وارد ہوئی ہے۔ قاسم نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک لشکر میں جاتے تھے۔ ہم میں سے ایک آدمی کا گزر ایک غار پر ہوا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ اس شخص نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس غار میں مقام کروں۔ اور جو کچھ اس میں ہے اس کو قوت مقرر کروں۔ اور اس کے گرد جو سبزی پتے ہیں اس پر بسر کروں گا۔ اور دنیا سے الگ رہوں گا۔ پھر کہا کہ بہتر یہ ہے کہ میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کروں اگر آپ اجازت دیں گے تو میں ایسا کروں گا' ورنہ نہیں کروں گا۔ غرض وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک غار پر گزرا' وہاں پر پانی اور سبزی اس قدر موجود ہے جس سے میں بسر کر سکتا ہوں۔ میرے جی میں آتا ہے کہ وہاں قیام کروں اور دنیا سے علیحدہ ہو جاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نصرانیت اور یہودیت کے لیے مبعوث نہیں ہوا۔ بلکہ شریعت خالص اور آسان دین کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔ قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے' خدا کی راہ میں صبح و شام ایک بار قدم اٹھانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور تمہارے لیے جماعت کی صف میں کھڑا ہونا ساٹھ برس نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

صوفیہ پر خشوع اور سر جھکانے اور ناموس قائم رکھنے کے بارے میں تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا جب کہ خوف الٰہی دل میں قرار پکڑ جاتا ہے تو ظاہر میں خشوع اور عجز و نیاز کا باعث ہوتا ہے کہ انسان اس کو ضبط نہیں کر سکتا۔ اس لیے سر جھکائے اور

باادب اور منکسر رہتا ہے سلف صالحین ایسی باتوں کے چھپانے میں کوشش کرتے تھے۔ محمد بن سیرین دن میں ہنسا کرتے تھے۔ اور رات کو رویا کرتے تھے۔ ہمارا مقصود یہ نہیں کہ عالم کو عوام میں بیٹھ کر بے تکلفی کرنا چاہیے بلکہ اس سے تو ان کو تکلیف ہو گی۔ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا جب تم علم کا ذکر کیا کرو تو وقار قائم رکھو اور علم کو ہنسی کے ساتھ مخلوط نہ کرو۔ تاکہ اس کو لوگ دلوں سے نکال نہ پھینکیں۔ اس قسم کی حالت کو ریا نہیں کہتے۔ کیونکہ عوام کے قلوب عالم کو کسی فعل مباح میں مبتلا دیکھ کر تاویل کرنے سے عاجز ہیں۔ لہٰذا چاہیے کہ خاموشی اور ادب کے ساتھ ان کے سامنے رہے۔ مذموم تو یہ ہے کہ بناوٹ سے خشوع ظاہر کرے اور رونی صورت بنائے اور سر کو جھکائے تاکہ لوگ اس کو بڑا زاہد سمجھیں۔ اور مصافحہ اور ہاتھ پر بوسہ دینے کے لیے دوڑیں۔ اور بسا اوقات جب اس سے کہا جائے کہ ہمارے لیے دعا کیجئے تو دعا مانگنے کے لیے تیار ہو جائے۔ گویا کہ وہ اجابت کو نازل کرتا ہے۔ ابراہیم نخعی کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ ان سے کہا گیا ہمارے لیے دعا کیجئے تو ان کو بہت برا معلوم ہوا اور سخت ناگوار گزرا۔ بہت سے خوف کرنے والے ایسے ہیں جو خوف کے مارے نہایت ذلت اور شرم سے بسر کرتے ہیں اور آسمان کی طرف سر نہیں اٹھاتے حالانکہ یہ کوئی فضیلت میں داخل نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خشوع سے بڑھ کر کوئی خشوع نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سر مبارک آسمان کی جانب اٹھاتے تھے۔ اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ آیات آسمانی سے عبرت حاصل کرنے کے لیے آسمان کی طرف نظر کرنا مستحب ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ **اولم یروا الی السماء فوقھم کیف بنینا ھا** (ق پ ۲۶ آیت ۶) یعنی کیا اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس کو کس طرح بنایا ہے" اور فرمایا **قل انظروا ماذا فی السموات والارض** یعنی دیکھو زمین اور آسمان میں کیا کیا خدا کی نشانیاں ہیں" ان آیتوں میں صوفیہ پر رد ہے اس دعویٰ کا کہ فلاں صوفی نے کئی سال تک آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھائی۔

اس قوم نے اپنی بدعتوں کے ساتھ تشبیہ کی رمز کو بھی ملایا ہے۔ اور اگر یہ علم رکھتے

کہ خدا سے شرمانے کے بارے میں ان کا سر جھکانا سر اٹھانے کے برابر ہے تو ایسا نہ کرتے لیکن ابلیس کا شغل یہ ہے کہ جاہلوں کے ساتھ کھیل کرتا ہے' باقی رہے علماء تو ان سے ابلیس دور رہتا ہے اور بہت ڈرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کی تمام کیفیت سے واقف ہیں اور اس کے مکر و فن سے احتراز کرتے ہیں۔ ابو مسلمہ بن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منحرف اور شرمیلے نہ تھے اور اپنی مجلسوں میں شعر و اشعار پڑھا کرتے تھے۔ اور اپنی جاہلیت کی حالت بیان کیا کرتے تھے۔ پھر جب کسی کے سامنے اس کے امردین کا ذکر آتا تھا تو اس کی آنکھوں کے ڈھیلے ایسے پھرتے تھے گویا کہ وہ دیوانہ ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو دیکھا کہ سر جھکائے ہوئے تھا۔ فرمایا اے فلاں سر اٹھا۔ کیونکہ جس قدر خشوع دل میں ہے اس سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور جس شخص نے اپنے دلی خشوع سے زیادہ لوگوں کے سامنے خشوع ظاہر کیا تو اس نے نفاق پر نفاق ظاہر کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی شخص نے سانس بھرا گویا وہ غمگین بنا تو آپ نے اس کو گھونسہ مارا یا لات ماری ابن ابی خیثمہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ شفا بنت عبداللہ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو آہستہ چلتے تھے۔ اور نرم آواز سے گفتگو کرتے تھے۔ پوچھنے لگیں کہ یہ کیا بات ہے حاضرین بولے کہ عابد لوگ ہیں۔ کہنے لگیں کہ واللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب گفتگو کرتے تھے تو سب کو سناتے تھے اور جب چلتے تھے تو تیز قدم اٹھاتے تھے۔ اور جب کسی کو مارتے تھے تو درد میں مبتلا کر دیتے تھے۔ حالانکہ آپ سچے عابد تھے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ سلف اپنا احوال چھپاتے تھے اور ترک تصنع میں تصنع کرتے تھے ایوب سختیانی ؒ کی نسبت ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان کے لباس میں کسی قدر طول تھا۔ تاکہ حال پوشیدہ رہے۔ سفیان ثوری ؒ کہا کرتے تھے کہ میرے اعمال جو ظاہر ہو گئے ان کو شمار نہیں کرتا۔ سفیان ؒ نے کسی کو نماز پڑھتے دیکھ کر کہا کہ اس نماز کا تجھ کو کیا اجر ملے گا جسے آدمی دیکھ رہے ہیں ابو امامہ نے کہا کسی شخص کو سجدہ میں دیکھ کر کہا کہ یہ سجدہ کیا خوب ہوتا اگر تیرے گھر میں ہوتا۔ حسین بن عمارہ کی مجلس میں کسی نے آہ کی۔ لوگ کہتے ہیں کہ حسین اس کو دیکھنے لگے اور پوچھنے لگے کہ یہ کون آدمی ہے حتیٰ کہ خیال کیا کہ اگر اس

شخص کو پہچان جائیں گے تو اس کے بارے میں کچھ حکم لگائیں گے۔ حرملہ سے روایت ہے کہ شافعیؒ کو میں نے سنا کہ یہ شعر پڑھتے تھے۔

ودع الذین اذا اتوک تنکسوا
واذاخلوا فهم ذئاب خفاف

ترجمہ! ایسے لوگوں کو ترک کرو جو کہ جس وقت تمہارے پاس آئیں تو سر جھکا لیں اور جب علیحدہ ہوں تو چالاک بھیڑیے بن جائیں۔

ابراہیم بن سعید نے کہا کہ میں خلیفہ مامون رشید کی خدمت میں کھڑا تھا۔ مجھے آواز دی کہ اے ابراہیم! میں نے جواب دیا ہاں حضور! کہا کہ دس اعمال نیک ایسے ہیں کہ خدا کے پاس نہیں پہنچتے ہیں ان میں کچھ بھی اللہ تعالٰی کی جناب میں مقبول نہیں۔ میں نے پوچھا یا امیر المومنین وہ کیا ہیں؟ جواب دیا کہ ابراہیم بن بریہہ کا منبر پر چڑھ کر رونا' عبدالرحمان بن اسحاق کا خشوع' ابن سماعہ کے چہرہ کا درویشی سے متغیر ہو جانا' ابن خیعویہ کا رات کو نماز پڑھنا' عیاش کا چاشت کی نماز ادا کرنا' ابن سندی کا پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا' ابو رجاء کا حدیث بیان کرنا' حاجبی کی قصہ گوئی' حفصویہ کا صدقہ اور یعلی بن قریش کی کتاب التیامی۔

صوفیہ پر ترک نکاح کے بارے میں تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ خوف زنا کی حالت میں نکاح کرنا واجب ہے اور اگر زنا کا خوف نہ ہو تو سنت موکدہ ہے۔ یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں نکاح تمام نوافل سے افضل ہے کیونکہ وجود اولاد کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ اور فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے اب جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کو ترک نکاح سے منع فرمایا۔ اور اگر آپ ان کو اجازت دے دیتے تو ہم لوگ خصی ہو جاتے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں

سے ایک جماعت نے ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیونکر عمل فرماتے ہیں؟ ازواج مطہرات نے بیان کیا۔ تو صحابہ میں سے بعض نے کہا کہ میں عورتوں سے نکاح نہ کروں گا' بعض بولے کہ میں گوشت نہ کھاؤں گا۔ بعض کہنے لگے کہ میں رات کو بچھونے پر نہ سوؤں گا۔ بعض نے عہد کیا کہ ہمیشہ روزہ رکھوں گا کبھی افطار نہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سن کر خطبہ پڑھا۔ اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ کس قسم کے ہیں جو ایسا ایسا ارادہ کرتے ہیں۔ میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو شخص میری سنت سے برگشتہ ہو گا وہ مجھ سے نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس امت میں سب سے افضل ترین وہ تھے جن کی بیبیاں سب سے زیادہ تھیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' شداد بن اوس نے کہا کہ میری شادی کر دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو وصیت فرمائی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بن بیاہا نہ جاؤں۔ محمد بن راشد نے ہم سے بیان کیا کہ مکحول نے ایک آدمی سے روایت کیا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا جس کا نام عکاف بن بشر تمیمی ہلالی تھا۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عکاف تمہارے کوئی بی بی ہے؟ عرض کیا نہیں۔ دریافت فرمایا کہ کوئی لونڈی ہے؟ جواب دیا نہیں۔ استفسار فرمایا کہ تم فارغ البال ہو؟ کہا ہاں میں خوشحال ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ تو اس وقت شیطان کا بھائی ہے اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو کوئی راہب ہوتا۔ ہماری سنت نکاح ہے۔ تم لوگوں میں برے لوگ بن بیاہے ہیں۔ اور مرنے والوں میں رذیل تر وہ ہیں جو بن بیاہے مرتے ہیں۔ صالحین کے لیے شیاطین کے پاس ترک نکاح سے بڑھ کر کوئی ہتھیار زیادہ کارگر نہیں ہے۔ ابوبکر المروزی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے احمد بن حنبل ؒ سے سنا کہتے تھے کہ بن بیاہا رہنا امور اسلام سے کسی میں داخل نہیں کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ نکاح کیے اور نو بیبیاں چھوڑ کر وفات پائی پھر کہا اگر بشر بن الحارث شادی کر لیتے تو ان کے سب کام پورے ہو جاتے اور اگر آدمی نکاح کرنا چھوڑ دیتے تو نہ جہاد کرتے اور نہ حج کرتے' اور نہ یہ ہوتا اور نہ وہ ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ اکثر اوقات آپ ﷺ کے گھر میں کچھ کھانے پکانے کو نہ ہوتا تھا اس پر بھی آپ نکاح کو پسند فرماتے تھے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے اور ترک نکاح سے منع فرماتے تھے۔ اب جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے پھر جائے وہ کبھی حق پر نہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے غم و ملال کی حالت میں بھی نکاح کیا۔ اور آپ کی اولاد ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو عورتوں کی محبت دی گئی ہے۔ ابراہیم بن ادہمؒ سے نقل ہے کہ ایک نے ان سے شکایت کی کہ میں نے بیاہ کیا تو عیال کی وجہ سے بلائیں پڑ گئیں۔ ہنوز اس نے کلام پورا نہ کیا تھا کہ ابراہیمؒ نے اس کو بلند آواز سے ڈانٹا اور کہا کہ ہم نے راہ دیکھ لی ہے خدا تجھے عافیت میں رکھے۔ تو اس طریقہ پر نظر کر جس پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تھے۔ پھر کہا کہ بچہ کا اپنے باپ سے رو کر روٹی مانگنا ایسی اور ایسی فضیلت رکھتا ہے یہ باتیں بن بیاہے عابد کو کب حاصل ہیں۔

فصل

ابلیس نے اکثر صوفیہ کو دھوکا دیا اور ان کو نکاح سے باز رکھا۔ لہٰذا قدمائے صوفیہ نے عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نکاح کو ترک کیا' اور سمجھے کہ نکاح عبادت الٰہی سے پھیر دیتا ہے۔ یہ لوگ اگر نکاح کی حاجت رکھتے تھے یا کسی قسم کا رجحان اس طرف تھا تو ضرور اپنے جسم اور دین کو خطرے میں ڈالا۔ اور اگر ان کو نکاح کی ضرورت نہ تھی تو فضیلت سے محروم رہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے عضو مخصوص میں بھی صدقہ ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ایک شخص اپنی خواہش پوری کرتا ہے اس پر بھی اجر ملتا ہے؟ فرمایا بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اس خواہش کو حرام جگہ پوری کرتا تو گنہگار ہوتا'' عرض کیا ہاں' فرمایا کہ پھر تم لوگ برائی کو شمار کرتے ہو اور خیر کا خیال نہیں رکھتے۔

صوفیہ میں سے بعض کا قول ہے کہ نکاح کی وجہ سے نان و نفقہ لازم آتا ہے اور

کسب کرنا دشوار ہے' یہ حجت فقط کسب کی محنت سے جان چرانے کے لیے ہے' صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دینار وہ ہے کہ تم خدا کی راہ میں صرف کرتے ہو' ایک دینار وہ ہے جو غلام و بردہ کے لیے خرچ کرتے ہو' ایک دینار وہ ہے جو صدقہ دیتے ہو' ایک دینار وہ ہے جو اپنے اہل و عیال پر صرف کرتے ہو سب سے افضل وہی دینار ہے جو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو۔

صوفیہ میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ نکاح دنیا کی رغبت کا باعث ہوتا ہے' ابو سلیمان دارانی سے ہم روایت کرتے ہیں کہ کہا جس وقت آدمی حدیث طلب کرے یا طلب معاش میں سفر کرے تو وہ دنیا کی طرف جھکتا ہے' مصنف ؒ نے کہا کہ یہ سب شریعت کے مخالف ہے بھلا حدیث کیونکر نہ طلب کی جائے حالانکہ طالب علم کے لیے فرشتے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور طلب معاش کیوں نہ کی جائے حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں اسی حالت میں مروں کہ اپنی محنت سے روزی تلاش کرتا ہوں تو مجھ کو اس سے زیادہ پسند ہے کہ خدا کی راہ میں غازی ہو کر مروں' اور بھلا شادی کس طرح نہ کی جائے' حالانکہ صاحب شرع نے فرمایا ہے کہ تم نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ' میرے نزدیک یہ سب اوضاع خلاف شریعت ہیں۔

ابو حامد نے کہا صوفیہ میں سے ایک جماعت نے نکاح ترک کر دیا ہے تاکہ زاہد مشہور ہوں اور عوام لوگ صوفی کی بہت تعظیم کرتے ہیں جب کہ اس کی کوئی بی بی نہ ہو اور کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے کبھی عورت کی شکل بھی نہیں دیکھی یہ رہبانیت ہماری شریعت کے خلاف ہے۔

تکریتی نے کہا مرید کو چاہیے کہ اپنے آپ کو شادی کی طرف مشغول نہ کرے کیونکہ نکاح اس کو سلوک سے باز رکھے گا اور جورو سے مانوس رکھے گا اور جو شخص غیر خدا سے مانوس ہوا وہ خدا تعالیٰ سے پھر گیا' مصنف نے کہا مجھ کو اس شخص کے کلام پر سخت تعجب ہے اس کو اتنی خبر نہیں کہ جو انسان اپنے نفس کی عفت اور اولاد ہونا چاہے گا اور اپنی بی بی کی عصمت قائم رکھنے کی کوشش کرے گا تو وہ راہ سلوک سے خارج نہ ہوگا' بھلا کیا

جورو سے طبعی انس ہونا عبادت خدا کی طرف انس دلی ہونے کے منافی ہے حالانکہ خود اللہ تعالے نے مخلوق پر احسان فرمایا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **جعل لکم من انفسکم ازواجا** (الشوریٰ پ ۲۵ آیت ۱۱) یعنی اللہ تعالے نے تمہیں میں سے تمہارے لیے جوڑ پیدا کیے تاکہ تم کو ان سے آرام ملے اور تم میں باہمی محبت اور رحمت پیدا کر دی۔

حدیث صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے جابر رضی اللہ عنہ تم نے باکرہ سے شادی کیوں نہیں کی تاکہ تم اس کے ساتھ کھیلتے وہ تمہارے ساتھ کھیلتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایسی چیز کی ہدایت نہ کرتے جو ان کو انس الٰہی سے جدا کر دیتی' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ خوش طبعی فرماتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑتے تھے' بھلا کیا یہ امور انس الٰہی سے خارج تھے بلکہ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔

فصل

جاننا چاہیے کہ جوان جوان صوفیہ جب کہ ترک نکاح پر مداومت کرتے ہیں تو ان کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں' قسم اول جس منی کے مرض میں گرفتار ہو جاتے ہیں کیونکہ منی جب مدت دراز تک بند رہتی ہے تو اس کا زہریلا اثر دماغ کو چڑھ جاتا ہے' ابوبکر محمد بن زکریا رازی کہتے ہیں کہ میں ایک قوم کو پہچانتا ہوں کہ ان میں منی بہت تھی' پھر جب انہوں نے فلسفیت کی وجہ سے اپنے آپ کو روکا تو ان کی شہوتیں کم ہو گئیں اور ان کے جسموں میں برودت آگئی اور ان کی حرکات اور ہضم میں دشواری پڑ گئی اور کہا میں نے ایک شخص تارک جماع کو دیکھا کہ اس کی خواہش طعام زائل ہو گئی تھی اور یہ حالت ہو گئی کہ اگر تھوڑا سا کھاتا تھا تو اس کو ہضم نہیں ہوتا تھا بلکہ قے کر دیتا تھا' پھر جب اپنی جماع کی عادت کی طرف رجوع کیا تو یہ بیماریاں فوراً زائل ہو گئیں۔

دوسری قسم یہ کہ جس چیز کو وہ ترک کرتے ہیں آخر میں اس پر تل جاتے ہیں' صوفیہ میں بہت سے ایسے ہیں کہ ترک نکاح پر صبر کیا اور منی جمع رہی پھر حرکت میں آئی تو وہ

لوگ مبتلا ہو گئے اور دنیا سے جس قدر بھاگتے تھے اس سے کئی حصہ زیادہ میں گرفتار ہو گئے ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بہت دیر تک بھوکا رہا پھر جس قدر بھوک کی مدت میں چھوڑا تھا سب کھایا۔

تیسری قسم یہ کہ لڑکوں کی صحبت اختیار کرتے ہیں' اکثر صوفیہ میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نکاح سے ناامید کر دیا اور منی نے مجتمع ہو کر ان کو مضطرب کیا تو ان کی یہ حالت ہو گئی کہ امردوں کی صحبت سے راحت حاصل کرنے لگے۔

فصل

صوفیاء میں سے ایک کو شیطان نے فریب دیا کہ انہوں نے نکاح کیا اور کہنے لگے ہم شہوت کے خیال سے نکاح نہیں کرتے' اگر اس قول سے ان کی یہ مراد ہے کہ طلب نکاح سے زیادہ تر ہمارا مقصود ادائے سنت ہے تو جائز ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ نفس نکاح کی ان کو خواہش نہیں تو دروغ ظاہر ہے۔

فصل

بعض لوگوں کو جہل نے اس بات پر آمادہ کیا کہ انہوں نے عضو تناسل کو کاٹ ڈالا اور مجبوب ہو گئے اور خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے شرمانے کی وجہ سے ایسی حرکت ظاہر کی حالانکہ یہ نہایت حماقت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنس ذکور کو جنس اناث پر اسی عضو کے سبب سے شرف بخشا ہے اور یہ عضو اس لیے پیدا کیا کہ نسل قائم رہے اب جو شخص اپنے آپ کو مجبوب بناتا ہے گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ راہ صواب اس کے خلاف ہے پھر اس کے اس عضو کاٹ ڈالنے سے نفس سے شہوت نکاح زائل نہیں ہوتی لہٰذا ان کا مطلب حاصل نہ ہوا۔

طلب اولاد ترک کرنے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

ابوالحواری نے کہا میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا کہتے تھے کہ جو شخص فرزند کی خواہش رکھتا ہے وہ احمق ہے نہ دنیاوی نفع ہے نہ دینی فائدہ ہے کیونکہ اگر کھانا اور سونا اور جماع کرنا چاہے گا تو اس لڑکے کی وجہ سے اس کے عیش میں خلل آئے گا اور اگر خدا کی عبادت کا ارادہ کرے گا تو وہ لڑکا اس کو مشغول کر دے گا۔

مصنف ؒ نے کہا کہ یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا بیان یہ ہے کہ ایجاد دنیا سے اللہ تعالیٰ کی مراد چونکہ یہ تھی کہ میعاد مقررہ تک مداومت پائی جائے اور انسان کے قیام کا زمانہ دنیا میں بہت کم مدت تک ہے لہٰذا اللہ تعالے نے آدمی میں سے اسی کی مثل پیدا کرنا چاہا' پس اس کو اس کے سبب پر برانگیختہ کیا کبھی طبعی طور پر آتش شہوت بھڑکا دی اور کبھی ازروئے شرع کا حکم فرمایا وانکحوا الایامی منکم (النور پ ۱۸ آیت ۳۲) یعنی بن بیاہوں کی شادی کر دو' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح کرو اور نسلیں بڑھاؤ کیونکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت کی وجہ سے اور امتوں پر فخر کروں گا خواہ حمل کا گرا ہوا بچہ ہی کیوں نہ ہو' خود انبیاء علیہم السلام نے اولاد طلب کی ہے اور صالحین نے وجود اولاد کے لیے اسباب پیدا کیے ہیں' بسا اوقات مباشرت و جماع کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے ایسا لڑکا پیدا ہوتا ہے جیسے امام ابو حنیفہ ؒ اور ابو یوسف ؒ اور محمد ؒ اور شافعی ؒ اور احمد ؒ' ایسا جماع ہزار برس کی عبادت سے بہتر ہو جاتا ہے' خود حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جو رو سے جماع کرنے والا اولاد کو نفقہ دینے والا اور جس شخص کا لڑکا مر جائے اور جو شخص اولاد چھوڑ مرے ثواب پاتے ہیں' اب جو شخص طلب اولاد سے روگردانی کرے تو سنت اور افضل کے خلاف کرتا ہے اور صرف آرام کا طریقہ چاہتا ہے۔

جنید ؒ کا قول ہے کہ اولاد شہوت حلال کا عذاب ہے پھر شہوت حرام کے عذاب کو تم کیا کچھ خیال کرتے ہو' مصنف نے کہا یہ غلط ہے کیونکہ مباح کا نام عذاب رکھنا برا ہے

اس لیے کہ جو چیز مباح ہے اس سے جو نتیجہ نکلے تو عذاب کیونکر ہو گا' شریعت جس امر کی طرف پکارتی ہے اس کا حاصل کرنا تو ثواب ہوا کرتا ہے۔

سیرو سیاحت کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

اکثر صوفیہ کو شیطان نے فریب دیا تو ان کو سیاحت کے لیے نکالا نہ تو کسی خاص مقام کا ارادہ ہوتا ہے نہ طلب علم کی غرض ہوتی ہے بہت سے تنہا نکلتے ہیں اور اپنے ساتھ زاد سفر نہیں لیتے اور اس حرکت سے توکل کا دعویٰ کرتے ہیں اکثر فرائض اور فضائل ان سے فوت ہو جاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اس سیاحت میں عبادت پر قائم ہیں اور اس کی بدولت ولایت کے قریب ہو جاتے ہیں' حالانکہ یہ لوگ نافرمان اور مخالف ہیں' سفر و سیاحت اور کسی خاص مقام پر جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر حاجت کے دوڑ دھوپ سے منع فرمایا' رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمام اور خرام اور رہبانیت اور تبتل اور سیاحت یہ چیزیں اسلام میں نہیں' ابن قتیبہؒ نے کہا کہ زمام نکیل ڈالنے کو کہتے ہیں اور حزام بالوں کا حلقہ ہوتا ہے جو اونٹ کے نتھنوں کی ایک طرف ڈالا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس سے وہ ہے جو کہ نبی اسرائیل میں عبادت کرنے والے کیا کرتے تھے کہ گلے کی ہنسلی میں حلقہ ڈالتے تھے اور ناک میں نکیل ڈالتے تھے اور تبتل کے معنی ترک نکاح ہیں اور سیاحت یہ ہے کہ شہر کو چھوڑ دے اور روئے زمین میں گھومتا پھرے' ابو داؤد نے سنن میں حدیث ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو سیاحت کی اجازت دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے' مصنفؒ نے کہا کہ حضرت عثمان ابن مظعون کی حدیث ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ میں زمین میں سیاحت کروں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اے عثمان ٹھہرو کیونکہ میری امت کی سیاحت جہاد اور حج اور عمرہ ہے' اسحاق بن ابراہیم نے احمد بن حنبلؒ سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ جو شخص سیاحت کے ساتھ عبادت کرے آپ اس کو پسند کرتے ہیں یا جو شخص شہر میں مقیم ہے' احمد بن حنبلؒ

نے جواب دیا کہ سیاحت نہ اسلام میں سے کوئی چیز ہے اور نہ انبیاء و صالحین کا فعل ہے۔

فصل

باقی رہا تنہا سفر میں جانا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا جنگل میں چلنے والے پر لعنت کی۔

فصل

صوفیہ رات کو تنہا چلتے ہیں حالانکہ یہ ممنوع ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ تنہائی کا نقصان جانتے تو کبھی کوئی شخص رات کو تنہا نہ نکلتا' اور فرمایا کہ جب رات قرار پکڑے تو تم نہ نکلا کرو کیونکہ رات میں اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے اپنی مخلوق میں سے پھیلاتا ہے۔

فصل

مصنف نے کہا کہ اکثر صوفیہ وہ ہیں جنہوں نے سفر اپنا شیوہ بنا رکھا ہے حالانکہ سفر فی نفسہ مقصود نہیں ہوا کرتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر ایک عذاب کا ٹکڑا ہے' جب تم سفر میں اپنی حاجت پوری کر چکو تو اپنے گھر جلدی آؤ' اب جو شخص سفر کو اپنا شیوہ بنا لے تو وہ اپنی جان کو بھی عذاب میں ڈالتا ہے اور اپنی عمر بھی ضائع کرتا ہے اور یہ دونوں مقصود فاسد ہیں' کہتے ہیں ابو حمزہ خراسانی نے بیان کیا کہ میں احرام کی حالت میں رنج و مشقت اٹھاتا رہا۔ ہر برس ہزار فرسخ سفر کرتا تھا آفتاب مجھ پر طلوع کرتا تھا اور غروب ہوتا تھا' جب میں حلال ہوتا تھا تو پھر احرام باندھ لیتا تھا' الٰہی! ہم تجھ سے اس چیز کی توفیق چاہتے ہیں جو ہم سے تجھ کو راضی کرے۔

بغیر زاد سفر کے ویرانوں میں جانے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس

ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ابلیس نے صوفیہ کی جماعت کثیر کو دھوکہ دیا اور ان کو شبہ میں ڈالا کہ ترک زاد سفر کو توکل کہتے ہیں' ہم پیشتر اس کا فساد بیان کر چکے ہیں' لیکن یہ بات جہلائے قوم میں پھیلی ہوئی ہے اور احمق قصہ گو بطور مدح کے صوفیہ کی حکایتیں ایسے توکل کی نسبت بیان کرتے ہیں گویا اس حرکت پر مبتدیوں کو ترغیب دیتے ہیں' اس قوم کی ایسی حرکتوں سے اور ان جاہلوں کی تعریف سے حالات خراب ہو گئے اور صحیح راہ عوام سے پوشیدہ ہو گئی' اس بارے میں ان سے بہت کچھ منقول ہے' ہم ان میں سے کچھ بیان کرتے ہیں۔

علی بن سہل بصریؒ نے بیان کیا کہ فتح موصلی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں حج کو چلا جب ٹھیک میدان میں پہنچا تو ناگاہ ایک چھوٹا لڑکا دیکھا میں نے جی میں کہا کہ اللہ اکبر یہ جنگل میدان اور یہ ویران زمین اور یہاں یہ چھوٹا بچہ' میں قدم بڑھا کر اس کے پاس گیا اور اس کو سلام کیا' پھر اس سے کہا کہ بیٹا تم چھوٹے بچے ہو احکام شریعت تم پر جاری نہیں ہوئے کہنے لگا اے بزرگوار مجھ سے بھی چھوٹی عمر کے بچے مر چکے ہیں' میں نے کہا قدم بڑھا کر چلو کیونکہ راستہ دور ہے' تاکہ تم منزل تک پہنچ جاؤ' وہ بولا کہ چچا جان میرے اختیار چلنا ہے اور خدا کے اختیار پہنچا دینا ہے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں پڑھا کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (عنکبوت پ ۲۱ آیت ۶۹) یعنی جو لوگ ہمارے لیے محنت اٹھاتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں بتاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا وجہ کہ میں تمہارے پاس توشہ اور سواری نہیں دیکھتا' جواب دیا کہ اے چچا توشہ میرا یقین ہے اور سواری میری امید ہے' میں نے کہا کہ میں تم سے روٹی اور پانی کے بارے میں پوچھتا ہوں کہنے لگا کہ اے چچا یہ تو بتائیے کہ اگر آپ کو کوئی آپ کا دوست یا بھائی اپنے مکان پر بلائے تو آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ اپنے ساتھ اپنے گھر سے کھانا لیجائیے اور اس کے مکان پر جا کر کھائیے' میں نے اس سے کہا کہ میں تم کو توشہ دے دوں' کہنے لگا اے جھوٹے میرے پاس سے دور ہو' اللہ تعالیٰ ہم کو کھلاتا پلاتا ہے' فتح موصلی کہتے ہیں کہ اس

لڑکے سے زیادہ میں نے کوئی چھوٹا بچہ صاحب توکل اور کوئی بڑا آدمی اس سے بڑھ کر زاہد نہیں دیکھا۔

مصنفؒ نے کہا کہ ایسی ہی حکایتیں امور کو فاسد کرتی ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ یہی راہ صواب ہے اور بڑا آدمی کہنے لگتا ہے کہ جب چھوٹے بچے نے ایسا کیا تو میں اس سے زیادہ مستحق ہوں کہ ایسا کروں' اس لڑکے پر تو کچھ تعجب نہیں بلکہ عجب تو اس شخص پر ہے جو اس سے ملا اس کو کیوں نہ بتایا کہ یہ جو حرکت وہ کر رہا ہے خلاف شرع ہے اور کیوں نہ کہا کہ جس نے تجھ کو بلایا ہے اسی نے توشہ لینے کا حکم دیا ہے اور اسی کے مال میں سے توشہ لیا جاتا ہے لیکن قباحت تو یہ ہے کہ بڑوں کا خود یہ طریقہ ہے چھوٹوں کا کیا ذکر۔

ابو عبداللہ الجلاء سے کسی نے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا جو بغیر توشہ اور اسباب کے جنگل میں جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ اہل توکل ہیں اور وہیں جنگلوں میں مرجاتے ہیں' جواب دیا کہ یہ کام اہل حق کا ہے' اگر وہ مرجائیں تو خون بہا قاتل پر ہو گا' مصنف نے کہا کہ یہ فتویٰ ایسے شخص کا ہے جو شریعت سے ناواقف ہے کیونکہ متفقہ طور پر فقہائے اسلام کے نزدیک جنگل میں بغیر توشہ کے جانا جائز نہیں' اور جس شخص نے ایسا کیا اور بھوک کے مارے مرگیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اور دوزخ میں پڑنے کا مستحق ہے' اسی طرح جب کہ ایسی چیز کا سامنا کرے جس سے گمان غالب ہلاکت کا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفوس کو ہمارے پاس امانت رکھا ہے اور فرمایا ہے **لاتقتلوا انفسکم** (النساء پ ۵ آیت ۲۹) یعنی اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو۔ ہم اس بارے میں پہلے ہی کلام کر چکے ہیں کہ آزار دینے والی چیز سے پرہیز کرنا واجب ہے' اگرچہ یہ حکم اس مسافر کے لیے نہیں جو بغیر توشہ سفر کرے لیکن اس فرمان باری تعالیٰ کے خلاف کرتا ہے کہ **تزودوا** یعنی تم توشہ لے کر سفر کیا کرو۔

عبداللہ بن حنیف نے کہا کہ میں اپنے تیسرے سفر میں شیراز سے چلا اور جنگل میں تنہا سویا بھوک اور پیاس کی تکلیف مجھ کو اس قدر پہنچی کہ میرے آٹھ دانت گر پڑے اور سارے بال جھڑ گئے' مصنفؒ نے کہا کہ اس شخص نے اپنا قصہ ایسا بیان کیا جس سے بظاہر

اپنے فعل پر مدح چاہتا ہے حالانکہ مذمت کا زیادہ سزاوار ہے۔

ابو حمزہ صوفی نے کہا کہ مجھ کو خدا سے حیا آتی ہے کہ آسودہ شکم ہو کر جنگل کو جاؤں اور توکل کا دعویٰ کروں ایسا نہ ہو کہ میری شکم سیری ایک توشہ ہو جائے جو مکان سے لے کر چلا تھا' مصنف نے کہا کہ اس قسم کے بارے میں پیشتر کلام ہو چکا ہے' ان لوگوں کا خیال ہے کہ توکل ترک اسباب کا نام ہے اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب توشہ باندھ کر غار کو تشریف لے گئے تھے' توکل سے نکل جاتے' اسی طرح حضرت موسیٰ جب خضر علیہ السلام کی تلاش کو نکلے اور مچھلی ساتھ لے گئے اور اصحاب کہف جب شہر سے چلے تو کچھ درم پاس رکھتے تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس قوم کی سمجھ میں توکل کے معنی ہی نہیں آئے لہٰذا جاہل رہے ابو حامد نے ان لوگوں کے لیے عذر نکالا ہے اور کہا ہے کہ جنگل میں بغیر توشہ کے جانا دو شرط سے جائز ہے ایک یہ کہ انسان کو اپنے نفس پر اس قدر اعتماد ہو کہ کھانے سے کم و بیش ایک ہفتہ صبر کر سکے' دوسرے یہ کہ اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ گھاس پتے کھا سکے' جنگل اس بات سے خالی نہ ہو گا کہ یا تو بعد ایک ہفتہ کے اس کو کوئی آدمی مل جائے یا جنگل میں اترے ہوئے لوگوں یا گھاس کے پاس پہنچ جائے جس سے اپنا وقت کاٹ لے۔

میں کہتا ہوں بہت بری بات اس قول میں یہ ہے کہ ایک سمجھدار عالم سے صادر ہوا ہے کیوں کہ کبھی کسی سے ملاقات نہیں ہوتی ہے اور کبھی راستہ بھول جاتا ہے اور کبھی بیمار پڑ جاتا ہے تو اس کے لیے گھانس موافق نہیں ہوتی ہے اور کبھی ایسے شخص سے ملاقات ہوتی ہے جو اس کو کھانا نہیں دیتا اور اس شخص کے پاس جاتا ہے جو اس کی مہمانداری نہیں کرتا اور ہو سکتا ہے کہ وہ شخص مرجائے اور کوئی آدمی اس کے پاس نہ آئے علاوہ ازیں ہم ذکر کر چکے کہ تنہا سفر کرنا کیا حکم رکھتا ہے اور کیا حاجت ہے ان مصیبتوں کے برداشت کرنے کی کہ بھروسہ کرے عادت پر یا کسی شخص کی ملاقات پر یا گھاس کی روٹی پر' اور کون سی فضیلت ہے اس حالت میں کہ انسان اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے اور کہاں انسان کو حکم ہے کہ وہ گھاس کو کھانا مقرر کرے اور سلف میں سے کسی شخص نے ایسا کیا ہے اور گویا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آزمائش کرتے ہیں کہ آیا ان کو جنگل

میں روزی دیتا ہے یا نہیں (نعوذ باللہ من ذالک) اور جو شخص جنگل میں کھانا طلب کرتا ہے وہ غیر عادی چیز کو تلاش کرتا ہے کیا تم کو خبر نہیں کہ موسیٰ کی قوم نے جب ساگ اور ککڑی کی درخواست کی تو ان کو حکم ہوا اهبطوا مصرا یعنی شہر میں اترو۔ اور یہ ارشاد اسی لیے ہوا تھا کہ جو چیزیں انہوں نے طلب کی تھیں وہ شہروں ہی میں ہوتی ہیں لہٰذا یہ لوگ نہایت خطا پر ہیں اور شرع اور عقل کے مخالف ہیں اور موافق نفس کے عمل کرتے ہیں۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اہل یمن حج کو آتے تھے اور توشہ ساتھ نہ لاتے تھے اور کہتے کہ ہم اہل توکل ہیں' وہ لوگ حج کرتے تھے اور مکہ میں آتے تھے اور لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وتزودوا فان خیر الزاد التقوی (البقرہ پ ۲ آیت ۱۹۷) یعنی اپنے ساتھ توشہ لایا کرو کیونکہ بہتر توشہ پرہیز گاری ہے۔

محمد بن موسیٰ جرجانی نے کہا میں نے محمد بن کثیر صنعانی سے ان زاہدوں کے بارے میں سوال کیا جو نہ سفر میں توشہ لے جاتے ہیں اور نہ جوتا اور موزہ پہنتے ہیں جواب دیا کہ تم نے مجھ سے اولاد شیاطین کی نسبت سوال کیا ہے زاہدوں کے بارے میں نہیں پوچھا' میں نے کہا پھر زہد کیا چیز ہے؟ بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مشابہت کرنا۔

احمد بن حنبلؒ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو بغیر توشہ کے جنگل میں جاتا ہے امامؒ نے سخت انکار کیا اور کہا اف اف نہیں نہیں' بغیر توشہ اور قافلہ اور ساتھیوں کے ہرگز نہ جانا چاہیے' یہ جملہ بلند آواز سے کہا' ابو عبداللہ احمد بن حنبلؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ ایک شخص سفر کرنا چاہتا ہے' آپ کیا پسند کرتے ہیں توشہ لے جاوے یا توکل کرے جواب دیا کہ توشہ ساتھ لے جائے یا ایسا توکل کرے کہ گردن نہ اٹھائے تاکہ اسے کچھ دیں خلال نے کہا مجھ سے ابراہیم بن خلیل نے بیان کیا کہ احمد بن نصر نے لوگوں سے بیان کیا کہ ایک شخص نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ آدمی توکل پر مکے کو جاوے اور اپنے ساتھ کچھ نہ لیجاوے' فرمایا مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کھائے گا کہاں سے' تو اس نے کہا کہ توکل کرے گا تو لوگ اسے دیں گے' فرمایا جب لوگ اسے نہ دیں گے تو کیا

لوگوں کی طرف نظر نہ اٹھائے گا تا کہ لوگ اسے دیں' یہ مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے' مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں پہنچی کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا تابعینؒ نے ایسا کیا ہو' احمد بن حنبل کے پاس ایک خراسانی آیا اور کہنے لگا کہ اے ابو عبداللہ میرے پاس ایک درہم ہے اس کو لے کرج کو جاؤں' امام نے اس سے کہا کہ تم باب الکرخ کی طرف جاؤ اور اس درہم کی بوری خریدو اور سر پر رکھ کر بیچتے پھرو' اس طرح جب تمہارے پاس تین سو درہم ہو جائیں توج کو جاؤ۔ وہ بولا اے عبداللہ آپ لوگوں کے لیے پیشہ و کسب کا خیال کرتے ہیں' امامؒ نے کہا یہ خبیث کیا کہتا ہے' کیا تو یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے لیے ان کے معاش فاسد کر دے۔ وہ کہنے لگا اے ابو عبداللہ ہم توکل کرتے ہیں' امام نے پوچھا تو جنگل کو اکیلا جائے گا یا لوگوں کے ہمراہ' جواب دیا کہ لوگوں کے ساتھ جاؤں گا' امام نے کہا کہ تو جھوٹا ہے تو توکل کرنے والا نہیں' اکیلا جا' ورنہ تو صرف لوگوں کے تھیلوں پر توکل کرتا ہے۔

ان امور کا بیان جو صوفیہ سے سفر و سیاحت میں خلاف شریعت سرزد ہوئے

ابو حمزہ صوفی نے کہا کہ میں نے ایک سفر توکل پر کیا' ایک رات میں چلا جا رہا تھا اور میری آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی یکایک ایک کنویں میں گر پڑا تو میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ کنویں میں موجود ہوں اور اس میں سے نکل نہ سکا' کیونکہ اس کا کنارہ بہت اونچا تھا لہٰذا میں بیٹھ گیا وہیں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں اس کنویں پر دو آدمی آ کھڑے ہوئے ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو ہم چلیں اور اس کنویں کو مسلمانوں کے رستے میں چھوڑ دیں' دوسرے نے کہا پھر اور کیا کرو گے' میرے جی میں آیا کہ پکار اٹھوں کہ میں کنویں میں ہوں آواز آئی کہ تو ہم پر توکل کرتا ہے اور ہماری دی ہوئی بلا کی فریاد غیر کے پاس لے جاتا ہے لہٰذا میں خاموش رہا وہ دونوں آدمی چلے گئے اس کے بعد پھر واپس آئے اور کوئی چیز اپنے ساتھ لائے اور اس چیز کو کنویں کے منہ پر رکھ کر ڈھانک دیا مجھ سے میرے نفس نے کہا

کہ کنویں کا منہ تو محفوظ ہو گیا لیکن اب تو اس کنویں یں قید رہ گیا' میں دن رات برابر وہاں رہا جب اگلا روز ہوا تو کسی چیز نے مجھ کو آواز دی اور وہ نظر آتی تھی کہ مجھ کو زور سے پکڑ' میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو ایک سخت چیز پر پڑا میں نے اس کو پکڑ لیا تو اس نے اوپر اٹھایا اور مجھ کو زمین پر پھینک دیا' میں نے غور سے دیکھا تو وہ ایک درندہ تھا' جب میں نے یہ حال دیکھا تو مجھ پر وہی کیفیت گذری جو ایسی حالت میں گزرتی ہے' ہاتف نے آواز دی ابو حمزہ ہم نے تجھ کو بلا کے ذریعہ سے بلا کے ہاتھوں نجات دی اور بذریعہ خوفناک چیز کے خوفناک امر سے کفایت کی۔

یہی واقعہ ابن مالکی بیان کرتے ہیں کہ ابو حمزہ خراسانی نے کہا میں نے ایک سال حج کیا میں راستے میں جا رہا تھا کہ یکایک ایک کنویں میں گر پڑا تو میرے نفس نے مجھ سے مخالفت کی کہ میں فریاد کروں تو میں نے کہا واللہ ہرگز نہیں کروں گا۔ میں نے اپنے ارادے کو پورا نہیں کیا تھا کہ کنویں کے سرے پر دو شخص گزرے' ایک نے دوسرے سے کہا کہ آؤ اس راستے میں کنویں کا سرا بند کریں تو وہ نرسل اور ستون لائے' میں نے بولنے کا ارادہ کیا تو دل نے کہا کہ تو اس سے کہہ جو بہ نسبت ان دونوں کے تجھ سے زیادہ قریب ہے (توکل کر) اور چپکا رہ یہاں تک کہ انہوں نے کنویں کا سرا بند کر دیا' پھر یکایک ایک چیز آئی اور اس نے کنویں کا سرا کھولا اور اپنے دونوں پیر لٹکائے اور گویا کہ وہ اپنی بولی میں کہتا تھا کہ (پکڑ کر) لٹک جاؤ' میں اس کے ساتھ لٹک گیا اور مجھ کو اس نے نکال لیا' میں نے دیکھا تو وہ درندہ تھا' اس وقت مجھ کو ایک شخص نے پکارا جو کہہ رہا تھا کہ اے ابو حمزہ کیا یہ بہتر نہیں ہے ہم نے تلف سے بواسطہ تلف کے رہائی بخشی۔

اور ابو عبداللہ محمد بن نعیم ابو حمزہ صوفی دمشقی کی حکایت بیان کرتے ہیں کہ جب وہ کنویں سے نکلے تو چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے "مجھ کو حیا مانع آئی کہ عشق کا اظہار کروں اور تیرے قرب کی وجہ سے مجھ کو اظہار عشق کی ضرورت نہ رہی تو مجھ کو غیب میں ایسا معلوم ہوا کہ گویا باوجود غیب کے مجھ کو بشارت ملتی تھی کہ تو سامنے ہے میں تجھ کو دیکھتا ہوں اور تیری ہیبت کے مارے مجھ کو وحشت ہوتی ہے اور تو لطف و عنایت سے مجھ کو مانوس کرتا ہے تو اس عاشق کو زندہ کرتا ہے جس کو عشق میں ہلاک کرتا ہے اور یہ

تعجب کی بات ہے کہ ہلاکت کے ساتھ زندگی ہے۔ مصنف ؒ نے کہا کہ ان ابو حمزہ کی نسبت جو کنویں میں گر پڑے تھے اختلاف ہے۔ ابو عبدالرحمان سلمی نے کہا کہ ابو حمزہ خراسانی ہیں جو جنید ؒ کے ہمعصر تھے اور دوسری روایت میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ دمشقی ہیں' ابو نعیم حافظ نے کہا کہ ابو حمزہ بغدادی ہیں اور ان کا نام محمد بن ابراہیم ہے اور ان کو خطیب نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے اور ان کی اس حکایت کو بھی بیان کیا ہے' بہر حال کوئی بھی ہوں انہوں نے اس خلاف شرع حرکت میں خطا کی کہ کنویں میں خاموش بیٹھے رہے حالانکہ پکارنا اور کنویں کی آفت سے چھوٹنا واجب تھا' جس طرح اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنا چاہے تو اس کا روکنا واجب ہے اور یوں کہنا کہ میں فریاد نہ کروں گا ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میں کھانا نہ کھاؤں گا اور پانی نہ پیوں گا' حالانکہ جو ایسا کرے وہ جاہل ہے اور یہ حرکت باعتبار وضع عالم کے خلاف حکمت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو حکمت پر وضع کیا ہے آدمی کو ہاتھ دیئے ہیں تاکہ ان سے روکے اور زبان دی تاکہ گفتگو کرے اور عقل بخشی جو اس کی رہبری کرتی ہے تاکہ نقصان کو اپنے سے دور کرے اور منفعتوں کو حاصل کرے' غذائیں اور دوائیں آدمیوں کی مصلحت کے لیے مخلوق فرمائی ہیں' اب جو شخص ان چیزوں کے استعمال سے روگردانی کرے جو اس کے لیے پیدا کی گئیں اور اس کو اس کی طرف ہدایت کی گئی تو وہ امر شریعت کو چھوڑتا ہے اور صانع کی حکمت بیکار کرتا ہے' اگر کوئی جاہل کہے کہ قضاو قدر سے کیونکر احتراز کریں' ہم جواب دیں گے کہ کیوں احتراز کریں جب کہ خود مقدر فرمانے والا حکم دیتا ہے **خذوا حذركم** (یعنی اپنا بچاؤ کرو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں جاکر پوشیدہ ہوئے اور آپ ﷺ نے سراقہ سے فرمایا تھا کہ ہمارا حال چھپانا اور مدینہ لے جانے کے لیے آپ ﷺ نے ایک راہبر کو اجرت پر لیا اور یوں نہ فرمایا کہ ہم توکل پر چلے چلیں۔ ہمیشہ ظاہر میں اسباب پر نظر فرمائی اور باطن میں مسبب پر بھروسہ کیا' اس کا بیان ہم پیشتر واضح طور پر کر چکے ہیں' ابو حمزہ کا یہ قول کہ مجھ کو میرے باطن سے آواز آئی اس نفس نادان کی گفتگو ہے جس کے نزدیک جہالت سے یہ بات قرار پا گئی کہ توکل یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرنا چھوڑ دے۔ کیونکہ شریعت اس امر کی درخواست نہیں کرتی جس سے منع کر چکی' ابو حمزہ

کے باطن نے اس وقت کیوں نہ روکا جب ہاتھ بڑھایا اور اس چیز کو پکڑا اور اس کے ساتھ لٹک کر باہر آگئے کیونکہ یہ بھی تو اس ترک اسباب کے دعویٰ کے خلاف ہے جو انہوں نے کیا تھا اور کنویں کے اندر سے پکارنے اور یوں کہنے میں کہ میں کنویں میں ہوں اور اس چیز کے پکڑنے میں جس سے لٹکے کیا فرق ہے' بلکہ یہ پکڑنا اس کہنے سے بڑھ کر ہے کیونکہ فعل میں بہ نسبت قول کے زیادہ تاکید ہوتی ہے' ابو حمزہ ٹھہرے کیوں نہ رہے تاکہ بلا سبب اوپر آ جاتے' اگر یوں کہا جائے کہ اس چیز کو خدا نے میرے لیے بھیج دیا تھا تو ہم کہیں گے کہ جو آدمی کنویں پر گزرے تھے ان کو کس نے بھیجا تھا اور زبان کو جو پکار سکتی ہے کس نے پیدا کیا' اگر پکارتے تو گویا ان اسباب کو استعمال میں لاتے جن کو اللہ تعالیٰ نے دفع ضرر کے لیے پیدا کیا ہے لہٰذا پکارنا قابل ملامت نہیں اور خاموش رہ کر تو اسباب کو بیکار کر دیا اور حکمتوں کو دور کیا' لہٰذا وہ قابل ملامت ہے اور شیر یا درندے کے ذریعے سے رہائی پانا اگر صحیح ہے تو ایسا اکثر اتفاق ہوتا ہے پھر ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر احسان فرماتا ہے' ہم تو فعل مخالف شرع کا انکار (رد) کرتے ہیں۔

جنیدؒ نے کہا مجھ سے محمد بن سمین نے بیان کیا کہ میں کوفے کے راستے میں اس میدان کے قریب تھا جو ہمارے راستے میں پڑتا ہے اور راستہ میں کوئی آتا جاتا نہیں میں نے سر راہ ایک اونٹ مرا ہوا پڑا پایا اور دیکھا کہ اس کو آٹھ نو درندے نوچ کر کھاتے تھے اور ہر درندہ باہم ایک دوسرے پر حملہ بھی کرتا تھا' میں نے اس کو دیکھا تو میرا نفس مضطرب ہوا کیوں کہ وہ سب بالکل سر راہ تھے' میرے نفس نے مجھ سے کہا کہ دائیں بائیں مڑ کر نکل جا میں نے نفس کی بات نہ سنی اور کہا کہ درندوں میں ہو کر نکلوں گا' پھر نفس کو ابھارا اور چل کر درندوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اتنا قریب ہو گیا کہ گویا ان میں مل گیا' پھر اپنے نفس کی طرف رجوع کیا کہ دیکھوں اب اس کی کیا کیفیت ہے تو خوف و ہراس موجود تھا۔ میں نے وہاں سے ہٹ جانے سے انکار کیا اور درندوں میں بیٹھ گیا پھر بیٹھ کر بھی اپنے نفس کو خائف اور ہراساں پایا' میں نے اٹھنے سے انکار کیا اور وہیں لیٹ رہا' اسی حالت میں مجھ کو نیند آگئی تو میں اسی طرح سو گیا اور درندے جہاں تھے وہیں تھے' مجھ پر سونے کی حالت میں کچھ وقت گزرا سونے کے بعد میری آنکھ کھلی تو درندے چلے

گئے تھے اور کوئی باقی نہ رہا تھا اور میرا خوف بھی زائل ہو گیا تھا اسی ہیئت سے میں اٹھا اور اپنا راستہ لیا۔

مصنفؒ نے کہا کہ اس شخص نے جو درندوں سے تعرض نہ کیا (اور ان میں جا گھسا) تو یہ خلاف شریعت ہے کسی شخص کے لیے درندے یا سانپ کے سامنے ہو جانا جائز نہیں بلکہ اس کے آگے سے بھاگنا واجب ہے' صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شہر میں طاعون پھیلا ہو تم وہاں نہ جاؤ' اور نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجذوم آدمی سے ایسا دور بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو' اور نیز آپ ایک دیوار کے نیچے سے گزرے جو جھک پڑی تھی' آپ' نے تیزی سے قدم اٹھائے' اور اس شخص نے یہاں پر اپنی طبیعت سے اس امر کی درخواست کی کہ مضطرب نہ ہو' حالانکہ یہ ایسی شے ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ بھی سلامت نہ رہے کیونکہ جب عصا کو سانپ دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے' اگر اس شخص کا بیان درست ہے تو صحت سے دور ہے کیونکہ آدمیوں کی طبیعتیں برابر ہیں' جو شخص یوں کہے کہ میں اپنی طبیعت سے درندے سے نہیں ڈرتا تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے' جیسے کوئی کہے کہ میں اچھی چیز کو خواہش سے نہیں دیکھتا گویا کہ اس شخص نے اپنے نفس پر قہر کیا یہاں تک کہ اپنے آپ کو ہلاکت کے سپرد کر کے درندوں میں سو رہا' اس خیال سے کہ یہی توکل ہے حالانکہ یہ خام خیالی ہے' اگر یہ توکل ہوتا تو جس چیز کے شر سے خوف ہو اس کے پاس جانے سے منع نہ کیا جاتا اور عجب نہیں کہ درندے اس مردار اونٹ کے کھانے میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس شخص سے غافل رہے ہوں' کیونکہ کبار صوفیہ میں سے ابو تراب بخشی گزرے ہیں ان کو جنگل میں درندے ملے اور پھاڑ ڈالا' چنانچہ مر گئے۔

البتہ اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مہربانی کی اور اس کے حسن ظن کی وجہ سے اس کو نجات دی' ہم تو صرف اس کے فعل کی خطا بیان کرتے ہیں' عامی آدمی کے لیے کہ جب وہ اس حکایت کو سنے گا تو خیال کرے گا کہ بڑی عزیمت اور قوی یقین ہے' اور بسا اوقات اس شخص کی حالت کو حضرت موسیٰ کی حالت پر فضیلت دے گا کہ سانپ کو دیکھ کر بھاگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے بڑھائے گا کہ

جب جھکی ہوئی دیوار سے ہو کر گزرے تو تیزی سے قدم اٹھائے' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت سے افضل جانے گا کہ غار کے سوراخوں کو اذیت کے خوف سے بند کیا تھا' حالانکہ اس مخالف شرع کا مرتبہ جو اپنے ظن فاسد سے خیال کرتا ہے کہ میں نے جو کچھ کیا وہی توکل ہے' انبیاء و صدیقین کے مرتبہ سے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔

محمد بن عبداللہ فرغانی نے کہا کہ میں نے مؤمل مغابی سے سنا بیان کرتے تھے کہ میں محمد بن سمین کے ہمراہیوں میں تھا ان کے ساتھ تکریت اور موصول کے درمیان سفر کر رہا تھا' ایک بار جنگل میں چلے جا رہے تھے کہ قریب آ کر ایک شیر دھاڑا میری حالت متغیر ہو گئی میں ڈر گیا اور خوف کے آثار میرے چہرے پر نمایاں ہوئے اور آگے بڑھ چلنے کا قصد کیا' محمد بن سمین نے مجھ کو تھاما' اور کہا کہ اے مومل توکل کا کام یہاں ہے جامع مسجد میں نہیں۔ مصنف نے کہا کہ بے شک توکل کا وجود متوکل پر مصائب کے وقت ہی ظاہر ہوتا ہے لیکن توکل کی شرطوں میں سے یہ نہیں کہ اپنے آپ کو شیر کے حوالے کر دے کیونکہ یہ ناجائز ہے۔

خواص نے کہا کہ مجھ سے بعض مشائخ نے بیان کیا کہ علی رازیؒ سے کسی نے کہا ہم آپ کو ابو طالب جرجانی کے ساتھ کیوں نہیں دیکھتے' جواب دیا کہ ایک بار ہم دونوں ایک مقام میں تھے جہاں درندے تھے' جب ابو طالب نے مجھ کو دیکھا کہ نیند نہیں آئی تو مجھے دھتکار دیا اور کہا کہ آج کے بعد تو میرے پاس نہ آنا۔ مصنفؒ نے کہا کہ اس شخص نے اپنے ہمراہی پر زیادتی کی کہ اس سے ایسی چیز کا بدلنا چاہا جو اس کی طبیعت میں داخل ہے اور اس کے اختیار میں نہیں' اور شریعت بھی اس سے اس کے بارے میں باز پرس نہ کرے گی (کہ تجھے درندوں کے مقام پر نیند کیوں نہ آئی) اور حضرت موسیٰ بھی اس حالت پر قادر نہ ہوئے جب ہی تو سانپ سے بھاگے لہٰذا اس تمام امر کی بنیاد جہالت پر ہے۔

احمد بن علی وجدی نے کہا کی دینوری نے بارہ حج پا برہنہ اور سر کھلے کیے' جب ان کے پاؤں میں کوئی کانٹا لگتا تھا تو پاؤں کو زمین سے رگڑتے تھے اور چلتے چلتے کانٹا نکالنے کے لیے زمین کی طرف نہ جھکتے تھے تا کہ توکل صحیح رہے' مصنف نے کہا غور کرو جاہلوں کے ساتھ جہل کیا کیا کرتا ہے' یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں کہ انسان پابرہنہ جنگل کو طے

کرے کیونکہ اس سے جان کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور سرکشادہ جانا بھی عبادت میں داخل نہیں اور اس سے کوئی قربت حاصل نہیں ہوتی' اگر احرام کی مدت میں سر کھلے رہنا واجب نہ ہوتا تو سر ننگا رکھنے کے کوئی معنی نہ تھے' اس شخص کو کس نے حکم دیا تھا کہ اپنے پاؤں سے کانٹا نہ نکالے اور اس سے کون سی طاعت واقع ہوتی ہے اور اگر پاؤں کانٹے کی وجہ سے ورم کر آتا اور ضائع ہو جاتا تو اس شخص نے اپنے نفس کو خود تکلیف میں ڈالا اور پاؤں کو زمین سے رگڑنا بھی تو کانٹے کی کچھ تکلیف دفع کر ہی دیتا ہے' پھر باقی کانٹا خود کیوں نہ نکالا' توکل میں اور ان افعال مخالف عقل و شریعت میں بڑا فرق ہے کیوں کہ عقل و شریعت کا حکم ہے کہ اپنے نفس کو نفع پہنچائے اور ضرر کو اس سے دور کرے' خود شرع نے اجازت دی ہے کہ جس شخص کو احرام میں کوئی ضرر پہنچے تو احرام کی حرمت توڑ ڈالے اور فدیہ دے' عباس بن محمد دوری کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبیدہ سے سنا کہتے تھے کہ آدمی کی عقل میں یہی تو آتا ہے کہ دھوپ چھوڑ دے اور سایہ میں چلے۔

علی بن عبداللہ بن جہضم نے کہا کہ میں نے ابوبکر رقی سے سنا کہتے تھے کہ مجھ سے ابوبکر دقاق نے بیان کیا کہ میں سال کے وسط میں مکہ کی طرف چلا اور ان دنوں میں نوجوان تھا اور میرے پاس ایک جھول تھا جس کو آدھا کمر سے باندھا تھا اور آدھا کندھوں پر ڈالا تھا راستے میں میری آنکھیں دکھنے آگئیں میں اپنے آنسوؤں کو اس جھول سے پونچھتا تھا' جھول نے اس مقام کو زخمی کر دیا اور آنسوؤں کے ساتھ خون نکلنے لگا میں غایت ارادت اور کمال سرور کی وجہ سے خون اور آنسوؤں کو علیحدہ نہ کرتا تھا' اس حج میں میری آنکھ جاتی رہی' جب دھوپ کی شدت کی وجہ سے میرے جسم کو لو لگ جاتی تھی تو میں اپنے ہاتھ کو بوسہ دیتا تھا اور اپنی آنکھ پر رکھ لیتا تھا کیونکہ میں بلا (مصیبت) سے بہت خوش تھا' ابوبکر رازی نے کہا میں نے ابوبکر دقاق سے پوچھا وہ یک چشم تھے کہ تمہاری آنکھ جاتے رہنے کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا کہ میں توکل پر جنگل جایا کرتا تھا' میں نے اپنے جی میں عہد کیا کہ قافلہ والوں سے مانگ کر کچھ نہ کھاؤں گا تاکہ تورع قائم رہے بھوک کی تکلیف سے میری ایک آنکھ رخسارے پر بہہ آئی۔

مصنفؒ نے کہا کہ مبتدی آدمی جب اس شخص کا قصہ سنے گا تو سمجھے گا کہ یہ مجاہدہ

ہے حالانکہ یہ حرکت کئی قسم کے گناہوں اور شریعت کی خلاف ورزی کی جامع ہے' ایک یہ کہ یہ شخص نصف سال گزرنے پر تنہا چلا' پھر بغیر توشہ کے سفر کیا اور جھولی کا لباس بنایا اور اس سے اپنی آنکھ پونچھی پھر یہ خیال کیا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوتی ہے حالانکہ قربت الٰہی امر مشروع میں ہے امر ممنوع سے نہیں ہوتی' اگر کوئی آدمی کہے کہ میں اپنے نفس کو لکڑی سے ماروں گا کیوں کہ وہ خدا تعالیٰ کا نافرمان ہے تو عاصی ہو گا' اور اس شخص کا اس حالت پر خوش ہونا خطائے قبیح ہے' کیونکہ بلا سے اس وقت خوش ہونا چاہیے کہ بغیر سبب کے نازل ہو' اگر کوئی آدمی خود اپنے پیر توڑ ڈالے اور پھر اس مصیبت سے خوش ہو تو نہایت احمق ہو گا' پھر حالت اضطرار میں اس شخص کا سوال نہ کرنا اور اپنے نفس پر بھوک کی سختی برداشت کرنا حتیٰ کہ اس کی آنکھ بہ گئی پھر اس کا نام تورع رکھنا سب خلاف شرع ہے (ظاہر پرست) زاہدوں کی حماقتیں ہیں جن کو جہالت اور لاعلمی نے پیدا کیا۔

سفیان ثوریؒ نے کہا جو بھوکا ہو اور سوال نہ کرے یہاں تک کہ مر جائے تو دوزخ میں جائے گا۔ مصنفؒ نے کہا کہ فقہاء کے کلام کو دیکھنا چاہیے کہ کیسا اچھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالے نے بھوکے کو سبب پیدا کرنے کی قوت دی ہے' جب اسباب ظاہری نہ رہیں تو اس کو سوال کرنے کی قدرت ہے جو اس حالت میں بمنزلہ کسب کے ہو جائے گی' اب جو وہ اس کو چھوڑ دے گا تو اس نے نفس کی محافظت میں کمی کی اور نفس اس کے پاس ایک امانت ہے' لہٰذا عذاب کا مستحق ہوا۔

اس شخص کی آنکھ جانے کے بارے میں جو کچھ مذکور ہوا اس سے بھی بڑھ کر ایک اور واقعہ سنئے' ابو علی روذباری ابوبکر دقاق سے نقل کرتے ہیں کہ میں عرب کے ایک قبیلہ کا مہمان ہوا وہاں میں نے ایک خوبصورت لڑکی دیکھی میں نے اس کی طرف نظر کی تو میں نے اپنی آنکھ نکال ڈالی' جس سے اس کی طرف دیکھا تھا تو اس نے کہا کہ تم جیسا اللہ کے واسطے دیکھتا ہے۔

مصنفؒ نے کہا دیکھو اس شخص کی جہالت کو جو شریعت اور عبادت سے بعید ہے کیونکہ اگر اس نے اس کی طرف بلا قصد دیکھا تھا تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور اگر قصداً

دیکھا تھا تو صغیرہ گناہ کیا جس میں ندامت کافی تھی لیکن اس نے اس کے ساتھ ایک کبیرہ گناہ ملا دیا اور وہ اپنی آنکھ کا نکال ڈالنا ہے' اور اس سے توبہ نہیں کی کیوں کہ اس نے اعتقاد رکھا کہ اس کا نکال ڈالنا قربت الٰہی ہے اور جو شخص امر ممنوع کو قربت سمجھے تو اس کی خطا انتہا کو پہنچ گئی' اور شاید اس نے یہ حکایت بعض بنی اسرائیل سے سنی کہ کسی اسرائیلی نے ایک عورت کو دیکھا تو اپنی آنکھ نکال ڈالی' یہ حکایت باوجود بعد صحت کے ممکن ہے کہ ان کی شریعت میں جائز ہو لیکن ہماری شریعت نے اس کو حرام کر دیا' اور اس قوم (صوفیہ) نے خود ایک شریعت ایجاد کر کے اس کا نام تصوف رکھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت چھوڑ دی۔

بعض صوفیہ عابدہ عورتوں سے بھی اس قسم کی حکائتیں نقل کی گئی ہیں۔ شعرانہ نے کہا کہ ہمارے پڑوس میں ایک صالحہ عورت رہتی تھی ایک روز بازار گئی کسی آدمی نے اس کو دیکھا اور فریفتہ ہو گیا اور اس کے مکان تک اس کے پیچھے پیچھے آیا اس عورت نے اس سے کہا کہ اے شخص تو مجھ سے کیا چاہتا ہے وہ بولا کہ میں تجھ پر مفتون ہو گیا ہوں' پوچھنے لگی کہ تجھ کو میری کون سی چیز پسند آئی اس نے کہا تیری آنکھیں اچھی ہیں' وہ عورت گھر میں گئی اور اپنی آنکھیں نکال ڈالیں اور دروازے کے پاس آکر اس شخص کی طرف پھینکیں اور کہا کہ یہ آنکھیں لے جا' خدا تجھ کو برکت نہ دے۔

مصنف نے کہا میرے بھائیو دیکھو تو سہی کہ شیطان جاہلوں کے ساتھ کیسا کھیلتا ہے' یہ آدمی تو اس عورت کی وجہ سے گناہ صغیرہ ہی میں پڑا تھا' مگر وہ اس کی وجہ سے گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوئی اور پھر یہ سمجھی کہ اس کی یہ حرکت گویا عبادت ہے علاوہ ازیں اس کو یہ بھی تو چاہیے تھا کہ غیر آدمی سے بات نہ کرتی' مگر بعض صوفیہ سے اس کے خلاف بھی پایا گیا چنانچہ ذوالنون کہتے ہیں کہ میں جنگل میں ایک عورت سے ملا۔ اس نے مجھ سے باتیں کیں اور میں نے اس سے گفتگو کی انہیں بزرگ پر ایک بیدار دل عورت نے انکار کیا' چنانچہ محمد بن یعقوب چرخی کہتے ہیں کہ میں نے ذوالنون سے سنا کہ دریائی جیسی زمین میں میں نے ایک عورت دیکھی اور اس کو پکارا وہ بولی کہ مردوں کو عورتوں سے بات کرنے کا کیا کام' اگر تمہاری عقل میں فتور نہ ہوتا تو میں تم کو کوئی چیز اٹھا کر مارتی۔

اسماعیل بن نجید نے کہا کہ ابراہیم ہروی بنتیہ کے ہمراہ صحرا کو گئے' بنتیہ نے ان سے کہا کہ علائق دنیاوی میں سے جو کچھ تمہارے پاس ہو اسے پھینک دو' ابراہیم کہتے ہیں میں نے تمام چیزیں پھینک دیں اور ایک دینار رکھ لیا' چند قدم چل کر بنتیہ نے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو پھینک دو' اور میرے باطن کو پراگندہ نہ کرو' میں نے دینار نکال کر ان کو دیا انہوں نے پھینک دیا۔ پھر چند قدم چل کر کہا جو کچھ تمہارے پاس ہو پھینک دو میں نے کہا میرے پاس کچھ نہیں' انہوں نے کہا میرا باطن اب تک پراگندہ ہے' پھر مجھے یاد آیا کہ میرے پاس ایک تسموں کا دستہ ہے میں نے کہا کہ میرے پاس فقط یہ دستہ ہے انہوں نے مجھ سے دستہ لے کر پھینک دیا اور کہا کہ اب چلو' ہم دونوں چلتے گئے راہ میں مجھ کو جب کہیں تسمہ کی ضرورت ہوئی تو جنگل میں اپنے سامنے پڑا پایا' بنتیہ نے مجھ سے کہا کہ دیکھو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق معاملت سے پیش آتا ہے اس سے یہ سلوک کیا جاتا ہے' مصنف ؒ نے کہا یہ سب حرکتیں خطا ہیں اور مال کا پھینک دینا حرام ہے اور تعجب اس شخص پر آتا ہے جو اپنی مملوک چیز کو پھینکتا ہے اور اس چیز کو لیتا ہے کہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آئی۔

علی بن محمد مصری سے میں نے سنا کہتے تھے کہ مجھ سے ابو سعید خزار نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ بغیر توشہ کے جنگل میں داخل ہوا مجھ کو فاقہ گزرا' میں نے دور سے منزل کو دیکھا میں اپنے قریب پہنچنے پر خوش ہوا' پھر اپنے جی میں سوچا کہ میں نے برا کیا اور غیر خدا پر بھروسہ کیا لہٰذا میں نے قسم کھائی کہ بغیر کسی کے لیجائے ہوئے منزل تک نہ جاؤں گا' میں نے وہیں ریت میں اپنے لیے ایک گڑھا کھودا اور اپنے بدن کو سینہ تک اس میں پوشیدہ کیا' آدھی رات گزرنے پر میں نے ایک بلند آواز سنی کہ اے اہل قریہ ایک اللہ کا ولی اپنے آپ کو اس ریگ بیابان میں چھپائے ہوئے ہے اس کی خبر لو' اس گاؤں سے کچھ لوگ آئے اور مجھ کو گاؤں میں اٹھا کر لے گئے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ اس شخص نے اپنی طبیعت پر ظلم کیا کیونکہ اس سے وہ کام چاہا جس کے لیے وہ نہیں بنائی گئی' کیونکہ آدمی کی طبیعت میں داخل ہے کہ جس چیز کو محبوب رکھتا ہے خوشی سے اس کی طرف جاتا ہے اگر پیاسا پانی کی طرف اور بھوکا کھانے کی جانب

شوق سے جائے تو قابل ملامت نہیں، علی ہذا القیاس ہر ایک شخص جو اپنی محبوب چیز کی طرف خوش ہو کر دوڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے تھے اور مدینہ ظاہر ہوتا تھا تو بوجہ محبت وطن کے چلنے میں تیزی فرماتے تھے اور جب مکہ سے واپس ہوتے تو کمال شوق کے سبب سے اس کو مڑ مڑ کر دیکھتے تھے، بلال رضی اللہ عنہ مدینہ میں فرمایا کرتے تھے کہ عتبہ اور شیبہ پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے انہوں نے ہم کو مکہ سے نکال دیا اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

الالیت شعری ھل ابیتن لیلہ
بواد وحولی اذخر و جلیل

ترجمہ! کاش یہ معلوم ہوتا کہ کوئی رات ایسی آئے گی کہ وادی مکہ میں شب باش ہوں گا اور میرے گرد اذخر اور جلیل (یہ گھاس کے نام ہیں) ہو گی۔ اب جو شخص مقتضائے علم و عقل پر عمل کرنے سے اعراض کرے تو اس سے خدا بچائے، علاوہ ازیں اپنے آپ کو نماز جماعت سے باز رکھنا بھی عین قبیح ہے، اس بات میں کیا تقرب الہٰی ہے یہ تو محض جہالت ہے۔

بکر بن محمد کہتے ہیں کہ میں ابوالخیر نیشاپوری کے پاس تھا وہ بلا تکلف مجھ سے باتیں کرنے لگے تو اپنی ابتدا کا ذکر کیا یہاں تک کہ میں نے ان سے ان کے ہاتھ کٹ جانے کا سبب پوچھا، جواب دیا کہ اس نے قصور کیا تو کاٹا گیا، پھر میں کچھ لوگوں کے ساتھ ان کے پاس گیا تو لوگوں نے ان سے ہاتھ کٹ جانے کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ میں نے ایک سفر کیا تھا یہاں تک کہ اسکندریہ پہنچا اور وہاں بارہ برس رہا، میں نے وہاں ایک جھونپڑی بنائی میں وہاں رات کی رات آیا کرتا تھا، اور رباط والوں کے شکار پر افطار کرتا تھا اور دستر خوان کا جھوٹا کتوں سے چھین لاتا اور جاڑوں میں جڑیں کھالیتا تو میرے باطن میں مجھے آواز دی گئی کہ اے ابوالخیر تیرا خیال یہ ہے کہ مخلوق کو ان کی روزی کے بارے میں زحمت نہیں دیتا اور توکل پر سفر کرتا ہے حالانکہ تو قوم کے بیچ میں بیٹھا ہے، میں نے عرض کیا کہ اے میرے معبود اور آقا تیری عزت کی قسم کہ میں اپنے ہاتھ اس چیز کی طرف نہیں بڑھاؤں گا جو زمین سے پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ ایسی جگہ سے مجھ کو رزق پہنچے کہ میرا اس میں

کچھ دخل نہ ہو تو بارہ روز تک فقط فرض و سنت ادا کرتا رہا پھر سنت بھی نہ پڑھ سکا تو بارہ روز تک فقط فرض ادا کرتا پھر قیام سے عاجز ہو گیا تو بارہ روز تک قیام کیا پھر بیٹھ کر نماز پڑھتا رہا' پھر بیٹھنے کی طاقت ہی نہ رہی' میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے آپ کو گرا دیا ہے پھر میں نے اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے التجا کی اور عرض کیا کہ اے میرے معبود اور آقا تو نے مجھ پر فرض مقرر کیا جس کے بارے میں تو مجھ سے سوال کرے گا اور میرے لیے روزی مقدر کی جس کا تو ضامن ہوا ہے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو روزی پہنچا اور تیرے ساتھ جو میں نے عقیدہ کیا ہے اس کے بارے میں مجھ سے مواخذہ نہ کر۔ تیری عزت کی قسم ہے کہ میں کوشش کروں گا کہ تیرے ساتھ جو عہد کیا ہے اس کو نہ توڑوں' یکایک میں نے دیکھا کہ میرے آگے دو روٹیاں تھیں اور ان میں کچھ سالن تھا میں ہمیشہ وہ کھانا پاتا رہا اور ایک رات سے دوسری رات تک اس پر بسر کرتا رہا پھر مجھ سے مطالبہ کیا گیا کہ قلعہ کی طرف جاؤں' میں چلا شہر میں آیا تو جامع مسجد میں ایک واعظ کو دیکھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان کرتا تھا کہ جب ان کے سر پر آرہ چلا تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ مجھ تک تیری آہ کی آواز آئی تو تیرا نام دفتر نبوت سے مٹا دوں گا۔ زکریا علیہ السلام نے صبر کیا حتیٰ کہ دو ٹکڑے کر ڈالے گئے' میں نے کہا فی الحقیقت زکریا بڑے صابر تھے' اے میرے معبود اور میرے آقا اگر تو میرا امتحان کرے گا تو میں صبر کرونگا پھر میں وہاں سے چلا اور انطاکیہ میں داخل ہوا' میرے بعض احباب نے دیکھا اور جانا کہ میں حدود سرحد کا ارادہ رکھتا ہوں تو مجھ کو ایک تلوار اور ایک ڈھال اور ایک کوڑا دیا تو میں سرحدی علاقہ میں داخل ہوا اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے شرم رکھتا تھا کہ دشمن کے خوف سے دیوار کے پیچھے چھپ جاؤں میں نے اپنا مقام جنگل قرار دیا تھا کہ دن میں وہاں رہتا تھا اور رات کو دریا کے کنارے جاتا تھا اور ساحل پر اپنے ہتھیار گاڑتا تھا اور ڈھال کو محراب کی طرح ان کے سہارے کھڑا کرتا تھا اور تلوار کو حمائل کر کے صبح تک نماز پڑھتا تھا' بعد ادائے نماز صبح کو پھر اسی جنگل کی طرف چلا جاتا تھا اور دن بھر وہیں رہتا تھا ایک روز میں نکلا اور مجھے ایک درخت ملا اس کے پھل مجھ کو اچھے معلوم ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا تھا وہ بھول گیا اور قسم یاد نہ رہی کہ کسی چیز کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤں گا جو زمین سے

پیدا ہوتی ہے' میں نے ہاتھ بڑھایا اور کچھ پھل توڑے' پھل میرے منہ میں تھا اور اس کو کھا رہا تھا کہ وہ عہد و قسم یاد آئی میں نے جو منہ میں تھا پھینک دیا اور وہیں سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ میرے پاس کچھ سوار آئے اور بولے کہ کھڑا ہو' مجھ کو ساحل کی طرف لے گئے' کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سردار ہے اور اس کے گرد سوار اور پیادے ہیں اور اس کے سامنے ایک حبشیوں کی جماعت تھی جو رہزنی کرتے تھے اور سردار نے ان کو پکڑا تھا اور جو بھاگ گئے تھے ان کی تلاش میں سوار ادھر ادھر گئے ہوئے تھے انہوں نے مجھ کو بھی تلوار اور ڈھال اور ہتھیار دیکھ کر حبشی جانا' جب میں سردار کے سامنے آیا تو اس نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں' پھر حبشیوں سے دریافت کیا کہ تم اس کو پہچانتے ہو وہ بولے کہ نہیں' سردار نے کہا کہ کیوں نہیں یہ تو تمہارا سردار ہے' تم اپنی جانیں دے کر اس کو بچانا چاہتے ہو میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا' ڈاکو آگے بڑھائے گئے ایک ایک آدمی آگے بڑھایا جاتا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے تھے یہاں تک کہ میری نوبت آئی' مجھ سے کہا گیا کہ آگے آ کر اپنا ہاتھ بڑھا' میں نے ہاتھ سامنے کر دیا اور وہ کاٹا گیا' پھر کہا گیا کہ پاؤں سامنے لاؤ میں نے پاؤں بڑھایا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا اے میرے معبود اور آقا میرے ہاتھ نے تو گناہ کیا تھا میرے پاؤں نے کیا خطا کی تھی' اتنے میں ایک سوار آیا اور حلقہ میں آ کر کھڑا ہو گیا اور زمین پر اپنے آپ کو گرا کر چلایا کہ اے لوگو یہ کیا کر رہے ہو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ زمین و آسمان مل جائیں' یہ شخص مرد صالح ابوالخیر کے نام سے مشہور ہے سردار یہ سن کر زمین پر گر پڑا اور میرا دست بریدہ زمین سے اٹھا کر بوسہ دینے لگا اور مجھ کو لپٹ کر میرے سینہ اور ہاتھوں کو چومنے لگا اور کہا کہ خدا کے لیے مجھ کو معاف فرمایئے میں نے کہا کہ جب تم نے ہاتھ کاٹنا شروع کیا تھا میں جبھی معاف کر چکا تھا کیونکہ اس ہاتھ نے گناہ کیا تھا اس لیے کاٹا گیا۔

مصنف نے کہا غور کرنا چاہیے کہ بے علمی نے اس کے ساتھ کیا کیا' حالانکہ اہل خیر میں سے تھا' اگر یہ شخص علم رکھتا تو جانتا کہ جو کچھ اس نے کیا وہ اس پر حرام تھا عابدوں اور زاہدوں کے حق میں ابلیس کا معاون جہل سے زیادہ کوئی نہیں۔

اسناداً روایت ہے کہ ابن حدیق نے کہا ہم حاتم اصم کے ساتھ مصیصہ میں داخل ہوئے حاتم نے عہد کیا کہ میں کچھ نہ کھاؤں گا جب تک خود میرا منہ نہ کھولا جائے اور کھانے کی چیز اس میں نہ رکھی جائے۔ اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم ادھر ادھر چلے جاؤ اور خود بیٹھ گئے نو دن تک بیٹھے رہے اور کچھ نہ کھایا جب دسواں روز ہوا تو ان کے پاس ایک شخص آیا اور ان کے سامنے کھانے کی شے رکھی اور کہا کہ اسے کھاؤ' حاتم نے کچھ جواب نہ دیا تو اس نے تین مرتبہ کہا اس نے جواب نہ دیا تو اس نے کہا کہ یہ دیوانہ آدمی ہے ایک لقمہ درست کر کے ان کے منہ کی طرف لے گیا حاتم نے اپنا منہ نہ کھولا اور نہ اس سے کلام کیا اور اس شخص نے ایک کنجی نکالی جو اس کی آستین میں تھی اس کنجی سے ان کا منہ کھول کر کہا کہ کھاؤ اور لقمہ ان کے منہ میں ٹھونس دیا' حاتم نے کھایا پھر اس شخص سے بولے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ اس کھانے سے تم کو نفع پہنچائے تو ان لوگوں کو کھلا دو' اپنے ہمراہیوں کی طرف اشارہ کیا۔

قاضی احمد بن سیار نے کہا کہ صوفیہ میں سے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک سفر میں ایک شیخ کے ساتھ میں اور چند لوگ تھے' توکل کا کچھ ذکر آیا' رزق کا اور نفس کے ضعف و قوت کا در بارۂ توکل تذکرہ ہوا' شیخ نے کہا کہ میرے ساتھ آؤ میرے ساتھ آؤ' یہ کہہ کر بڑی سخت قسمیں کھائیں کہ میں کوئی کھانے کی چیز نہ چکھوں گا حتیٰ کہ گرم گرم فالودہ کا پیالہ میرے پاس بھیجا جائے تو بھی نہ کھاؤں گا یہاں تک کہ مجھ کو قسم دی جائے' ہم لوگ صحرا کی طرف چلے جا رہے تھے' شیخ کو ایک دوسری جماعت نے کہا کہ جاہل ہے ہم چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچے ایک دن اور دو راتیں گزر گئیں شیخ نے کچھ نہ کھایا جماعت نے ان کو چھوڑ دیا فقط میں ان کے ساتھ رہا' اس گاؤں کی مسجد میں وہ لیٹ رہے اور ضعف کے مارے گویا اپنے آپ کو موت کے سپرد کر دیا' میں ان کے پاس رہا جب چوتھا دن ہوا اور آدھی رات گزری اور شیخ مرنے کے قریب ہوئے کہ یکایک مسجد کا دروازہ کھلا اور ایک سیاہ فام لڑکی ایک طبق سرپوش دار لیے ہوئے آئی جب ہم کو اس نے دیکھا تو پوچھنے لگی کہ تم مسافر ہو یا گاؤں والے ہم نے کہا کہ مسافر ہیں' اس نے وہ طبق کھولا اور ایک فالودہ کا پیالہ جو گرمی کی وجہ سے جوش مارتا تھا نکالا اور کہنے لگی کہ کھاؤ'

میں نے شیخ سے کہا کہ اس کو کھائیے' جواب دیا کہ میں نہیں کھاؤں گا لڑکی نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور زور سے طمانچہ مارا اور کہنے لگی کہ واللہ اگر تو نہ کھائے گا تو ہم یونہی تجھے طمانچے مارتے رہیں گے حتیٰ کہ تو کھائے' شیخ نے مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ کھا ہم دونوں نے کھایا اور پیالہ خالی کر دیا' جب اس نے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے اس لڑکی سے پوچھا کہ تو کون ہے اور یہ پیالہ کیسا ہے وہ بولی کہ میں اس گاؤں کے رئیس کی لونڈی ہوں وہ ایک تند مزاج شخص ہے' ہم سے فالودہ کا پیالہ مانگا ہم اس کے لیے فالودہ تیار کرنے لگے تو اس میں دیر لگی' پھر اس نے جلدی کی تو ہم نے کہا بہت اچھا' پھر اس نے جلدی کی تو ہم نے کہا بہت اچھا' تو اس نے طلاق کی قسم کھائی کہ یہ پیالہ نہ میں کھاؤں گا اور نہ کوئی گھر کا اور نہ کوئی گاؤں کا اور فقط مسافر آدمی کھائے' ہم مسجدوں میں فقیروں کو تلاش کرنے لگے' تمہارے سوا کوئی نہ ملا اور اگر یہ شیخ نہ کھاتا تو اس کو برابر مارتی حتیٰ کہ کھالیتا تا کہ میری مالکہ کو ان کے شوہر کی جانب سے طلاق نہ پڑتی شیخ نے مجھ سے کہا کہ کیوں تم نے دیکھا جب خدا رزق پہنچاتا ہے تو یوں دیتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے کہا کہ بسا اوقات جاہل آدمی اس قصہ کو سن کر اعتقاد کرے گا کہ یہ کرامت ہے حالانکہ اس شخص نے جو کچھ کیا برے سے برا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو آزماتا اور اس پر قسم کھاتا ہے اور اپنے نفس پر حملہ کرتا ہے اور یہ اس کے لیے جائز نہیں تھا' ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مہربانی فرمائی' مگر بات یہ ہے کہ اس شخص نے خلاف صواب کیا اور بسا اوقات اس کا جاری کرنا ردی ہوتا ہے کیوں کہ وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا اکرام کیا اور اس کا کوئی رتبہ ہے' ایسی حکایت حاتم رازی کی ہے جو پہلے گزری کیونکہ اگر وہ صحیح ہو تو بے علمی اور ناجائز کام کرنے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ توکل اسباب کے ترک کر دینے کا نام ہے' اگر وہ اپنے واقع کے مقتضی پر عمل کرتے تو نہ کھانے کو چباتے اور نہ نگلتے' پھر اس بے فائدہ کام میں کون سی قربت الٰہی ہے اور میں تو ان میں سے اکثر باتوں کو مالیخولیا سمجھتا ہوں' یہ جاہلوں کے ساتھ شیطان کا کھیل ہے' ان میں علم شرع کی کمی کی وجہ سے (شیطان ان سے کھیلتا رہتا ہے)

ابو اسحاق ابراہیم بن احمد طبری کہتے ہیں کہ مجھ سے جعفر خلدی نے ذکر کیا کہ میں نے عرفات پر چھپن بار وقوف کیا جن میں اکیس مرتبہ موافق مذہب تھا' میں نے ابو اسحاق سے دریافت کیا کہ موافق مذہب سے ان کی کیا مراد تھی جواب دیا کہ ناشریہ کے پل پر چڑھتے تھے اور اپنی دونوں آستینیں پھاڑ دیتے تھے کہ سب جان جائیں کہ ان کے ساتھ توشہ اور پانی کچھ نہیں پھر تلبیہ پکارتے تھے اور چلتے تھے مصنف نے کہا کہ یہ مخالف شرع ہے' کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وتزودوا الخ یعنی اپنے ساتھ توشہ لو' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توشہ ہمراہ لے گئے ہیں' یوں کہنا ممکن نہیں کہ یہ آدمی مہینوں کی مدت تک کسی چیز کی حاجت نہیں رکھتا' پھر اگر وہ حاجت مند ہو اور ہلاک ہو گیا تو گنہگار ہو گیا اور اگر لوگوں سے تعرض کرے گا اور ان سے کچھ مانگے گا تو دعویٰ توکل کے لیے یہ بات وافی نہ ہو گی اور اگر یہ دعا کرے کہ خدا تعالیٰ اس کا اکرام فرمائے گا اور بلا سبب اس کو رزق پہنچے گا تو اس کی نظر اس پر ہے کہ وہ اس اکرام کا خود کو حقدار سمجھتا ہے بہر حال اگر وہ شریعت کی پیروی کرتا ہے اور توشہ باندھتا تو اس کے لیے ہر حال میں بہتر تھا۔

ابو شعیب مقفع کی نسبت مجھ کو بہت تعجب انگیز واقعہ معلوم ہوا کہ انہوں نے پیادہ پا چل کر ستر حج کیے ہر ایک حج میں بیت المقدس کے ٹیلے سے احرام باندھا اور میدان تبوک میں توکل پر داخل ہوئے' جب آخری حج کو گئے تھے تو راہ میں دیکھا کہ جنگل میں ایک کتا پیاس کے مارے زبان نکال رہا ہے پکار کر بولے کون ہے جو ایک گھونٹ پانی کے بدلے ستر حج خریدے ایک شخص نے پیاس بجھانے بھر پانی ان کو دیا' انہوں نے کتے کو پلایا اور کہا کہ یہ عمل ستر حج سے بہتر ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ذی روح کے ساتھ نیکی کرنے میں اجر ملتا ہے' میں کہتا ہوں کہ میں نے ان امور کا اس واسطے ذکر کیا ہے کہ دانا سیر کرے ان لوگوں کے مبلغ علم کی اور توکل وغیرہ کے بارے میں ان کے فہم کی اور احکام شرع کے بارے میں ان کی مخالفت کی' اور میں نہیں جانتا کہ ان میں سے جو شخص خالی ہاتھ باہر نکلے تو وضو اور نماز کے بارے میں کیا کرے گا' اور اگر کپڑا پھٹ جائے اور اس کے پاس سوئی نہ ہو تو کیا کرے گا اور ان کے بعض مشائخ مسافر کو سفر سے پہلے سامان لے لینے کا حکم کرتے تھے۔

مصنفؒ نے کہا کہ ابراہیم خواص توکل میں یکتا تھے اس میں بال کی کھال نکالتے تھے' مگر سوئی اور ڈورا اور مشکیزہ اور قینچی کو کبھی اپنے سے جدا نہ کرتے تھے' ان سے کسی نے کہا کہ آپ یہ چیزیں کیوں جمع کرتے ہیں حالانکہ آپ ہر شے سے منع کرتے ہیں' جواب دیا کہ ایسی چیزوں سے توکل میں نقصان نہیں آتا' کیونکہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فرائض ہیں اور فقیر کے جسم پر صرف ایک کپڑا ہوتا ہے بسا اوقات اس کا کپڑا پھٹ جاتا ہے اگر اس کے پاس سوئی ڈورا نہ ہو تو اس کی شرمگاہ کھل جائے گی اور نماز فاسد ہو گی اور اگر اس کے ساتھ مشکیزہ یا لوٹا نہ ہو تو اس کی طہارت فاسد ہو گی' جب کسی فقیر کو تم بغیر سوئی اور ڈورے اور لوٹے کے دیکھو تو نماز کے بارے میں اس کو متہم کرو (یعنی یہ کہ وہ نماز کے آداب نہیں بجالاتا)

سفر سے واپسی کے وقت صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ اس قوم کا مذہب ہے کہ مسافر جب سفر سے آئے اور رباط میں داخل ہو اور وہاں پر لوگ ہوں تو ان کو سلام نہ کرے بلکہ پہلے وضو کرنے کے مقام پر جائے وہاں وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے پھر شیخ کو سلام کرے بعد ازاں لوگوں کو سلام کرے یہ بدعت خلاف شریعت متاخرین صوفیہ نے نکالی ہے' کیونکہ فقہائے اسلام کا اجماع ہے کہ جو شخص جماعت پر داخل ہو سنت ہے کہ ان کو سلام کرے خواہ وضو ہو یا نہ ہو' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ نے یہ مذہب چھوٹے لڑکوں سے لیا ہے' کیوں کہ اکثر جب کسی بچے سے کہتے ہیں کہ تم نے ہم کو سلام کیوں نہیں کیا تو جواب دیتا ہے کہ میں نے ابھی اپنا منہ نہیں دھویا یا شاید یہ بات لڑکوں نے انہیں بدعتیوں سے سیکھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹے کو چاہئے کہ بڑے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ زیادہ جماعت کو سلام کریں' یہ حدیث صحیحین میں ہے' نیز صوفیہ کا مذہب ہے کہ جب کوئی سفر سے آئے تو اس کو جسم دبوانا چاہیے۔ ابو زرعہ طاہر ابن محمد نے ہم کو خبر دی کہ ان کے باپ نے اپنی تصنیف میں ایک باب باندھا ہے کہ جو سفر سے آئے تو بوجہ ماندگی کے پہلی رات جسم دبوانے میں سنت

طریقہ کیا ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے حجت پکڑی ہے کہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ایک آپ کا غلام حبشی آپ ﷺ کی پشت مبارک دبا رہا تھا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا حال ہے؟ فرمایا کہ اونٹنی نے مجھ کو گرا دیا۔

مصنف رحمہ اللہ نے کہا میرے بھائیو اس شخص کی حدیث مذکور سے سند پکڑنے پر غور کرو۔ اس کو اس مضمون کا باب باندھنا چاہیے تھا کہ جس شخص کو اونٹنی گرا دے اس کا جسم دبانا کس طرح سنت ہے اور سنت دبانا پیٹھ کا ہو گا نہ کہ قدم کا' یہ کہاں سے ان کو ثابت ہوا کہ آپ سفر میں تھے اور دبائے گئے اول رات میں' علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹھ دبانا جیسا کہ اتفاق ہوا تھا بوجہ درد پشت کے سنت کرنا چاہیے ایسے قصہ کے ذکر کرنے سے اس کے استخراج کا چھوڑ دینا بہتر ہے' صوفیہ کا مذہب یہ بھی ہے کہ جو سفر سے آئے اس کی دعوت کی جائے۔

ابن طاہر نے ایک باب باندھا جس میں بیان کیا ہے کہ صوفیہ سفر سے آنے والے کے لیے عیش منائیں' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے حجت پکڑی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کیا۔ قریش میں سے ایک لڑکی نے منت مانی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بخیریت واپس لائے تو میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دف بجاؤں گی' جب آپ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں دف بجا لے' مصنف نے کہا کہ ہم بیان کر چکے کہ دف مباح ہے چونکہ اس لڑکی نے ایک امر مباح کی نذر کی تھی' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر اس حدیث سے مسافر کے واپس آنے کے وقت ناچ اور گانے پر کیونکر حجت پکڑی جا سکتی ہے۔

صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان جب ان کے یہاں کوئی مر جائے

اس بارے میں شیطان کے بہت سے تلبیسات ہیں۔

تلبیس اول! یہ کہ وہ کہتے ہیں ہم کو کسی مرنے والے پر رونا نہ چاہیے جو شخص کسی مردہ کو رویا تو اہل عرفان کے طریقہ سے نکل گیا' ابن عقیل نے کہا کہ یہ دعویٰ شریعت پر

زیادتی ہے اور یہ بات کم عقلی کی ہے اور عادات اور طبائع سے خارج ہے اور مزاج معتدل سے پھر جانے کی باتیں ہیں' لہٰذا چاہیے کہ ایسے شخص کا علاج ان دواؤں سے کیا جائے جو مزاج کو اعتدال پر لائیں' خود اللہ تعالیٰ نے ایک نبی بزرگ یعنی حضرت یعقوب کی نسبت خبر دی ہے **وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم الخ** (یوسف پ ۱۳ آیت ۸۴) یعنی غم کے مارے روتے روتے ان کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور کہتے تھے **یا اسفی علی یوسف** یعنی ہائے افسوس یوسف کیسا چلا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے کی موت پر روئے اور فرمایا **ان العین تدمع** آنکھیں ضرور آنسو بہاتی ہیں' اور فرمایا **واکرباہ** حضرت فاطمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پاتے وقت کہا تھا **واکرب ابتاہ** تو کسی نے برا نہ منایا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متمم کو سنا کہ اپنے بھائی کا مرثیہ پڑھتا تھا جس کے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے' ہم دونوں بھائی ایک مدت دراز تک ایسے ساتھ رہے جس طرح جذیمہ بادشاہ کے دو مصاحب تھے حتیٰ کہ لوگ خیال کرتے تھے اب کبھی جدا نہ ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش میں بھی شاعر ہوتا تو اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا' متمم نے جواب دیا کہ کہ اگر میرا بھائی اس طرح مرتا جس طرح آپ کے بھائی نے قضا کی تو میں اس کا مرثیہ نہ کہتا' متمم کا بھائی مالک کفر پر مرا تھا اور حضرت زید نے شہادت پائی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر فرمایا کہ اے متمم کسی نے میرے بھائی کی تعزیت ایسی نہیں کی جیسی تو نے کی' علاوہ ازیں خیال کرنا چاہیے کہ اونٹ ایسا سخت کلیجے والا جانور اپنی جائے مالوفہ' اپنی آرام گاہ اور اپنے آدمیوں کے لیے زاری کرتا ہے اور اپنے بچے کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے اور پرندے تک شور مچاتے ہیں' جو کوئی بلا میں مبتلا ہو گا وہ ضرور ہی تضرع و زاری کرے گا اور جس شخص کو خوشی اور خوش کن باتیں نہ ہلا دیں اور غم کی باتیں متغیر نہ کر دیں وہ گویا قریب جمادات کے ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتضائے طبیعت سے خارج ہونے کا عیب ظاہر فرمایا' اس شخص سے فرمایا جو کہتا تھا کہ میں نے آج تک اپنی اولاد میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں سے رحمت نکال لی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے نکلے تو اس کی طرف متوجہ ہوتے جاتے تھے' تو جو شخص ایسی بات چاہتا ہے جو شریعت سے

خارج اور طبیعت سے دور ہے وہ جاہل ہے' جہالت کو چاہتا ہے' شریعت نے ہم سے اسی قدر خواہش کی ہے کہ ہم منہ نہ پیٹیں اور گریبان نہ پھاڑیں لیکن آنسو بہانا اور دل میں غم رکھنا کوئی عیب نہیں۔

تلبیس دوم! یہ کہ صوفیہ کسی کے مرجانے کے بعد ایک دعوت کرتے ہیں جس کا نام عرس رکھا ہے اس میں راگ گاتے ہیں رقص کرتے ہیں اور کھیلتے کودتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس بات کی خوشی مناتے ہیں کہ میت اپنے پروردگار سے جا ملی' اس امر میں تین وجہ سے اس قوم کو شیطان نے فریب دیا ہے' ایک یہ کہ مسنون یوں ہے کہ اہل میت کے ہاں کھانا پکا کر پہنچایا جائے کیوں کہ وہ لوگ بوجہ مصیبت کے کھانا تیار کرنے سے معذور ہیں لیکن یہ کوئی سنت نہیں کہ خود اہل میت کھانا پکائیں اور غیروں کے پاس بھیجیں' اہل میت کو کھانا پہنچانے کے لیے وہ حدیث اصل ہے کہ سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ ہم سے جعفر بن خالد نے روایت کیا کہ میرے باپ نے عبداللہ بن جعفر سے خبر دی کہ جب جعفر کی خبر موت آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جعفر کے اہل و عیال کو کھانا پکا کر پہنچاؤ کیوں کہ آج ان کو ایسا صدمہ ہے کہ وہ مجبور ہیں' ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے' دوسرے یہ کہ صوفیہ میت کے لیے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے جا ملا حالانکہ خوش ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ہم یقین نہیں کرسکتے کہ وہ بخشا گیا یا نہیں' اور یہ کوئی عقل کی بات نہیں کہ ہم اس کے لیے خوشی کریں اور وہ عذاب میں گرفتار ہو' عمر بن زر نے جب ان کا بیٹا مرگیا کہا کہ میں تیرے انجام کے غم کی وجہ سے تیرے مرنے پر غم کرنے پر مجبور ہوں خارجہ بن یزید انصاری نے ام علاء سے بیان کیا کہ جب عثمان ابن مظعون نے انتقال کیا تو ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں نے اس وقت عثمان کے بارے میں اتنا کہا کہ اے ابوالسائب تجھ پر خدا کی رحمت ہو میں تیرے لیے شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا اکرام فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر فرمانے لگے کہ تم کیا جانتی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اکرام فرمایا' تیسرے یہ کہ صوفیہ اس دعوت عرس میں رقص کرتے ہیں اور کھیلتے ہیں' اس حرکت سے گویا طبائع سلیمہ کی حد سے خارج ہو جاتے

ہیں کیونکہ طبع سلیم پر فراق کا اثر ہوتا ہے' پھر اگر ان کا مردہ بخشا گیا ہے تو یہ رقص اور بازی کوئی شکریہ نہیں' اور اگر گرفتار عذاب ہے تو غم و ملال کے آثار کہاں ہیں؟

تحصیل علم کے شغل کو ترک کرنے کی نسبت صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا جاننا چاہیے کہ لوگوں کے لیے شیطان کا پہلا فریب یہ ہے کہ ان کو علم سے باز رکھا کیوں کہ علم ایک نور ہے جب شیطان نے ان کے چراغ ہی بجھا دیئے تو اندھیرے میں جس طور سے چاہیے ان کو ٹیڑھا تر چھالے جائے' اس بارے میں صوفیہ پر شیطان نے کئی جہت سے دخل پایا' ایک یہ کہ ان کی جماعت کثیر کو کلی طور پر حکم سے باز رکھا اور ان کو دکھلا دیا کہ علم میں محنت و مشقت اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور آرام و تن آسانی کو ان کے لیے عمدہ کر دکھایا' لہٰذا انہوں نے مرقع (مخصوص لباس) پہن لیا اور فرش فاسد پر بیٹھ گئے' شافعیؒ نے فرمایا کہ تصوف کی بنیاد سستی پر رکھی گئی ہے' شافعیؒ کے قول کی توضیح یہ ہے کہ نفس کا مقصود یا ریاست ہے یا دنیا کو حاصل کرنا' ریاست اور مال کا سمیٹنا بوجہ علوم کے دیر میں حاصل ہوتا ہے اور بدن کو رنج و مشقت میں ڈالتا ہے' خواہ مقصود حاصل ہو یا نہ ہو' صوفیہ نے ریاست کو جلد حاصل کیا' کیونکہ وہ نگاہ زہد سے دیکھے جاتے ہیں اور دنیا کو حاصل کیا وہ ان کے پاس دوڑ کر آتی ہے۔

صوفیہ میں سے کچھ ایسے ہیں جو علماء کی مذمت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ علم میں مشغول ہونا بیکار و بے سود ہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے علوم بلا واسطہ ہیں' جب انہوں نے طلب علم میں بعد طریق دیکھا (یعنی یہ کہ اس کا حاصل کرنا آسان نہیں) تو کوتاہ کپڑے پہن لیے' پیوند لگے جبے سنبھالے لوٹا ساتھ لیا اور زہد کا اظہار کیا۔

دوسری جہت یہ ہے کہ کچھ صوفیہ نے مختصر علم پر قناعت کی لہٰذا فضل کثیر ان سے فوت ہو گیا' صرف الفاظ حدیث پر قانع ہوئے اور وہم میں پڑ گئے کہ اسناد کا اعلیٰ ہونا اور حدیث کے لیے درس و تدریس میں پڑنا سب ریاست اور دنیا طلبی ہے اور نفس کو اس میں

مزہ ملتا ہے' اس شیطانی فریب کا دور کرنا اس طور پر ہے کہ جو مرتبہ بلند ہو گا اس میں فضیلت بھی ہو گی اور خطرہ بھی ہو گا' امارت اور قضا اور فتوے سب خطرہ ہے لیکن بہت بڑی فضیلت بھی ہے' ہمیشہ کانٹا گلاب کے ساتھ ہوتا ہے' انسان کو چاہیے کہ فضائل کو طلب کرے اور ان کے ضمن میں جو آفتیں ہیں ان سے بچا رہے' یہ بات کہ طبعی طور پر ریاست کی محبت انسان میں رکھی گئی ہے تو وہ اسی فضیلت کے حاصل کرنے کو عطا ہوئی ہے' جس طرح نکاح کی محبت طبعا" دی گئی تا کہ اولاد حاصل ہو اور عالم کا قصد علم ہی سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ یزید بن ہارون نے کہا کہ ہم نے علم کو غیر خدا کے لیے طلب کیا مگر علم ہمیشہ خدا ہی کا ہو کر رہا' اس کا مطلب یہ ہے کہ علم نے ہم کو اخلاص کی ہدایت کی اور جو شخص یہ چاہے کہ نفس سے اس کی طبعی خواہش زائل کر دے تو ممکن نہیں۔

تیسری جہت یہ ہے کہ شیطان نے صوفیہ میں سے ایک قوم کو اس وہم میں ڈالا کہ مقصود اصلی عمل ہے' یہ لوگ اتنا نہ سمجھے کہ علم میں مشغول ہونا پورا پورا عمل ہے' پھر عالم اگر طریق عمل میں کوتاہی بھی کرے گا تو راہ راست پر ہو گا' اور عابد بے علم غیر طریق پر ہو گا۔

چوتھی جہت یہ ہے کہ ابلیس نے ایک جماعت کثیر کو یہ پڑھا دیا کہ علم وہ ہے کہ بذریعہ باطن حاصل ہوتا ہے' حتیٰ کہ ایک صوفی جس کے وسواس نے اس کے دل میں خیالات پراگندہ ڈال دیئے کہتا ہے کہ حدثنی قلبی عن ربی یعنی مجھ سے میرے دل نے بیان کیا کہ خدا فرماتا ہے شبلی یہ شعر پڑھتے تھے۔

اذا طالبونی بعلم الورق
برزت علیهم بعلم الخرق

ترجمہ! جب لوگ مجھ سے کتاب علم کے بارے میں درخواست کرتے ہیں تو میں ان کو خرق و کرامت کا علم سکھاتا ہوں' انہوں نے علوم شرعیہ کا نام علم ظاہر رکھا اور خطرات نفسانی کا علم باطن اور اس پر حجت اس حدیث سے پکڑتے ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم باطن ایک راز ہے اسرار الٰہی سے اور ایک حکم ہے احکام خدا سے'

اللہ تعالیٰ اس راز کو اپنے اولیاء میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے۔

مصنف ؒ نے کہا اس حدیث کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اصل نہیں اس کی اسناد میں نامعلوم غیر معتبر (مجہول) لوگ ہیں۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ابو یزید کے پڑوس میں ایک عالم فقیہ رہتے تھے وہ ابو یزید کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ میں نے بہت سی عجیب حکائتیں سنیں جو تم سے روایت کی گئیں' جواب دیا کہ میری عجیب روایتیں جو تم نے نہیں سنی ہیں وہ بھی زیادہ ہیں عالم نے کہا کہ اے ابو یزید تم نے یہ علم کس سے حاصل کیا اور کہاں سے لائے؟ کہنے لگے میرا علم عطائے الٰہی ہے اور اس مقام سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جس قدر جانتا ہے اس پر عمل کرے گا' تو اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کا علم بھی بخش دیگا جس کو وہ نہیں جانتا' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں' ایک علم ظاہر جو خلق کے لیے اللہ تعالیٰ کی حجت ہے اور دوسرا علم باطن' یہی علم نافع ہے' اے بزرگ تمہارا علم تو بذریعہ لسان تعلیم کے منقول ہے اور میرا علم خدا کی طرف سے الہام ہے' عالم نے جواب دیا کہ میرا علم ثقات سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ جبرائیل سے اور جبرائیل اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں' ابو یزید بولے کہ اے شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے ایک اور علم پہنچا جس کو نہ جبرئیل جانتے ہیں اور نہ میکائیل خبر رکھتے ہیں عالم نے کہا سچ ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو صحیح طور پر تمہارا علم معلوم ہو جائے جس کو خدا کے یہاں سے بتاتے ہو' ابو یزید نے کہا کہ بہت اچھا میں تم سے اس قدر بیان کرتا ہوں جس قدر کی معرفت تمہارے دل میں قرار پکڑ سکے' پھر بولے کہ اے شیخ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا اور انبیاء علیہم السلام کا حکم وحی ہوتا ہے عالم نے جواب دیا کہ سچ ہے' ابو یزید بولے تم جانتے ہو کہ صدیقین اور اولیاء کا کلام الہام الٰہی ہوتا ہے اور ان کے دلوں میں خدا کے فوائد ہوتے ہیں' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو زبان حکمت عطا فرماتا ہے اور امت کو ان کی ذات سے نفع پہنچاتا ہے اور میرے اس

دعویٰ کی تائید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی والدہ کو الہام فرمایا کہ موسیٰ کو تابوت میں ڈال دے انہوں نے ویسا ہی کیا' اور خضر علیہ السلام کو کشتی اور لڑکے اور دیوار کے بارے میں الہام فرمایا اور نیز یہ قول الہام فرمایا کہ **وما فعلته عن امری** (الکھف پ ۱۶ آیت ۸۲) یعنی یہ سب باتیں میں نے اپنے جی سے نہیں کیں اور جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ خارجہ کی لڑکی کو ایک لڑکی کا حمل ہے' حضرت عمر رضی اللہ کو الہام فرمایا آپ نے خطبہ میں کہا تھا کہ **یاساریہ الجبل** یعنی اے ساریہ پہاڑ کی طرف۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ میں ابو یزید کی مجلس میں حاضر ہوا لوگ بیان کرنے لگے کہ فلاں نے فلاں سے روایت کی اور اس سے علم حاصل کیا اور بہت سی حدیثیں نقل کیں اور فلاں نے فلاں سے ملاقات کی اور حدیث روایت کی' ابو یزید سن کر بولے اے مسکینو' تم نے مرے ہوؤں کا علم مرے ہوؤں سے لیا اور ہم نے حی لا یموت سے علم حاصل کیا۔

مصنف ؒ نے کہا کہ پہلی حکایت میں جو ابو یزید نے استخراج فقہ کیا ہے بوجہ کم علمی کے ہے کیونکہ اگر عالم ہوتے تو جان لیتے کہ کسی شے کا الہام ہونا علم کے منافی نہیں اور الہام کے سبب علم سے فراغت نہیں ہو سکتی اور اس کا کوئی انکار نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو کسی چیز کا الہام ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ امتوں میں محدثین ہوئے ہیں اگر میری امت میں کوئی ہے تو عمر ہے' محدث بنانے سے مراد الہام خیر ہے لیکن صاحب الہام پر اگر علم کے خلاف الہام ہو تو اس کو اس پر عمل کرنا جائز نہیں' حضرت خضر علیہ السلام کی نسبت یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ نبی ہیں اور اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ انبیاء کو وحی کے ذریعہ نتائج امور پر اطلاع ہو جاتی ہے اور الہام تو کچھ علم میں داخل بھی نہیں فقط علم اور تقویٰ کا ثمرہ ہے تو صاحب تقویٰ کو خیر کی توفیق دی جاتی ہے تو اس کو رشد کا الہام ہوتا ہے' باقی رہا علم کا ترک کرنا اور الہام اور خواطر پر بھروسہ کرنا یہ کوئی چیز نہیں' کیونکہ اگر علم نقلی نہ ہو تو ہم ہرگز نہ پہچانیں کہ نفس میں جو بات القاء ہوئی الہام خیر ہے یا شیطانی وسوسہ ہے' یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ علم الٰہی جو قلوب میں القا ہوتا ہے علم منقول سے کفایت نہیں کرتا جیسا کہ علم عقلی علم شرعی سے کافی نہیں ہوتا کیونکہ

علم عقلی بمنزلہ غذا کے ہے اور علم شرعی مثل دوا کے ہے غذا اور دوا میں سے کوئی ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتا' صوفیہ کا یہ قول کہ علماء نے مرے ہوؤں کا علم مرے ہوؤں سے لیا۔ اس قول کو بہتر ہے کہ اس کی طرف نسبت کیا جائے کہ وہ نہیں جانتا اس قول کے ضمن میں کیا قباحتیں ہیں' ورنہ یہ صریحاً" شریعت پر طعن کرنا ہے' ابو حفص بن شاہین کہتے ہیں کہ کچھ ایسے صوفیہ ہیں جو علم میں مشغول ہونا بطالت (بیکار) خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے علوم بلا واسطہ ہیں' حالانکہ متقدمین جو اہل تصوف ہوئے ہیں وہ قرآن اور فقہ میں رئیس (ماہر) تھے کیا انہوں نے بطالت کو پسند کیا۔

ابو حامد طوسی نے کہا جاننا چاہیے کہ اہل تصوف کی رغبت علوم الہام کی طرف ہوتی ہے علوم تعلیمی کی جانب نہیں ہوتی' اسی لیے صوفیہ علم کے درس لینے اور مصنفوں کی تصنیفات حاصل کرنے کے حریص نہیں ہوتے بلکہ کہتے ہیں راہ راست یہ ہے کہ صفات مذمومہ کو مٹا کر اور تمام علائق سے قطع تعلق کر کے مجاہدات کو مقدم کرے اور کنہ ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور یہ اس طور پر ہے کہ اپنے قصد کو اہل و عیال' مال و اولاد اور علم سے علیحدہ کرے اور تن تنہا ایک گوشہ میں بیٹھے فرائض و واجبات کے ادا کرنے پر اکتفا کرے اور اپنے قصد کو تلاوت قرآن اور اس کی تفسیر کے سوچنے کے ساتھ پراگندہ نہ کرے اور حدیث وغیرہ نہ لکھے ہمیشہ اللہ اللہ کرتا رہے تاآنکہ ایسی حالت پر پہنچ جائے کہ زبان کو حرکت دینا بھی چھوٹ جائے پھر قلب پر سے لفظ کی صورت بھی محو ہو جائے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ مجھ کو زیادہ اچنبھا اس بات کا ہے کہ یہ کلام ایک فقیہ سے صادر ہوا' کیونکہ اس تقریر میں جو قباحت ہے پوشیدہ نہیں' گویا حقیقت میں بساط شریعت کو بالکل تہہ کر دیا ہے' وہ شریعت کہ تلاوت قرآن اور طلب علم پر برانگیختہ کرتی ہے اور اس طرز فکر کی بنا پر علمائے کرام کے سب فضائل فوت ہو جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے اس طریق کی پیروی نہیں کی صرف علم میں مشغول رہے اور جس بنا پر ابو حامد نے ترتیب دی ہے تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفس اپنے وسواس اور خیالات کا محور ہے اور اس کے پاس وہ علم نہ ہو جو ان وساوس کو دور کرے لہٰذا شیطان اس کے ساتھ خوب کھیل کھیلے گا اور

وسوسہ کو کلام اور مناجات بنائے گا اور اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ جب قلب پاک ہوتا ہے تو انوار ہدایت اس پر نزول کرتے ہیں اور وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے' مگر یہ ضروری ہے کہ قلب کی پاکی حسب مقتضائے علم ہو منافی علم نہ ہو' کیونکہ سخت بھوک اور بیداری اور خیالات میں وقت کا ضائع کرنا ایسے امور ہیں جن سے شریعت منع کرتی ہے' صاحب شرع سے کوئی چیز اس سبب کے ذریعہ سے نہیں مل سکتی جس سے اس نے منع فرما دیا' جس طرح رخصت پر عمل کرنا اس سفر میں مباح نہیں جس سے ممانعت آئی ہے' پھر علم اور ریاضت میں کوئی منافات نہیں بلکہ ریاضت کی کیفیت عالم خوب جانتا ہے اور اس کے صحیح رکھنے کی کوشش کرتا ہے' البتہ اس قوم کے ساتھ ضروری شیطان کھیلتا ہے جو علم سے دور ہیں اور ریاضت پر اس طریق سے متوجہ ہیں جس سے علم منع کرتا ہے اور اس قوم سے علم دور ہے۔ لہٰذا کبھی وہ کام کر بیٹھتے ہیں جو ممنوع ہے' اور کبھی ایسی حرکت بجالاتے ہیں جس کے خلاف کرنا بہتر ہے اور ان واقعات میں علم ہی فتویٰ دیتا ہے اور یہ لوگ علم سے برطرف ہیں۔ اس رسوائی سے خدا محفوظ رکھے۔

ابن ناصر نے ابوعلی بن النبا سے روایت کیا کہ بازار اسلحہ میں ہمارے پاس ایک شخص تھا جو کہتا تھا کہ قرآن حجاب ہے اور رسول حجاب ہے بجز عبد اور رب کے کچھ نہیں' اس قول سے ایک جماعت فتنہ میں پڑ گئی اور عبادت کو بیکار کر دیا اور وہ شخص قتل کے خوف سے چھپ رہا' بکر بن حفش کہتے ہیں کہ ضرار بن عمرو نے کہا کہ ایک قوم نے علم اور اہل علم کی مجلسوں کو چھوڑ دیا اور محرابوں کو اختیار کر لیا' روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے لگے' حتیٰ کہ ہڈیوں سے کھال جدا ہو گئی اور سنت کے خلاف کیا' لہٰذا ہلاک ہو گئے' قسم اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں جو عامل جہل پر عمل کرے گا وہ ضرور سنوارنے سے زیادہ اپنے آپ کو بگاڑے گا۔

فصل

اکثر صوفیہ نے شریعت اور حقیقت میں فرق نکالا ہے حالانکہ یہ قول فقط قائل کی نادانی ہے کیونکہ شریعت سب کی سب حقائق ہے پس اگر اس قول سے مراد عزیمت اور

رخصت ہے تو وہ دونوں بھی شریعت ہیں' خود قدمائے صوفیہ کی ایک جماعت نے ان لوگوں کے ظواہر شرع سے اعراض کرنے پر انکار ان سے اختلاف) کیا ہے ابوالحسن جو بصرہ میں شعوانہ کے غلام تھے کہتے ہیں کہ ابوالحسن بن سالم نے بیان کیا کہ سہل بن عبداللہ کے پاس ایک شخص آیا اس کے ہاتھ میں دوات اور ایک بیاض تھی' سہل سے کہا کہ میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ ایسی چیز لکھ لے جاؤں جس سے خدا مجھ کو نفع پہنچائے سہل نے کہا ہاں لکھو اگر ممکن ہو سکے کہ تم خدا سے ایسی حالت میں ملو کہ تمہارے ہاتھ میں دوات اور بیاض ہو تو ایسا ہی کرو' وہ بولا کہ اے محمد مجھے کوئی فائدے کی بات بتاؤ' جواب دیا کہ دنیا سراپا جہل ہے بجز علم کے اور علم بالکل حجت ہے جس پر عمل ہو اور عمل سب کا سب موقوف ہے بجز اس کے جو مطابق سنت ہو اور سنت تقویٰ پر قائم ہے' سہل بن عبداللہ کہتے ہیں کہ سیاہی کو سفیدی پر نگاہ رکھو جو شخص ظاہر کو چھوڑ دے گا ضرور زندیق ہو جائے گا' سہل بن عبداللہ نے کہا کہ خدا سے ملنے کا طریق علم سے افضل کوئی نہیں میں نے طریق علم سے ایک قدم تجاوز نہ کیا' ابوبکر دقاق نے کہا کہ میں نے ابو سعید خزاز سے سنا ہے کہ جو باطن خلاف ظاہر ہو وہ باطل ہے ابوبکر دقاق نے کہا کہ میں اس میدان (تیہ) میں چلا جا رہا تھا جہاں بنی اسرائیل بھٹکتے پھرے تھے کہ میرے دل میں خدشہ گزرا کہ علم حقیقت شریعت کے خلاف ہے اتنے میں درخت کے تلے سے مجھ کو ایک ہاتف نے آواز دی کہ جو حقیقت تابع شریعت نہ ہو وہ کفر ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ امام ابو حامد غزالی نے کتاب احیاء العلوم میں اس کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ حقیقت خلاف شریعت ہے یا باطن خلاف ظاہر ہے تو وہ بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہے۔ ابن عقیل نے کہا کہ صوفیہ نے شریعت ایک نام گردانا ہے اور کہتے ہیں کہ مراد اس سے حقیقت ہے ابن عقیل نے کہا کہ یہ قول قبیح ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کو خلقت کی مصلحتوں اور عبادتوں کے لیے مقرر فرمایا ہے اب اس تحقیق کے بعد جس کو حقیقت کہتے ہیں وہ کچھ نہیں صرف ایک خیال ہے جو شیطان نے نفوس میں ڈال دیا ہے۔ اور جو شخص شریعت چھوڑ کر حقیقت کو طلب کرے وہ فریب کھایا ہوا اور دھوکا دیا ہوا ہے۔

علم کی کتابیں دفن کر دینے اور دریا میں بہا دینے کی نسبت صوفیہ کی ایک جماعت پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا کہ صوفیہ میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو ایک مدت کتابت علم میں مشغول رہے پھر ان کو شیطان نے فریب دیا اور یہ پٹی پڑھائی کہ مقصود اصلی فعل ہے' لہٰذا انہوں نے کتابیں دفن کر دیں' ابراہیم بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ احمد بن ابی الحواری نے اپنی کتابیں دریا میں بہا دیں اور کہا کہ کتابیں عمدہ دلیل ہیں اور بعد وصول مطلب کے دلیل میں مشغول ہونا محال ہے' احمد بن ابی الحواری نے تیس برس تک تحصیل علم کی تھی' جب انتہا کو پہنچ گئے تو کتابیں لے کر دریا برد کر ڈالیں اور کہا کہ اے علم میں نے تیرے ساتھ یہ معاملہ تجھ کو ذلیل کرنے اور ناقابل وقعت سمجھ کر نہیں کیا بلکہ میں تجھ کو اس لیے حاصل کرتا تھا کہ تیری وجہ سے اپنے پروردگار کا راستہ پاؤں' جب مجھ کو راہ مل گئی تو تیری حاجت نہ رہی ابوالحسن بن الخلال کی نسبت ہم کو یہ خبر ملی کہ بڑے صاحب فہم تھے اور حدیث کے لیے محنت کرتے تھے اور تصوف سیکھتے تھے اور ایک مدت حدیث کو دریا برد کرتے تھے۔ پھر رجوع کر کے لکھتے تھے' مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے اپنی تمام قدیمی سنی ہوئی حدیثیں دجلہ میں پھینک دیں اور ان کا اول سماع ابوالعباس اصم اور ان کے طبقہ سے ہے اور بہت سے حدیثیں ان سے لکھی تھیں۔

ابو طاہر جنابذی کہتے ہیں کہ موسیٰ بن ہارون ہم کو حدیث پڑھ کر سناتے تھے' جب جزرو پورا ہو جاتا تھا تو بجنسہ اس کو دجلہ میں بہا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے اس کا حق ادا کر دیا' ابو نصر طوسی کہتے ہیں کہ مشائخ رے سے میں نے سنا ہے کہ ابو عبداللہ مقری اپنے باپ کے ترکہ میں سے علاوہ اسباب اور زمین کے پچاس ہزار دینار کے وارث ہوئے تو تمام سے علیحدہ ہو گئے اور اس کو فقیروں پر خیرات کر دیا' رازی کہتا ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے اس بارے میں سوال کیا' تو جواب دیا کہ ایک زمانے میں جب میں نوجوان لڑکا تھا تو میں نے احرام باندھا تنہا مکہ کی طرف نکلا اس وقت کوئی ایسی چیز نہ رہی

جس کے لیے میں پھر واپس آؤں اور میری کوشش یہ تھی کہ کتابوں سے برطرفی اختیار کروں اور میں نے جو حدیث اور علم جمع کیا تھا وہ میرے لیے اس سے بھی سخت تر تھا کہ مکہ کی طرف جاؤں اور سفر طے کروں اور اپنی جائداد سے علیحدہ ہوں' محمد بن الحسین بغدادی سے سنا گیا' بیان کرتے تھے کہ میں نے شبلی سے سنا کہنے لگے کہ میں ایسے شخص کو جانتا ہوں جو اس شان میں اس وقت داخل ہوا ہے کہ پہلے اپنا تمام مال خیرات کر چکا اور اس دجلہ میں ستر صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے بہا چکا جن کو اس نے اپنے قلم سے لکھا تھا اور موطاء کو حفظ کیا تھا اور فلاں فلاں کتاب پڑھی تھی' شبلی کی مراد اس شخص سے اپنی ذات تھی۔

مصنف ؒ نے کہا کہ پیشتر بیان ہو چکا کہ علم ایک نور ہے اور ابلیس انسان کو سمجھاتا ہے کہ نور کا بجھا دینا بہتر ہے تاکہ اس پر تاریکی میں قابو پائے اور جہل کی تاریکی سے بڑھ کر کوئی تاریکی نہیں جب ابلیس کو خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ لوگ پھر دوبارہ کتابوں کا مطالعہ کریں اور اس کے معاملہ پر آگاہ ہوں تو ان کو کتابوں کا دفن اور ضائع کر دینا عمدہ کر دکھایا حالانکہ یہ حرکت قبیح اور ممنوع ہے اور کتابوں کے مقصود نہ جاننے کا نتیجہ ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علوم کی اصل قرآن اور سنت ہے' جب شرع نے یہ جانا کہ اس کی نگہداشت دشوار ہے تو قرآن اور حدیث لکھنے کا حکم دیا' قرآن کے بارے میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ کاتب کو بلواتے تھے' اور وہ آیت لکھواتے تھے' صحابہ رضی اللہ عنہم آیتوں کو لکڑیوں اور پتھروں پر لکھا کرتے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کو مصحف میں جمع کیا' بعدازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی نقلیں کیں' یہ سب کچھ اسی لیے تھا کہ قرآن شریف محفوظ رہے اور اس سے کوئی چیز جدا نہ ہو' باقی رہی سنت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع اسلام میں لوگوں کو صرف قرآن شریف ہی پر موقوف رکھا اور فرمایا کہ قرآن کے سوا کچھ مجھ سے سن کر مت لکھو' بعدازاں جب حدیثیں بکثرت ہوئیں اور آپ نے قلت ضبط ملاحظہ فرمائی تو لکھ لینے کا حکم دے دیا' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آکر کمی حفظ کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے حفظ پر اپنے ہاتھ سے مدد لو یعنی لکھ لیا کرو' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ حضرت ﷺ نے فرمایا علم کو مقید کر لو' میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قید کرنا کیونکر ہے؟ فرمایا کہ لکھ لو' رافع بن خدیج نے روایت کی کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم لوگ آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں آیا انہیں لکھ لیا کریں؟ فرمایا لکھا کرو کوئی حرج نہیں۔

مصنف ؒ نے کہا کہ جاننا چاہیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اور حرکات اور افعال کو منضبط کیا ہے۔ اور روایت در روایت پہنچ کر شریعت جمع ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ سے سنو وہ دوسروں تک پہنچا دو اور نیز یہ فرمایا کہ خدا اس شخص کو ہرا بھرا رکھے جو مجھ سے کوئی بات سنے اور اس کو خوب نگاہ رکھے پھر جس طرح سنا تھا اسی طرح دوسرے کو پہنچا دے' حدیث کو سن کر لفظ بلفظ اسی طرح بیان کرنا بغیر لکھ لینے کے مشکل ہے کیونکہ یاداشت پر بھروسہ نہیں ہو سکتا' احمد بن حنبل ؒ کی نسبت کہتے ہیں کہ آپ حدیث بیان کرتے تھے لوگ ان سے کہتے تھے کہ آپ زبانی سنا دیا کیجئے' جواب دیتے تھے کہ نہیں بغیر کتاب کے نہ بیان کروں گا' علی بن المدینی نے کہا کہ مجھ کو میرے آقا احمد بن حنبل ؒ نے حکم دیا کہ بغیر کتاب میں دیکھے حدیث نہ بیان کروں' اب جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہما نے سنت کو روایت کیا ہو اور ان سے تابعین نے لیا ہو اور محدثین نے سفر کیے ہوں اور زمین کے مشرق و مغرب کو طے کیا ہو تاکہ ایک کلمہ یہاں سے حاصل کریں دوسرا لفظ وہاں سے لیں اور صحیح احادیث کی تصحیح کی اور غیر صحیح کو ناقص بتایا ہو اور راویوں میں جرح و تعدیل کی ہو اور سنن کو ترتیب دی ہو اور تصنیفیں کی ہوں' پھر جو شخص اس کو دھوکا ڈالے وہ اس جفاکشی کو اکارت کرتا ہے اور کسی واقعہ میں خدا کا حکم نہیں جانتا ہے کہ ایسی باتوں میں کیا شریعت کی مخالفت کی گئی ہے' کسی دوسری شریعت میں یہ بات نہیں پائی جاتی' کیا ہم سے پہلی شریعتوں میں کسی شریعت کی اسناد اس کے نبی تک پہنچی ہے ہرگز نہیں یہ خصوصیت فقط اسی امت کے لیے ہے'

امام احمد بن حنبلؒ کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ باوجودیکہ وہ طلب حدیث میں مشرق و مغرب پھرے تھے ایک بار اپنے بیٹے سے پوچھا کہ تم نے فلاں شیخ سے کیا نقل کیا؟ ان کے بیٹے نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن نماز کو ایک راستہ سے تشریف لے جاتے تھے اور دوسری راہ سے واپس ہوتے تھے' امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ اناللہ وانا الیہ راجعون' سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سنت مجھ کو نہیں پہنچی امام کا یہ قول ہے باوجود اس کے کہ کثرت سے حدیثیں جمع کی تھیں اب اس شخص کو کیا کہا جائے جو حدیث لکھتا ہی نہیں جب لکھتا ہے تو دھو ڈالتا ہے' تم کہہ سکتے ہو کہ جب کتابیں دفن اور دریا برد کر دی جائیں تو فتاویٰ اور نئے واقعات ظاہر ہونے کی حالت میں کس چیز پر اعتماد کیا جائے' کہ فلاں زاہد اور فلاں صوفی سے فتویٰ لیا جائے گا یا نفس میں جو خطرات آتے ہیں ان پر بھروسہ کیا جائے گا' ہدایت کے بعد گمراہی سے خدا پناہ دے۔

فصل

اور یہ کتابیں جن کو ان لوگوں نے دفن کیا تین حال سے خالی نہیں' یا ان میں حق ہو گا یا باطل' یا حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہو گا' اگر ان میں باطل تھا تو جس نے دفن کیا اس پر کچھ ملامت نہیں اور اگر حق باطل سے ملا ہوا تھا اور اس کی تمیز ممکن نہ تھی تو ان کے ضائع کرنے کے لیے بھی عذر ہے' کیونکہ بہت سے لوگوں نے معتبر اور جھوٹے دونوں قسم کے لوگوں سے حدیث لکھی تو اصل بات ان پر مختلط ہو گئی تو انہوں نے ان کتابوں کو دفن کر دیا' سفیان ثوریؒ سے جو کتابوں کا دفن کرنا منقول ہے وہ اسی پر محمول ہے اور اگر ان میں حق اور شرع تھی تو ان کا ضائع کرنا بالکل جائز نہیں' کیونکہ ضائع کرنا علم اور مال کے لیے قاعدہ نہیں اور جو شخص ان کے ضائع کرنے کا قصد کرتا ہے چاہیے کہ اس کی غرض پوچھی جائے اگر یوں کہے کہ کتابیں مجھ کو عبادت سے دوسری جانب مشغول کر دیں گی تو اس کا جواب تین طرح سے ہے' ایک یہ کہ اگر تم کو سمجھ ہوتی تو جان لیتے کہ علم کا شغل رکھنا پوری عبادت ہے' دوسرے یہ کہ جو روشن ضمیری تم کو حاصل ہوئی ہے یہ ہمیشہ

نہیں رہ سکتی' گویا کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں وقت گزر جانے کے بعد تم اپنی حرکت پر پشیمانی اٹھا رہے ہو' اور واضح ہو کہ دل ہمیشہ صفائی پر نہیں رہتے بلکہ زنگ آلود ہو جاتے ہیں تو ان کے جلا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے علمی کتابوں کا دیکھنا' یوسف بن سباط نے اپنی کتابیں دفن کر دی تھیں' لیکن حدیث بیان کیے بغیر صبر بھی نہ آتا تھا' لہٰذا یادداشت پر حدیث سنانے لگے اور خلط کر دیا' تیسرے یہ کہ ہم مان لیتے ہیں کہ تمہاری روشن دلی کامل ہے اور ہمیشہ رہے گی اور تم کو کتابوں کی ضرورت بھی نہیں مگر اہل طلب میں سے کسی مبتدی کو جو تمہارے مقام تک نہیں پہنچا وہ کتابیں ہبہ کیوں نہیں کر دیں یا ایسے لوگوں کو کیوں وقف نہ کیں جو ان سے نفع اٹھاتے کتابوں کا ضائع کرنا کسی حال میں درست نہیں' مروزی نے احمد بن حنبلؒ سے روایت کیا کہ ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو یہ وصیت کرے کہ اس کی کتابیں دفن کر دی جائیں' جواب دیا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ علم کو دفن کر دیا جائے' مروزی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے سنا کہتے تھے کہ میں کتابیں دفن کرنے کی کوئی وجہ نہیں جانتا۔

علم میں مشغول رہنے والوں پر اعتراض کرنے کے بارے میں

صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ جب صوفیاء کی دو قسمیں ہوئیں ایک تو وہ جو طلب علم میں کاہل رہے' دوسرے وہ جنھوں نے یہ گمان کیا کہ علم وہی ہے جو عبادت کے نتائج سے نفس میں القا ہوتا ہے اور اس کا نام علم باطن رکھا ہے' لہٰذا اس قوم نے علم ظاہر میں مشغول ہونے سے منع کیا ہے' ابو اسحاق ابراہیم ابن احمد بن محمد طبری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے جعفر خلدی سے سنا کہتے تھے کہ اگر مجھے صوفیہ چھوڑتے تو میں تم کو دنیا کی اسناد سناتا' میں جس زمانہ میں نوجوان تھا ایک بار عباس دوری کے پاس گیا اور ایک جلسہ میں جس قدر حدیثیں انہوں نے بیان کیں لکھ لایا' جب ان کے پاس سے اٹھ کر آیا تو راستے میں میرے ایک دوست جو صوفی تھے ملے' پوچھنے لگے کہ تمہارے پاس یہ کیا ہے میں نے وہ

کتاب دکھائی کہنے لگے وائے ہو تجھ پر علم خرق کو چھوڑ کر علم ورق کو اختیار کرتا ہے یہ کہہ کر ان اوراق کو پھاڑ ڈالا میرے دل میں ان کا کلام گھر کر گیا پھر میں کبھی عباس کے پاس نہیں گیا۔

مصنف نے کہا ابو سعید کندی کی نسبت میں نے سنا ہے بیان کرتے تھے کہ میں صوفیہ کے رباط میں قیام کرتا تھا اور خفیہ طور پر حدیث طلب کرتا تھا کہ ان کو خبر نہ ہوتی تھی ایک روز میری جیب سے دوات گر پڑی تو ایک صوفی نے مجھ سے کہا کہ اپنی شرمگاہ چھپاؤ' ابو حسین ابن احمد صفار نے بیان کیا کہ میرے ہاتھ میں دوات تھی شبلی نے دیکھ کر کہا اپنی سیاہی مجھ سے پوشید کرو۔ مجھ کو اپنے دل کی سیاہی کافی ہے' علی بن مہدی سے میں نے سنا کہ میں بغداد میں شبلی کے حلقہ میں جا کھڑا ہوا۔ شبلی نے میری طرف دیکھا اور میرے پاس دوات دیکھ کر چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

میں نے لڑائی کے واسطے خوف کا لباس پہنا اور اندوہ و قلق کے مارے شہروں میں سراسیمہ پھرا۔ تیرے لیے میں نے جہاد کا پردہ اٹھا دیا اور جس سے گفتگو کی تیری ہی باتیں کیں' جب لوگ مجھ سے علم ورق کے بارے میں درخواست کرتے ہیں تو میں ان کو علم خرق بتاتا ہوں۔

مصنف نے کہا اللہ تعالیٰ کی سخت مخالفت یہ ہے کہ اس کے راستے سے روکا جائے اور اللہ تعالیٰ کا بہت روشن راستہ علم ہے کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا دلیل اور احکام شریعت کا بیان اور اس امر کی توضیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کو پسند فرماتا ہے اور کس بات سے ناراض ہے' اب علم سے منع کرنا خدا تعالیٰ اور اس کی شریعت سے عداوت رکھنا ہے لیکن یہ منع کرنے والے لوگ نہیں سمجھتے کہ کیا غضب کر رہے ہیں۔

امام احمد بن حنبل طالب علموں کے ہاتھوں میں دواتیں دیکھ کر فرماتے تھے کہ یہ اسلام کی شمع ہیں اور باوجود بڑھاپے کے دوات لے کر بیٹھتے تھے' کسی نے پوچھا اے ابو عبداللہ یہ دوات کب تک ساتھ رہے گی جوابدیا کہ قبر تک ساتھ جائے گی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ فتح مند رہے گا' جو لوگ ان کو چھوڑ دیں گے وہ ان کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے' امام احمد نے کہا کہ یہ

گروہ اگر اہل حدیث علم حدیث سے شغل رکھنے والے) نہیں تو میں نہیں جانتا کہ پھر کون ہیں' نیز امام نے کہا کہ ابدال اگر اہل حدیث نہ ہوں گے تو کون ہو گا' کسی نے امام احمدؒ سے کہا کہ فلاں شخص اصحاب حدیث کی نسبت کہتا ہے کہ برے لوگ تھے' جواب دیا کہ وہ شخص زندیق ہے' امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں جب اہل حدیث میں سے کسی کو دیکھتا ہوں تو گویا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک کو دیکھتا ہوں' یوسف بن اسباط نے کہا کہ طالبان حدیث کی برکت سے اللہ تعالیٰ اہل زمین کی بلائیں دفع کرتا ہے۔

ابن مسروق نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہے اور لوگ جمع ہیں' اتنے میں منادی نے ندا کی کہ اے لوگو! نماز ہونے والی ہے سب نے صفیں باندھیں میرے پاس ایک فرشتہ آیا میں نے غور سے دیکھا تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا جبرائیل امین اللہ میں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ جبرائیل نے جواب دیا کہ آپ ﷺ اپنے صوفیہ بھائیوں کے دسترخوان تیار کر رہے ہیں' میں نے کہا کہ میں بھی تو صوفیہ میں سے ہوں کہنے لگے کہ ہاں تو بھی صوفی ہے مگر تجھ کو کثرت حدیث نے دوسری جانب مشغول کر دیا۔ مصنفؒ نے کہا معاذ اللہ کہ جبرائیل علم میں مشغول ہونے سے انکار کریں' اس حکایت کی اسناد میں ایک راوی ابن جہضم ہے جو کذاب تھا' عجب نہیں کہ اس کی من گھڑت ہو' اور ابن مسروق کی نسبت علی بن محمد بن نصر نے بیان کیا کہ میں نے حمزہ بن یوسفؒ سے سنا کہتے تھے کہ میں نے دار قطنی سے سنا بیان کرتے تھے کہ ابو العباس ابن مسروق قوی نہیں اور معضلات روایت کرتا ہے۔

علمی مسائل میں کلام کرنے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا جاننا چاہیے کہ اس قوم نے جب علم کو چھوڑ دیا اور صرف اپنی رایوں کے مطابق ریاضت کے ہو رہے تو علم کے بارے میں گفتگو کرنے سے نہ رہ سکے' لہذا اپنے واقعات بیان کیے اور قبیح غلطیاں ان سے سرزد ہوئیں' کبھی تو تفسیر میں گفتگو کرتے اور کبھی حدیث میں اور کبھی فقہ میں اور کبھی علوم میں' تمام علوم کو اپنے اسی علم کے موافق لے جاتے جو فقط انہیں میں پایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ زمانے کو ان لوگوں سے خالی نہیں رکھتا جو اس کی حفاظت کریں اور جھوٹوں کا جواب دیں اور غلطی کرنے والوں کی غلطی ظاہر کریں۔

قرآن میں جو صوفیہ نے کلام کیا اس کا تھوڑا سا بیان

جعفر بن محمد خلدی نے بیان کیا کہ میں اپنے شیخ جنید کی خدمت میں حاضر ہوا' ابن کیسان نے ان سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا **سنقرئک فلاتنسی** (الاعلیٰ پ ۳۰ آیت ۶) یعنی اے محمد ہم تم کو پڑھائیں گے اور تم نہ بھولو گے' جنید نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا مت بھولو' جعفر نے کہا کسی نے جنید سے اس آیت کے معنی پوچھے **ودرسوا مافیہ** (الاعراف پ ۹ آیت ۱۶۹) یعنی جو اس میں لکھا تھا پڑھا۔ جنید نے کہا معنی یہ ہیں کہ اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کی مہر نہ توڑے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ جنید کی یہ تفسیر کہ اس پر عمل کرنا مت بھولو بے وجہ ہے جس میں صریح غلطی ہے کیونکہ یہ تفسیر اس بنا پر لاتنسی صیغہ نہی ہے حالانکہ یہ جملہ خبریہ ہے نہی نہیں اور ماتنسی کے معنوں میں ہے' کیوں کہ اگر نہی ہوتا تو حالت جزمی میں واقع ہوتا' غرض یہ تفسیر اجماع علماء کے خلاف ہے' اسی طرح اس کی تفسیر کہ **درسوا مافیہ** یہ درس سے نکلا ہے جو بمعنی تلاوت ہے' جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا **وبما کنتم تدرسون**۔ (آل عمران پ ۳ آیت ۷۹) اس مقولہ سے نہیں نکلا کہ درس الشئی جس درس کے معنی ہلاکت کے ہیں۔

محمد بن جریر نے کہا میں نے ابوالعباس بن عطا سے سنا ان سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے **فنجیناک من الغم** (طہٰ پ ۱۶ آیت ۴۰) ہم نے تجھ کو غم سے نجات دی اور تجھ کو آزمایا"

ابو العباس نے کہا یعنی تمہاری قوم کے غم سے تم کو نجات دی اور اپنے ماسوا سے جدا کر کے تم کو اپنا مفتون بنا لیا' مصنف نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر بڑی بھاری جرات ہے' حضرت موسیٰ کی نسبت کہنا عشق الٰہی کے فتنہ میں پڑ گئے اور خدا کی محبت کو فتنہ قرار

دینا نہایت ہی قبیح بات ہے۔

ابن عطا سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے **واما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنہ نعیم** (الواقعہ پ ۲۷ آیت ۸۸' ۸۹) جواب دیا کہ روح کے معنی ہیں خدا کا دیدار دیکھنا' ریحان اس کا کلام سننا جنۃ نعیم وہ مقام ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حجاب نہ ہو' مصنفؒ نے کہا یہ کلام فی الواقع مفسرین کے خلاف ہے۔

ابو عبدالرحمان سلمی نے قرآن کی تفسیر میں صوفیہ کے بعض کلام دو جلد میں جمع کیے ہیں جن میں اکثر بے ہودہ باتیں ہیں جو جائز نہیں ہیں ان کا نام رکھا ہے "حقائق التفسیر" صوفیہ کی تفاسیر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کہتے ہیں الحمد کو فاتحہ الکتاب اس لیے کہتے ہیں کہ یہ شروعات ہیں جن سے ہم نے اپنے خطاب کو شروع کیا ہے' اگر تم نے اس کا ادب کیا تو خیر ورنہ مابعد کے لطائف سے محروم رہ جاؤ گے' مصنفؒ نے کہا یہ توجیہ قبیح ہے کیونکہ مفسرین بلا اختلاف کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ اوائل میں نازل نہیں ہوئی۔

قول تعالی وان یاتوکم اساری (البقرہ پ ۱ آیت ۸۵) یعنی اگر کفار تمہارے پاس قید ہو کر آئیں' اس کے بارے میں ابو عثمان نے کہا کہ **اساری** کے معنی ہیں گناہوں میں ڈوبے ہوئے' واسطی نے کہا یہ مطلب ہے کہ اپنے افعال پر نظر کرنے میں غرق ہیں جنید کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ اسباب دنیا میں گرفتار ہیں' اللہ تعالیٰ قطع علائق کی ان کو ہدایت کرتا ہے' میں کہتا ہوں کہ آیت تو انکار (مذمت) کے طور پر وارد ہوئی ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ جب تم کفار کو قید کرو (اور پھر ان کو چھوڑنا چاہو) تو ان سے فدیہ لے لو۔

محمد بن علی نے **یحب التوابین** (البقرہ پ ۲ آیت ۲۲۲) کی تفسیر میں کہا کہ دوست رکھتا ہے ان لوگوں کو جو اپنی توبہ سے توبہ کرتے ہیں۔

اور نوری نے **یقبض ویبسط** کی تشریح کرتے ہوئے کہا تنگ اور کشادہ کرتا ہے اپنے واسطے۔

اور اللہ تعالیٰ کے قول **من دخلہ کان امنا** (ال عمران پ ۴ آیت ۹۷) (یعنی جو حرم میں داخل ہوا وہ امن میں ہے) کے بارے میں کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نفسانی

خیالات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہے۔ حالانکہ یہ معنی نہایت قبیح ہیں' کیونکہ لفظ آیت کے خبر کے ہیں اور معنی اس کے امر کے ہیں اور تقدیر اس کی یہ ہے من دخل الحرم فامنوا یعنی جو حرم میں داخل ہو اس کو امن دو' ان لوگوں نے اس کی تفسیر امنا بفتحہ الف و کسرۂ میم بیان کی علاوہ ازیں ان کی تفسیر پر آیت درست نہیں رہتی۔ بہت سے لوگ حرم میں داخل ہوتے ہیں اور اوہام نفسانی اور وساوس شیطانی سے نہیں بچتے۔

قولہ تعالیٰ ان تجتنبوا کبائرما تنہون عنہ (النساء پ ۵ آیت ۳۱) (یعنی اگر تم ممنوعات کے کبائر سے اجتناب کرو گے) ابو تراب نے تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ کبائر سے مراد فاسد دعوے ہیں۔

سہل کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں والجار ذی القربی (النساء پ ۵ آیت ۳۶) سے مراد قلب ہے اور الجار الجنب نفس ہے اور ابن السبیل جوارح ہیں۔

قولہ تعالیٰ وھم بھا (یوسف پ ۱۲ آیت ۲۴) یعنی یوسف نے زلیخا کا قصد کیا" ابو بکر وراق نے کہا کہ دونوں قصد زلیخا کے ہیں اور یوسف نے اس کا قصد نہیں کیا تھا' میں کہتا ہوں کہ یہ نص قرآن کے خلاف ہے۔

قولہ تعالیٰ ماھذا بشرا (یوسف پ ۱۲ آیت ۳۱) یعنی یوسف آدمی نہیں۔ محمد بن علی کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ یوسف اس قابل نہیں کہ مباشرت کی طرف بلایا جائے۔

زنجانی نے کہا رعد ملائکہ کی دست زنی کی آواز ہے اور برق ان کے دلوں کے شعلے ہیں اور مطر (بارش) ان کی اشکباری ہے۔

قولہ تعالیٰ وللہ المکر جمیعا (الرعد پ ۱۳ آیت ۴۲) اس کی تشریح کرتے ہوئے حسین نے کہا کہ خدا کے مکر سے بڑھ کر اس کے بندوں کے واسطے کوئی فریب نہیں کہ ان کو شبہ میں ڈال دیا ہے کہ ایک حال میں وہ خدا کا راستہ پا سکتے ہیں یا حدوث کو قدم کے ساتھ مقارنت ہے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ اس تفسیر کے معنی جو شخص سمجھے گا جان لے گا کہ یہ کفر محض ہے کیونکہ اس سے پایا جاتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ مذاق اور کھیل کرتا ہے لیکن یہ مفسر حسین حلاج ہیں ان سے ایسا جملہ کچھ بعید نہیں اور آیت لعمرک (الحجرات پ ۱۴

آیت ۴۷) کی یوں تفسیر کی کہ تمہاری عمارت کی قسم ہے کہ تمہارا بھید میرے مشاہدے میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ساری کتاب اسی قسم کی ہے اور میں نے چاہا کہ ان میں سے بہت سا ذکر کروں تو میں نے دیکھا کے زمانہ ایک ایسی شے کے لکھنے مین برباد ہوتا ہے جس میں کچھ کفر ہے اور کچھ خطا ہے اور کچھ بے ہودہ باتیں اور وہ اس قسم کی باتیں ہیں جو ہم نے فرقہ باطنیہ سے نقل کیں جو شخص اس کتاب کی حالت دیکھنا چاہے تو یہ اس کا نمونہ دیکھ لے اور جو شخص زیادہ چاہے تو وہی کتاب دیکھ لے۔

ابو حامد طوسی نے کتاب ذم مال میں اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے **واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام** (ابراہیم پ ۱۳ آیت ۳۵) (یعنی مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے دور رکھ) سے مراد سیم و زر ہے کیونکہ نبوت کا رتبہ اس سے اعلیٰ ہے کہ اس سے عبادت اصنام کا خوف ہو' اور کہا کہ عبادت سے مراد مال و دولت کی محبت اور اس پر فریفتہ ہونا ہے' مصنفؒ نے کہا کہ یہ ایسے معنی ہیں جو کسی مفسر نے بیان نہیں کیے' شعیب نے اس بارے میں کہا ہے **وما یکون لنا ان نعود فیھا الا ان یشاء اللہ ربنا** (انفال پ ۹ آیت ۸۹) یعنی ہم بغیر خدا کی مرضی کے کیوں شرک میں پڑنے لگے' یہ امر معلوم ہے کہ انبیاء کا شرک میں پڑنا غیر ممکن ہے کیوں کہ وہ معصوم ہیں' لیکن امر مستحیل نہیں' علاوہ ازیں آیت مذکورہ میں تو حضرت ابراہیم کے ساتھ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جن سے شرک سرزد ہو سکے' لہٰذا جائز ہے کہ ان کے ساتھ اپنے آپ کو بھی شامل کر لیا' اور فرمایا **واجنبنی وبنی** یعنی مجھے اور میری اولاد کو بچا' حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ عرب حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں اور ان میں سے بہتوں نے بت پرستی کی ہے۔

ابو حمزہ خراسانی نے کہا کہ قطعی طور پر بہت سے لوگوں کے ساتھ جنت میں فریب کیا جائے گا چنانچہ کہا جائے گا **کلوا واشربوا ھنیئا بما اسلفتم فی الایام الخالیہ** (الحاقہ پ ۲۹ آیت ۲۴) یعنی خوشی سے کھاؤ پیو' یہ تمہارے گزشتہ زمانے کی خوش اعمالی کا نتیجہ ہے۔ ابو حمزہ نے کہا کہ اہل بہشت کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں لگا کر

اپنے سے دوسری جانب مشغول کر دیا' اس سے بڑھ کر کوئی مکر و فریب اور اس سے بڑی کوئی حسرت نہ ہو گی۔

مصنف ؒ نے کہا بھائیو خدا تم کو توفیق خیر دے اس حماقت پر غور کرو کہ نعمت و احسان کا نام مکر و فریب رکھتے ہیں اور اسی مکر کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں' اس قول کی بنا پر لازم آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نہ کھائیں نہ پئیں بلکہ خدا کی طرف ہی مشغول رہیں' یہ شخص کس طرح بے دھڑک ایسے الفاظ قبیح زبان پر لاتا ہے کیا یہ بات جائز ہے کہ ہم جو مکر کے معنی سمجھتے ہیں اس کے موافق اللہ تعالیٰ کی صفت مکر قرار دی جائے' اللہ تعالیٰ کے مکر و فریب کے تو یہ معنی ہیں کہ وہ مکر و فریب کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے' مجھ کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ ایک ایک لقمے اور ایک ایک کلمے میں تورع اور احتیاط کرتے تھے' تفسیر قرآن میں اس حد تک بے تکلف کیوں کر ہو گئے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو گو درست ہو مگر خطا پر ہے' اور فرمایا جو کوئی قرآن شریف میں اپنی عقل سے گفتگو کرے تو دوزخ میں اپنا ٹھکانا سمجھ لے۔

مصنف ؒ نے کہا کہ مکر کے متعلق بعض صوفیہ سے مجھ کو عجیب حکایت پہنچی ہے جس کے بیان کرنے سے میرے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں' لیکن ان جاہلوں کے خیالات کی قباحت پر تنبیہ کرتا ہوں' ابوعبداللہ بن خفیف نے کہا میں نے رویم سے سنا کہتے تھے کہ ایک رات مشائخ کی ایک جماعت شام میں جمع ہوئی باہم کہنے لگے کہ آج کے مانند عمدہ رات ہم نے کبھی نہیں دیکھی' آؤ کسی مسئلہ کا چرچا کریں' تاکہ ہماری رات فضول نہ جائے صلاح ہوئی کہ محبت کے بارے میں کلام کریں کیونکہ یہ مسئلہ بالاتفاق عمدہ ہے' ہر ایک نے حسب حیثیت گفتگو کی' اس جماعت میں عمر بن عثمان مکی بھی تے ان کو خلاف عادت اس وقت پیشاب لگا وہ اٹھ کر باہر صحن میں آئے' چاندنی رات تھی' ایک ہرن کی کھال کا ٹکڑا پڑا ملا اس کو اٹھا کر جماعت کے پاس لائے اور کہا اے لوگوں خاموش رہو' یہ ٹکڑا تمہارا جواب ہے دیکھو اس میں کیا ہے۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ تم لوگ مکار ہو حالانکہ تم سب کے سب خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو۔ یہ پڑھ کر تمام متفرق ہو گئے۔

اور پھر ایام حج ہی میں ایک جگہ ہوئے' مصنفؒ نے کہا کہ یہ حکایت صحت سے بعید ہے اور ابن خفیف غیر معتبر (راوی) ہیں اور اگر صحیح ہو تو وہ کھال کا ٹکڑا شیطان نے ڈالا تھا' اگر ان کا یہ خیال تھا کہ وہ خدا کی طرف سے کوئی تحریر تھی تو یہ خیال فاسد ہے ہم بیان کر چکے کہ مکر کے معنی یہ ہیں کہ مکر کا بدلہ دیتا ہے اگر اس بنا پر اس کو مکار کہا جائے تو سخت جہالت اور نہایت حماقت ہے۔

خلدی نے کہا میں نے رویم سے سنا کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو کچھ چیزوں میں پوشیدہ رکھا ہے اپنے مکر کو اپنے علم میں اور اپنے فریب کو اپنے لطف میں اور اپنے عذاب کو اپنے اکرام میں چھپایا ہے' ابو یزید کی نسبت کہتے ہیں کہ اپنے ایک بھائی کی ملاقات کو چلے جب دریائے جیحون پر پہنچے تو کنارے پر ٹھہر کر بولے اے میرے آقا یہ کیسا مکر خفی ہے تیری عزت کی قسم میں نے اس لیے تیری عبادت نہیں کی' بعد ازاں وہیں سے لوٹ آئے اور اس پار نہیں گئے' سہلکی نے کہا کہ میں نے محمد بن احمد واعظ سے سنا ذکر کرتے تھے کہ ابو یزید نے کہا کہ جو شخص خدا کو پہچانے گا وہ جنت کے لیے دربان ہو گا اور جنت اس کے لیے وبال ہو گی۔

میں کہتا ہوں یہ بڑی جرات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت کی جائے اور جنت جو کہ اعلیٰ مقصد ہے اس کو وبال ٹھہرایا جائے' بھلا جب خدا شناسوں کے لیے جنت وبال ہوئی تو دوسروں کے لیے کیا کہا جائے یہ سب باتیں کم علمی اور ناسمجھی کی ہیں۔

احمد بن عباس مہلبی نے کہا میں نے طیفور سے جن کو ابو یزید کہتے ہیں سنا بیان کرتے تھے کہ آخرت میں جو عارفوں کو دیدار الٰہی ہو گا ان کے دو طبقے ہوں گے ایک تو وہ کہ جب چاہیں گے اور جس طور سے چاہیں گے دیدار کریں گے دوسرے وہ کہ صرف ایک بار ان کو دیدار الٰہی ہو گا اس کے بعد کبھی زیارت خدا نہ کریں گے' کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کیونکر ہو گا؟ جواب دیا کہ جب پہلی بار عارفین اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو ان کے لیے ایک بازار بنا دیا جائے گا جس میں خرید و فروخت کچھ نہیں صرف مردوں اور عورتوں کی صورتیں ہو گی عارفوں میں سے جو اس بازار میں داخل ہو جائے گا' پھر کبھی دیدار الٰہی کی طرف نہ آئے گا' ابو یزید نے کہا دیکھو خدا تم کو دنیا میں بھی بازار کا فریب دیتا ہے۔

آخرت میں بھی بازار کا دھوکا دے گا' لہٰذا تم ہمیشہ بازار ہی کے بندے رہے۔

مصنف ؒ نے کہا' ثواب جنت کا نام مکرو فریب رکھنا اور اللہ تعالیٰ سے دور رہنے کا سبب بتانا جہل قبیح ہے' ان لوگوں کے لیے جو بازار مقرر کیا جائے گا وہ فریب نہ ہو گا' بلکہ ثواب ہو گا' جب اس بازار کی چیزیں لینے کا ان کو حکم دیا جائے گا پھر دیدار سے محروم رکھنے کی سزا دی جائے تو یہ ثواب گویا عذاب ہوا' اس شخص کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو کوئی اس بازار میں سے کچھ لے گا وہ زیارت الٰہی کی طرف نہ آئے گا اور اس کو کبھی نہ دیکھے گا' اس تخلیط اور علم میں تحکم سے خدا بچائے' یہ غیب کی باتیں جو نبی کے سوا کسی کو نہیں بتائی جاتیں اس شخص کو کہاں سے معلوم ہوئیں اور کیونکر ایسا نہ ہو گا جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو کثرت سے احادیث کے راوی ہیں سعید بن مسیب سے کہا کہ ہم کو تم کو اللہ تعالیٰ جنت کے بازار میں یکجا کرے' کیا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خدا سے دور رہنے کا عذاب گوارا کیا' لیکن یہ لوگ علم سے دور رہے اور اپنے واقعات فاسدہ پر قناعت کی جن سے حق و باطل خط ملط ہو گیا' جاننا چاہیے کہ یہ واقعات اور خطرات نتیجے ہیں' لہٰذا جو شخص عالم ہو گا اس کے خطرات صحیح ہوں گے کیونکہ اس کے علم کے نتائج ہیں اور جو جاہل ہو گا تو جہل کے نتیجے سب کے سب بودے ہوں گے۔

حدیث وغیرہ میں کسی قدر ان صوفیہ کا کلام یہ ہے کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل ؒ نے کہا کہ ابو تراب بخشی میرے والد کے پاس آئے تو میرے والد کہنے لگے کہ فلاں راوی غیر معتبر ہے اور فلاں معتبر' تو ابو تراب نے کہا اے شیخ علماء کی غیبت نہ کرو' تو میرے والد ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم پر افسوس' یہ خیر خواہی ہے غیبت نہیں ہے۔

ابو الحسن علی بن محمد بخاری کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن الفضل عباسی سے سنا کہتے تھے کہ ہم عبدالرحمان ابن ابی حاتم کے پاس تھے اور وہ ہم کو کتاب الجرح والتعدیل سنا رہے تھے ان کے پاس یوسف بن حسین رازی آئے اور کہا اے ابو محمد یہ کیا ہے جو تم لوگوں کو سنا رہے ہو' انہوں نے کہا کہ یہ ایک کتاب ہے جو میں نے جرح اور تعدیل میں تصنیف کی ہے' تو انہوں نے کہا جرح اور تعدیل کیا چیز ہے تو انہوں نے کہا کہ اہل علم کے حالات ظاہر کرتا ہوں کہ کون ان میں سے معتبر تھا اور کون غیر معتبر تھا' تو ان سے یوسف بن

حسین نے کہا کہ اے ابو محمد تمہارے بارے میں مجھے شرم آتی ہے' یہ قوم ایک سو یا دو سو برس سے جنت میں داخل ہے اور تم دنیا میں ان کا ذکر غیبت کے ساتھ کرتے ہو تو عبدالرحمان روئے اور کہا اے یعقوب اگر اس کتاب کے تصنیف کرنے سے پہلے یہ بات میں سنتا تو اس کو تصنیف نہ کرتا۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ابو حاتم کے گناہ معاف کرے' اگر فقیہ ہوتے تو اس کو وہی جواب دیتے جیسا کہ امام احمد بن حنبل ؒ نے ابو تراب کو دیا' اگر جرح و تعدیل نہ ہوتی تو کہاں سے صحیح اور غلط حدیثوں میں تمیز ہوتی' پھر کسی گروہ کا جنت میں ہونا اس بات سے منع نہیں کرتا ہے کہ وہ ان کے نقصانات بیان کریں' پھر اس کا نام غیبت رکھنا کس قدر برا ہے' جو شخص یہ نہ جانے گا کہ جرح اور تعدیل کیا چیز ہے اس کا کلام کیونکر قابل ذکر ہو گا' یوسف کے لیے تو یہ لائق تھا کہ وہ ان ہی عجیب باتوں میں مشغول رہتے جو مثل اس کے ان سے منقول ہیں۔

ابو العباس بن عطاء کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچانے گا وہ اپنی حاجتوں کو اس کے پاس پیش کرنے سے رک جائے گا کیونکہ اس نے جان لیا کہ وہ اس کے حالات کو جانتا ہے' میں کہتا ہوں کہ یہ سوال اور دعا کے دروازے کو بند کرنا ہے اور یہ بے علمی ہے۔

ابو بکر دیف صوفی نے کہا میں نے شبلی سے سنا کسی نے ان سے پوچھا کہ اے ابو بکر تم فقط اللہ کیوں کہتے ہو **لاالہ الا اللہ** کیوں نہیں کہتے جواب دیا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اثبات کے بعد نفی کو لاؤں' اس شخص نے کہا کہ میں اس سے بڑھ کر کوئی دلیل چاہتا ہوں' شبلی نے جواب دیا کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو میں کلمۂ انکار میں مبتلا رہوں اور دراصل کلمہ اقرار ہونا چاہیے' مصنف ؒ نے کہا اس نکتہ دانی پر غور کرنا چاہیے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا الہ الا اللہ کہنے کا حکم فرماتے ہیں' صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو کہا کرتے تھے **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک** اور جب نماز کے لیے اٹھتے تو فرماتے **لا الہ الا اللہ انت۔ الخ** اور آپ ﷺ نے بہت بڑا ثواب اس شخص کے لیے فرمایا ہے جو کہے **لا الہ الا اللہ** شریعت پر یہ زیادتی کرنا اور وہ امر اختیار کرنا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اختیار نہیں فرمایا غور کرنے کے قابل ہے۔

ابوالحسن نوریؒ کی نسبت میں نے سنا ہے لوگ کہتے تھے کہ انہوں نے موذن کی اذان سنی تو طعن سے کہا یہ موت کا زہر ہے' پھر کتے کو بھونکتے سنا تو کہا **لبیک وسعدیک** لوگوں نے اس کا مطلب پوچھا تو جواب دیا کہ موذن کے بارے میں مجھ کو خوف ہے کہ غفلت کے ساتھ ذکر الٰہی کرتا ہے اور اس کام پر اجرت لیتا ہے ورنہ اذان نہ دیتا لہٰذا میں نے طعن سے کہا' اور کتا بلا ریا ذکر خدا کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وان من شئی الا یسبح بحمدہ** (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۴۴) یعنی ہر ایک چیز حمد الٰہی کی تسبیح پڑھتی ہے' مصنفؒ نے کہا بھائیو خدا تم کو ہم کو لغزشوں سے محفوظ رکھے۔ اس فقہ دقیق اور اجتہاد ظریف پر غور کرو۔

منقول ہے کہ نوری نے ایک شخص کو اپنی داڑھی پکڑے ہوئے دیکھا تو اس سے کہا کہ خدا کی داڑھی سے اپنے ہاتھ کو دور کر' یہ بات خلیفہ تک پہنچی' جب ابوالحسن خلیفہ کے سامنے آئے خلیفہ نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے تم نے کتے کو بھونکتے سن کر لبیک کہا اور موذن کی آواز سن کر طعن کیا' جواب دیا کہ ہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وان من شئی الا یسبح بحمدہ** میں نے لبیک اس لیے کہا کہ کتے نے خدا کا ذکر کیا اور موذن خدا کا ذکر کرتا ہے حالانکہ گناہوں سے آلودہ اور خدا سے غافل ہے' کہا اور تمہارا یہ قول کہ خدا کی داڑھی سے اپنے ہاتھ کو دور کر' جواب دیا ہاں' کیا بندہ اور اس کی داڑھی اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے اور جو دنیا اور آخرت میں ہے سب اس کی ہے۔

میں کہتا ہوں کے بے علمی نے ان لوگوں کو خبط میں ڈالا' اور ان کو اس کی کیا حاجت پڑی کہ ملکیت کی صفت ذات کی صفت ہے۔

شبلی کی نسبت سنا ہے کہ ان کا کوئی ہم نشین تھا ایک روز اس نے شبلی سے کہا میں توبہ کرنا چاہتا ہوں' شبلی نے کہا کہ اپنا مال بیچ ڈال اور قرض ادا کر اور اپنی بی بی کو طلاق دے اور اپنی اولاد کو یتیم کر اور اپنے تعلق سے ان کو ناامید کرتا کہ تجھ کو مرے ہوؤں میں شمار کریں' اس نے یہ سب کچھ کیا' پھر وہ شخص کچھ ٹکڑے لایا جو اس نے جمع کیے تھے' شبلی نے کہا یہ ٹکڑے فقیروں کے سامنے ڈال دے اور ان کے ساتھ کھا' محمد بن

ادریس شافعی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے بیس برس صوفیہ کی صحبت اختیار کی تو ان سے صرف یہی دو باتیں حاصل کیں۔ کہ الوقت سیف یعنی وقت تلوار ہے اور افضل عصمت یہ ہے کہ تجھ کو قدرت حاصل نہ ہو۔

شطحیات اور دعووں کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا جاننا چاہیے کہ علم خوف اور کسر نفسی اور کثرت سلوک کا باعث ہوتا ہے، جب تمام علمائے سلف کو آزماؤ گے تو ان پر خوف غالب پاؤں گے اور دعووں کو ان سے دور دیکھو گے چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کاش میں مومن کے سینہ کا ایک بال ہوتا، عمر رضی اللہ عنہ نے نزع کی حالت میں کہا کہ اگر عمر بخشا نہ گیا تو اس پر افسوس ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کاش میں مر کر اٹھایا نہ جاتا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کاش میں بالکل بھولی بسری ہو گئی ہوتی، سفیان ثوری نے موت کے وقت حماد سے کہا کہ کیا تم امید کرتے ہو کہ مجھ ایسا شخص بخشا جائے گا۔

مصنف ؒ نے کہا ان بزرگواروں سے ایسے کلمات اس لیے صادر ہوئے کہ خدا تعالیٰ کو خوب جانتے تھے اور خدا کو اچھی طرح جاننا خوف و دہشت کا باعث ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** (الفاطر پ ۲۲ آیت ۲۸) یعنی اللہ تعالیٰ سے فقط اہل علم ہی ڈرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہوں اور تم سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں، صوفیہ کی جماعتیں چونکہ علم سے دور ہیں لہٰذا انہوں نے اپنے اعمال کا لحاظ کیا اور بعض سے جو اتفاقیہ کرامات کے مشابہ کچھ لطیفہ سرزد ہو گئے تو بلا تکلف بڑے بڑے دعوے کر بیٹھے چنانچہ ابویزید کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ کہتے تھے میں چاہتا ہوں کہ قیامت قائم ہو تاکہ اپنا خیمہ دوزخ پر نصب کروں، تو ہم میں سے ایک شخص نے ان سے پوچھا اے ابویزید، ایسا کیوں کرو گے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ دوزخ جب مجھ کو دیکھے گی تو سرد ہو جائے گی، لہٰذا میں مخلوق کے لیے رحمت ہو جاؤں گا، ابو موسیٰ دبیلی کہتے ہیں میں نے ابو یزید کو سنا کہتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہو گا اور اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو

میں خدا سے درخواست کروں گا کہ مجھ کو دوزخ میں داخل کرے' لوگوں نے پوچھا یہ کیوں کرو گے' جواب دیا اس لیے تا کہ مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و لطف اپنے اولیاء پر دوزخ میں ہے۔

مصنف ؒ نے کہا یہ کلام قبیح تر اقوال میں سے ہے' کیوں کہ یہ قول اس چیز کے حقیر جاننے پر شامل ہے جس کو اللہ تعالیٰ امر عظیم قرار دیتا ہے' اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی صفت میں مبالغہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ** (البقرہ پ ا آیت ۲۴) یعنی اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں نیز فرمایا **اذا رائتھم من مکان بعید سمعوالھا تغیظا و زفیرا** (الفرقان پ ۱۸ آیت ۱۲) جب دوزخ اہل دوزخ کو دور سے دیکھے گی تو ان کو اس کے جوش و خروش کی آواز سنائی دے گی' اسی طرح اکثر آیات آئی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور فرمایا کہ یہ آگ جو بنی آدم جلاتے ہیں دوزخ کی حرارت کے ستر جزؤں سے ایک جزء ہے' صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذاب کو تو یہی آگ کافی ہے' فرمایا کہ وہ آگ اس آگ سے انہتر حصے زیادہ ہے ہر حصہ اس آگ کی گرمی کے برابر ہے' یہ حدیث صحیحین میں ہے' صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ کو لائیں گے اس روز اس کو ستر ہزار مہاریں ہوں گی' ہر مہار کے ساتھ ستر ہزار فرشتے اس کو کھینچتے ہوں گے کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے کعب ہم کو خوف کی باتیں سناؤ میں نے کہا اے امیرالمومنین جس قدر ایک آدمی سے ہو سکتا ہے اسی قدر عمل کیجئے کیونکہ جب قیامت قائم ہو گی تو اگر آپ ستر نبیوں کے اعمال لے کر بھی اٹھیں گے تو آپ کے اعمال ناقص ہوں گے۔ زیادہ کیا کہوں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیر تک سر جھکایا' پھر سر اٹھا کر فرمایا اے کعب اور زیادہ بیان کرو' کعب بولے اے امیرالمومنین اگر دوزخ میں سے بیل کے نتھنے کے برابر مشرق کی جانب کھل جائے اور ایک آدمی مغرب میں ہو تو اس کا دماغ پکنے لگے یہاں تک کہ اس کی گرمی سے بہہ نکلے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیر تک سر جھکائے رہے' پھر آفاقہ میں آ کر فرمایا اے کعب اور زیادہ سناؤ کعب نے کہا یا

امیرالمومنین قیامت کے دن دوزخ ایک سانس لے گی جس کی وجہ سے ہر ایک فرشتہ مقرب اور ہر ایک نبی مرسل گھٹنوں کے بل گر پڑے گا اور عرض کرے گا' رب نفسی نفسی اے خدا مجھے بچا مجھے بچا' آج اپنے سوا کسی کے لیے تجھ سے درخواست نہیں کرتا' ابن السائب نے زاذان سے روایت کیا انہوں نے کعب احبار سے سنا کہتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہو گا اللہ تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا' فرشتے اتریں گے اور صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے جبرئیل میرے سامنے دوزخ کو لاؤ' جبرئیل اس کو لینے جائیں گے اور ستر ہزار مہاروں سے کھینچتے ہوئے لائیں گے' یہاں تک کہ جب مخلوق سے سو برس کی راہ پر ہو گی تو ایک سانس لے گی جس سے مخلوقات کے دل اڑ جائیں گے' پھر دوسرا سانس لے گی جس سے تمام مقرب فرشتے اور نبی مرسل گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے' پھر تیسرا سانس لے گی جس سے دل منہ کو آئیں گے عقلیں زائل ہو جائیں گی' ہر شخص گھبرا کر اپنے عمل کو دیکھے گا' حتیٰ کہ ابراہیم خلیل اللہ کہیں گے' اے خدا بذریعہ اپنی خلت کے آج اپنے سوا کسی کی نسبت درخواست نہیں کرتا اور موسیٰ کہیں گے بوسیلہ اپنے کلام کے آج اپنے سوا کچھ نہیں سوال کرتا' عیسیٰ کہیں گے ببرکت اس کے کہ تو نے میرا اکرام فرمایا ہے' آج اپنی جان کے سوا کسی کے لیے کچھ نہیں مانگتا حتیٰ کہ مریم جس سے میں پیدا ہوا ہوں اس کی نسبت بھی سوال نہیں کرتا۔

مصنفؒ نے کہا ہم روایت کر چکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اے جبرئیل کیا وجہ ہے کہ میں نے میکائیل کو ہنستے نہیں دیکھا؟ عرض کیا جب سے آگ پیدا کی گئی ہے میکائیل نہیں ہنسے اور جب سے دوزخ پیدا ہوئی ہے میرے آنسو نہیں تھمتے اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر بیٹھوں اور وہ مجھ کو اس میں جھونک دے۔

مصنفؒ نے کہا جب یہ حالت ملائکہ اور انبیاء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہو جو نجاستوں سے پاک تھے اور دوزخ سے اس قدر گھبرائیں تو پھر یہ دعویٰ کرنے والا دوزخ کو کیونکر سہل چیز سمجھتا ہے اور اپنی ذات پر ولایت اور نجات کا قطعی حکم لگاتا ہے' حالانکہ

نجات کا قطعی حکم صرف صحابہ میں سے ایک جماعت کے لیے لگایا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دعویٰ کرے کہ میں جنتی ہوں وہ دوزخی ہے' محمد بن واسع کو دیکھو کہ اپنی موت کے وقت کہتے تھے کہ بھائیو تم جانتے ہو کہ مجھے کہاں لے جائیں گے قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' میں نہیں جانتا کہ دوزخ کی طرف لے جائیں گے یا دوسری طرف۔

اہل بسطام میں سے ایک شخص نے نقل کیا کہ اس نے ابو یزید کو یوں دعا کرتے سنا کہ یااللہ اگر تیرے علم ازلی میں مقدر ہو کہ تو اپنی مخلوق میں سے کسی کو عذاب کرے گا تو میری خلقت کو بڑھا دے حتیٰ کہ میرے ساتھ کوئی دوسرا دوزخ میں نہ سما سکے' مصنفؒ نے کہا کہ ابو یزید کا یہ قول تین وجہ سے خطا ہے' ایک یہ کہ انہوں نے یوں کہا اگر تیرے علم ازلی میں مقدر ہو' حالانکہ ہم قطعی جانتے ہیں کہ ایک خاصی مخلوق کو دوزخ کا عذاب ہو گا' ان میں سے ایک جماعت کا نام خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے جیسے فرعون اور ابولہب' پھر کیونکر جائز ہے کہ قطعی یقین کے بعد یوں کہا جائے کہ اگر تیرے علم میں مقدر ہو' دوسرے یوں کہنا کہ میری خلقت کو بڑھا دے اگر اس کے بعد یوں کہا کہ میرے سوا اس میں دوسرا نہ سما سکے' لہٰذا کفار پر بھی شفقت کی' حالانکہ یہ خدا کی رحمت کو چھوڑ دینا ہے' تیسرے یہ کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس آگ کی حقیقت نہیں جانتے یا اپنے نفس پر صبر کا وثوق ہوتا' حالانکہ دونوں میں سے ان میں ایک بھی نہیں۔

سمنون کی نسبت میں نے سنا ہے کہ وہ اپنا نام کذاب رکھتے بوجہ چند اشعار کے جو انہوں نے کہے تھے ولیس لی فی سواک حظ

فکیفما شئت فامتحنی

ترجمہ مجھے تیرے سوا کسی میں مزا نہیں ملتا تو جس طرح مجھ کو آزمائے تو اسی وقت ان کا پیشاب بند ہو گیا اس کے بعد وہ مکتبوں میں پھرا کرتے تھے اور ہاتھ میں ایک شیشہ تھا جس میں ان کا پیشاب ٹپکتا تھا اور لڑکوں سے کہتے تھے اپنے کذاب چچا کے لیے دعا کرو' مصنفؒ نے کہا اس قصہ سے میرے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں' دیکھو تو سہی یہ

شخص کس کے سامنے دعویٰ کرتا ہے یہ سب جہالت کا نتیجہ ہے اگر اللہ تعالیٰ کو پہچانتا تو بجز عافیت کے اس سے سوال نہ کرتا۔

صوفیہ خود ہی کہتے ہیں کہ جو شخص خدا کو پہچانتا ہے اس کی زبان گونگی ہو جاتی ہے۔

ابو یعقوب خراط نے بیان کیا کہ ابوالحسن نوری نے کہا کہ میرے دل میں ان کرامات کے بارے میں کچھ شبہ تھا میں نے لڑکوں سے ایک نرسل لیا اور دو کشتیوں کے درمیان کھڑا ہوا اور کہا تیری عزت کی قسم اگر اس وقت میرے لیے ایک مچھلی نہ نکل پڑے جو پورے تین رطل سے کم ہو نہ زیادہ تو اپنے آپ کو ڈبو دوں گا' کہا کہ پھر ایک مچھلی نکلی جو تین رطل کی تھی' یہ خبر جنید کو ملی تو انہوں نے کہا اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے لیے ایک سانپ نکلے اور اسے کاٹ کھائے محمد بن ابان نے کہا میں نے ابو سعید خراز کو سنا کہتے تھے خدا کے یہاں میرا سب سے بڑا گناہ ان کی معرفت ہے' مصنفؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ اگر یہ قول اس معنی پر محمول ہو کہ جب مجھ کو اس کی معرفت حاصل ہوئی تو میں نے اس معرفت کے موافق عمل نہیں کیا لہٰذا مجھ سے بڑا گناہ ہوا' جیسے کوئی شخص جان بوجھ کر نافرمانی کرے اس کا گناہ بڑا ہو گا یہ معنی ٹھیک ہو سکتے ہیں' ورنہ یہ قول قبیح ہے۔

شبلی کے مرض موت میں کچھ لوگ ان کے پاس گئے' پوچھنے لگے اے ابوبکر کیا کیفیت ہے' شبلی نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے" اس کا بادشاہ عشق کہتا ہے کہ میں رشوت نہیں لیتا میں اس کے قربان جاؤں اس سے کہو کہ مجھے ویسے ہی قبول کرے" ابن عقیل نے کہا شبلی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولسوف یعطیک ربک فترضی** (الضحیٰ پ ۳۰ آیت ۵) یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو خدا اس قدر دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے) خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہ ہوں گے جب تک ایک بھی ان کی امت میں سے دوزخ میں ہو گا' پھر شبلی بولے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی شفاعت کریں گے اور ان کے بعد میں شفاعت کروں گا یہاں تک کہ کوئی دوزخ میں باقی نہ رہے گا' ابن عقیل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجروں کے عذاب پر راضی نہ ہوں گے غلط دعویٰ اور جہالت پر پیش قدمی ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے' حالانکہ شراب کے بارے میں دس آدمی ملعون ہو چکے ہیں' پھر یہ

دعویٰ کرنا کہ آپ فاجروں کے عذاب ہونے پر راضی نہ ہوں گے باطل ہے اور حکم شریعت کے نہ جاننے پر اقدام ہے اور یہ دعویٰ کرنا کہ وہ خود بھی اہل شفاعت ہے سب کی شفاعت کریں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر زیادہ بڑھائیں گے کفر ہے کیونکہ انسان جب قطعی طور سے اپنے آپ کو اہل جنت سمجھے گا وہ اہل دوزخ سے ہو گا' پھر اس شخص کی نسبت بھلا کیا کہا جائے جو اپنے آپ کو یہ خیال کرتا ہے کہ مقام محمود سے بھی بڑھ کر اس کو مقام ملے گا اور وہ مقام شفاعت ہے۔

محمد بن حسین سلمی نے کہا میں نے اپنے باپ کی کتاب میں خود انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ میں نے ابوالعباس دینوری سے سنا کہتے تھے کہ ان لوگوں نے تصوف کے ارکان توڑ ڈالے اس کی راہ کو منہدم کر دیا اس کے معانی کو بدل ڈالا' اپنی طرف سے نام تراش لیے کہ طمع کا نام زہد رکھا بے ادبی کو اخلاص کہتے ہیں' راہ حق سے خارج ہونا شطح ہے' مذموم چیز سے لذت اٹھانا طیبہ ہے' بداخلاقی صولت ہے' بخل جوانمردی ہے' اتباع ہوا امتحان ہے' دنیا کی طرف رجوع کرنا وصول ہے' بھیک مانگنا عمل ہے اور بد زبانی ملامت ہے' حالانکہ یہ طریقہ قوم کا نہیں ابن عقیل نے کہا ہے صوفیہ نے حرام کو ایسی عبارتوں سے ادا کیا کہ ان کے نام تو بدل ڈالے اور معنی باقی رہے اس طرح کہ ظرافت اور گانے وغیرہ پر جمع ہونے کو اوقات کہا' ان لوگوں نے امردوں کو شہود کیا' معشوقہ کو بہن' محبت رکھنے والی عورتوں کو مریدہ' رقص و طرب و وجد اور لعب و بطالت کے ٹھکانے کو رباط' حالانکہ ناموں کے بدلنے سے یہ چیزیں مباح نہیں ہو سکتیں۔

بعض اور افعال منکرہ کا بیان جو صوفیہ سے نقل کیے جاتے ہیں

بہت سے افعال کا ذکر پہلے گزر چکا کہ وہ سب کے سب برے تھے اور یہاں پر ہم ان کے صرف بڑے بڑے اور عجیب فعل ذکر کرتے ہیں' ابوالمکرینی کی نسبت جو جنیدؒ کے استاد تھے بیان کرتے ہیں کہ ان کو احتلام ہوا وہ ایک موٹے کپڑے کا خرقہ پہنے ہوئے تھے' دجلہ کے کنارے آئے سردی سخت تھی' ان کے نفس نے بوجہ سردی کے پانی میں داخل ہونے سے انکار کیا انہوں نے خرقہ سمیت اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا اور برابر

غوطہ لگاتے رہے پھر نکل کر بولے کہ میں عہد کرتا ہوں جب تک میرے جسم پر یہ خرقہ خشک نہ ہو جائے گا نہ اتاروں گا' ایک مہینہ بھر وہ خرقہ خشک نہ ہوا' اس شخص نے اپنا یہ قصہ لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کیا کہ اس کی بزرگی ظاہر ہو' حالانکہ یہ جہل محض ہے کیونکہ اس شخص نے اپنی اس حرکت میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی اس فعل سے عوام نادان خوش ہوتے ہیں' علماء پسند نہیں کرتے اور کسی شخص کو جائز نہیں کہ اپنے نفس کو عذاب کرے اس شخص نے اپنی ذات کے لیے کئی قسم کے عذاب جمع کیے' اپنے آپ کو ٹھنڈے پانی میں ڈالنا اور ایسے خرقہ میں ہونا کہ حسب خواہش حرکت نہ کر سکے اور عجب نہیں کہ اس کی کثافت کی وجہ سے نیچے کے کچھ حصہ میں پانی نہ پہنچا ہو' پھر اسی طرح بھیگا ہوا خرقہ مہینہ بھر تک جسم پر رہنا جس نے اس کو لذت خواب سے باز رکھا یہ سب حرکتیں خطا اور گناہ ہیں۔

کہتے ہیں کہ احمد بن ابی الحواری اور ابو سلیمان میں باہم معاہدہ تھا کہ جو کچھ ابو سلیمان حکم کریں وہ اس کے خلاف نہ کریں' ایک روز ابو سلیمان مجلس میں بیٹھے کچھ باتیں کر رہے تھے احمد آئے اور کہنے لگے کہ ہم تنور گرم کر چکے آپ کیا حکم کرتے ہیں ابو سلیمان نے کچھ جواب نہ دیا' احمد نے پھر دوبارہ یا تین بار کہا' تیسری مرتبہ ابو سلیمان بولے جاؤ اور تم تنور میں بیٹھ جاؤ' احمد نے ایسا ہی کیا اور سلیمان لوگوں سے بولے چلو اس کو جا کر دیکھیں کیونکہ مجھ میں اس میں باہم معاہدہ ہے کہ جو کچھ میں حکم کروں گا اس کے خلاف نہ کرے گا' یہ کہہ کر خود اٹھے اور لوگ بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تنور پر آکر دیکھا تو کچھ آنچ بھی نہ پہنچی تھی' مصنفؒ نے کہا یہ حکایت صحت سے بعید ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو اس شخص کا آگ میں داخل ہونا گناہ ہے' صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں ایک لشکر کا ٹکڑا (سریہ) بھیجا اور انصار میں سے ایک شخص کو سردار بنایا جب وہ چلے تو راستے میں وہ انصاری کسی بات سے ان پر غصہ ہو گئے اور ان سے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں فرمایا کہ ہر بات میں میری اطاعت کرو سب بولے بیشک فرمایا ہے انہوں نے کہا اچھا لکڑیاں جمع کرو لوگوں نے لکڑیاں اکٹھی کیں پھر آگ منگا کر سلگائی' پھر کہا کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ

اس آگ میں داخل ہو جاؤ لوگوں نے داخل ہونے کا قصد کیا ایک نوجوان شخص نے ان سے کہا کہ تم لوگ فقط آتش دوزخ ہی کے مارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (کفر سے نکل کر بھاگ آئے ہو جلدی نہ کرو' پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل لو' اگر آپ ﷺ تم کو اس میں داخل ہونے کا حکم دیں تو داخل ہو جاؤ' سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو خبر دی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اس آگ کے اندر چلے جاتے تو پھر کبھی باہر نہ آتے' فرمانبرداری صرف حکم شرعی میں کی جاتی ہے۔

ابوالخیر الدنبلی نے بیان کیا کہ میں خیر نساج کے پاس بیٹھا تھا ان کے پاس ایک عورت آئی اور بولی کہ لاؤ مجھ کو وہ رومال دو جو میں نے کل تم کو دیا تھا' خیر نساج نے کہا بہت اچھا یہ کہہ کر وہ رومال اس کو دیا وہ بولی کہ اس کی کیا اجرت ہے؟ کہا دو درہم عورت نے کہا اس وقت میرے پاس کچھ نہیں اور میں تمہارے پاس کئی مرتبہ آئی اور تم کو نہ دیکھا' کل انشاء اللہ تم کو دے دوں گی' خیر نساج بولے اگر تم میرے پاس اجرت لاؤ اور میں تم کو نہ ملوں تو دجلہ میں ڈال دینا جب میں آؤں گا لے لوں گا عورت بولی کہ دجلہ سے تم کیونکر لے لو گے' خیر نساج نے کہا اس کی تحقیق کرنا تم کو فضول ہے جس طرح میں کہتا ہوں وہ کرو' عورت انشاء اللہ کہہ کر چلی گئی' ابوالخیر کہتے ہیں کہ میں دوسرے روز علی الصباح پھر خیر کے پاس گیا خیر وہاں موجود نہ تھے' وہ عورت آئی اور دو درہم ایک کپڑے کے ٹکڑے میں باندھ لائی تھی جب خیر نہ ملے تو تھوڑی دیر بیٹھی پھر کھڑی ہوئی اور کپڑے کو دجلہ میں پھینک دیا' یکایک ایک کیکڑا نکلا اور اس کپڑے کو لے کے پانی میں چلا گیا کچھ دیر بعد خیر آئے' اور اپنی دکان کا دروازہ کھولا اور دجلہ کے کنارے بیٹھ کر وضو کرنے لگے ناگاہ وہی کیکڑا پانی سے نکل کر ان کی طرف دوڑے آیا اس کی پشت پر وہ کپڑے کا ٹکڑا تھا' جب ان کے پاس آیا انہوں نے وہ ٹکرا لے لیا' ابوالخیر کہتے ہیں' میں نے خیر نساج سے کہا کہ ایسا ایسا واقعہ میرے سامنے گزرا ہے خیر بولے میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں کسی پر یہ قصہ ظاہر نہ ہو' میں نے اس بات کو قبول کیا' مصنف ؒ نے کہا اس حکایت کا صحیح ہونا بعید ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو یہ حرکت شرع کی مخالفت سے خارج نہیں کیونکہ شرع نے مال

کی نگہداشت کا حکم کیا ہے اور یہ مال کو ضائع کرنا ہے (کہ درہم دریا کے حوالے کر دیئے جائیں) صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو تلف کرنے سے منع فرمایا' اس شخص کے قول کی طرف بالکل توجہ نہ کرو جو کہتا ہے کہ یہ کرامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا اکرام نہیں فرماتا جو اس کی شرع کے خلاف کرے۔

ابو حامد غزالی نے کتاب احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ کوئی بزرگ آغاز ارادت میں قیام کرنے میں کسل کرتے تھے تو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ تمام رات سر کے بل کھڑا رہوں گا تاکہ پھر نفس خوشی سے قیام کو آسان سمجھے' ایک جگہ ابو احمد لکھتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے مال کی محبت کا علاج یوں کیا کہ اپنا تمام مال بیچ ڈالا اور اس کو دریا میں پھینک دیا اس لیے کہ اگر اس کو لوگوں پر تقسیم کریں تو خوف ہے کہ کہیں جودو سخاوت کی رعونت نہ آ جائے اور خیرات میں ریا نہ واقع ہو' ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ بعض بزرگ اجرت پر ایسے شخص کو لیتے تھے کہ ان کو بڑے آدمیوں کے ساتھ گالیاں دے تا کہ ان کا نفس حلم و بردباری سیکھے' ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ بعض لوگ جاڑے میں دریا کا سفر کرتے ہیں' جب موج زوروں پر ہوتی ہے تاکہ بہادر ہو جائیں۔

مصنف ؒ نے کہا سب سے زیادہ مجھ کو ابو احمد پر تعجب آتا ہے کہ ان باتوں کو کیونکر جائز رکھتے ہیں اور ان پر ردو انکار کیوں نہیں کیا اور مقام تعلیم میں ان کا تذکرہ کیا ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ شیخ کو مبتدی کی حالت دیکھنی چاہیے اگر اس کے پاس مال ضرورت سے زائد دیکھے تو اس کو لے کر کار خیر میں صرف کرے' حتیٰ کہ اس کی طرف وہ مبتدی کچھ توجہ نہ کرے اور اگر شیخ دیکھے کہ اس پر کبرو غرور غالب ہے تو اس کو حکم دے کہ بازار جائے اور سوال کرنے کی تکلیف اٹھائے پھر بھی اگر فساد دیکھے تو حمام اور باورچی خانہ اور بھاڑ وغیرہ جھونکنے کی خدمت اس سے لے اور اگر کھانے کی حرص اس پر غالب پائے تو روزہ اس پر لازم کر دے اور اگر دیکھے کہ وہ بن بیاہا ہے اور روزہ سے اس کی شہوت فرو نہیں ہوتی تو اس کو حکم کرے کہ ایک رات فقط پانی پر افطار کرے اور روٹی نہ کھائے اور دوسری رات صرف روٹی پر افطار کرے اور پانی نہ پئے اور گوشت سے اس کو بالکل باز رکھے۔

مصنفؒ نے کہا مجھے ابو حامد پر تعجب ہے کہ کیونکر ان باتوں کا حکم کرتے ہیں جو شرع ... ہیں اور کیونکر جائز ہے کہ آدمی تمام رات سر کے بل کھڑا رہے جس سے خون کا سیلان الٹا ہو جائے اور مرض شدید کا باعث ہو' اور کیونکر جائز ہے کہ مال کو دریا میں پھینک دے اور کیونکر جائز ہے کہ بلا سبب مسلمان کو گالیاں دے' اور بھلا مسلمان کے لیے کیا جائز ہے کہ گالیاں دینے کے واسطے اجرت پر ایک شخص کو لے' اور کیونکر جائز ہے کہ جو شخص کسب کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ سوال کرے' غرض کہ ابو حامد نے تصوف کے بدلے میں فقہ کو کس قدر ارزاں فروخت کر ڈالا۔

حسن بن علی دامغانی سے منقول ہے کہ ایک شخص اہل بسطام میں سے تھا جو ابو یزید کی مجلس سے نہ کبھی جدا ہوتا تھا اور نہ اس کو چھوڑتا تھا اور ایک روز اس نے ان سے کہا کہ میں تیس برس سے دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہوں اور رات کو قیام کرتا ہوں اور نفس کی خواہشیں چھوڑ دیں لیکن آپ جو ذکر کرتے ہیں اس میں سے کوئی بات اپنے دل میں نہیں پاتا ہوں' تو ابو یزید نے اس سے کہا کہ میرے خیال میں اگر تو تین سو برس روزے رکھے گا اور تین سو برس قیام کرے گا جب بھی تجھ کو ایک ذرہ اس سے حاصل نہ ہوگا' کہا استاد کیوں؟ کہا تو اپنے نفس کی وجہ سے حجاب میں ہے' کہا اس کے واسطے کوئی دوا بھی ہے جس سے یہ حجاب جاتا رہے' جواب دیا کہ ہاں لیکن تو منظور نہ کرے گا' وہ کہنے لگا کہ میں قبول کروں گا اور جو کچھ آپ حکم دیں گے اس پر عمل کروں گا۔ ابو یزید بولے کہ ابھی حجام کے پاس جا کر اپنا سر اور ڈاڑھی منڈوا ڈال' اور یہ لباس اپنا اتار کر ایک چادر کا تہبند باندھ اور اپنے گلے میں ایک جھولی ڈال کر اس کو اخروٹوں سے بھر لے اور اپنے چاروں طرف لڑکوں کو جمع کر کے بلند آواز سے پکار کہ جو مجھ کو ایک تھپڑ مارے گا اس کو ایک اخروٹ دوں گا اور اس بازار میں جا جہاں تیری تعظیم ہوتی ہے' وہ شخص سن کر بولا اے ابو یزید سبحان اللہ آپ مجھ ایسے شخص کو ایسی ہدایت کرتے ہیں' ابو یزید کہنے لگے کہ تیرا سبحان اللہ کہنا شرک ہے' اس نے پوچھا کہ یہ کیونکر ہے جواب دیا اس لیے کہ تو نے اپنے نفس کی تعظیم کی اور اس سے محبت رکھتا ہے کہا اے ابو یزید اس پر میں قادر نہیں ہوں اور نہ کروں گا' لیکن اور کوئی بات بتائیے تا کہ اس کو کروں' تو ابویزید نے ان سے کہا کہ تمام

باتوں سے پہلے یہ کرتا کہ تیری عزت جاتی رہے اور تیرا نفس ذلیل ہو جائے' پھر اس کے بعد جو تیرے لیے بہتر ہو گا بتاؤں گا' کہا میں اس کی قدرت نہیں رکھتا' کہا میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تو قبول نہ کرے گا۔

مصنفؒ نے کہا الحمد اللہ کہ ہماری شریعت میں ایسی خرافات باتیں نہیں بلکہ ان کی حرمت اور ممانعت ہے' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک بار جمعہ فوت ہو گیا' انہوں نے جب آدمیوں کو نماز سے لوٹتے ہوئے آتے دیکھا تو چھپ گئے تا کہ نماز کے حق میں نقص کی نگاہ سے نہ دیکھے جائیں' بھلا کیا شریعت کسی سے یہ چاہتی ہے کہ نفس کا اثر مٹا دے' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ان ناپاک امور میں سے کسی میں مبتلا ہو تو اس کو چھپانا چاہیے اللہ تعالیٰ بھی اس کی پردہ پوشی کرے گا' یہ سب اسی لیے فرمایا کہ نفس کا جاہ و مرتبہ قائم رکھا جائے' اگر بہلول لڑکوں کو حکم کرتے کہ وہ ان کو چاٹنے لگائیں تو بری بات ہوتی' ایسی ناقص عقلوں سے خدا پناہ دے جو مبتدی سے ان امور کی درخواست کرتے ہیں جن سے شریعت راضی نہیں۔

ابو حامد نے بیان کیا کہ ابن کرینی نے کہا میں ایک بار ایک مقام پر اترا' اور میرے خیر و صلاح کی وہاں شہرت ہو گئی' میں حمام گیا وہاں ایک لباس فاخرہ دیکھ کر اس کو چرا لیا اور نیچے وہ لباس پہن کر اوپر سے وہ خرقہ پہنا اور حمام سے نکل کر آہستہ آہستہ چلنے لگا لوگ میرے پاس آئے اور میرا خرقہ اتارا اور وہ لباس مجھ سے چھین کر مجھ کو پیٹا' اس کے بعد میں حمام کا چور مشہور ہو گیا اس وقت میرے نفس کو قرار آیا۔

مصنفؒ نے کہا اس شخص کی حالت سے کون سی حالت قبیح تر ہو گی جو شریعت کے خلاف کرے اور امر ممنوع میں مصلحت خیال کرے اور کیونکر جائز ہے کہ معاصی کا مرتکب ہو کر صلاح قلوب طلب کرے کیا شرع میں وہ چیز نہیں ملتی جس سے صلاح قلب حاصل ہو کہ امر ناجائز کو عمل میں لایا جائے' یہ حرکت ایسی ہے جیسے بعض جاہل حکام کرتے ہیں کہ جس کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جس کو قتل کرنا جائز نہیں اس کو مار ڈالا اور اس کو سیاست کہتے ہیں اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ شریعت سیاست کے

لیے کافی نہیں ہے' مسلمان کو کیونکر جائز ہے کہ اپنے آپ کو چور مشہور کر دے بھلا کیا یہ جائز ہے کہ اس کے دین کو ست کہا جائے یا ایسی حرکتیں ان لوگوں کے سامنے کرے جو زمین پر خدا کی طرف سے شہادت دینے والے ہیں' اگر کوئی آدمی سر راہ کھڑے ہو کر اپنی بی بی سے باتیں کرے تا کہ واقف لوگ اس کو فاسق کہیں تو اس حرکت سے گنہگار ہو گا' پھر کیونکر جائز ہے کہ غیر کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرے' امام احمدؒ اور شافعیؒ کے مذہب میں نص ہے کہ جو شخص حمام سے وہ کپڑے چرائے جن پر نگہبان موجود ہو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا واجب ہے' کون سے لوگ صاحب احوال ہیں کہ لوگ ان کے واقعات پر عمل کریں' ہرگز نہیں' خدا کی قسم ہماری شریعت وہ شریعت ہے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی چاہیں کہ اس کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کریں تو ان کی بات بھی نہ مانی جائے گی۔

کہتے ہیں کہ ابو جعفر حداد نے بیس برس اس طرح گزارے کہ ہر روز ایک دینار کماتے تھے اور اس کو فقیروں پر خیرات کر دیتے تھے اور خود روزہ رکھتے تھے اور مغرب و عشاء کے درمیاں گھروں سے بھیک مانگ کر اس پر افطار کرتے تھے' مصنفؒ نے کہا اگر یہ شخص جانتا کہ جو آدمی کسب کر سکتا ہے اس کو سوال کرنا اور صدقہ لینا جائز نہیں تو ایسا نہ کرتا اور اگر ہم اس کو جائز بھی مان لیں تو اس سوال کرنے سے نفسوں کی غیرت کہاں باقی رہی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو کوئی ہمیشہ سوال کرتا رہے گا قیامت کے دن خدا کے سامنے جائے گا اور اس کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا بھی نہ ہو گا' آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی ایک رسی لے اور اس میں لکڑیاں باندھ کر لائے پھر ان کو بازار میں رکھ کر بیچے اور اس سے تونگری حاصل کر کے اپنا خرچ چلائے تو اس کے لیے یہ بہتر ہو گا اس سے کہ لوگوں سے سوال کرے کہ وہ اس کو کچھ دیں یا نہ دیں یہ دوسری حدیث فقط بخاری میں ہے' اور اس سے پہلے والی حدیث متفق علیہ ہے' عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لاتحل الصدقہ لغنی ولالذی مرۃ سوی** یعنی صدقہ لینا نہ تونگر کو جائز ہے اور نہ پوری قوت والے کو' یہاں ذی مرہ کا لفظ آیا ہے' مرۃ کے معنی قوت کے ہیں اور

اصل میں رسی کی مضبوطی کے لیے آیا ہے' بولا جاتا ہے **مررت الحبل** جبکہ رسی کو مضبوط بٹتے ہیں' پس حدیث میں مرہ کے معنی یہ ہیں کہ جسم مضبوط ہو اور بدن تندرست ہو جس تندرستی میں کوشش اور تعب برداشت کر سکے شافعیؒ نے کہا جو شخص ایسی قوت رکھتا ہے جس سے کسب پر قادر ہو اس کو صدقہ لینا جائز نہیں۔

یونس بن ابی بکر الشبلی نے اپنے باپ سے حکایت کی کہ وہ ایک رات تمام شب کوٹھے پر چھت کے کنارے کھڑے رہے اور بولے کہ اے آنکھ اگر تو جھپکی تو میں تجھ کو صحن میں گرا دوں گا غرض اسی طرح کھڑے رہے' صبح کو مجھ سے کہنے لگے بیٹا آج کی رات میں نے کسی کو ذکر الٰہی کرتے نہ سنا بجز ایک مرغ کے جو دو دانق ( ) درہم) کا تھا' مصنفؒ نے کہا اس شخص نے دو ناجائز حرکتیں ایک ساتھ کیں' ایک تو اپنے نفس کو خطرے میں ڈالا اگر اس پر نیند غالب آ جاتی تو گر پڑتا اور نفس کے ہلاک کرنے میں کوشش کرتا اور اس میں شک نہیں کہ اگر وہ اپنے آپ کو نیچے گرا دیتا تو بڑے گناہ کا مرتکب ہوتا' اس کا گر پڑنے پر آمادہ ہونا معصیت ہے' دوسرے یہ کہ اس شخص نے اپنی آنکھوں کو خواب کی راحت سے باز رکھا' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر تمہارے بدن کا حق ہے اور فرمایا کہ جب کسی پر غنودگی غالب آ جائے تو چاہیے کہ سو رہے اور نیز آپ ﷺ نے ایک رسی دیکھی جو حضرت زینب نے تان رکھی تھی اور جب تھک جاتی تھیں تو اس رسی کو تھام لیتی تھیں' آپ ﷺ نے اس رسی کے کھول ڈالنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تک دل خوش رہے اس وقت تک نماز پڑھا کرو' جب کسل ہو یا تھک جاؤ تو بیٹھ جایا کرو۔ اکثر احادیث ہم اس کتاب میں پیشتر بیان کر چکے ہیں۔

محمد بن ابی صابر دلال نے ہم سے بیان کیا کہ میں جامع منصور کے قبہ شعراء میں شبلی کے پاس کھڑا ہوا اور لوگ ان کے گرد جمع تھے' اسی حلقہ میں ایک خوبصورت لڑکا آ کھڑا ہو گیا' جس سے زیادہ خوبصورت اس وقت تمام بغداد میں نہ تھا اس کا زعم مسلم تھا' شبلی نے اس لڑکے سے کہا کہ الگ ہو جا' وہ وہیں کھڑا رہا' پھر دوبارہ کہا کہ او شیطان الگ ہو جا' وہ لڑکا نہ ٹلا تیسری بار کہا کہ چلا جا ورنہ جو کچھ تیرے جسم پر ہے سب جلا دوں گا' اس لڑکے کے بدن پر بڑے اچھے قیمتی کپڑے تھے' یہ سن کر وہ چلا گیا' شبلی نے چند شعر پڑھے جن کا

ترجمہ یہ ہے۔ کوہ عدن کی چوٹی پر بازوں کے لیے گوشت ڈال پھر بازوں کو ملامت کرنے لگے اور ان کو گرفتار کیا تیرے خوبصورت چہرہ کو بے پردہ کیا اور پھر جو مفتوں ہوا اس کو ملامت کرنے لگے' اگر میرا محفوظ رکھنا چاہتے تو تیرے پیارے چہرے کو چھپا دیتے' ابن عقیل نے کہا جس شخص نے یہ شعر کہے اس نے طریق شرع سے خطا کی' کیونکہ یہ شخص یوں کہتا ہے کہ یہ اشیاء اللہ تعالیٰ نے فتنہ میں ڈالنے کے لیے پیدا کی ہیں' حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے عبرت حاصل کرنے کو اور امتحان کے واسطے خلق فرمایا ہے' آفتاب اس لیے پیدا ہوا ہے کہ روشنی پہنچائے اس واسطے نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے۔

ابو علی دقاق کہتے ہیں کہ شبلی کی نسبت ہم کو خبر ملی ہے کہ انھوں نے اپنی آنکھ میں فلاں فلاں قسم کا نمک لگایا تھا کہ بیداری کی عادت پڑے اور نیند نہ آئے' مصنفؒ نے کہا یہ حرکت قبیح ہے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ اپنے نفس کو تکلیف دیں' نابینائی کا یہی سبب ہے اور ہمیشہ بیدار رہنا جائز نہیں کیونکہ اس میں نفس کی حق تلفی ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ رہنے اور کم کھانے کی وجہ سے یہ لوگ ایسے احوال و افعال میں پڑ گئے۔

حسین بن عبداللہ قزوینی کہتے ہیں کہ ایک روز مجھ کو میرا روزینہ نہ ملا اور مجھ کو ضرورت لاحق ہوئی میں نے راستہ میں سونے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا اس کو اٹھانا چاہا' پھر خیال آیا کہ یہ لقطہ ہے تو میں نے چھوڑ دیا بعدازاں مجھ کو وہ حدیث یاد آئی کہ روایت کی جاتی ہے اگر تمام دنیا خون ہوتی تو اس سے بھی مسلمان کی روزی حلال ہوتی میں نے اس کو اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک لڑکوں کا غول دیکھا' ان میں سے ایک لڑکا کچھ کلام کر رہا تھا دوسرے نے اس سے پوچھا کہ آدمی صدق کی حقیقت کب پاتا ہے؟ اس لڑکے نے جواب دیا جب کہ اپنے منہ میں سے روپیہ پھینک دے۔ یہ سن کر میں نے وہ ٹکڑا منہ سے نکال کر پھینک دیا۔ مصنف نے کہا کہ فقہاء کے نزدیک بلا اختلاف اس شخص کا وہ ٹکڑا پھینک دینا جائز نہیں اور تعجب تو یہ ہے کہ اس نے ایک لڑکے کے کہنے سے پھینک دیا جس کو خبر بھی نہیں کہ میں کیا کہتا ہوں۔

ابو حامد غزالی نے بیان کیا کہ ابو ہاشم زاہد کے پاس شقیق بلخی آئے ان کی چادر میں کچھ بندھا ہوا تھا' ابو ہاشم نے ان سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کیا چیز ہے' جواب دیا کہ چند

بادام ہیں میرے بھائی نے میرے پاس بھیجے ہیں اور کہا ہے کہ میں چاہتا ہوں تم ان سے روزہ افطار کرو۔ ابو ہاشم بولے اے شقیق تم اپنے نفس سے گفتگو کرتے ہو کہ رات تک زندہ رہو گے' میں تم سے کبھی بات نہ کروں گا یہ کہہ کر دروازہ بند کر لیا اور اندر چلے گئے' مصنفؒ نے کہا کہ اس باریک بین فقیہ کو دیکھنا چاہیے کہ کیونکر ایک مسلمان کو ایسے فعل پر ترک کر دیا جو جائز بلکہ مستحب تھا' کیونکہ انسان مامور ہے کہ اپنے لیے افطاری کا سامان تیار کرے اور وقت آنے سے پیشتر کسی چیز کا تیار کرنا ضروری ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ** (انفال پ ۱۰ آیت ۶۰) یعنی کفار کے لیے جس قدر ہو سکے قوت تیار رکھو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے لیے ایک سال کا روزینہ ذخیرہ فرمایا تھا' حضرت عمر رضی اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نصف مال لائے اور نصف ذخیرہ رکھ آئے آپ نے ان پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا' پس جہالت نے ان زاہدوں کو فاسد کر دیا۔

احمد بن اسحاق عمانی کہتے ہیں کہ ہم کو خبر ملی ہے کہ ہندوستان میں ایک شخص صابر کے نام سے مشہور تھا اس نے سو برس سے اپنی ایک آنکھ بند کر رکھی تھی اس سے پوچھا گیا کہ اے صابر تمہارے صبر کی انتہا کس قدر ہے' جواب دیا کہ میں نے زینت دنیا کی طرف دیکھنا چاہا اور اس سے راحت لینا پسند نہ کیا' لہٰذا اسی برس ہوئے کہ اپنی آنکھ بند کر لی' مصنفؒ نے کہا اس شخص کا قصد یہ تھا کہ دنیا کو ایک آنکھ سے دیکھے۔

فصل

صوفیہ میں ایک فرقہ ہے جس کو ملامتیہ کہتے ہیں وہ گناہوں کی طرف جھک پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ نظروں سے گر پڑیں' تاکہ جاہ و مرتبہ کی آفتوں سے سلامت رہیں حالانکہ شریعت کی مخالفت کر کے ان لوگوں نے اپنا رتبہ خدا کے نزدیک بھی ساقط کر دیا' اس قوم میں ایک طبقہ ہے جو اپنی قبیح حالت مخلوق پر ظاہر کرتے ہیں اور اچھی کیفیت چھپاتے ہیں' گویا وہ خدا کے نزدیک اہل ولایت ہیں اور خلقت کے نزدیک اہل آفت ہیں' مصنف نے کہا یہ حالت تمام چیزوں سے قبیح تر ہے' رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان نجاستوں میں سے اگر کوئی شخص کسی میں مبتلا ہو جائے تو چاہیے کہ وہ خدا کی پردہ پوشی سے چھپائے' ماعز اسلمی کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزال (بن یزید اسلمی) سے فرمایا تھا اے ہزال تو نے اپنی چادر سے کیوں نہ پردہ کر لیا تھا' ایک بار آپ ﷺ صفیہ رضی اللہ عنہا سے کچھ گفتگو فرماتے تھے' بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا ادھر گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ عورت صفیہ رضی اللہ عنہا ہے' اس سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تعلیم دی کہ جو چیز بدگمانی کا باعث ہو اس سے دور رہیں کیونکہ اہل ایمان زمین پر خدا کی طرف سے شاہد ہیں' حذیفہ رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز پڑھنے چلے' نماز آپ کو نہ ملی' لوگوں کو دیکھا کہ نماز پڑھ کر چلے آ رہے ہیں' حذیفہ رضی اللہ عنہ چھپ رہے تا کہ لوگ آپ کے ساتھ بدگمان نہ ہوں' ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے ایک عورت کو ہاتھ لگایا اور بوسہ لیا' آپ نے اس سے فرمایا کہ توبہ کر اور کسی سے یہ حال بیان نہ کر' بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی نے آ کر بیان کیا کہ میں نے فلاں فلاں گناہ کیے انہوں نے جواب دیا کہ اگر تو خود چھپائے رکھتا تو اللہ تعالیٰ بھی تیری پردہ پوشی کرتا' اس قوم صوفیہ نے شریعت کے خلاف کیا اور یہ چاہا کہ نفوس میں جو بات فطری اور جبلی ہے اس کو دور کر دیں۔

فصل

صوفیہ میں اہل اباحت شامل ہو گئے اور اپنی جان بچانے کے لیے صوفیہ سے مشابہت کی' ان لوگوں کی دو جماعتیں ہیں ایک تو کافر ہیں جن میں سے ایک فرقہ تو وہ ہے جو خدا تعالیٰ کا اقرار نہیں کرتا اور دوسرا گروہ وہ ہے جو خدا کا اقرار کرتا ہے مگر نبوت کا انکار کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ انبیاء نے جو کچھ بیان کیا وہ محال ہے' ان لوگوں نے جب اپنے نفوس کو شہوات سے خوش کرنا چاہا تو صوفیہ کے مذہب کے برابر کوئی چیز ان کو نہ ملی جس سے اپنی جان بچائیں اور اغراض نفوس حاصل کریں' لہٰذا بظاہر صوفیہ کے مذہب میں داخل ہو گئے حالانکہ باطن میں کافر ہیں' ان کا علاج بجز تلوار کے کچھ نہیں' ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' دوسری جماعت وہ ہے جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں مگر ان کی دو قسمیں ہیں قسم اول وہ

ہیں کہ اپنے افعال میں اپنے شیوخ کی تقلید کرتے ہیں بغیر اس کے کہ دلیل کے پیچھے پڑیں، اور کوئی شبہ لائیں لہٰذا جو کچھ پیران کو حکم دیتے ہیں اور جو اپنے پیروں کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ بھی وہی کرتے ہیں' قسم ثانی وہ ہیں کہ ان کو شبہات پیش آتے ہیں تو اس چیز کے مطابق عمل کرتے ہیں' اور وہ بات جس سے ان کے شبہات پیدا ہوئے ہیں یہ ہے' جب انہوں نے لوگوں کے مذاہب پر غور کرنے کا قصد کیا تو شیطان نے ان کو فریب دیا اور دکھلا دیا کہ دلائل میں پڑ جانا یہی شبہ ہے اور تمیز کرنا دشوار ہے اور مقصود اصلی اس سے اعلیٰ و برتر ہے کہ علم سے مل جائے' (یعنی یہ چیز علم سے حاصل نہیں ہوتی) اس کا حاصل ہونا صرف امر تقدیری ہے جو خود بخود بندہ کو ملتا ہے کوئی طلب سے حاصل نہیں' لہٰذا ان پر شیطان نے نجات کا دروازہ جو کہ طلب علم ہے بند کر دیا' اب ان کی یہ حالت ہو گئی کہ علم کے نام سے ایسے ناراض ہوتے ہیں جس طرح رافضی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے نام سے جلتے ہیں' یہ بھی کہتے ہیں کہ علم حجاب ہے اور علماء اس سے محجوب ہیں جو علم سے مقصود ہے' اگر کوئی عالم ان پر انکار کرتا ہے تو اپنے پیروں سے ہیں کہ یہ باطن میں ہمارے موافق ہے' صرف ظاہر میں عوام ضعیف العقول کے دکھانے کو ہماری مخالفت کرتا ہے' پھر اگر خوب شدت کے ساتھ ان کی مخالفت کرے تو کہتے ہیں کہ یہ احمق ہے' شریعت کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے' مقصود اصلی سے محجوب ہے' پھر جو کچھ شبہات ان کو واقع ہوتے ہیں انہیں پر عمل کرتے ہیں' اگر ان کو عقل ہوتی تو جان لیتے کہ شبہات کے مطابق ان کا عمل کرنا بھی تو ایک علم ہے' لہٰذا علم کا انکار کرنا باطل ہو گیا' ہم ان کے شبہات ذکر کرتے ہیں اور ان کو کھولتے ہیں' وہ شبہات یہ ہیں۔

پہلا شبہ یہ ہے کہ کہتے ہیں جب تمام امور ازل سے مقدر ہو چکے اور کچھ لوگ سعادت کے ساتھ کچھ لوگ شقاوت کے ساتھ مخصوص ہو گئے اور نیک آدمی بد اور بد آدمی نیک نہیں ہو سکتا اور اعمال بذات خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ صرف اس لیے ہیں کہ سعادت حاصل کی جائے اور شقاوت کو دور کیا جائے' حالانکہ اعمال کا وجود ہم سے پیشتر ہو چکا' لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ نفس کو اعمال کے رنج میں ڈالا جائے اور لذتوں سے اس کو روکا جائے کیونکہ جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے وہ لامحالہ واقع ہو گا' جواب اس شبہ کا یہ

ہے کہ اس قوم سے کہا جائے کہ اس قول سے تو تمام شرائع کا رد لازم آتا ہے اور سب احکام باطل ٹھہرتے ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام جو کچھ لائے ہیں گویا ان کو سرزنش کرنا ہے' کیونکہ جب کہا جائے گا کہ قرآن شریف میں آیا ہے **اقیموا الصلوۃ** یعنی نماز قائم رکھو کہنے والا کہے گا کہ کیوں ایسا کروں اگر میں سعید ہوں تو میری بازگشت سعادت کی طرف ہوگی اور اگر میں شقی ہوں تو نماز قائم کرنے سے مجھ کو کچھ نفع نہ ہو گا' اسی طرح جب کہا جائے گا **لاتقربوا الزنی** (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۳۲) یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ سننے والا جواب دے گا کہ میں اپنے نفس کو اس کی لذت سے کیوں باز رکھوں' سعادت اور شقاوت سے فراغت ہو چکی اور قضاو قدر فیصلہ کر چکی ہے علیٰ ہذا القیاس ایسا ہی جواب فرعون بھی حضرت موسیٰ کو دے سکتا تھا' جب انہوں نے اس سے کہا تھا **ھل لک الی ان تزکی** (النازعات پ ۳۰ آیت ۱۸) یعنی کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے' پھر اس سے بھی ترقی کر کے خالق تک پہنچے اور اس سے کہے کہ تو نے جو پیغمبر بھیجے اس سے کیا فائدہ جو کچھ تو نے حکم لگایا اور مقدر فرمایا وہ جاری ہو گا اور وہ بات جس سے کتابوں کا رد کرنا اور رسولوں کا جاہل ٹھہرانا لازم آئے وہ محال غلط ہے اور یہی وہ بات ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد کیا' جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم لوگ تقدیر پر بھروسہ نہ کریں' فرمایا کہ تم عمل کرو جو شخص جس کے لیے پیدا ہوا ہے اس کو اسی کی توفیق ملے گی۔

جاننا چاہیے کہ آدمی کا ایک کسب ہوتا ہے جو اس کے اختیار میں ہے' اسی پر ثواب اور عذاب واقع ہوتے ہیں' جب وہ اس اختیاری امر میں خلاف کرتا ہے تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں مقدر فرمایا تھا کہ وہ خلاف کرے گا' صرف اس خلاف پر اس کو عذاب کرے گا اپنی تقدیر پر سزا نہ دے گا اور اسی لیے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے اور اس کا یہ عذر نہیں مانا جاتا کہ تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی لیے تقدیر پر نظر کرنے سے ہٹا کر عمل میں لگا دیا کہ امر و نہی ظاہری حالت ہے او جو کچھ ان میں مقدر ہے وہ امر باطن ہے۔ ہمارا یہ منصب نہیں کہ جس قدر تکلیف شرعی ہم کو معلوم ہوئی اس کو چھوڑ دیں کیونکہ ہم نہیں

جانتے قضا کیا جاری ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ہر شخص کو اسی کی توفیق ملے گی جو اس کے لیے مقدر ہے' اسباب تقدیر کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جس شخص کے لیے علم مقدر ہو چکا اس کو علم کی تلاش اور اس کی محبت اور اس کے سمجھنے کی توفیق ہو گی اور جس کے لیے جہل کا حکم ہوا اس کے دل سے علم کی محبت دور کر دی جائے گی' اسی طرح جس کے لیے اولاد مقدر ہے اس کو نکاح کی توفیق ملے گی اور جس کے لیے مقدر نہیں اس کو توفیق نہ ہو گی۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اعمال سے مستغنی ہے خواہ معصیت ہو یا اطاعت' اللہ تعالیٰ پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا لہٰذا کیا ضرورت ہے کہ ہم بے فائدہ اپنی جانوں کو زحمت میں ڈالیں' جواب اس شبہ کا اول تو وہی پہلا جواب ہے کہ ہم کہیں اس سے شریعت کے امور رد ہوئے جاتے ہیں' گویا ہم نے رسول یا اس کے بھیجنے والے یعنی خدا سے یوں کہا کہ تم جس چیز کا ہم کو حکم دیتے ہو اس میں کچھ فائدہ نہیں' یہ جواب دے کہ ہم اس شبہ پر کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس شخص کو وہم ہو کہ طاعت سے اللہ کو نفع پہنچتا ہے یا معصیت سے ضرر ہوتا ہے یا اس میں اس کی کوئی غرض ہے تو اس شخص نے خدا کو نہیں پہچانا' کیونکہ خدا تعالیٰ اغراض اور نفع و ضرر سے پاک ہے' بات صرف یہ ہے کہ اعمال کا نفع خود ہمیں پہنچتا ہے چنانچہ فرمایا **ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ** (عنکبوت پ ۲۰ آیت ۶) یعنی جو جہاد کرے گا وہ اپنی ذات کے لیے جہاد کرے گا **ومن تزکی فانما یتزکی لنفسہ** (فاطر پ ۲۲ آیت ۱۸) یعنی جو گناہوں سے پاک رہے گا وہ اپنے واسطے پاک رہے گا' طبیب جو مریض کو پرہیز بتاتا ہے تو مریض کی مصلحت کے لیے ہوتا ہے طبیب کا کوئی نفع نہیں جس طرح بدن کا نفع اور نقصان غذائیں ہیں اسی طرح نفس کا نفع و نقصان بھی علم اور جہل اور عقیدہ اور عمل ہیں پس شریعت بمنزلہ طبیب کے ہے جن مصلحتوں کا حکم شریعت نے دیا ہے ان کو وہی خوب جانتی ہے یہ مذہب سب ان علماء کا ہے جو علت نکالتے ہیں۔

اور اکثر علماء یوں کہتے ہیں کہ افعال الٰہی کے لیے علت نہیں' دوسرا جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال سے مستغنی ہے تو اس سے بھی مستغنی ہے کہ ہم

اس کی معرفت حاصل کریں' حالانکہ اپنی معرفت اس نے ہم پر واجب کر دی ہے' پس اسی طرح اس کی طاعت بھی واجب ہے لہٰذا اس کے حکم پر نظر کرنا چاہیے یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ اس حکم سے غرض کیا ہے۔

تیسرا شبہ! وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وسیع ہونا ثابت ہے اور خدا ہم سے عاجز نہ ہو گا لہٰذا کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنے نفسوں کو ان کی مراد سے محروم رکھیں' جواب' اس کا وہی پہلا جواب ہے' کیونکہ یہ قول اس بات کو شامل ہے کہ انبیا علیہم السلام جو وعید لائے ہیں ان کو پس پشت ڈال دیا جائے اور جس چیز سے ڈرانے میں انہوں نے تشدد کیا ہے اور مبالغہ کے ساتھ اس کا عذاب بیان کیا' اس کو ہیچ سمجھا جائے' یہ شیطانی فریب اس طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو جس طرح رحمت کے ساتھ موصوف فرمایا ہے اسی طرح **شدید العقاب** بھی صفت بیان کی ہے' ہم انبیاء علیہم السلام کو دیکھتے ہیں کہ امراض اور فاقہ کی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں اور لغزشوں پر ان کا مواخذہ ہوتا ہے' بھلا کیونکر ایسا نہ ہو' جب وہ بزرگ اس سے ڈرتے ہیں جن کے لیے قطعی طور پر نجات ہے' حضرت ابراہیم خلیل اللہ قیامت کے دن نفسی نفسی کہیں گے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ نفسی نفسی پکاریں گے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا شخص کہتا ہے **الویل لعمر ان لم یغفرله** یعنی افسوس ہے عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اگر نہ بخشا گیا۔

جاننا چاہیے کہ جو شخص رحمت کی امید کرے اس کو چاہیے کہ اس کے اسباب اختیار کرے۔ ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ خطاؤں سے توبہ کرے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کھیتی کاٹنے کا امیدوار ہو خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ان الذین امنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل الله اولئك یرجون رحمه الله** (البقرہ پ ۲ آیت ۲۱۸) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا وہ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں' مطلب یہ ہے کہ یہی لوگ اس قابل ہیں کہ رحم خدا کی امید کریں' باقی رہے وہ لوگ جو گناہوں پر اڑے ہوئے ہیں اور رحمت کی امید کرتے تو ان کی امید بعید ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کو ذلیل کرے اور آخرت کے لیے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس اور خواہش کی پیروی

کرے اور اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں رکھے اور مغفرت کی تمنا کرے' معروف کرخی کا قول ہے کہ تو جس کی اطاعت نہیں کرتا ہے اس کی رحمت کا امیدوار ہونا' رسوائی اور حماقت ہے' جاننا چاہیے کہ افعال الٰہی میں وہ بات نہیں جس سے لازم آئے کہ اس کے عذاب سے آدمی بے خوف ہو جائے۔ البتہ اس کے افعال میں وہ بات ہے جو اس کی رحمت سے ناامید ہونے کی مانع ہے' جس طرح ناامید ہونا خوب نہیں کیونکہ اس کا لطف و احسان خلق پر ظاہر ہے' اسی طرح طمع کرنا بھی اچھا نہیں کیونکہ اس کا پکڑنا اور بدلہ لینا عیاں ہے' جو چوتھائی دینار کے بدلے اشرف عضو یعنی ہاتھ کاٹ ڈالے تو اس سے نڈر نہیں ہو سکتے کہ قیامت کو اس کا عذاب بھی ایسا ہی ہو۔

چوتھا شبہ! صوفیہ میں سے ایک قوم کا خیال ہے کہ نفسوں کو ریاضت میں ڈالنے سے یہ مراد ہے کہ ناقص کدورتوں سے نجات پائے' لہٰذا جب انہوں نے ایک مدت تک ریاضت کی پھر انہوں نے دیکھا کہ صفا کا حاصل ہونا دشوار ہے تو بول اٹھے کہ ہم کو کیا حاجت ہے کہ اپنی جانوں کو ایسے امر کے لیے رنج میں ڈالیں جو بشر کو حاصل نہ ہو' یہ سمجھ کر عمل کو چھوڑ بیٹھے۔

اس شیطانی فریب کا دور کرنا یوں ہے کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے کہ بواطن میں جو صفات بشری پائی جاتی ہیں ان کا مٹا دینا مقصود اصلی ہے' مثلاً شہوت اور غصہ وغیرہ کو بالکل نیست کر دے حالانکہ شریعت کی مراد یہ نہیں اور ممکن نہیں ریاضت سے طبعی چیز زائل ہو جائے' خواہشیں کسی نہ کسی فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں' کیونکہ اگر کھانے کی خواہش نہ ہوتی تو انسان ہلاک ہو جاتا اور خواہش نکاح نہ ہوتی تو نسل منقطع ہو جاتی اور اگر غصہ نہ ہوتا تو انسان آزار دینے والی چیز کو اپنے سے دفع نہ کر سکتا' اسی طرح مال کی محبت طبیعت میں جما دی گئی کیونکہ مال خواہشوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہے' ریاضت سے مراد یہ ہے کہ ان خواہشوں میں سے نفس کو جو تکلیف دے اس سے نفس کو روکے اور اس کو اعتدال پر لے آئے' خود اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی تعریف کی ہے جو نفس کو خواہش سے ونہی النفس عن الھوی (النازعات پ ۳۰ آیت ۴۰) نفس کو اسی چیز سے باز رکھا جا سکتا ہے جس کی طلب اس میں موجود ہو' اور جب اس کی طلب ہی طبیعت سے

زائل ہو گئی تو انسان کو اس کے باز رکھنے کی حاجت نہیں' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **والکاظمین الغیظ** (ال عمران پ ۴ آیت ۱۳۴) غصہ کو روکنے والے یوں نہ فرمایا **والفاقدین الغیظ** یعنی جنہیں غصہ نہ آئے کظم کے معنی ہیں غصہ کو ہٹانا' بولا جاتا ہے **کظم البعیر علی جریہ** جب اونٹ اپنی جگالی نگل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدح فرمائی جو نفس کو اس بات سے روکے کہ جوش غضب کے موافق عمل کرے اب جس شخص کو یہ دعویٰ ہے کہ ریاضت سے طبیعتیں بدل جاتی ہیں تو یہ ایک امر محال کا دعویٰ ہے ریاضت سے یہی مراد ہے کہ نفس کے شر اور غضب کو توڑ ڈالے نہ یہ کہ بالکل نفس کو زائل کر دے' ریاضت کرنے والا ایسا ہے جیسے طبیب عاقل کہ اس کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے وہ اس میں جو اس کے لیے نافع ہو گا کھائے گا اور جو تکلیف دے گا اس سے باز رہے گا اور ریاضت نہ کرنے والا ایسا ہے جیسے نادان بچہ کہ جو جی میں آتا کھاتا ہے اور گناہ کرنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔

پانچواں شبہ! ان میں سے ایک قوم وہ ہے جو ایک مدت ریاضت کرتے رہے لہٰذا انہوں نے اپنے آپ میں ایک جوہر پایا تو کہنے لگے کہ اب ہم کو اعمال کی پرواہ نہیں ہے اوامر و نواہی صرف عوام کے لیے رسمیں ہیں' اگر عوام میں بھی جوہر آ جائے تو ان سے اعمال ساقط ہو جائیں کہتے ہیں کہ نبوت کا ماحصل حکمت اور مصلحت ہے جس سے مراد یہ ہے کہ عوام کو پابند کیا جائے اور ہم لوگ عوام میں سے نہیں کہ تکلیف شرعی کے احاطہ میں داخل ہوں کیونکہ ہم نے جوہر حاصل کر لیا اور حکمت کو خوب پہچان گئے' اس قوم کی رائے ہے کہ جوہر حاصل کرنے کا اثر یہ ہے کہ محبت و غیرت بالکل دور ہو جائے' حتیٰ کہ کمال کا مرتبہ فقط اس شخص کو حاصل ہو گا جو اپنی بی بی کو کسی اجنبی آدمی کے ساتھ دیکھے تو اس کے رونگٹے کھڑے نہ ہوں' اگر اس کو حرارت آ گئی تو گویا حظ نفس کی طرف متوجہ ہے' ابھی کامل نہیں ہوا' کیونکہ اگر کامل ہوتا تو اس کا نفس مر جاتا اس قوم نے غیرت و حمیت کا نام تو نفس رکھا اور بے غیرتی کو جو مخنثوں کا خاصہ ہے کمال ایمان کہتے ہیں۔

اس شبہ کا ازالہ اس طور پر ہے کہ جب تک صورتیں قائم ہیں کسی صورت سے عبادت کی ظاہری رسمیں چھوٹ نہیں سکتیں کیونکہ یہ رسمیں لوگوں کی مصلحتوں کے لیے

رکھی گئی ہیں اور صفائی قلب کدورت طبع پر غالب آ جاتی ہے لیکن جب انسان ہمیشہ اعمال خیر میں رہتا ہے تو کدورت بیٹھ جاتی ہے اور ٹھہر جاتی ہے' پھر ذرا سی چیز اس کو جنبش دے دیتی ہے جیسے ڈھیلا اس پانی میں پڑ جائے جس کی تہ میں مٹی بیٹھی ہو' طبیعت کی مثال ایسی ہے جیسے پانی جس میں نفس کی کشتی جاری ہے اور عقل مثل ملاح کے ہے' اگر ملاح بیس فرسخ تک کشتی کو کھینچتا رہے پھر چھوڑ دے تو کشتی نشیب کی جانب ہولے گی جو شخص طبیعت کے بدل جانے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے اور جو یوں کہے کہ میں اچھی صورت کو شہوت سے نہیں دیکھتا وہ سچا نہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر ان سے ایک لقمہ فوت ہو جائے یا ان کو کوئی گالی دے تو بدل جاتے ہیں' اب عقل کی تاثیر کہاں جاتی رہتی ہے۔

یہ لوگ خواہش نفسانی کے تابع ہیں اور ہم نے ان میں سے اکثر کو دیکھا کہ عورتوں سے مصافحہ کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ معصوم تھے عورتوں سے مصافحہ نہ فرماتے تھے' ہم نے سنا ہے کہ صوفیہ میں سے ایک جماعت ہے جو عورتوں سے دوستی رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ تخلیہ کرتے ہیں' پھر سلامت رہنے کے مدعی ہیں' ان کا خیال ہے کہ یہ لوگ فواحش سے سلامت ہیں' اور ہیہات اگر سلامت بھی رہے تو خلوت حرام اور ممنوع چیز کے دیکھنے سے کہاں سلامت رہے اور ناقص خیال دوڑانے سے اخلاص کہاں رہا' عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دو بوسیدہ ہڈیاں بھی خلوت میں تنہا ہوں تو ایک دوسرے کا قصد کرے گی' بوسیدہ ہڈی کا اشارہ بوڑھے اور بڑھیا کی طرف ہے۔ ابن شاہین کہتے ہیں کہ صوفیہ میں سے ایک وہ قوم ہے جنہوں نے اخوت کا دعویٰ کر کے شرم گاہوں کو مباح کر لیا ہے ان میں سے ایک شخص کسی عورت سے کہتا ہے کہ تم میری منہ بولی بہن بن جاؤ تاکہ جو کچھ ہمارا تمہارا معاملہ ہے اس پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔

مصنفؒ نے کہا یہ لوگ شہوت کے مرجانے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ یہ بات آدمی کی زندگی میں ممکن نہیں اتنی بات ہے کہ شہوت کمزور ہو جاتی ہے اور انسان کو جماع کی قدرت نہیں رہتی لیکن جب بھی ہاتھ لگانے اور دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے' پھر اگر یہ

فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ سب خواہشیں اس سے دور ہو گئیں تو کیا نظر ڈالنے سے شریعت کی ممانعت باقی نہیں جو عام ہے' عبدالرحمان سلمی کہتے ہیں کہ ابونصر' نصرآبادی سے کہا گیا کہ بعض صوفیہ عورتوں کے پاس بیٹھتے ہیں اور کہتے کہ ہم معصوم ہیں' تو کہا کہ جب تک صورتیں قائم ہیں اور امراور نہی باقی ہے اور حلال و حرام کا خطاب شرعی موجود ہے' اور شبہات میں پڑ جانے کی جرات وہی کرے گا جو محرمات کا سامنا کرے گا۔ ابو علی روز باری سے کسی نے اس شخص کے بارے میں سوال کیا' جو یوں کہتا ہے کہ میں ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ احوال کا اختلاف مجھ پر کچھ اثر نہیں کرتا' جواب دیا کہ وہ ضرور پہنچ گیا ہے مگر جہنم میں پہنچ گیا ہے' ابو القاسم جنید کی نسبت ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے ان کے سامنے معرفت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جو خدا کے عارف ہیں ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ نیکی اور تقرب الی اللہ وغیرہ تمام حرکات ترک کر دیتے ہیں' جنیدؒ نے جواب دیا کہ یہ قول اس قوم کا ہے جو اعمال کے ساقط کر دینے میں گفتگو کرتے ہیں اور یہ بات میرے نزدیک بڑا گناہ ہے' اس قول کے قائل سے اس شخص کا حال اچھا ہے جو چوری اور زنا کرتا ہے' جو خدا کے عارف ہیں انہوں نے خدا ہی سے اعمال لئے ہیں اور ان میں اسی کی طرف رجوع کیا ہے' اگر میں ہزار برس تک زندہ رہوں تو اعمال نیک سے ایک ذرہ کم نہ کروں یہاں تک کہ مجھ میں اور اعمال خیر میں موت حائل ہو جائے عمل خیر نہ چھوڑوں کیوں کہ یہ اعمال میرے معرفت حاصل کرنے میں تاکید کرنے والے ہیں اور قوت پہنچاتے ہیں' ابوالحسن نوری نے کہا کہ جس شخص کو تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو علم شرعی کی حد سے خارج کر دے تو اس کے نزدیک نہ جاؤ' اور جس شخص کو دیکھو کہ باطنی حالت کا دعویٰ کرتا ہے' اور اس پر اس کی ظاہری حالت نہ دلالت کرتی ہے نہ شہادت دیتی ہے تو اس کو اس کے دین کے بارے میں متہم کرو۔

چھٹا شبہ! کچھ لوگوں نے خوب ریاضت کی اس میں انہوں نے کرامت کی قسم سے کچھ دیکھا' یا اچھے خواب نظر آئے یا کلمات لطیفہ جو فکر و خلوت سے پیدا ہوئے اس پر مفتوح ہوئے اس سے وہ سمجھ گئے کہ مقصود اعلیٰ کو پہنچ گئے' لہٰذا اوامر و نواہی کو ترک کر

دیا اور کہنے لگے کہ اوامر و نہی حصول مقصد کے ذریعے ہیں اور ہم مقصود پا چکے۔ اب ہم کو کوئی چیز ضرر نہیں کرتی جو شخص کعبہ پہنچ گیا اس کی سیر منقطع ہو گئی' اس خیال سے ان لوگوں نے اعمال چھوڑ دیئے مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ لوگ اپنے ظاہر کو خرقہ اور جانماز اور رقص اور وجد سے زینت دیتے ہیں' معرفت اور وجد اور شوق کے بارے میں صوفیہ کے طریقہ پر گفتگو کرتے ہیں۔

جواب ان لوگوں کا وہی ہے جو پیشتر والوں کا جواب ہے۔

ابن عقیل نے کہا جاننا چاہیے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بھاگے اور طریق شریعت سے دور ہو کر اپنے ایجاد کردہ طریقوں میں پڑ گئے ان میں اکثر ایسے ہیں جو غیر خدا کی عبادت کرتے ہیں' اور اسی عبادت کو خدا کی تعظیم جانتے ہیں اور اپنے خیال میں وسائل گردانتے ہیں اور اکثر ان میں سے ایسے ہیں جو توحید کے قائل ہیں لیکن عبادت کو ساقط کر دیا اور کہتے ہیں کہ یہ چیزیں عوام کے لیے مقرر ہیں کیونکہ وہ معارف سے محروم ہیں حالانکہ یہ ایک قسم کا شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ جانا کہ اس کی معرفت ایک قعر بعید ہے اور مقام عالی رکھتی ہے اور جو نہیں جانتا اس کی سمجھ سے باہر ہے لہٰذا دوزخ کی آگ سے ڈرایا کیونکہ آگ کے جلا دینے کا اندازہ لوگ پہچانتے ہیں اور اہل معرفت سے فرمایا **ویحذرکم اللہ نفسہ** (ال عمران پ ۳ آیت ۲۸) یعنی تم کو اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا نے جانا کہ عبادتیں ایسی ہیں جو اس امر کی مقتضی ہیں کہ صورتوں کے ساتھ اور جہات اور مقامات اور مکانات اور پتھروں سے انسان کو انس ہو اور قبلہ رو ہونے سے مانوس ہو تو ایمان کی حقیقتیں ظاہر کیں اور فرمایا **لیس البران تولوا وجوھکم** الخ (البقرہ پ ۲ آیت ۱۷۷) یعنی یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی جانب منہ کرو۔ اور فرمایا **لن ینال اللہ لحومھا** (الحج پ ۱۷ آیت ۳۷) یعنی قربانیوں کے گوشت کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں۔ پس معلوم ہو گیا کہ معتمد علیہ مقاصد ہیں اور فقط معارف بغیر امتثال امر کے کافی نہیں' جس طرح ملحدین باطنیہ اور اہل شطح صوفیہ نے اعتماد کیا' شافعیؒ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی چاشت کے وقت صوفی بنے ظہر سے پہلے پہلے ضرور احمق ہو جائے گا' شافعیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ جو

شخص چالیس روز صوفیہ کے پاس رہے گا پھر کبھی اس کی عقل اس کے پاس نہ آئے گی' شافعیؒ نے یہ شعر پڑھا

ودعو الذین اذا اتوک تنکسوا
واذا دخلوا کانوا ذئاب خفاف

ترجمہ! ایسے لوگوں کو چھوڑ دو کہ جب تمہارے پاس آئیں تو سر جھکالیں اور مسکین بن جائیں اور جب تنہا ہوں تو چالاک دست بھیڑیے بن جائیں۔

یحییٰ بن معاذ نے کہا تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرو' ایک وہ علماء جو غافل ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو چرب زبان ہیں اور تیسرے وہ صوفیہ جو جاہل ہیں' سلف وہ تھے کہ ذرا سی بدعت سے بھاگتے تھے اور اس کو چھوڑ کر سنت کو لازم پکڑتے تھے' ابوالفتح نے ہم سے بیان کیا کہ چند فقہاء کسی رباط میں ایک فقیہ کی تعزیت کے لیے جو انتقال کر گیا تھا بیٹھے اتنے میں شیخ ابوالخطاب الکلواذی فقیہ میرے ہاتھ کے سہارے وہاں آئے اور رباط کے دروازے پر کھڑے ہو کر بولے میری شان سے بعید ہے کہ میرے قدیمی اصحاب مجھ کو اس رباط میں داخل ہوتے ہوئے دیکھیں' مصنفؒ نے کہا کہ ہمارے مشائخ و اصحاب کا یہی طریقہ رہا ہے مگر اس ہمارے زمانہ میں بھیڑیا اور بکری ایک ہو گئے' میں نے ابن عقیل کی کتاب سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں صوفیہ کو ان وجہوں سے برا کہتا ہوں جن کے کرنے والے کو شریعت برا کہتی ہے۔ انہیں میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے بطالت کا گھر یعنی رباطیں اختیار کر لی ہیں' مسجدوں اور جماعتوں کو چھوڑ کر رباطوں کے ہو رہے' پس یہ رباطیں نہ مسجدیں ہیں نہ گھر ہیں نہ سرائیں ہیں' بطالت سے ان میں بیٹھ کر اعمال معاش سے جو آتا ہے کھاتے ہیں اور بہائم کے مانند کھانے پینے اور ناچ گانے پر اپنے آپ کو جھکا رکھا ہے' خرقہ پوشی اور حسن کی چمک دمک اور خاص رنگوں میں رنگے ہوئے کپڑوں پر اعتماد کیا جاتا ہے' پھر ظالم اور بدکاری اور مال غصب کرنے والے مثلاً بنجر زمین پر محصول لگانے والے اور سپاہی چونگی لینے والے جو ان کو کھانا اور خیرات دیتے ہیں قبول کر لیتے ہیں گانے کے وقت ان کی صحبت میں امرد رہتے ہیں اور شمعیں روشن ہوتی ہیں' یہ لوگ طرب کو وجد اور دعوت کو وقت اور راگ کو قول اور لوگوں کے کپڑے بانٹ لینے کا حکم

کہتے ہیں اور جس گھر میں ان کی دعوت ہوتی ہے اس میں سے بغیر دوسری دعوت لازم کیے ہوئے باہر نہیں آتے اور کہتے ہیں کہ دوسری طرف دعوت واجب ہو گئی' حالانکہ یہ عقیدہ رکھنا کفر اور ایسا کرنا فسق ہے۔ اور جو شخص مکروہ و حرام کو قربت اعتقاد کرے گا اس اعتقاد کی وجہ سے کافر ہو جائے گا اور اس دوسری دعوت کے لزوم کو بعض لوگ حرام اور بعض مکروہ بتاتے ہیں۔

صوفیہ اپنے آپ کو پیروں کے حوالے کر دیتے ہیں' ہم لوگوں کا اگر کوئی ایسا شیخ (پیر) ہوتا کہ اپنا حال اس کے سپرد کر دیتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوتے حالانکہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کجی اختیار کروں تو تم لوگ مجھ کو راستی پر لاؤ' یوں نہیں فرمایا کہ تم اس کو تسلیم کر لو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کرنا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ پر کس طرح اعتراض کرتے تھے' ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہا تھا کہ ہم ہر طرح امن میں ہیں پھر نماز کیوں قصر کریں' ایک اور صحابی نے آپ سے عرض کیا تھا کہ ہم کو تو آپ دو روزے ملا کر رکھنے سے منع فرماتے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے صحابی بولے تھے کہ ہم کو تو آپ فسخ بیع کا حکم دیتے ہیں اور آپ فسخ نہیں فرماتے پھر اس سے آگے بڑھ کر خود اللہ تعالیٰ سے فرشتے کہتے ہیں **اتجعل فیھا** یعنی کیا تو زمین پر ایسی مخلوق پیدا کرے گا' حضرت موسیٰ کہتے ہیں۔ **اتھلکنا بما فعل السفھاء منا** یعنی اے خدا کیا تو بے وقوفوں کی حرکات پر ہم کو ہلاک کیے ڈالتا ہے۔

صوفیہ کا یہ کلام کہ جو پیر کہے اسے تسلیم کو لو' صرف اپنے مقلدین کا دل خوش کرنے کے لیے ہے اور ایک حکومت ہے جو اپنے پیروں اور مریدوں پر جماتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فاستخف قومہ فاطاعوہ** (زخرف پ ۲۵ آیت ۵۴) یعنی لوگوں کو سامری نے احمق بنالیا۔ انہوں نے اس کی اطاعت کرلی۔

شاید یہ کلام بھی انہی لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ جب معرفت حاصل کرلیتا ہے تو پھر وہ جو چاہے کرے اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا' حالانکہ یہ قول کمال زندیقیت ہے کیونکہ فقہاء کا قول بالاتفاق ہے کہ عارف جس حالت پر ترقی کرتا ہے تکلیف شرع میں

اس پر سختی ہوتی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کا حال ہے کہ صغائر میں بھی ان پر گرفت ہوتی ہے' اب خدا خدا کرنا چاہیے بھلا اس قوم کی طرف کیا کوئی کان لگائے جو دین سے فارغ ہیں اور جنہوں نے ظالم عاملوں کے لباس یعنی مرقعے اور پشمینے اور ملحد خلیفوں کے اعمال یعنی کھانا اور ناچ اور گانا اور وجد اور احکام شرع کا چھوڑ دینا اختیار کر رکھے ہیں' زنادقہ کی تو اتنی جرات نہ ہوئی کہ شریعت کو چھوڑ دیا جائے' اب صوفیہ آئے ہیں انہوں نے ایک نام مقرر کیا اور کہنے لگے کہ حقیقت اور ہے شریعت اور ہے حالانکہ یہ قول قبیح ہے' کیونکہ شریعت وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی مصلحتوں کے لیے مقرر فرمایا ہے تو اس کے بعد سوا ان باتوں کے جو شیطان دلوں میں ڈالتا ہے اور کیا حقیقت ہو گی' لہٰذا جو شخص شریعت کو چھوڑ کر حقیقت کو طلب کرے وہ بہکا ہوا اور دھوکا کھائے ہوئے ہے۔

صوفیہ اگر کسی کو سنتے ہیں کہ حدیث روایت کرتا ہے تو کہتے ہیں ان بیچاروں نے اپنا علم مرے ہوؤں سے لیا ہے اور ہم نے اپنا علم زندہ جاوید یعنی اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے لہٰذا اگر یہ کہتے ہیں حدثنی ابی عن جدی (یعنی میرے باپ نے میرے دادا سے روایت کی) تو ہم کہتے ہیں حدثنی قلبی عن ربی (میرے قلب نے میرے رب سے روایت کی) غرض صوفیہ نے ایسی ایسی خرافات سے نادانوں کے دلوں کو ہلاک کر دیا۔

ان امراء اور دنیا داروں کو علماء و فقہاء سے زیادہ خلاف شرع پیروں اور گانے بجانے والے صوفیوں سے عقیدت و محبت ہوتی ہے اور ان پر وہ بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں' جب کہ اہل علم پر ایک پیسہ خرچ کرنا ان کو بار ہوتا ہے اس لیے کہ علماء اطباء کی طرح ہیں اور دوا میں خرچ کرنا بڑا بار معلوم ہوتا ہے لیکن ان پیروں اور قوالوں پر خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسے مغنیات (گانے والی عورتوں پر) خرچ کرنا یہ بھی ان کے لیے گویوں اور مداریوں کی طرح سامان تفریح اور لازمۂ ریاست ہیں' صوفیہ کا علماء سے بغض رکھنا بڑی بد دینی ہے کیونکہ علماء لوگوں کو اپنے فتوؤں کے ذریعہ سے ان کی گمراہی اور فتویٰ کا رد کرتے ہیں' اور حق ہمیشہ گراں گزرتا ہے جیسے زکوٰۃ دینا ناگوار ہوتا ہے اور گانے والی عورتوں کو اجرت اور شاعروں کو قصیدوں کے صلے دینا کس قدر سبک معلوم ہوتا ہے اور ایسے ہی صوفیہ کا اہل حدیث سے بغض رکھنا ہے۔

صوفیہ نے شراب سے عقل زائل کرنے کے بدلے میں دوسری چیز اختیار کی اور اس کا نام سماع اور وجد رکھا' حالانکہ ایسے وجد میں پڑنا جو عقل کو زائل کردے حرام ہے اللہ تعالیٰ شریعت کو اس گروہ کے شر سے محفوظ رکھے جن میں یہ باتیں جمع ہیں کہ مذہب پر خاک ڈالتے ہیں اور خوب عیش اڑاتے ہیں اور ایسے بے معنی الفاظ سے لوگوں کو بہکاتے ہیں جو محض مہمل اور پر تکلف ہیں' اور شرع کو چھوڑ بیٹھے ہیں' اسی وجہ سے ان کی عزت لوگوں کے دلوں میں کم ہو گئی' اس قوم کے باطل ہونے پر اس سے زیادہ روشن کوئی دلیل نہیں کہ اہل دنیا کی طبیعتیں ان سے ایسی محبت رکھتی ہیں جیسے کھیل تماشے والوں اور گانے والیوں سے' ابن عقیل نے کہا اگر کوئی کہنے والا کہے کہ اچھے وہ لوگ ہیں جو صاف ستھرے ہیں اور محرابوں میں پڑے رہتے ہیں اور بڑے خوش اخلاق ہیں' میں جواب دوں گا کہ اگر یہ لوگ ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے جس سے تمہارے دل کھینچ لیں تو ان کا عیش باقی نہ رہتا اور جس چیز کی تم ان میں تعریف کرتے ہو وہ تو نصاریٰ کی رہبانیت ہے' اگر تم دسترخوانوں پر طفیلیوں کی اور بغداد کے مخنثوں کی صفائی ستھرائی اور گانے والیوں کی خوش خلقی و نرم خوئی دیکھو تو سمجھ جاؤ کہ ان لوگوں کا طریقہ مسخرے پن اور دغا بازی کا ہے' آدمیوں کو کسی طریقہ سے دھوکہ دیتے ہیں یا زبان سے اور جب ایک گروہ کو نہ علم سے بہرہ ہو اور نہ کوئی طریقہ آتا ہو تو وہ مال و دولت والوں کے دل کس چیز سے اپنی طرف کھینچیں۔

جان لینا چاہیے کہ تکلیف برداشت کرنا بہت مشکل ہے اور دھوکا دینے والوں کے لیے جماعت کی مفارقت سے زیادہ آسان اور شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں' شریعت کو اہل کلام اور اہل تصوف سے بڑھ کر کسی نے ضرر نہیں پہنچایا' اہل کلام تو عقلی شبہات کے وہم میں ڈال کر عقائد کو فاسد کرتے ہیں اور اہل تصوف اعمال میں فساد پیدا کرتے ہیں اور شرعی قوانین کو منہدم کرتے ہیں' بطالت اور خوش آوازی کو پسند کرتے ہیں' حالانکہ سلف ایسے نہ تھے بلکہ وہ تو عقائد کے بارے میں تسلیم کے بندے تھے اور اعمال کے حق میں کمال جفاکش تھے' صوفیہ کی بطالت سے اپنی معاش میں مشغول ہونا بہتر ہے اور ظواہر پر موقوف کرنا بے ہودگی میں پڑ جانے سے اچھا

ہے' ان دونوں فریق کے طریق کو میں نے جانچا تو اہل کلام کی انتہا تو شک ہے اور اہل تصوف کا انجام شطح ہے۔

صوفیہ نے جو اہل حدیث کی نسبت یوں کہا کہ انہوں نے مرے ہوؤں سے اپنا علم لیا ہے تو گویا نبوت پر طعن کیا اور جس نے یہ کہا حدثنی قلبی عن ربی تو صریح ظاہر ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی ہے اور جب صریحاً یہ معلوم ہوا تو وہ شخص کافر ہو گیا اور شریعت کے نزدیک اس کلمہ کے تحت میں یہ زندقہ پایا جاتا ہے اور ہم جس شخص کو دیکھیں گے کہ نقل پر حرف گیری کرتا ہے تو جان لیں گے کہ اس نے امر شرع کو بیکار کر دیا اور یہ شخص جو کہتا ہے حدثنی قلبی عن ربی اس بات سے کیوں بے خوف ہے کہ یہ شیطان کے القاء سے ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم (الانعام پ ۸ آیت ۱۲۱) یعنی شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں اور اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے' کیوں کہ اس شخص نے معصوم کی دلیل چھوڑ دی اور اس پر اعتماد کیا جو اس کے دل میں القاء ہوتا ہے حالانکہ اس کے دل کا وسواس سے محفوظ رہنا ثابت نہیں' ان لوگوں کے دل میں جو بات آتی ہے اس کو خطرہ کہتے ہیں' ابن عقیل کہتے ہیں کہ شریعت پر حملہ کرنے والے بہت ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اہل نقل کے اس کے اصل کی حفاظت کے لیے ان کو روکتا ہے اور بذریعہ فقہاء کے اس کے معنی کی حفاظت کے لیے ان کو روکتا ہے' اور فقہاء اور علماء' دلائل شعائر ہیں جن کے سامنے کذابوں کا سر نہیں اٹھتا۔

ابن عقیل نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ جو کوئی یہ چاہے کہ اجرت دے کر اپنا گھر خراب کرے تو صوفیہ کی صحبت میں رہے اور میں کہتا ہوں کہ فقط گھر ہی نہیں بلکہ دین بھی خراب کرے کیونکہ صوفیہ نے عورتوں کو اجنبی مردوں کے کپڑے پہنانا جائز رکھا ہے' جب یہ لوگ سماع و طرب کے جلسہ میں ہوتے ہیں تو اکثر اس درمیان میں عورتوں سے باتیں ہوتی ہیں ایک شخص کی آنکھیں ایک عورت کی طرف گڑ کے رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا وہ دعوت کا جلسہ دو شخصوں کے لیے بزم شادی ہو جاتا ہے' حاضرین محفل جانے نہیں پاتے کہ ایک شخص کا دل دوسرے پر آ جاتا ہے اور ایک طبیعت دوسری طبیعت پر مائل ہو جاتی ہے'

عورت اپنے خاوند سے بدل جاتی ہے' اب اگر خاوند اس پر رضا مند ہوگا تو اس کو دیوث کہا جائے گا اور اگر عورت کو روک رکھے گا تو وہ اس سے طلاق مانگے گی اور جس نے خرقہ پہنایا ہے اس سے ملے گی اور ایسے شخص سے اختلاط رکھے گی جس میں حرارت کی طاقت ہے اور نہ طبیعت کو باز رکھ سکتا ہے اور لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے کہ فلاں عورت نے توبہ کی' شیخ نے اس کو خرقہ پہنایا تھا وہ اس کی بیٹیوں میں شامل ہو گئی اور اس پر قناعت نہیں کرتے کہ یوں کہیں یہ لعب اور خطا ہے بلکہ یوں ہے کہ یہ مردوں کے مقامات ہیں' حالانکہ ان عورتوں کے حق میں موت ہے' کتاب و سنت کا حکم دلوں سے اٹھ جاتا ہے' یہاں تک ابن عقیل رحمہ اللہ کا کلام تھا جو نقل کیا گیا' حقیقت میں ابن عقیلؒ بڑے نقاد اور اعلیٰ درجے کے فقیہ تھے۔

ابو محمد عبدالرحمان بن عمر تجیبی کہتے ہیں کہ حسن بن علی بن سیار نے یہ چند شعر کہے ہیں۔

رایت قوما علیھم سمه الخیر
بحمل الرکاء مبتھله

میں نے ایک قوم کو دیکھا جو بظاہر اچھے لوگ ہیں مشکیزہ یا لوٹا لیے پھرتے ہیں۔

اعتزلو الناس فی جوامعھم
سالت عنھم فقیل متکله

لوگوں سے کنارہ کش ہو کر ایک جگہ بیٹھ رہے میں نے لوگوں سے ان کا حال پوچھا تو جواب ملا کہ اہل توکل ہیں

صوفیه للقضاء صابره
ساکنه تحت حکمه نزله

صوفیہ ہیں اور قضائے الٰہی پر صابر ہیں جو اس کا حکم نازل ہو اس پر ٹھہرے ہوئے ہیں'

فقلت اذ ذاک ھولاء ھم
الناس ومن دون ھولاء رزله

میں نے یہ سن کر (دل میں) کہا کہ دراصل یہ یہی لوگ انسان ہیں اور اس کے سوا

سب رذیل ہیں'

فلم ازل خادما لهم زمنا
حتی تبینت انهم سفله

لہٰذا ایک زمانہ تک ان کی خدمت کرتا رہا یہاں تک کہ بعد میں ثابت ہوا کہ وہ لوگ کمینے ہیں۔

ان اکلوا کان اکلهم سرفا
اولبسوا کان شهر ة مثله
سل شیخهم والکبیر مختبر
عن فرضه لا تخاله عقله

اگر کھانے پر آمادہ ہوں تو ان کا کھانا اسراف ہے اور اگر پہنتے ہیں تو شہرت اور نمائش کے لیے ہوتا ہے' ان کے پیر اور ان کے بڑے سے امتحان کے طور پر اس کا فرض دریافت کرو تو ضرور غافل پاؤ گے۔

واساله عن وصف شادن غنج
مدلل لا تراه قد جهله

اور کسی ناز و کرشمہ والے معشوق کی تعریف پوچھو تو ہرگز ناواقف نہ دیکھو گے۔

علمهم بینهم اذا جلسوا
کعلم راعی الرعاع والرذله

جب وہ باہم جمع ہو کر بیٹھتے ہیں تو ان کا علم وہی ہے جو چرواہوں اور کمینوں اور رذیلوں کا علم ہے۔

الوقت والحال والحقیقه و
البرهان والعکس عندهم مثله

وقت اور حال حقیقت اور برہان اور عکس ان کے نزدیک سب برابر ہیں۔

قد لبسو الصرف کی یروا صلحا
وهم شرار الذیاب والحفله

انہوں نے صوف کا لباس اس لیے پہنا ہے کہ نیک معلوم ہوں حالانکہ وہ شریر بھیڑیئے اور حیلہ ساز ہیں'

وجانبو الکسب والمعاش
یستا صلوا الناس شرھا اکلہ ۔

کسب و معاش سے اس لیے الگ ہو گئے ہیں کہ لوگوں کی بیخ کنی کریں ان کا مال شرارت سے کھا جائیں

ولیس من عفہ ولا دعہ
الیھم تب فانھم بطلہ

کسب کا چھوڑ دینا کچھ عفت اور پرہیز گاری کی خاطر نہیں بلکہ بیکاری کی راحت حاصل کرنے کی غرض سے ہے'

فقل لمن مال بیاختداعھم
الیھم تب فانھم بطلہ

جو شخص ان کے مکر کی وجہ سے ان کی طرف مائل ہو اس سے کہدو کہ ان سے دور رہو کیونکہ وہ اہل بطالت ہیں'

واستغفر اللہ من کلا مھم
ولا تعاود العشر ۃ الجھلہ

اور ان کے ساتھ گفتگو سے خدا کی پناہ مانگو اور پھر کبھی ان جاہلوں کی صحبت میں نہ جاؤ۔ صوری کہتے ہیں کہ بعض شیوخ نے مجھ کو یہ چند اشعار سنائے

اھل التصوف قد مضوا
صارا لتصوف مخرقہ

جو اہل تصوف تھے وہ گزر گئے۔ اب تو تصوف دروغ گوئی ہو گیا ہے۔

صارا لتصوف صیحہ
وتواجداو مطبقہ

چیخنا' وجد کرنا اور تالیاں بجانا تصوف رہ گیا ہے۔

تجری علیک صروفہ
وھموم سرک مطرقہ

تو زمانے کی گردشیں اٹھا رہا ہے اور تیرے دل کی خواہشات رکی ہوئی ہیں

كذبتك نفسك ليس ذا
سنن الطريق الملحظه

تیرا نفس تجھ سے جھوٹ بولتا ہے خبردار! یہ طریق راست نہیں ہے۔

باب یازدھم

ان لوگوں پر تلبیس ابلیس کا بیان جو کرامت کے مشابہ کیفیت کو دین سمجھتے ہیں

مصنفؒ نے کہا ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ ابلیس کم علمی کے مطابق انسان پر قابو پاتا ہے جس قدر انسان کا علم کم ہو گا اسی قدر ابلیس زیادہ قابو پائے گا اور جتنا علم زیادہ ہو گا اتنا ہی اس کا قابو کم ہو گا' عبادت کرنے والوں میں سے کسی کو روشنی یا نور آسمان پر نظر آتا ہے تو اگر یہ کیفیت ماہ رمضان میں ہوتی ہے تو کہتا ہے یہ میں نے شب قدر دیکھی' ورنہ کہتا ہے کہ آسمان کے دروازے کھل گئے تھے' بعض اوقات جس چیز کی اس کو تلاش ہوتی ہے اتفاق سے وہ مل جاتی ہے تو اس کو کرامت خیال کر بیٹھتا ہے حالانکہ کبھی تو کرامت ہوتی ہے اور کبھی اتفاقیہ ایسا ہو جاتا ہے اور کبھی امتحاناً ہوتا ہے اور کبھی شیطان کے فریب سے ہوا کرتا ہے اور عاقل کی ایسی باتوں سے تسکین نہیں ہوتی خواہ کرامت کیوں نہ ہو' ہم زاہدوں کے باب میں اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

مالک بن دینار اور حبیب عجمی کہتے ہیں کہ شیطان قاریوں کے ساتھ اس طرح کھیلتا ہے جیسے لڑکے اخروٹوں سے کھیلتے ہیں' مصنفؒ نے کہا کہ شیطان نے ایک کم عقل زاہد کو دھوکا دیا کہ اس کو کرامت کے مشابہ دکھا دیا' حتیٰ کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا' وہ مسجد میں آ کر فرش کو ہاتھ سے کریدتا تو جو کنکریاں اس کے ہاتھ میں آتی تھیں تسبیح پڑھا کرتی تھیں اور وہ شخص لوگوں کو گرمی کے میوے جاڑوں میں کھلایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا آؤ تم کو فرشتے دکھا دوں اور بہت سی چیزیں دکھاتا تھا' شیطان اس شخص کے ساتھ کھیلتا تھا' اہل بصرہ میں سے ایک آدمی بیت المقدس کو گیا وہاں حارث کذاب سے ملا' حارث نے پہلے حمد الٰہی کی' پھر اپنا قصہ سنایا اور کہا میں نبی مرسل خدا کی طرف سے مبعوث ہوں' بصری نے کہا کہ تمہارا کلام تو اچھا ہے' لیکن یہ معاملہ غور طلب ہے' اس نے کہا غور کر۔ یہ کہہ کر

وہاں سے چلا آیا' پھر دوبارہ اس کے پاس گیا' اس نے اپنا کلام دہرایا' بصری نے جواب دیا کہ تمہاری باتیں عمدہ ہیں اور میرے دل میں گھر کر گئیں اور میں تم پر ایمان لے آیا' یہ تمہارا دین راست ہے' حارث نے اس کو حکم دیا کہ مجھ سے غائب نہ رہنا بصری نے منظور کیا اور اس کے پاس جانے آنے لگا اور اس کے اندر باہر کے سب ٹھکانے معلوم کرنے لگا کہ کہاں کہاں بھاگ کر ٹھکانا لیتا ہے' یہاں تک کہ حارث کے خاص مقربوں میں سے ہو گیا اس کے بعد اس سے بولا کہ اب آپ مجھ کو اجازت دیجئے حارث نے پوچھا کہاں جانے کی اجازت مانگتے ہو' جواب دیا کہ بصرہ جا کر سب سے پیشتر لوگوں کو آپ کے دین کی طرف بلاؤں' حارث نے اجازت دی' وہ شخص فوراً بصرہ میں عبدالملک کے پاس گیا' جب عبدالملک کے خیمہ کے قریب ہوا تو چلا کر بولا کہ نصیحت نصیحت لشکر والوں نے پوچھا کہ کیسی نصیحت ہے جواب دیا کہ امیرالمومنین کے لیے ایک نصیحت لایا ہوں عبدالملک کو اطلاع ہوئی' حکم دیا کہ اس کو آنے کی اجازت دیں' وہ شخص خیمہ میں داخل ہوا' عبدالملک کے پاس اصحاب بیٹھے تھے' کہتے ہیں کہ وہ چلایا کہ نصیحت! کہا کیا نصیحت اس شخص نے کہا کہ خلوت کیجئے کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ ہو عبدالملک نے سب کو باہر کر دیا اور کہا کہ قریب آ کر بیان کرو وہ قریب آیا عبدالملک تخت پر بیٹھا تھا' پوچھا کہ کیا خیر لایا ہے؟ جواب دیا کہ حارث کی خبر ہے' عبدالملک نے جب حارث کا نام سنا تو غضب ناک ہو کر تخت سے نیچے اتر آیا اور پوچھا کہ وہ کہاں ہے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین وہ بیت المقدس میں ہے میں نے اس کے اندر باہر کے سب ٹھکانے معلوم کر لیے ہیں اس کا تمام قصہ جو گزرا تھا بیان کیا عبدالملک نے کہا کہ تجھ کو یہاں کی اور بیت المقدس کی حکومت بخشی جو کچھ تو مجھ سے کہے وہ کروں کہنے لگا کہ آپ میرے لیے بیت المقدس کی تمام شمعیں یک جا کرایئے اور ہر ایک شمع ایک آدمی کو دیجئے اور سب کو بیت المقدس کی گلیوں پر ترتیب وار کھڑا کیجئے جب میں حکم دوں کہ روشن کرو تو سب شمعیں روشن کر لیں' یہ انتظام کر کے وہ بصری اکیلا حارث کے مقام پر گیا' دروازے پر کھڑا ہو کر دربان سے کہا میرے لیے نبی اللہ سے اجازت لو' دربان نے کہا یہ وقت ان سے ملنے کا نہیں وہ شخص بولا کہ ان کو میرا پتہ نشان دو' دربان گیا اور اس شخص کا پتہ بتایا حارث نے حکم دیا

کہ دروازہ کھول دو' بصری نے پکار کر کہا روشن کرو تمام شمعیں روشن ہو گئیں گویا دن نکل آیا' اور لوگوں کو حکم دیا کہ جو کوئی تمہاری طرف سے گزرے اس کو گرفتار کر لو' یہ کہہ کر خود حارث کی منزل میں گیا جس کو پہچانتا تھا وہاں ڈھونڈا تو حارث کو نہ پایا۔ حارث کے اصحاب بولے کہ ہیہات تم پیغمبر خدا کو قتل کرنا چاہتے ہو جو آسمان پر اٹھالیا گیا' بصری نے اس کو تلاش کیا تو ایک گڑھے میں پایا جو اس نے تیار کر رکھا تھا' بصری نے اپنا ہاتھ اس تنگ گڑھے میں ڈالا اور اس کو باہر نکالا اور حکم دیا کہ اس کی مشکیں باندھ لو' لوگوں نے اس کو جکڑا اور گرفتار کر کے پڑاؤ در پڑاؤ عبدالملک کے پاس لائے' جب عبدالملک نے اس کی خبر سنی تو ایک سولی نصب کرنے کا حکم دیا اور ایک آدمی سے کہا کہ اس کو نیزہ مارے اس نے مارا تو نیزہ اس کی ایک پسلی میں آکر رہ گیا کچھ لوگ شور مچانے لگے کہ انبیاء پر ہتھیار چلانا روا نہیں' مسلمانوں میں سے ایک شخص نے جو یہ کیفیت دیکھی تو بڑھ کر حربہ لیا اور حارث کے بھونک کر اس کو مار ڈالا' ولید نے کہا میں نے سنا کہ عبدالملک کے پاس خالد بن یزید بن معاویہ نے آکر کہا اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو تم کو اس کے مار ڈالنے کی اجازت نہ دیتا۔ عبدالملک نے کہا' یہ کیوں' جواب دیا کہ اس کو فقط وحشت تھی' اگر تم اس کو بھوکا رکھتے تو زائل ہو جاتی۔

فصل

مصنفؒ نے کہا کہ کرامت کے مشابہ کوئی کرشمہ دیکھ کر اکثر صوفیہ بہک گئے ہیں۔ ایک شخص بیان کرتا ہے کہ آج مجھ کو چھ درہم کے لیے تشویش تھی جو مجھ پر قرض تھے' اتفاقاً فرات کے کنارے جا رہا تھا کہ چھ درم پڑے پائے' میں نے ان کو اٹھالیا تو پورے چھ تھے نہ کم نہ زیادہ اس شخص سے ابو عمران ابراہیم نخعی نے کہا کہ یہ درہم خیرات کر ڈالو کیونکہ تمہاری ملکیت نہیں' فقہاء کے کلام پر غور کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کیسا فریب کھانے سے دور رہتے ہیں ان درہموں کو لقطہ بتایا اور کرامت کی طرف توجہ نہ کی اور تعریف (تشہیر) کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ کوفیوں کے مذہب میں دینار سے کم کے لیے تعریف واجب نہیں' اور خیرات کرنے کا حکم شاید اس لیے دیا کہ وہ شخص اس کو کرامت

نہ سمجھے۔

ایک صوفی نے بیان کیا مجھے ایک روز وضو کرنے کی ضرورت ہوئی' یکایک کیا دیکھا کہ میرے سامنے ایک لوٹا جواہرات کا آیا اور ایک چاندی کی مسواک جس کا سرا ریشم سے زیادہ نرم تھا میں نے وہ مسواک کی اور اس لوٹے کے پانی سے وضو کیا اور وہ دونوں چیزیں وہیں چھوڑ کر چلا آیا۔ مصنف ؒ نے کہا اس شخص کی کم عقلی پر غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر یہ شخص فقہ کو سمجھتا تو جان لیتا کہ چاندی کا استعمال کرنا جائز نہیں لیکن چونکہ کم علم تھا للہذا اس کا استعمال کیا اور سمجھا کہ وہ کرامت ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے ساتھ اکرام نہیں فرماتا جس کے استعمال سے شرعاً منع کیا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ بطور امتحان کے اس کو اس کے لیے ظاہر کیا ہو۔

فصل

مصنف ؒ نے کہا کہ اہل عقل نے جب جان لیا کہ ابلیس کی فریب دہی بہت سخت ہے تو ان چیزوں سے پرہیز کیا جو بظاہر کرامت معلوم ہوتی ہیں' اس خوف سے کہ کہیں یہ بھی اس کا فریب نہ ہو' زہرون سے میں نے سنا کہتے تھے کہ مجھ سے پرندہ نے گفتگو کی' واقعہ یہ ہے کہ ایک بار میں جنگل میں تھا' وہاں لیٹ رہا' میں نے ایک سفید پرندہ دیکھا مجھ سے بولا کہ اے زہرون تم راہ بھولے ہوئے ہو' میں نے کہا اے شیطان کسی دوسرے کو دھوکا دینا' دوبارہ اس نے ایسا ہی کہا اور میں نے یہی جواب دیا' تیسری مرتبہ کود کر میرے شانہ پر آ بیٹھا اور بولا کہ میں شیطان نہیں ہوں واقعی تم راستہ بھولے ہوئے ہو مجھ کو خدا نے تمہارے پاس بھیجا ہے یہ کہہ کر غائب ہو گیا۔

محمد بن یحییٰ بن عمرو نے ہم سے بیان کیا کہ مجھ سے زلفی نے ذکر کیا کہ میں نے رابعہ عدویہ سے کہا اے چچی تم لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتی ہو؟ جواب دیا مجھ کو لوگوں سے امید ہی کیا ہے' یہی ہے کہ میرے پاس آئیں گے اور پھر مجھ پر ایسی باتیں جوڑ کر بیان کریں گے جو میں نہیں کرتی' سنتی ہوں لوگ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی جانماز کے تلے درہم پاتی ہوں اور میری ہنڈیا بغیر آگ کے پک جاتی ہے' زلفی کہتی ہیں

میں نے کہا لوگ تو تمہاری نسبت بہت سی باتیں بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ رابعہ کو اپ گھر میں کھانا اور پانی مل جاتا ہے کیا واقعی تم کو ملتا ہے؟ جواب دیا کہ اے بھتیجی اگر مجھ کو میرے گھر میں کچھ ملتا بھی تو میں اس کو ہاتھ نہ لگاتی ایک روز جاڑے میں میں نے روزہ رکھا' میرے نفس نے کچھ گرم کھانا مانگا جس پر افطار کروں میرے پاس چربی تھی' میں نے جی میں کہا کہ اگر اس کے ساتھ پیاز ہوتی تو اس میں ملا لیتی' اتنے میں ایک پرندہ آیا اور اس کی چونچ میں سے ایک پیاز گری' جب میں نے اس کو دیکھا تو اپنے ارادہ سے باز آئی اور ڈری کہ کہیں یہ شیطان کی طرف سے نہ ہو۔

وہیب کی نسبت میں نے سنا ہے کہ لوگ خواب میں دیکھا کرتے تھے کہ وہیب بہشتی ہیں' وہیب کو اس کی خبر ہوئی تو بہت روئے اور کہا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ شیطان کا فریب نہ ہو' ابو حفص نیشاپوری کی نسبت سنا ہے کہ ایک روز باہر نکلے اور ان کے ساتھ ان کے سفر کے ہمراہی تھے ایک جگہ بیٹھ رہے اور ان کے گرد ان کے اصحاب تھے' ان کو کچھ باتیں سنائیں جس سے ان کے دل خوش ہوئے اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بارہ سینگا پہاڑ سے اترا اور شیخ کے سامنے آ بیٹھا' شیخ بہت روئے جب کچھ ٹھہرے تو لوگوں نے عرض کیا اے استاد تم نے ہم کو وعظ سنایا ہم خوش دل ہوئے' جب یہ وحشی جانور آ کر تمہارے سامنے بیٹھا تو تم کو بے قرار کیا اور رلا دیا' جواب دیا کہ ہاں' میں نے اپنے گرد تمہارا مجمع دیکھا اور تمہارے دل خوش ہوئے میرے دل میں یہ بات آئی کہ اگر اس وقت کوئی بکری ہوتی تو اس کو ذبح کرتا اور تمہاری دعوت کرتا' یہ خطرہ ہنوز اچھی طرح دل نشین نہ ہوا تھا کہ یہ وحشی جانور آیا اور میرے سامنے بیٹھ گیا' مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں میں فرعون کے مانند تو نہ ہوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے دریائے نیل کے جاری ہونے کا سوال کیا تھا خدا نے اس کو جاری کر دیا' میں نے سوچا کہ میں کیونکر اس بات سے بے خوف ہو سکتا ہوں کہ میرا تمام حصہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دنیا میں عطا فرمائے اور آخرت میں فقیر تہی دست رہ جاؤں' اسی خیال نے مجھ کو بے قرار کر دیا۔

ایک شخص نے ہمارے زمانے میں کورا لوٹا لیا' اس میں شہد ڈالا' اس لوٹے نے شہد کا مزہ جذب کر لیا' وہ شخص ایک سفر میں لوٹے کو ساتھ لے گیا' جب بھی نہر سے اس میں

پانی بھرتا تھا اور اپنے ساتھیوں کو پلاتا تھا وہ اس میں شہد کا مزہ پاتے تھے۔

باب دوازدہم

عوام پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنفؒ نے کہا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ شیطان کا فریب بمقدار جہالت کے قوت پاتا ہے عوام کو ایسے ایسے فتنوں میں ڈال رکھا ہے کہ بوجہ کثرت کے ان کا ذکر غیر ممکن ہے' ہم فقط اصول ذکر کرتے ہیں انہیں پر ان کے مثل کو قیاس کرنا چاہیے' وہ یہ کہ شیطان ایک عامی کے پاس آتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں غور کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے لہٰذا وہ عامی اللہ تعالیٰ کے لیے صورت قرار دیتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی خبر دی ہے' چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ عجیب عجیب سوال کریں گے حتیٰ کہ پوچھا جائے گا کہ ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک عراقی آدمی نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم کو تو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا خدا کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ سن کر میں نے اپنے کانوں میں انگلی کر لی اور باواز بلند کہا صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الواحد الاحد الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد

مصنفؒ نے کہا یہ خرابی اس لیے واقع ہوئی کہ حواس غالب ہے کیونکہ حس کو جو چیز نظر آتی ہے وہ کسی کی بنائی ہوئی ہوتی ہے' اس عامی کو جواب دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے زمان کو غیر زمان میں اور مکان کو غیر مکان میں پیدا کیا' جب کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے لامکان میں ہے اور اس کے نیچے کچھ نہیں' حالانکہ تمہارا حس اس کو بعید جانتا ہے کیونکہ اس نے ہر چیز کو مکان ہی میں پایا' تو وہ ذات کس طرح حس سے طلب کی جا سکتی ہے جس کو حس سے نہیں پہچان سکتے' تم اس بارے میں اپنی عقل سے مشاورت کرو کیونکہ عقل اچھی مشیر ہے۔

شیطان کبھی تقاضائے حس کے مطابق فریب دیتا ہے لہٰذا عوام تشبیہ کا عقیدہ رکھتے

ہیں' اور کبھی تعصب مذہبی کی رو سے بہکاتا ہے' لہٰذا ایک عامی ایسے امر کے بارے میں جس کی وہ حقیقت نہیں جانتا' گالی گلوچ اور مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے' بعض تعصب سے خاص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برا مانتے ہیں' بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص کرتے ہیں' اور اس میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں' اہل کرخ البصرہ اور اہل باب البصرہ میں باہم اسی بنا پر برسوں جنگ و قتال اور آتش زنی رہی جس کا بیان بہت طویل ہے' اکثر لوگ جو اس بارے میں بحث کرتے ہیں' وہ ہیں جو ریشم پہنتے ہیں شراب پیتے ہیں اور بے خطا لوگوں کا خون بہاتے ہیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ ایسے شخصوں سے بیزار ہیں۔

عوام میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے خدا خود ہی مقدر کرے اور پھر عذاب کرے' بعض کہتے ہیں خدا نے متقی کو تنگ دست اور گنہگار کو فارغ البال کیوں کیا' بعض ایسے ہیں کہ خدا کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں' جب کوئی بلا آتی ہے تو پھر جاتے ہیں اور کفر کرتے ہیں' بعض کہتے ہیں کہ جسموں کو بنا کر بگاڑ ڈالنے میں کیا حکمت ہے' بعض قیامت کے قائل نہیں' بعض ایسے ہیں کہ ان کا مقصد بر نہ آیا یا کسی بلا میں مبتلا ہو گئے تو کفر اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھنا نہیں چاہتے اکثر اوقات کوئی فاجر نصرانی کسی مومن پر غالب آ جائے اس کو مار ڈالے یا مارے تو عوام کہتے ہیں کہ صلیب غالب ہو گئی' جب ایسا ہے تو ہم نماز کیوں پڑھیں' الغرض یہ تمام آفتیں جن سے عوام پر شیطان قابو پا گیا ہے اس لیے ہیں کہ یہ لوگ علم اور علماء سے دور ہیں' اگر اہل علم سے دریافت کرتے تو وہ ان کو بتاتے کہ اللہ تعالیٰ حکیم اور مالک ہے' پھر کچھ اعتراض نہ رہتا۔

فصل

مصنف ؒ نے کہا عوام میں بعض وہ ہیں جو اپنی عقل پر راضی ہیں اور علماء کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے' لہٰذا جب علماء کا فتویٰ ان کی غرض کے خلاف ہوتا ہے تو اس کو رد کرتے ہیں اور علماء میں نقص نکالتے ہیں' ابن عقیل کہا کرتے تھے کہ میں اتنے برسوں

زندہ رہا جب کبھی کسی کام والے کے کام میں ہاتھ ڈالا تو اس نے کہا تم نے میرا کام خراب کر دیا' اگر میں نے کہا میں عالم آدمی ہوں تو جواب دیا کہ خدا تمہارے علم میں برکت دے یہ تمہارا کام نہیں اگر تم کرتے ہوتے تو سمجھتے' حالانکہ اس کا کام ایک امر حسی تھا اور میں جس شغل میں ہوں وہ امر عقلی ہے' لہٰذا جب میں نے اس کو فتویٰ دیا تو قبول نہیں کیا۔

فصل

مصنفؒ نے کہا عوام کو شیطان نے ایک یہ دھوکا بھی دیا ہے کہ لوگ بناوٹی زاہدوں اور تارک الدنیا درویشوں کے بڑے جلدی معتقد ہوتے ہیں اور ان کو علماء پر ترجیح دیتے ہیں' یہ لوگ اگر سب سے بڑے جاہل کے جسم پر جبہ (درویش کا لباس) دیکھ لیں تو فوراً معتقد ہو جائیں اور اگر وہ سر کو جھکا لے اور خشوع و خضوع کا اظہار کرے تو فریفتہ ہونے میں دیر نہیں لگتی' اور کہتے ہیں کہ بھلا اس درویش اور فلاں عالم کا کیا مقابلہ یہ تارک الدنیا وہ طالب دنیا' یہ نہ اچھی غذائیں کھاتا ہے نہ شادی کرتا ہے' حالانکہ محض جہالت ہے اور شریعت محمدیؐ کی تحقیر ہے' کہ ایسے زہد کو علم پر ترجیح دی جائے' محمد بن عبداللہ کی شریعت کو چھوڑ کر زاہدوں کو اختیار کیا جائے' خدا کا بڑا احسان ہے کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے' ورنہ اگر آپ ﷺ کو شادیاں کرتے پاک و صاف کھاتے اور میٹھے اور شہد کی رغبت رکھتے ہوئے پاتے تو آپ سے بھی بد اعتقاد ہو جاتے۔

فصل

مصنفؒ نے کہا کہ اکثر عوام کی توجہ اور رغبت مسافر اور بیرونی زاہدوں کی طرف ہے ان کو اختیار کرتے ہیں اور اپنے شہر والوں کو چھوڑتے ہیں' جن کی حالت آزما چکے اور عقیدہ پہچان چکے' حالانکہ اپنے آپ کو اسی کے حوالے کرنا چاہیے جس کی معرفت کا امتحان ہو چکا' اللہ فرماتا ہے **فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم** (النساء پ ۴ آیت ۶) یعنی جب تم یتیموں کو دیکھو کہ ان میں رشد ہے تو ان کا

مال ان کے حوالے کرو' اور نیز اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلقت کی طرف بھیج کر احسان فرمایا ہے کہ کفار آپ کا حال خوب جانتے ہیں' ارشاد ہوتا ہے **لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم** (ال عمران پ ۴ آیت ۱۶۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک رسول بھیجا اور فرمایا **یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم** (البقرہ پ ۲ آیت ۱۴۶) یعنی یہ لوگ آپ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں' بعض عوام کہتے ہیں کہ خدا کریم ہے اور اس کا عفو وسیع ہے اور رجا عین ایمان ہے' اپنی خام خیالی اور دھوکا کھانے کا نام رجا رکھا ہے اور اسی بات نے عام گنہگاروں کو ہلاک کر دیا۔

ابو عمرو بن العلاء نے کہا کہ فرزوق ایک جماعت میں بیٹھا جو رحمت الٰہی کا ذکر کرتے ہیں فرزوق رحمت کے امیدوار ہونے میں سب سے زیادہ فراخ سینہ تھا' لوگوں نے اس سے کہا کہ تو پاکدامن عورتوں کو تہمت کیوں لگایا کرتا ہے' جواب دیا کہ بھلا مجھ کو یہ تو بتاؤ کہ جو گناہ میں اپنے پروردگار کا کرتا ہوں' اگر یہی گناہ اپنے ماں باپ کا کروں تو کیا ان کا دل اس بات کو گوارا کرے گا کہ مجھ کو تنور میں جھونک دیں' لوگوں نے کہا نہیں بلکہ تجھ پر رحم کریں گے' بولا کہ مجھ کو اپنے پروردگار کی رحمت پر ماں باپ سے زیادہ وثوق ہے' مصنف ؒ نے کہا یہ خیال محض جہالت ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت رقت طبع سے نہیں اور اگر ایسا ہوتا تو نہ کوئی چڑیا ذبح ہونے پاتی اور نہ کوئی بچہ مرتا اور نہ کوئی دوزخ میں جاتا۔

اصمعی نے کہا میں ابو نواس کے ساتھ مکہ میں تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک امرد لڑکا حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے' ابو نواس مجھے کہنے لگا کہ واللہ میں حجر اسود کے پاس سے لڑکے کا بوسہ لیے بغیر نہ ٹلوں گا' میں نے کہا تجھ پر خدا کی مار خدا سے ڈر' اس وقت تو حرمت والے شہر میں ہے اور خدا کے گھر کے پاس ہے' جواب دیا کہ میں اس میں مجبور ہوں' یہ کہہ کر سنگ اسود کے پاس گیا لڑکا آیا ابو نواس نے بڑھ کر اپنا رخسارہ لڑکے کے رخسار پر رکھ کر اس کا بوسہ لیا' میں نے کہا وائے ہو تجھ پر اللہ تعالیٰ کے حرم میں ایسا کرتا ہے' بولا کہ یہ

باتیں رہنے دو' میرا پروردگار رحیم ہے' پھر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے' عاشق و معشوق کے رخسارے حجر اسود کو بوسہ دینے کے وقت باہم مل گئے۔ عاشق کی مراد بر آئی اور دونوں پر کچھ گناہ بھی نہ ہوا' گویا وہ دونوں وعدہ کر چکے تھے۔

مصنف ؒ نے کہا اس جرات پر غور کرنا چاہیے جس میں وہ رحمت کی طرف دیکھتا ہے اور اس حرمت کی قید توڑنے پر عذاب کی سختی بھولتا ہے' ابو نواس کے مرض موت میں لوگ اس کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اب توبہ کرو' جواب دیا کہ کیا تم مجھے ڈراتے ہو' مجھ سے حماد ابن سلمہ نے بیان کیا کہ یزید رقاشی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک نبی کے لیے ایک شفاعت ہے اور میں نے اپنی شفاعت اپنی امت کے اہل کبائر کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے تو کیا عجب ہے کہ میں بھی انہیں میں سے ہوں۔

مصنف ؒ نے کہا اس شخص نے دو وجہ سے خطا کی' ایک تو یہ کہ جانب رحمت کو دیکھا اور جانب عذاب پر غور نہ کیا' دوسرے اس بات کو بھول گیا کہ رحمت فقط توبہ کرنے والے کے واسطے ہے' چنانچہ فرمایا وانی لغفار لمن تاب (طٰہٰ پ ۱۶ آیت ۸۲) یعنی جو توبہ کرتا ہے میں اس کا بخشنے والا ہوں۔ اور فرمایا ورحمتی وسعت کل شیئی فساکتبھا للذین یتقون (الاعراف پ ۹ آیت ۱۵۶) یعنی میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے میں اس کو متقیوں کے لیے لازم کروں گا۔ یہ تھے شیطان کے فریب جس سے وہ عامہ عوام کو ہلاک کرتا ہے۔

فصل

بعض عوام کہتے ہیں کہ یہ علماء لوگ حدود الٰہی کی نگہداشت نہیں کرتے' فلاں ایسا کرتا ہے اور فلاں ایسا کرتا ہے' بس میری حالت ٹھیک ہے' اس شیطانی فریب کا اظہار اس طور پر ہے کہ تکلیف شرعی کے بارے میں جاہل اور عالم برابر ہیں' لہٰذا عالم پر خواہش نفسانی کا غلبہ ہونا جاہل کے لیے عذر نہ ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ ہمارے گناہ ہی کس قدر ہیں جو ہم کو عذاب ہوگا اور ہم کون ہیں

جن سے مواخذہ ہو گا' ہمارے گناہ سے خدا کا کچھ نقصان نہیں اور ہماری اطاعت سے اس کو کوئی نفع نہیں اور اس کا عفو ہمارے جرم سے عظیم تر ہے چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے کہا خدا کے سامنے میری حقیقت ہی کیا ہے کہ میں گناہ کروں اور وہ میرا گناہ نہ بخشے حالانکہ یہ بہت بڑی حماقت ہے' شاید ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی ضد اور مثل سے مواخذہ کرتا ہے' یہ نہیں جانتے کہ مخالفت کی وجہ سے یہ لوگ معاند کے مقام میں ہوں گے۔

بعض عوام کہتے ہیں کہ ہم آئندہ توبہ کرلیں گے اور نیک بن جائیں گے حالانکہ بہت سے امید کرنے والے اپنی امید سے رہ گئے اور موت نے پہلے ہی خاتمہ کر دیا' خطا میں جلدی کرنا اور راستی میں منتظر رہنا تو کوئی احتیاط نہیں' بسا اوقات توبہ میسر نہیں ہوتی اور اکثر توبہ ٹھیک نہیں ہوتی اور بعض دفعہ قبول نہیں ہوتی پھر اگر توبہ قبول بھی ہو گئی تو گناہ کی شرمندگی ہمیشہ رہتی ہے' لہٰذا گناہ کے خیال کو ہٹانا حتیٰ کہ دور رہے اس بات سے آسان ہے کہ توبہ کی محنت اٹھائے' حتیٰ کہ قبول ہو یا نہ ہو۔

بعض ایسے ہیں کہ توبہ کرتے ہیں اور پھر توڑ ڈالتے ہیں شیطان نے ان کے ارادہ کا ضعف معلوم کر کے ان کو اپنے مکر میں پھنسا لیا' مبارک بن فضالہ نے بیان کیا کہ حسن نے کہا جب تجھ کو شیطان ہمیشہ خدا کی اطاعت میں دیکھتا ہے تو تیرا ماتم کرتا ہے اور جب اپنا محکوم پاتا ہے تو تجھ کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ تو کبھی ویسا ہے اور کبھی ایسا ہے تو طمع کرتا ہے'

عوام کے لیے یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے کہ کسی کا کوئی نسب ہوتا ہے تو اپنے نسب پر مغرور ہو جاتا ہے' ایک کہتا ہے کہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں دوسرا کہتا ہے میں اولاد علی رضی اللہ عنہ ہوں' تیسرا کہتا ہے میرا نسب فلاں عالم یا فلاں زاہد سے ملتا ہے' یہ لوگ اپنے اس معاملہ کی بنا دو باتوں پر رکھتے ہیں' ایک تو یہ کہ جو شخص کسی آدمی سے محبت رکھے گا اس کی اولاد اور اس کے گھر والوں کو بھی چاہے گا دوسرے یہ کہ بزرگوں کے لیے شفاعت ہے اور ان کی شفاعت کی زیادہ حقدار ان کی اولاد ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں' رہی محبت سو اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی نہیں جیسی آدمیوں کی محبت ہے وہ تو اس شخص

سے محبت رکھتا ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے' اہل کتاب بھی تو یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں ان کو اپنے باپ دادا سے کچھ نفع نہیں اور اگر باپ کی محبت اثر کرتی تو بغض بھی ضرور اثر کرتا' باقی رہی شفاعت تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولا یشفعون الا لمن ارتضی** (الانبیاء پ ۱۷ آیت ۲۸) یعنی شفاعت اسی کی کریں گے جن کے لیے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا' نوح علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو کشتی میں بٹھانا چاہا تو ارشاد ہوا **انه لیس من اهلك** (ھود پ ۱۲ آیت ۴۶) یعنی اے نوح یہ تمہارا لڑکا تمہاری اہل میں سے نہیں ہے' حضرت ابراہیم کی شفاعت اپنے باپ کے حق میں اور ہمارے نبی کی شفاعت اپنی ماں کے حق میں قبول نہ ہوئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ خدا کے یہاں میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا' جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے باپ کی نجات سے اس کی بھی نجات ہو جائی گی اس کی مثل ایسی ہے جیسے کوئی یوں سمجھ بیٹھے کہ اس گے باپ کے کھانے سے اس کا بھی پیٹ بھر جائے گا۔

فصل

عوام کو شیطان کا ایک فریب یہ بھی ہے کہ وہ مرد صالح کی محبت پر اعتماد کرتے ہیں پھر اس کے بعد جو کچھ کریں اس کی پرواہ نہیں کرتے' ایک ان میں سے کہتا ہے کہ میں اہل سنت میں سے ہوں اور اہل سنت خیر پر ہیں اور پھر گناہ سے دور نہیں رہتا' یہ فریب اس طور سے دور کیا جائے کہ ان سے کہا جائے اعتقاد فرض ہے اور گناہوں سے بچنا بھی فرض ہے لہٰذا ان میں سے ایک دوسرے کو کفایت نہیں کرتا' اسی طرح رافضی کہتے ہیں کہ ہم اہل بیت کی محبت سے عذاب سے دور ہیں' حالانکہ وہ جھوٹ کہتے ہیں' کیونکہ فقط تقویٰ عذاب کو دور رکھتا ہے' بعض کہتے ہیں کہ ہم جماعت کو لازم پکڑے ہوئے ہیں اور خیر کرتے ہیں' یہ ہم سے عذاب کو دور رکھے گا' اس کا جواب بھی وہی پہلا جواب ہے۔

عیاروں پر لوگوں کے مال لینے میں تلبیس ابلیس کا بیان

ان لوگوں نے اپنا نام جواں مرد رکھا ہے کہ جواں مرد نہ زنا کرتا ہے اور نہ جھوٹ بولتا ہے اور حرمت کی حفاظت کرتا ہے اور کسی عورت کی پردہ دری نہیں کرتا' یہ لوگ باوجود ان سب باتوں کے لوگوں کا مال لوٹنے سے پرہیز نہیں کرتے اور اس بات میں مشہور ہیں کہ مال حرام کے لیے اپنے کلیجے جلا دیتے ہیں' اور اپنے طریقہ کا نام جواں مردی رکھا ہے' بسا اوقات ان میں سے کوئی قسم کھاتا ہے کہ **بحق الفتوۃ** یعنی جواں مردی کی قسم' پھر نہ کچھ کھاتا ہے' نہ پیتا ہے' جو ان کے طریقہ میں داخل ہو اس کا لباس و پائجامہ مقرر کرتے ہیں' جیسے صوفیہ نے مرید کا لباس مرقعہ رکھا ہے اکثر اوقات ان میں سے کوئی اپنی بیٹی یا بہن سے ایسا کلمہ سنتا ہے جو شان کے خلاف ہو اور بسا اوقات وہ منحرف ہو جاتی ہے تو اس کو مار ڈالتا ہے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ جوانمردی ہے' اکثر اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم مار پیٹ پر صابر ہیں۔

احمد بن حنبلؒ کے بیٹے عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں اکثر اپنے باپ سے سنا کرتا تھا کہ کہا کرتے تھے کہ ابوالہیثم پر خدا رحم کرے میں نے پوچھا ابوالہیثم کون ہے جواب دیا کہ ایک لوہار ہے جب سزا کے لیے میرے ہاتھ باندھے گئے اور کوڑے لگائے گئے' میں نے یکایک ایک آدمی کو دیکھا کہ میرے کپڑے پیچھے سے کھینچتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ تم مجھ کو پہچانتے ہو' میں نے کہا میں تم کو نہیں جانتا' جواب دیا کہ میں ابوالہیثم عیار طرار چور ہوں جس کا نام امیر المومنین کے دفتر میں لکھا ہے میں نے متفرق طور پر اٹھارہ ہزار کوڑے کھائے ہیں اور یہ سب ضرب دنیا کے لیے شیطان کی اطاعت پر تھی لہٰذا تم صبر کرو کہ دین کے لیے رحمان کی اطاعت پر ضرب کھاتے ہو۔

مصنفؒ نے کہا ابوالہیثم وہ ہے جس کو ابو خالد حداد کہتے ہیں' یہ شخص صبر کرنے میں ضرب المثل ہے' خلیفہ متوکل باللہ نے اس سے پوچھا' تیرا صبر کس حد تک ہے' جواب دیا کہ آپ ایک تھیلی میں بچھو بھر دیجئے پھر میں اس میں اپنا ہاتھ ڈال دوں' حالانکہ جس چیز سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مجھ کو بھی ایذا پہنچتی ہے' آخری کوڑے کی تکلیف

مجھ کو اسی قدر ہوتی ہے جس قدر پہلے کوڑے کی' جب مجھ پر ضرب پڑتی ہے اگر میں اس وقت اپنے منہ میں کپڑے کا ٹکڑا رکھ لوں تو میرے اندر سے جو حرارت نکلتی ہے اس کو جلا دے' لیکن میں نے اپنے نفس کو صبر پر قرار دیا ہے' یہ سن کر اس سے فتح نے کہا تجھ پر باوجود اس زبان اور عقل کے کیا چیز تم کو اس بطالت کی حالت پر آمادہ کرتی ہے' جواب دیا کہ میں ریاست کو پسند کرتا ہوں' متوکل یہ سن کر بولا کہ ہم خلیدی ہیں' فتح نے کہا کہ میں بھی خلیدی ہوں' کسی شخص نے خالد سے کہا! تم میں بھی گوشت اور خون ہے کیا ضرب سے تم کو تکلیف نہیں ہوتی' جواب دیا کیوں نہیں ہوتی' ضرب سے تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن ہم میں وہ قوی صبر ہے جو تم میں نہیں ہے' داؤد بن علی نے کہا جب خالد پکڑا آیا تو میں نے اس کو دیکھنا چاہا۔ اس کے پاس گیا' اس کو دیکھا کہ بیٹھا ہے لیکن ایک جانب قرار نہیں پکڑتا' کیونکہ کوڑوں کی ضرب کی وجہ سے اس کے سرین کا گوشت خراب ہو گیا تھا' اس کے گرد بہت سے جوان جمع تھے' آپس میں باتیں کرنے لگے کہ فلاں نے آج کوڑے کھائے اور فلاں کے ساتھ ایسا کیا گیا' خالد نے ان سے کہا کہ تم دوسروں کی باتیں کیوں کرتے ہو' تم بھی ایسا کرو تاکہ لوگ تمہاری باتیں کریں' مصنف ؒ نے کہا غور کرنا چاہیے شیطان ان لوگوں کے ساتھ کیسا کھیلتا ہے کہ تکلیف کی سختی پر صبر کرتے ہیں تاکہ ان کو شہرت حاصل ہو' اور اگر تھوڑے سے تقویٰ پر صبر کریں تو ان کو ثواب ملے' تعجب تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اس حال کو مرتبہ اور فضیلت خیال کرتے ہیں' حالانکہ بڑے گناہوں کے مرتکب ہیں۔

فصل

اکثر عوام نوافل پر اعتماد کرتے ہیں اور فرض کو ضائع کرتے ہیں' مثلاً مسجد میں اذان سے پہلے آتے ہیں اور نفل پڑھتے ہیں' پھر جب مقتدی ہو کر فرض ادا کرتے ہیں تو امام پر سبقت کرتے ہیں' بعض ایسے ہیں کہ فرائض کے وقتوں میں نہیں آتے اور لیلۃ الراغائب یعنی ماہ رجب کی ستائیسوں شب میں ہجوم کرتے ہیں' بعض وہ ہیں کہ عبادت کرتے ہیں اور روتے ہیں' حالانکہ بری باتوں پر اڑے ہوئے ہیں ان سے باز نہیں آتے'

اگر ان سے کوئی کچھ کہتا ہے تو کہتے ہیں کہ آدمی سے نیکی بدی دونوں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے' جمہور عوام اپنی رائے سے عبادت کرتے ہیں لہٰذا جس قدر بھلائی کرتا ہے اس سے زیادہ برائی کرتا ہے' میں نے ایک عامی کو دیکھا کہ قرآن حفظ کیا اور زاہد بنا پھر اپنے آپ کو مجبوب کر دیا یعنی اپنا عضو تناسل کاٹ ڈالا حالانکہ یہ افحش الفواحش ہے۔

فصل

شیطان نے بہت سے عوام کو یہ دھوکا دے رکھا ہے کہ وعظ و ذکر کی مجالس میں شریک ہونا اور متاثر ہو کر رونا ہی سب کچھ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ مقصود محفل خیر میں شرکت اور رقت ہے اس لیے واعظوں سے اس کے فضائل سنتے رہتے ہیں' اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ مقصود اصلی تو عمل ہے' جب آدمی سنی ہوئی دین کی باتوں پر عمل نہ کرے گا تو یہ سننا اور عمل نہ کرنا ان کے لیے گرفت کا باعث اور وبال جان ہے' میں ذاتی طور پر بہت سے آدمیوں کو جانتا ہوں جو سالہا سال سے مجلس وعظ میں شریک ہوتے ہیں اور روتے اور متاثر ہوتے ہیں' لیکن نہ سود لینا چھوڑتے ہیں' نہ تجارت میں دھوکہ دینے سے باز آتے ہیں' ارکان صلوٰۃ سے جیسے وہ بے خبر برسوں پہلے تھے ویسے ہی اب بھی ہیں' مسلمانوں کی غیبت' والدین کی نافرمانی میں جس طرح وہ پہلے مبتلا تھے اسی طرح اب بھی مبتلا ہیں' شیطان نے ان کو یہ فریب دے رکھا ہے کہ مجلس وعظ کی حاضری اور گریہ و بکا ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا' بعض کو یہ سمجھا رکھا ہے کہ علماء و صالحین کی صحبت ہی مغفرت کا ذریعہ ہے۔

فصل

مالدار لوگوں کو چار صورت سے شیطان نے فریب دیا' ایک تو مال حاصل ہونے کی جہت سے وہ کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ کیونکر حاصل ہوا' ان کے اکثر معاملات میں کھلم کھلا ربا (سود) ہے وہ اس کو بالکل بھولے ہوئے ہیں' حتیٰ کہ ان کے تمام معاملات اجماع سے خارج ہیں'

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس کو حلال ذریعہ سے مال حاصل ہوا یا حرام سے۔

دوسرے بخل کی جہت سے اکثر مالدار ایسے ہیں کہ عفو الٰہی پر بھروسہ کر کے زکوٰۃ نہیں نکالتے بعض ایسے ہیں کچھ زکوٰۃ کے لیے نکالتے ہیں پھر ان پر بخل غالب آتا ہے تو خیال کرتے ہیں کہ اسی قدر نکالا ہوا کافی ہے' بعض ایسے ہیں کہ زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرتے ہیں' مثلاً سال پورا ہونے سے پیشتر مال کو ہبہ کر دیتے ہیں اور پھر واپس لے لیتے ہیں اور بعض اس طور پر حیلہ کرتے ہیں کہ فقیر کو ایک کپڑا دیتے ہیں اور اس کی قیمت اس کو دس دینار بتاتے ہیں حالانکہ وہ دو دینار کے برابر ہوتا ہے اور یہ دینے والا جاہل خیال کرتا ہے کہ زکوٰۃ سے بری الذمہ ہو گیا اور بعض اس شخص کو زکوٰۃ دیتے ہیں جو سال بھر تک ان کی خدمت کرتا ہے اور در حقیقت وہ اجرت ہوتی ہے۔

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ٹکسال میں جب پہلے درہم ڈھالا گیا تو شیطان نے اس کو لے کر بوسہ دیا اور اس کو اپنی آنکھوں اور ناف پر رکھ کر کہا کہ تیرے ذریعہ سے میں سرکش بناؤں گا' اور تیری بدولت کافر بناؤں گا' میں فرزند آدم سے اس بات سے خوش ہوں کہ دینار کی محبت کی وجہ سے میری پرستش کرتا ہے اعمش نے شقیق سے روایت کیا کہ عبداللہ نے کہا کہ شیطان ہر عمدہ چیز کے ذریعہ سے انسان کو فریب دیتا ہے جب تنگ آ جاتا ہے تو اس کے مال میں لیٹ رہتا ہے اور اس کو کچھ خیرات کرنے سے باز رکھتا ہے۔ تیسرے کثرت مال کی حیثیت سے اس طور پر کہ اپنے آپ کو فقیر سے بہتر جانتا ہے' حالانکہ یہ نادانی ہے کیونکہ فضیلت ان فضائل سے حاصل ہوتی ہے جو نفس کے لیے لازم ہیں' پتھر جمع کرنے سے فضیلت نہیں حاصل ہوتی جو نفس سے خارج چیز ہے' کسی شاعر کا شعر ہے **غنی النفس لمن یعقل' خیر من غنی المال' وفضل النفس فی الا نفس' لیس الفضل فی الحال'**

ترجمہ! عقل مندوں کے نزدیک مال کی تونگری سے نفس کی تونگری بہتر ہے کیونکہ انسان کی فضیلت ذات میں ہوتی ہے حالت میں فضیلت نہیں ہوتی۔

چوتھے مال کے خرچ کرنے میں بعض ایسے ہیں کہ بطور فضول خرچی کے صرف کرتے ہیں کبھی مکان بنواتے ہیں جو مقدار ضرورت سے زائد ہوتا ہے' دیواروں کو خوب آراستہ کرتے ہیں' کمروں میں نقش و نگار کرتے ہیں' تصویریں بناتے ہیں تو سب کو نظر آئیں جس سے کبرو غرور ظاہر ہو اور کبھی کھانے ایسے تیار کرتے ہیں جن میں اسراف ہوتا ہے اور ان سب حرکتوں کا کرنے والا حرام یا مکروہ فعل سے محفوظ نہیں رہتا حالانکہ اس سے ہر چیز کا سوال ہو گا۔

انس بن مالکؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فرزند آدم اللہ تعالیٰ کے سامنے تیرے قدم نہ ہٹیں گے یہاں تک کہ تجھ سے چار چیزوں کا سوال ہو' ایک عمر کا کس کام میں فنا کی؟ دوسرے جسم کو کس چیز میں مبتلا رکھا؟ تیسرے مال کہاں سے حاصل کیا؟ چوتھے مال کس جگہ صرف کیا؟

بعض مالدار ایسے ہیں جو مساجد اور پلوں کی تعمیر میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں مگر ان کا مقصود ریا اور شہرت ہوتی ہے اور یہ کہ ان کا نام چلے اور یادگار رہے چنانچہ وہ اس تعمیر پر اپنا نام کندہ کرواتے ہیں' اگر رضائے الٰہی مقصود ہوتی تو اس کو کافی سمجھتے کہ اللہ دیکھتا ہے' اور جانتا ہے (نام کندہ کرانے کی کیا ضرورت) ایسے لوگوں سے اگر صرف دیوار بنانے کو کہا جائے جس پر ان کا نام کندہ نہ ہو تو وہ منظور نہ کریں گے۔

اسی طرح سے رمضان مبارک میں شہرت کے لیے موم بتیاں (چراغ) بھیجتے ہیں' حالانکہ ان کی مسجدوں میں سال بھر اندھیرا پڑا رہتا ہے اس لیے کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا تیل مسجد میں دینے سے وہ شہرت اور ناموری حاصل نہیں ہوتی' جو رمضان میں ایک موم بتی بھیج دینے سے حاصل ہوتی ہے حالانکہ اس شمع کی قیمت دے کر محتاجوں کو خوش کر دینا زیادہ بہتر تھا' اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت روشنی کرنے سے اسراف لازم آتا ہے جو ممنوع ہے مگر کیا کیا جائے ریا اپنا عمل کر رہی ہے' احمد بن حنبلؒ مسجد میں جایا کرتے تھے' آپ کے ہاتھ میں ایک چراغ ہوتا تھا اس کو وہاں رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔

بعض مالداروں کا قاعدہ ہے کہ جب خیرات کرتے ہیں تو فقیر کو دیتے ہیں اور لوگ ان کو دیکھتے ہیں اس میں اپنی مدح چاہتے ہیں اور فقیر کا ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے' بعض ایسے ہیں کہ وہ دینار لیتے ہیں اور دینا کم و بیش چار دانگ کا ہوتا ہے' اکثر اوقات جھوٹے دینار ہوتے ہیں سب کے سامنے کھول کر ان کو خیرات کرتے ہیں' تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں امیر نے دینار فقیروں کو دیئے اس کے برخلاف متقدمین صلحاء کا قاعدہ تھا کہ ایک چھوٹے سے کاغذ میں بھاری دینار جو ڈیڑھ دینار کے وزن سے زیادہ ہوتا تھا لپیٹ کر چپکے سے فقیر کو دے دیا کرتے تھے' وہ فقیر جب کاغذ کو چھوٹا دیکھتا تھا تو خیال کرتا تھا کہ کچھ ذرا سا ٹکڑا اس میں ہوگا' پھر جب اس کو ٹٹولتا تھا اور اس کو گول پاتا تھا تو سمجھتا تھا کہ چاندی کا درم ہے' لہٰذا خوش ہوتا تھا' پھر جب دیکھتا تھا کہ دینار سے زائد ہے تو اس کی خوشی بہت بڑھ جاتی تھی لہٰذا ہر مرتبہ دینے والے کا ثواب دوچند ہو جاتا تھا۔ بعض مالدار ایسا کرتے ہیں کہ غیروں کو خیرات دیتے ہیں اور اپنے اقرباء کو چھوڑتے ہیں حالانکہ بہتر اقرباء کو دینا ہے' سلیمان بن عامر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ مسکین کو صدقہ دینا صرف ایک ہی صدقہ ہے اور رشتہ دار کو صدقہ دینا دو باتیں ہیں ایک صدقہ دوسرے صلہ رحم۔

بعض مالدار ایسے ہیں کہ اقارب کو صدقہ دینے کی فضیلت جانتے ہیں مگر ان میں باہم عداوت ہوتی ہے لہٰذا باوجود اقرباء کی محتاجی کا علم ہونے کے ان کی خبرگیری سے باز رہتے ہیں حالانکہ اگر ان کی اعانت کرتے تو تین ثواب پاتے ایک صدقہ' دوسرے قرابت' تیسرے خواہش نفسانی کا مارنا' ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جو کینہ رکھنے والے رشتہ دار کو دیا جائے' مصنفؒ نے کہا یہ صدقہ افضل اس لیے ہے کہ خواہش نفسانی کی مخالفت کی جاتی ہے' کیونکہ جو شخص اپنے رشتہ داروں کو محبت کی وجہ سے صدقہ دے گا تو وہ اپنی خواہش پر خیرات کرے گا۔

بعض مالدار ایسے ہیں کہ خیرات کرتے ہیں اور اپنے گھر والوں کو نفقہ دینے میں تنگی کرتے ہیں' ابو زبیر رحمۃ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہتے تھے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جو اپنی فراغت کے بعد ہو اور پہلے ان کو دو جو تمہارے عیال ہیں اور نیز ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ دو' ایک آدمی نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے آپؐ نے فرمایا اس کو اپنے اوپر صرف کرو' اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے' فرمایا اس کو اپنی بی بی پر صرف کرو' وہ بولا میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا اسے اپنی اولاد کو دو' کہنے لگا میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا اس کو اپنے نوکر کو بخشو' اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا اب تم جانو تمہارا کام جانے۔

بعض کا قاعدہ ہے کہ وصیت کرنے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور حقیقی وارث کو محروم رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا مال ہے جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور نہیں یاد رکھتے کہ ان کے بیمار ہوتے ہی وارثوں کے حقوق اس مال کے متعلق ہو گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وصیت کرتے وقت خیانت کرے گا وبا میں پھینکا جائے گا۔ وبا دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے' اعمش نے خیثمہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان کہتا ہے کہ فرزند آدم مجھ پر غالب نہیں آتا اور اگر غالب بھی آتا ہے تو میں اس کو تین باتوں کا حکم کرتا ہوں' مال کا ناحق لینا' ناحق میں صرف کرنا' حق سے باز رکھنا'

فصل

فقراء کو بھی شیطان نے فریب دیا بعض فقراء ایسے ہیں کہ فقر کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ غنی ہوتے ہیں' اب اگر بغیر ضرورت وہ سوال کرتے ہیں اور لوگوں سے کچھ لیتے ہیں تو فقط آتش دوزخ جمع کرتے ہیں' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مال بڑھانے (جمع کرنے) کے لیے لوگوں سے سوال کرتا ہے تو وہ آگ کے انگارے مانگتا ہے اب چاہے کم کرے یا زیادہ کرے' اور اگر یہ شخص لوگوں سے کچھ سوال نہیں کرتا اور اظہار فقر سے اس کی مراد یہ ہے کہ لوگ اس کو مرد زاہد کہیں تو ریا کار ہے' اور اگر اللہ تعالیٰ نے جو نعمت بخشی ہے اس کو چھپا کر فقر کا اظہار اس لیے کرتا

ہے کہ خیرات نہ کرنا پڑے تو اپنے بخل کے ساتھ خدا کا ناشکر گزار ہے اور ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پھٹے پرانے حال میں دیکھا' دریافت فرمایا کہ تیرے پاس کچھ مال ہے' جواب دیا ہاں' فرمایا کہ پھر خدا کی نعمت کا اظہار کرنا چاہیے اور اگر فقیر محتاج ہو تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ فقر کو چھپائے اور تجمل کا اظہار کرے کیونکہ سلف میں اکثر ایسے بزرگ تھے جو اپنے ساتھ ایک کنجی رکھتے تھے اور خیال دلاتے تھے کہ ان کا کوئی گھر ہے' حالانکہ رات کو فقط مسجدوں میں رہا کرتے تھے۔

فقراء پر ایک شیطان کا فریب یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو مالدار سے اچھا سمجھتے ہیں اس لیے کہ جس چیز کی مالدار کو رغبت ہے یہ لوگ اس سے بے رغبت ہیں' حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ خیر و صلاح ایک چیز کے عدم و وجود پر موقوف نہیں بلکہ اس کے علاوہ ایک اور امر پر منحصر ہے۔

اکثر عوام کو شیطان نے فریب دیا کہ عادت کے موافق عمل جاری رکھیں اور یہی اسباب اکثر ان کی ہلاکت کے ہیں' ان باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ عوام اپنے اعتقاد میں اپنے باپ دادا اور بزرگوں کی تقلید کرتے ہیں' تم دیکھتے ہو کہ ایک عام آدمی پچاس برس تک اسی طریقہ پر زندگی بسر کرتا ہے' جس پر اس کا باپ تھا' اور اس بات کو نہیں دیکھتا کہ خطا پر تھا یا صواب پر' اسی قسم کی تقلید یہود و نصاریٰ اور اہل جاہلیت اپنے اسلاف کی کرتے تھے اور اسی طرح مسلمان اپنی نماز اور عبادتوں میں عادت کے موافق عمل کرتے ہیں' ایک آدمی برسوں زندہ رہتا ہے اور جس طرح لوگوں کو دیکھتا ہے اسی طرح نماز پڑھ لیا کرتا ہے حالانکہ سیدھی طرح الحمد نہیں پڑھ سکتا' اور نہ یہ جانتا ہے کہ واجبات کیا ہیں؟ اس قدر سیکھ لینے کی توفیق اس کو اس لیے نہیں ہوتی کہ دین کو فضول سمجھتا ہے اور ہاں اگر تجارت کا ارادہ کرے تو سفر سے پیشتر اس شہر کے اخراجات کا حال پوچھتا پھرتا ہے' تم دیکھتے ہو کہ ایک آدمی امام سے پہلے رکوع اور سجدہ کرتا ہے' اور اتنا نہیں جانتا کہ جب امام سے پہلے رکوع کیا تو ایک رکن میں اس کی مخالفت کی اور پھر جب امام سے پہلے سر اٹھایا تو دو رکنوں میں مخالفت ہو گئی' لہٰذا اس کی نماز باطل ہوئی' بسا اوقات امام کے ساتھ سلام پھیر دیتا ہے حالانکہ اس پر تشہد واجب باقی رہ گیا ہے جس کا ذمہ دار امام نہیں' لہٰذا

اس کی نماز باطل ہو گی' اکثر اوقات بعض لوگ فرض چھوڑتے ہیں اور نوافل زیادہ پڑھتے ہیں' اور بسا اوقات وضو میں بعض عضو مثلاً ایڑی خشک رہ جاتی ہے' اکثر اوقات ہاتھ میں انگوٹھی ہوتی ہے جو انگلی میں تنگ ہوا کرتی ہے وضو کے وقت اس کو پھراتے نہیں اور اس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا' لہٰذا وضو صحیح نہیں ہوتا' رہے ان کے معاملات تو خرید و فروخت میں ان کی یہ حالت ہے کہ اکثر فاسد ہوتے ہیں اور وہ شریعت کا حکم نہیں جانتے ان لوگوں پر یہ امر دشوار گزرتا ہے کہ معاملات میں کسی فقیہ کی تقلید کریں کیونکہ حکم شرعی کے تحت داخل ہونا ناپسند کرتے ہیں' بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی چیز فروخت کریں اور اس میں کھوٹ نہ ہو اور اس کا عیب نہ چھپایا گیا ہو' ردی سونے کا عیب جلا دیکر چھپاتے ہیں' حتیٰ کہ عورت سوت کات کر اس کو تر کر لیتی ہے تاکہ وزن بھاری ہو جائے۔

عوام کا عادات کے موافق عمل ایک یہ بھی ہے کہ رمضان شریف میں نماز فرض میں تاخیر کرتے ہیں' حرام مال پر افطار کرتے ہیں اور لوگوں کی غیبت کرتے ہیں' حالانکہ اگر لکڑی سے بھی مارا جائے تو عادت کے طور پر روزہ نہیں توڑے گا' کیونکہ عادتاً روزہ توڑنا برا سمجھا جاتا ہے'

بعض عوام وہ ہیں کہ کوئی چیز اجرت پر لینے سے ریا میں داخل ہو جاتے ہیں' کوئی کہتا ہے کہ میرے پاس بیس دینار ہیں اس کے سوا اور کچھ نہیں اگر خرچ کر ڈالوں تو ختم ہو جائیں گے' میں ان سے ایک مکان اجرت پر لوں اور اس کی اجرت کھاؤں' یہ شخص خیال کرتا ہے کہ اس کی یہ حرکت درست ہے بعض ایسے ہیں کہ مکان کو کچھ نقد پر رہن رکھتے ہیں اور اس کا سود ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ضرورت کی جگہ ہے' اکثر اوقات ایک شخص کے پاس دوسرا مکان ہوتا ہے اور اس کے گھر میں اس قدر اسباب ہوتا ہے کہ اگر اس کو بیچ ڈالے تو رہن رکھنے کی ضرورت نہ پڑے اور کرایہ لینے کی حاجت نہ ہو لیکن اس کو اپنے جاہ و مرتبہ کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ یوں نہ کہنے لگیں کہ فلاں شخص نے اپنا مکان بیچ ڈالا' یا وہ شخص تانبے کی جگہ مٹی کے برتن استعمال کرتا ہے۔

ان کا عادت کے موافق عمل کرنا یہ بھی ہے کہ کاہن اور نجومی اور رمال کے قول پر

اعتماد کرتے ہیں اور یہ امر لوگوں پر شائع (عام) ہے ہمیشہ سے بڑے بوڑھوں کی عادت رہی' کم تر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص سفر کرے یا کپڑے بدلے یا حجامت کرائے اور نجومی سے پوچھ کر اس کے قول پر عمل نہ کرے' ان کے گھر جنتری سے خالی نہیں رہتے اور بہت سے ایسے گھر ہیں جن میں کوئی قرآن شریف نہیں' صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ کسی نے آپ ؐ سے کاہن کے بارے میں پوچھا' آپ ؐ نے فرمایا کہ کوئی چیز نہیں' لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کاہن لوگ کبھی کبھی ایسی بات بیان کرتے ہیں جو ٹھیک ہوتی ہے' فرمایا کہ وہ کلمہ حق ہوتا ہے جس کو جن اچک لیتا ہے اور آ کر اپنے ساتھی کے کان میں پھونک دیتا ہے جس طرح مرغی چونچ مار کر ایک دانہ اٹھا لیتی ہے اور اس میں سو سے زیادہ جھوٹی باتیں ملا دیتا ہے' صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جوتشی (منجم) کے پاس آئے اور اس سے کچھ پوچھے تو چالیس روز اس کی نماز مقبول نہ ہو گی' ابو داؤد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات سچ جانے تو وہ شخص اس (دین) سے بیزار ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

عوام کی عادتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ریشم (کے لباس) اور سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں' اور اکثر بعض آدمی ریشم کے پہننے سے پرہیز کرتے ہیں پھر خاص وقت میں پہنتے ہیں مثلاً خطیب جمعہ کے دن۔

نیز ان کی عادات میں سے ہے کہ بری بات کا انکار کرنا مہمل جانتے ہیں' حتیٰ کہ ایک آدمی اپنے بھائی یا رشتہ دار کو دیکھتا ہے کہ شراب پیتا ہے ریشمی کپڑے پہنتا ہے اور اس پر انکار (اظہار ناپسندیدگی) نہیں کرتا اور نہ اس سے کچھ کشیدہ ہوتا ہے' بلکہ گہرے دوست کی طرح اس سے میل جول رکھتا ہے۔

ایک ان کی عادت یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے گھر کے دروازے پر چبوترا بناتا ہے جس سے مسلمانوں کا عام راستہ تنگ ہو جاتا ہے کبھی اس کے گھر کے دروازے پر بہت سا بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے جس کا دور کرنا اس پر واجب ہے اور وہ نہیں کرتا' بعض دفعہ

اپنے گھر کے دروازے پر چھڑکاؤ کرتا ہے اور زیادہ پانی ڈالتا ہے ایسے میں کوئی وہاں پھسل کر گر پڑے تو اس پر ضمان (جرمانہ) واجب ہے اور اس کا اس کو گناہ ہوا کہ مسلمانوں کی اذیت کا سبب بن گیا ہے۔

ایک ان لوگوں کی یہ عادت ہے کہ (بازاری) حمام میں بغیر تہبند کے داخل ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جب تہبند باندھے داخل ہوتے ہیں تو سمیٹ کر تہبند کو رانوں پر ڈال لیتے ہیں جس سے سرین کے دونوں جانب نظر آتے ہیں' اور بدن ملنے والے کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں' وہ شرمگاہ کا بعض حصہ دیکھتا ہے کیونکہ شرمگاہ گھٹنے سے ناف تک ہے' پھر خود وہ شخص دوسرے لوگوں کی شرمگاہیں دیکھتا ہے' نہ باہم آنکھیں نیچے کرتے ہیں نہ اس پر انکار کرتے ہیں۔

ایک ان کی عادت یہ ہے کہ بی بی کا حق پورے طور پر ادا نہیں کرتے' بعض وقت بی بی کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنا مہر معاف کر دے اور اس طرح خاوند خیال کرتا ہے کہ اس کے ذمہ سے بی بی کا مہر ساقط ہو گیا' بعض آدمی ایک بی بی کی جانب دوسری بی بی کی نسبت زیادہ متوجہ ہوتے ہیں' لہٰذا تقسیم (اور عدل) میں حد سے تجاوز کرتے ہیں' اس بات کو سہل انگاری سمجھ کر خیال کرتے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ ؐ نے فرمایا جس شخص کی دو بیبیاں ہوں اور ایک کی دوسری سے زیادہ وقعت کرے قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اپنا ایک جانب کا دھڑ کھینچتا ہو گا' جو گرتا ہوا یا جھکتا ہوا ہو گا۔

ایک ان لوگوں کی عادت ہے کہ میت کو تابوت میں رکھ کر دفن کرتے ہیں اور یہ فعل مکروہ ہے اور کفن گراں قیمت کا بناتے ہیں حالانکہ کفن اوسط درجہ ہونا چاہیے اور میت کے ساتھ اس کے سب کپڑے دفن کرتے ہیں حالانکہ یہ حرام ہے کیونکہ اس میں مال ضائع کرنا ہے اور میت پر نوحہ و ماتم قائم کرتے ہیں' صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نوحہ کرنے والی عورت اگر مرنے سے پہلے توبہ کرے گی تو قیامت کے دن کھڑی کی جائے گی اور اس کے جسم پر ایک گندھک کا کرتہ اور خارش کی چادر ہو گی' صحیحین میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو گریبان

پھاڑے اور اپنے منہ پر طمانچے مارے اور جاہلیت کا کفر بکے' یہ لوگ میت کے بعد کم درجہ کا لباس پہنتے ہیں اور مہینوں اور برسوں یہ حالت رکھتے ہیں' اکثر اس مدت میں کوٹھے پر نہیں سوتے' ایک ان کی عادت ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات کو قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور وہاں جا کر آگ جلاتے ہیں اور بڑے بزرگ کی قبر سے مٹی (بطور تبرک) لیتے ہیں۔

ابن عقیل نے کہا جب جاہلوں اور پیٹ کے بندوں پر شرعی تکلیفیں سخت پڑیں تو انہوں نے شرعی طریقے چھوڑ کر ان طریقوں کی تعظیم شروع کی جن کو خود انہوں نے اپنے لیے مقرر کیا ہے وہ طریقے ان کو آسان معلوم ہوئے کیونکہ ان کی بدولت کسی غیر کے حکم کے تحت ہو کر نہ رہے' یہ لوگ میرے نزدیک کافر ہیں' جنہوں نے ایسے طریقے نکالے' مثلاً قبروں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان سے لپٹتے ہیں شریعت نے انہی باتوں سے منع کیا ہے کہ قبروں پر آگ جلائی جائے اور ان کو بوسہ دیا جائے اور ان پر حلقہ باندھا جائے اور اپنی حاجتوں میں میت کو خطاب کیا جائے اور اس مضمون کے رقعے لکھے جائیں کہ اے میرے آقا میرے لیے ایسا ایسا کر دیجئے اور تبرکا" قبر کی مٹی لی جائے اور قبروں پر خوشبو چھڑکی جائے اور دور دور سے قبروں پر سفر کر کے آئیں اور خرقے درخت پر ڈالے جائیں' یہ سب حرکتیں ان لوگوں کی پیروی ہے جو لات و عزیٰ کو پوجتے تھے تم کو کوئی ان لوگوں میں ایسا نہ ملے گا جو (ان بدعات کو چھوڑ کر کسی احکام الٰہی مثلاً) زکوٰۃ کے بارے میں تحقیق کرے اور وہ حکم دریافت کرے جو اس پر لازم ہے' ان کے نزدیک قابل افسوس وہ شخص ہے جو مشہد الکھف کو بوسہ نہ دے اور چہار شنبہ کے روز مسجد مامونیہ کی دیواریں نہ چھوئے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنازہ حمالوں نے نہیں اٹھایا تھا' اس کے ساتھ نوحہ خوانی نہیں ہوئی تھی' ان کی قبریں چونے اور اینٹ سے گچ نہ کی گئی تھیں' دامن تک ان کے کپڑے چاک نہیں کیے اور قبر پر گلاب کا عرق نہیں چھڑکا اور کپڑوں سمیت ان کو دفن نہیں کیا۔

فصل

عورتوں کو جو شیطان نے فریب دیئے ہیں وہ بہت کثرت سے ہیں' میں نے جداگانہ عورتوں کے لیے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان کے متعلق تمام عادات وغیرہ کا ذکر کیا' اس مقام پر چند امور بیان کرتا ہوں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورت زوال کے بعد حیض سے پاک ہوتی ہے اور عصر کے وقت غسل کرتی ہے اور فقط عصر کی نماز ادا کرتی ہے اس کو خبر نہیں کہ ظہر بھی اس کے ذمہ واجب ہو چکی تھی' بعض عورتیں ایسی ہیں کہ دو دو دن تک غسل نہیں کرتیں اور عذر پیش کرتی ہیں کہ کپڑوں کو دھونا ہے اور حمام میں جانا ہے' رات کو غسل جنابت میں تاخیر کرتی ہیں' یہاں تک کہ دن نکل آتا ہے' اور جب کوئی عورت (بازاری) حمام میں داخل ہوتی ہے تو تہبند نہیں باندھتی اور سمجھتی ہے فقط تین ہی تو ہیں' میں ہوں' میری بہن ہے' لونڈی ہے' یہ سب میری طرح عورتیں ہیں' پھر پردہ کس سے کروں' حالانکہ یہ تمام باتیں حرام ہیں غسل میں تاخیر کرنا بلا عذر جائز نہیں' اور نہ عورت کو یہ روا ہے کہ دوسری عورت کا جسم ناف سے گھٹنوں تک دیکھے خواہ بیٹی ہو یا ماں ہو اگر لڑکی چھوٹی ہو تو کچھ حرج نہیں' لیکن جب سات برس کی ہو جائے تو اس سے پردہ کرنا چاہیے اور اس کو بھی پردہ کرنا چاہیے۔

بعض اوقات عورت بیٹھ کر نماز پڑھتی ہے حالانکہ کھڑے ہونے کی قدرت رکھتی ہے ایسی حالت میں نماز باطل ہوتی ہے۔

کبھی عذر پیش کرتی ہیں کہ آج بچہ نے کپڑے نجس کر دیئے حالانکہ اس کے دھونے پر قادر ہے اور کہیں جانے آنے کا ارادہ کرے تو خوب آرائش کرے اور مانگ نکال کر کپڑے بدلے مگر نماز اس کے نزدیک ایک امر سہل ہے اکثر عورتیں نماز کے واجبات کچھ نہیں جانتیں ہیں اور کسی سے نہیں پوچھتیں' اکثر عورتوں کا وہ بدن نماز میں کھل جاتا ہے جو نماز کو باطل کرتا ہے اور وہ اس میں کچھ قباحت نہیں سمجھتیں'

بعض عورتیں حمل ساقط کر دینے کو آسان سمجھتی ہیں اور یہ نہیں جانتیں کہ روح دمیدہ کو ساقط کر دیں گی تو ایک مسلمان کا خون کریں گی' پھر جو کفارہ ان پر واجب ہو اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتیں کفارہ یہ ہے کہ عورت توبہ کرے اور اس کی دیت اس کے وارثوں کو دے اور وہ دیت ایک غلام یا لونڈی ہے جس کی قیمت اس بچے کے ماں یا باپ

کی دیت کا بیسواں حصہ ہو اور اس دیت کے مال سے اس ماں کو جس نے حمل ساقط کیا کچھ ورثہ نہ ملے گا' اگر دیت نہ دے سکے تو ایک غلام آزاد کردے اور اگر غلام آزاد نہ کر سکے تو دو مہینے کے روزے رکھے۔

کبھی عورت اپنے خاوند کے ساتھ رہنے سہنے کو برا کہتی ہے اور کبھی خاوند کو برے کلموں سے یاد کرتی ہے اور کہتی ہے کہ تو میری اولاد کا باپ ہے اور ہم دونوں میں معاملہ اس اس طرح ہے اور خاوند کی اجازت کے بغیر کہیں چلی جاتی ہے اور کہتی ہے کہ کسی گناہ کے ارادے سے تو نہیں گئی تھی' حالانکہ فقط اس کا گھر سے نکلنا فتنہ سے خالی نہیں۔

بعض عورتیں ایسی ہیں کہ قبروں پر جا کر بیٹھ رہتی ہیں اور شوہر کے سوا دوسروں کے ماتم کے لیے ماتمی لباس پہنتی ہیں اور سوگ مناتی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کو جائز نہیں کہ کسی میت کے سوگ میں بیٹھے بجز اپنے شوہر کے کہ اس (شوہر) کا سوگ چار مہینے دس روز تک کرے۔

بعض اوقات عورت کو اس کا شوہر اپنے بستر پر بلاتا ہے وہ انکار کر دیتی ہے اور سمجھتی ہے کہ ایسا کرنا کوئی گناہ نہیں' ابو حازم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی اپنی بی بی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کرے جس سے رات بھر اس کا شوہر اس پر ناراض رہے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں' یہ حدیث صحیحین میں ہے۔

کبھی عورت اپنے شوہر کے مال میں تصرف کرتی ہے' حالانکہ اس کو جائز نہیں کہ شوہر کے گھر سے بغیر اس کی اجازت و رضا مندی کے کوئی چیز نکالے' بعض اوقات اس شخص کو کچھ دیتی ہے جو اس کے لیے کنکریوں سے کھیلتا ہے یا اس کو شوہر کی محبت کے لیے تعویذ گنڈا پھونک پڑھ کر دیتا ہے حالانکہ یہ سب حرام ہے اور کبھی لڑکوں کے کان چھدانے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتیں' حالانکہ یہ حرام ہے' اور اگر ایسی باتوں سے بچی رہی اور مجلس وعظ میں آنے لگی تو بسا اوقات شیخ صوفی کے ہاتھ سے خرقہ پہنتی ہے اور اس سے مصافحہ کرتی ہے اور ان بزرگ کی بیٹیوں میں داخل ہو جاتی ہے اور عجائب

حرکات میں پھنس جاتی ہے' ہم کو اسی قدر بیان پر اقتصار کر کے عنان قلم کو روکنا چاہیے' کیونکہ یہ امر بہت طویل ہے' اگر ہم بیانات مذکور ہی کو شرح و بسط سے بیان کریں تو یہ کتاب کئی جلدوں میں جمع ہو' ہم نے فقط تھوڑا سا بیان کیا ہے' اللہ تعالیٰ ہم کو خطاؤں اور لغزشوں سے بچائے رکھے اور نیک بات اور نیک کام کی توفیق دے۔ (آمین)

باب سیزدہم

طول امل کے ساتھ تمام لوگوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف ؒ نے کہا اکثر یہودی اور نصرانی کے دل میں محبت اسلام گزرتی ہے' ابلیس ہمیشہ اس کو مشغول رکھتا ہے اور کہتا ہے جلدی نہ کر اور اچھی طرح سمجھ بوجھ لے' اسی طرح اس کو ٹالتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسی کفر پر مرجاتا ہے' اسی طرح گنہگار کو توبہ کے لیے ٹالتا ہے اور اس کو شہوات سے غرض حاصل کرنے میں جلدی کراتا ہے اور توبہ کر لینے کی آرزو دلاتا ہے چنانچہ کسی (گمراہ) شاعر کا شعر ہے۔

لا تعجل الذنب لما تشتهی
وتامل التوبه من قابل

ترجمہ! تو خواہش کے مطابق گناہ میں جلدی کر اور آئندہ سال توبہ کرنے کی امید رکھ۔

بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے نیکی کا ارادہ کیا شیطان نے ان کو ٹال دیا اور بہت سے وہ ہیں جنہوں نے مقام فضیلت پر پہنچنے کی کوشش کی' شیطان نے ان کو دوسری طرف لگا دیا' بسا اوقات فقیہ آدمی اپنے درس کو دوبار دیکھنا چاہتا ہے' شیطان اس سے کہتا ہے تھوڑی دیر آرام کرلے یا عبادت کرنے والا رات کو نماز پڑھنے کے لیے اٹھتا ہے اس سے کہتا ہے کہ ابھی تیرے لیے بہت وقت ہے اسی طرح ہمیشہ کسل اور سستی کی محبت دلاتا رہتا ہے اور عمل میں ٹالا کرتا ہے اور نہایت طول امل پر حالت پہنچ جاتی ہے لہٰذا عقل مند کو چاہیے کہ دور اندیشی پر عمل کرے۔ وقت کا خیال رکھے اور آئندہ پر کام موقوف رکھنا چھوڑ دے اور امید کرنے سے روگردانی کرے کیونکہ جس شخص کو خوف دلایا گیا ہے

وہ نذر نہیں ہوا کرتا اور گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا' تمام نیکی میں کوتاہی اور بدی میں رغبت کرنے کا سبب طول امل ہے اور آدمی ہمیشہ اپنے جی میں باتیں کیا کرتا ہے کہ برائیاں چھوڑ کر نیکیاں کرے لیکن اس کا نفس یہ وعدہ ہی دیتا رہتا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جس شخص کو یہ امید ہو کہ شام تک چلے گا تو دن بھر سست رفتار رہے گا اور جس کو صبح تک زندگی کی امید ہو گی تو رات میں کام کرے گا اور جو کوئی موت کی صورت سامنے تصور کرے گا وہ کوشش میں سرگرم ہو گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جو نماز ادا کیا کرو اس کو رخصتی اور آخری نماز سمجھا کرو۔

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ میں تم کو لفظ ''عنقریب'' سے ڈراتا ہوں کیونکہ یہی لفظ شیطان کا بڑا لشکر ہے' مطلب یہ ہے کہ یوں نہ کہنا چاہیے کہ میں عنقریب ایسا کر لوں گا یا آئندہ چل کر دیکھا جائیگا جو شخص دور اندیشی پر عمل کرتا ہے اور جو طول امل کی وجہ سے ٹھہر جاتا ہے' ان دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ سفر میں گئے اور ایک گاؤں میں داخل ہوئے' دور اندیش آدمی گیا اور سفر کے لیے جو ضروری چیزیں تھیں وہاں سے خرید لیں اور کوچ کرنے کے لیے تیار ہو بیٹھا' کوتاہی کرنے والے نے دل میں کہا کہ عنقریب تیار ہو جاؤں گا' کیونکہ اکثر ہم نے ایک ایک مہینہ قیام کیا ہے' اتنے میں ایک دم کوچ کا نقارہ بج گیا' دور اندیش نے فوراً اپنی گٹھری سنبھالی اور کوتاہی کرنے والا افسوس اور رشک کرتا رہا' اسی طرح جب ملک الموت آ جائے گا تو پہلے شخص کو کچھ ندامت نہ ہو گی' اور دوسرا جس نے آئندہ پر کام اٹھا رکھا اور (عنقریب کا) دھوکا کھایا' موت کے وقت نادم ہو کر شور و غل مچائے گا' جب طبیعت میں کاہلی اور طول امل کی محبت ہوتی ہے' پھر شیطان آ کر ابھارتا ہے کہ مقتضائے طبیعت پر عمل کرے تو جفاکشی اور محنت گراں گزرتی ہے' مگر جو شخص اپنے نفس کو بیدار کرے وہ جان لے گا کہ میں لڑائی کی صف میں ہوں اور دشمن بھاگتا نہیں اور اگر بھاگ بھی جاتا ہے تو خفیہ طور پر اس کے لیے کوئی مکر و فریب کرتا ہے' لہٰذا وہ شخص دشمن کے لیے کمین گاہ قائم کرے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ دشمن کے مکر سے ہم کو سلامت رکھے اور دنیا کے فتنوں اور نفس کی شرارتوں سے بچائے' وہی (اللہ) قریب و مجیب ہے (غرض دنیا کے

لوگوں کی مثال یہ ہے' بعض ان میں وہ بھی ہیں' جو مستعد اور بیدار دل ہیں) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی انہیں مومنوں میں سے کرے (آمین)

TALBEES-E-ABLEES

MAKTABA-E-REHMANIA

MAKTABA-E-REHMANIA
IQRA CENTER GHAZNI STREET URDU BAZAR
LAHORE - PAKISTAN